پارہ ۱۲

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

مفتاح کنوز اسرار ربانی منشور لامع النور فیوض سبحانی مجموعۂ معارف حقائق ذخیرۂ اسرار و دقائق جس میں تفسیر شیخ امام عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی اور تفسیر امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری وغیرہ اکابر ائمہ کے افادات کیساتھ بہت سے مفید التزامات کی رعایت کیگئی ہے عماد دین و ایمان،

الموسوم بہ

تفسیر مواہب الرحمن

المشتہر

مع جواہر البیان

مصنفہ

حبر العلوم العقلیۃ والنقلیۃ بحر الفنون الفرعیۃ والاصلیۃ قاطع شبہات الملحدین دافع مکائد الغابرین حاوی الفضائل والفواضل عمدۃ الاجلۃ والاماثل المتفرد بالعلم الخفی والجلی مولانا مولوی سید امیر علی صاحب فتاوی الہندیہ ترجمۂ عالمگیریہ عین الہدایہ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ مزید اہتمام اور حسن انتظام سے

باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں چھپی

۱۹۳۲ء

اعلان حق تالیف و تصنیف اس کتاب کے انتساب کا بحق نولکشور پریس لکھنؤ محفوظ و محدود ہے۔

اطلاع ۔ اس مطبع مین ہر علم وفن کی کتب کا ذخیرہ فروخت کے لئے موجود ہے جس کی فہرست ہر ایک شائق کو چھاپہ خانہ سے مل سکتی ہے جسکے معائنہ وملاحظہ سے شائقین اصلی حالات کتب معلوم فرما سکتے ہیں قیمت بہت مناسب ہے بعض کتاب کے ٹیٹل پیج کے تین صفحہ جو سادے تھے ان مین بعض کتب اردو وفارسی وعربی کے درج کرتے ہیں تاکہ بعض کتب موجودہ کارخانہ سے قدردانون کو آگاہی کا ذریعہ حاصل ہو۔

تفاسیر قرآنی اردو

تفسیر قادری ۔ ترجمۂ اردو تفسیر حسینی مترجمہ مولوی فخر الدین صاحب کامل دو جلدمیں ۱۲؎ ر

تفسیر سورۂ فاتحہ ۔ مسمّٰی بہ تحفۃ الاسلام از مولوی اکرام الدین ۔ ۲۰ ر

تفسیر سورۂ یوسف ۔ چہ مصرعہ از مولوی اشرف علی ۔ ۵ ر

پنجسورہ مترجم ۔ باترجمۂ اردو ۔ ۲ ر

ایضاً فارسی

تفسیر حسینی از ملا حسین واعظ متعارف سند اول پوری تفسیر خوشخط مجلد ۳؎ ر

تفسیر اسرار الفاتحہ مصنفہ ملا معین ہروی در تصوف ۱۲ ر

ایضاً عربی

تفسیر بے نقط فیضی ۔ مسمّٰی بہ سواطع الالہام علم کے سر کا تاج یعنی جو کتاب خزانۂ اکبری شہنشاہ اکبر مین گوہر نایاب مخفی تھی اپنے خزانہ کی منزلت کیلئے عجیب صنعت ہو بالکل بے نقط اسپر عجیب بلاغت وسلاست پھر مبتدا وخبر اور شرط وجزا کی اصطلاح بے نقط فرعون وقارون کا نام بے نقط رواۃ کا ترجمہ بے نقط شہنشاہ ہند کا عزت کرنا واقعی بجا تھا اور فیضی مصنف کا فخر زیبا ویساہی پایا جیسا سنا تھا مطبع کی تمام کوشش سے نہایت

نفیس نسخہ ملا جسکو جواہر رقم خوشنویس نے لکھا بہت عمدہ چھپا ۔ لعہ بلا جلد ۔ مجلد ۱۲؎ ر

احادیث اردو

مظاہر حق ۔ ترجمۂ مشکوٰۃ المصابیح مترجمہ جناب مولانا محمد قطب الدین دہلوی مرحوم ومغفور کامل چار جلدمین ہی حامل المتن یعنے اول عبارت عربی حدیث کی بعدہٗ اسکا ترجمہ اردو میں اس مرتبہ اسمیں ترجمہ اسماء الرجال کا بھی اضافہ کیا گیا ہے ۱۵؎ ر

تحفۃ الاخیار ۔ ترجمۂ اردو مشارق الانوار مترجمہ مولوی خرم علی ۔ ۱۲ ر

ترجمہ جامع ترمذی حامل المتن جلد اوّل مترجمہ مولوی فضل احمد انصاری دلاوری لاہوری ۔ یہ ترجمہ لفظی بصرف زر کثیر مطبع نے کرایا ہے اور حقوق ترجمہ بحق مطبع محفوظ ومحدود ہیں ۔ للعہ ر

ایضاً جلد دوم حسب مراتب بالا ۔ ۳؎ ر

حدیث فارسی

اشعۃ اللمعات حامل المتن شرح مشکوٰۃ از مولانا عبد الحق محدث دہلوی چار مجلدات مین جدید الطبع ۱۵؎ ر

ایضاً عربی

تیسیر الوصول الی احادیث جامع الاصول از شیخ عبد الرحمن بن علی یمنی معروف ۔ ۳؎ ر

دلائل الخیرات ۔ باترجمۂ فارسی واسماء متبرکہ

درخواص اسماء حسنیٰ معروف ۔ ۱۲ ر

زاد السبیل الی الجنۃ والسلسبیل ذخیرہ احادیث مؤلفہ مولانا غلام یحییٰ ۔ ۵ ر

فقہ اردو

غایۃ الاوطار ۔ ترجمۂ اردو درمختار مترجمہ مولوی خرم علی ومولوی محمد احسن کامل چار جلدیں ۱۲؎ ر

راہ نجات ۔ ضروری مسائل نماز وروزہ وغیرہ ۱ ر

مفتاح الجنۃ ۔ از مولوی کرامت علی جونپوری ۵ ر

حقیقۃ الصلوٰۃ ۔ مع رسالۂ بے نمازان ۔ ۱ ر

ترجمۂ فتاوی عالمگیری ۔ اس مستند کتاب کا ترجمہ مولانا احتشام الدین اور جناب مولانا امیر علی صاحب نے فرمایا ہے اس دفعہ ضخامت کی وجہ سے دس جلدون مین شائع کیا ہی قیمت کامل ۵۰؎ ر

کشف الحاجۃ ۔ ترجمۂ اردو مالا بدمنہ از مولوی محمد نور الدین ۔ ۴ ر

ہزار مسئلہ ۔ بشامل ہفت رسالہ (۱) ہزار مسئلہ (۲) مسائل ثمانیہ (۳) صد وسی مسئلہ (۴) مناجات بدرگاہ باری تعالی (۵) حلیۂ شریف (۶) نور نامہ (۷) چہل مسائل مؤلفہ مولوی عبد اللہ بن عبد السلام ۔ ۲ ر

شرع محمدی ۔ منظوم مسائل فقہیہ از محمد خان قندھاری ۔ ۳ ر

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U47146

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ

اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر

إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○

مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی اور جانتا ہے جہاں ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے سب موجود ہے کھلی کتاب میں

دآبۃ بتشدید بار موحدہ ماد بّ علی الارض۔ جو چیز زمین پر رینگے یا حرکت و سیر کرے پس چیونٹی وغیرہ حشرات الارض کو بھی شامل ہے اور یہی یہان مراد ہے اور عرف مین چارپایہ پر اور عرف خاص مین گھوڑے پر بولتے ہین۔ وہ مراد نہین ہے۔ ما نافیہ۔ اور مَن دابۃ مین مَن زائدہ بغرض استغراق نفی ہے علی اللہ مین کہا گیا کہ علی وجوب کیلئے اور کہا گیا کہ نہین وسیاق الکلام فیہ بیضاوی رح نے کہا کہ گویا اس آیت سے یہ بیان مراد ہے کہ اللہ تعا تمام معلومات سب کا عالم ہے جیسے مابعد مین تمام ممکنات پر قدرت والا ہونے کا بیان ہے تاکہ توحید خوب محقق ہو جاوے۔ فرمایا۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اور نہین کوئی دابہ مین ہین اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا مگر آنکہ اللہ تعالیٰ پر ہے اُسکا رزق یعنی اُسکی غذا و معاش جو کچھ ہو وہ اللہ تعالیٰ پر ہے کیونکہ اُسنے تفضل و رحمت سے اُسکا تکفل فرما لیا ہے پس کوئی یہ وہم نہ کرے کہ او تعالیٰ پر بھی یہ امر واجب ہے۔ بیضاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ علی اللہ بحرف وجوب فقط اسواسطے فرمایا کہ جب اُسنے تفضل و رحمت سے تکفل فرمایا تو ضرور ہر دابہ کو اسکا رزق پہونچے گا اور اسیلئے کہ مخلوق اس بارہ مین اسپر توکل کرین۔ اور کمالین مین کہا کہ یہ اگرچہ محض تفضل ہے لیکن جب اُسنے یہ ضمانت کر لی کہ مخلوق پر تفضل فرماویگا تو اس تفضل کا مرجع واجب ہوا جیسے بندون کی نذر کر لینے کا حال ہے۔ امام رازی رح نے کہا کہ رزق تو اللہ تعالیٰ پر بسبب وعدہ و تفضل و احسان کے واجب ہے تو یہ بندون کی نذرون کے معنی مین ہوگا بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہین ہے جیسا کہ ظاہر کلام بیضاوی رح ہے اور حاصل یہ ہے کہ وجوب یہان وجوب اختیاری ہے نہ وجوب التزامی پس رزق اسکی مشیت پر موکول ہے چاہے دے اور چاہے نہ دے۔ اور بعض نے کہا کہ علی اللہ بمعنی من اللہ ہے۔ مجاہد رح نے کہا کہ دابہ کو جو رزق پہونچا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کبھی رزق نہین دیتا کہ وہ بھوک سے مرجاتا ہے مترجم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر وجوب تعبدی کے معنی متصور ہی نہین ہین ولیکن اس سے یہ لازم نہین کہ وہ اپنی مخلوق کے ارزاق کا متکفل نہ ہو کیونکہ اسکے سوائے کوئی رازق و رزاق نہین ہے اور احادیث مین تصریح ہے کہ ہر ایک مخلوق کا رزق و اجل وغیرہ قبل پیدائش کے اللہ تعالیٰ مقدر فرماتا ہے ہان جیسے ابتدائے آیت مین گذرا کہ باعتبار نیک و بد اعمال کے تمتع پاکیزہ و تمتع ناپاک سے فرق ہوتا ہے لہٰذا ابن کثیر رح نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مین خبر دی کہ تمام دواب روئے زمین صغیر و کبیر کا خواہ بری ہو یا بحری ہو ہر ایک کے ارزاق کا اللہ تعالیٰ متکفل ہے۔ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔ اور وہ جانتا ہے ہر دابہ کے مستقر و مستودع کو یعنی کہان اُسکا مستقر ہے کہ وہان تک زمین مین سیر کرے اور کہان مستودع ہے کہ پھر وہان بسیرا لیوے۔ علی بن ابی طلحہ وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ مستقرہا یعنی زندگی مین کہان ٹھکانا لیتا ہے اور مستودعہا یعنی جہان مر کر مدفون ہوگا۔ مجاہد رح سے روایت ہے کہ مستقر سے رحم کا محل قرار مراد ہے اور مستودع سے صلب کا نطفہ مراد ہے اور یہی ضحاک و ابن عباس و ایک جماعت سے مروی ہے پس یہ سورۂ انعام کی آیت سے متوافق تفسیر ہوئی۔ الحاصل اللہ تعالیٰ ہر دابہ کو رزق دیتا ہے جہان کہین ہو بعد ازانکہ وہ دابہ محتاج غذا ہو گیا ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ جب تم مین سے کسی کی موت کسی زمین مین مقدر ہوگی تو وہان جانے پر اس کو کوئی ضرورت مجبور کریگی یہان تک کہ جب وہ انتہائے مقام پر پہونچ جاویگا

تو وہاں اسکی روح قبض کی جائے گی پس قیامت کے روز زمین عرض کریگی کہ یہ وہ ہے جو تونے مجھے ودیعت سونپا تھا۔ رواہ الحاکم وصححہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت کو ختم فرمایا بقولہ کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ ہر ایک ان دواب میں سے واس کا پورا حال مذکور ومثبت ہے لوح محفوظ میں۔ بالجملہ علم الٰہی اسطرح مخلوقات کو محیط اور سب اسطرح اسکے علم میں منحصر ومعلوم ہیں جیسے فرمایا۔ ومامن دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شیء ثم الیٰ ربہم یحشرون۔ اور دوسری آیت میں فرمایا۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ پس وہی اللہ تعالیٰ وحدہٗ خالق رازق ہے جس کے علم میں اسطرح مخلوق کے ارزاق ومستقر ومستودع کا انضباط ہے جس سے تجاوز نہیں ہوسکتا اور کفار مشرکین اپنی جہالت سے رزق وغیرہ کو شرکا کی طرف سے سمجھتے اور خالق عزوجل سے کفر کرتے ہیں ف فی العرائس قولہ ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا جمہور کو زبان توحید سے بلایا کہ متفرد ہو کر مقام رضا میں داخل ہوں اور مسند صفا پر بیٹھیں اور آئینہ قدر میں دیکھیں کہ سابقہ ازل میں جو رزق ہر ایک کے مقدر ہوا انھیں اسباب ظاہری سے اسی قدر اس کو ضرور پہونچے گا پس ان کے اسرار مطمئن ہو جاویں اور معلوم کرلیں کہ ہر دابہ کا رزق بقدر اس کے حوصلہ کے مقدر ہوا چنانچہ اشباح کے لیئے رزق ظاہری ہے اور ارواح کیلئے رزق مشاہدہ ہے اور اسرار کیلئے رزق وصل ہے اور نفس کیلئے رزق ہیبت اور عقل کیلئے رزق رغبت اور قلوب کیلئے رزق قرب ہے اور ملائکہ کیلئے رزق خوف وذکر ہے اور جنون کیلئے رزق زجر ووعید ہے رزق حیوان روح عنصر ہے۔ رزق حشرات خطرات تسبیح ہے۔ درندوں کا رزق یہ کہ افعال درندگی کی تاریکی میں کودپڑیں۔ طیور کا رزق یہ کہ فرح اور تہلیل کریں۔ انسان کا رزق جس سے وہ زندہ رہتا ہے قبض فعل وروح فعل ونور صفت ہے اور اسرار پر ظہور نور ذات ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے مصادر جمیع کو افعال وصفات سے جانتا ہے اور فرمایا۔ ویعلم مستقرہا ومستودعہا مستقر الارواح انوار ذات ہیں اور مستقر القلوب انوار صفات ہیں ومستقر العقول انوار افعال ہیں اور مستودع العقول عبادات ہیں اور مستودع القلوب مشاہدات ہیں ومستودع الارواح مکاشفات ہیں ومستقر الاشباح اکناف آیات ہیں اور مستودع انکا قبور مجاہدات ہیں مستقر العقول اذکار اور مستودع انکا افکار ہیں مستقر القلوب محبت اور مستودع انکا معرفت ہے مستقر الارواح توحید اور مستودع انکا فنا فی الموحد ہے مستقران سب کا اصلاب عدم اور مستودع انکا انوار قدم ہے۔ روایت ہو کہ شیخ یوسف بن حسین نے اس آیت کو پڑھا پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے تمام بندوں کو اسی پہ توکل واعتماد بتلایا ولیکن گویا سبھوں نے اس سے انکار کیا اور چند عاریتی چیزوں پر جن کے وے درحقیقت مالک نہیں ہیں اعتماد کیا سوائے فقرائے مہاجرین رضی اللہ عنہم کے کہ بالکل گھر بار چھوڑ کر اسی پہ متوکل ہوئے پھر یہ حرکت پیچھے فقرا صوفیہ میں جو ان کے قدم بقدم چلے جاری رہے پس مخلوق نے تو اسباب ہی پر اعتماد کیا اور اللہ تعالیٰ پر توکل سے منکر ہوئے اور اس فرقہ نے کسی سبب پر اعتماد سے انکار کیا بلکہ فقط مسبب عزوجل پر اعتماد کیا اور یہی کشادہ راستہ چلنا لوگوں پر سخت ہے بعض نے کہا کہ مستقرہا یعنی ظاہر اسلام اور مستودعہا یعنی باطن ایمان بعض نے کہا کہ مستقر یعنی مخلوق میں سے اور مستودعہا یعنی از حق تعالیٰ بعض نے کہا کہ مستقر طاعات میں اور مستودع احوال میں کہا جاتا ہے کہ عابدوں کا مستقر مساجد ہیں اور عارفوں کے مستقر مشاہد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نفوس مستودع التوفیق از حق تعالیٰ ہیں اور قلوب مستودع التحقیق از جانب حق تعالیٰ ہیں بعض نے کہا کہ قلوب مستودع معرفت ہیں اور معرفت اسمیں ودیعت ہے اور ارواح مستودع محبت ہیں پس محبت ان میں ودیعت ہے اسرار مستودع مشاہدات ہیں پس مشاہدات اللہ تعالیٰ کی ودیعتیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت ووحدانیت وکمال قدرت و عجیب حکمت کو بیان فرمایا بقولہ

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ
اور وہی ہے جنے بنائے آسمان اور زمین چھ دن مین اور تھا تخت اُس کا پانی پر
لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ
کہ تمکو آزماوے کون تم مین اچھا کرتا ہے کام اور اگر تو کہے کہ تم اُٹھوگے مرنے کے بعد
لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ
تو البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہین مگر جادو ہے صریح اور اگر ہم دیر لگادین اُن سے عذاب کو
اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ
ایک مدت گنے تک تو کہنے لگیں کیا روک رہا ہے اُسکو سنتا ہے جس دن آویگا ان پر نہ پھیرا جاویگا اُن سے
ع ۱ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝
اور اُلٹ پڑیگا اُن پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے

اس آیت مین اللہ تعالی نے ہر چیز پر اپنی قدرت کا حال بیان فرمایا کہ وہ ہر چیز پر ابتدائی پیدائش مین قادر تھا تو انتہائی بعث مین بدرجہ اولی قادر ہے اور تعلیم خلق کے لئے مخلوقات سماوی وارضی کو چھ روز مین پیدا کیا جن مین سے اول سنیچر اور آخر جمعہ ہے اور قبل اس کے اسکا عرش پانی پر تھا چنانچہ عمران بن حصین رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اقبلوا البشری یا بنی تمیم الحدیث یعنی بنو تمیم اور اہل یمن آئے تھے پہلے آپنے بنو تمیم سے کہا کہ اے بنو تمیم بشری قبول کرو۔ وے بولے کہ آپنے بشارت دی تو کچھ دیجئے۔ آپ نے اہل یمن سے فرمایا کہ اے اہل یمن تم بشری قبول کرو۔ وے بولے کہ ہم نے قبول کیا اب آپ ہم کو اول الامر سے آگاہ فرمایئے کہ کیونکر تھا آپنے فرمایا کہ ہر چیز سے پہلے اللہ تعالی تھا اور اُس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ مین اُس نے ہر چیز کا ذکر لکھا۔ عمران کہتے ہین کہ اتنے مین ایک نے آکر مجھ سے کہا کہ تیرا ناقہ اپنے عقال سے کھل گیا ہے۔ مین اسکی تلاش مین پیچھے گیا پھر مجھے نہین معلوم کہ میرے پیچھے کیا ہوا رواہ احمد اور یہ حدیث صحیحین مین الفاظ کثیرہ سے مروی ہے بعض روایت مین ہے کہ اہل الیمن نے کہا کہ ہم آپکے پاس اول الامر کو پوچھنے آئے ہین فرمایا کہ اللہ تعالی تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور ایک روایت مین ہے کہ اسکے سوائے کچھ نہ تھا اور ایک روایت مین اُسکے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور اُسکا عرش پانی پر تھا اور اُس نے ذکر مین یعنی کتاب لوح محفوظ مین ہر چیز لکھی پھر آسمانون و زمین کو پیدا کیا۔ صحیح مسلم مین عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ان اللہ قدر مقادیر الخلائق الحدیث یعنی آسمانون و زمین پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالی نے مقادیر خلائق کو مقدر کیا اور اُسکا عرش پانی پر تھا۔ بخاری رح نے اس آیت کی تفسیر مین حدیث ابو ہریرہ رض کو روایت کیا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ انفق علیک الحدیث یعنی تو خرچ کر تجکو نفقہ دیا جائیگا اور کہا کہ ید اللہ بھرا ہوا ہے اسکو نفقہ سحاء اللیل والنہار کچھ کم نہین کرتا اور کہا بھلا تم کو معلوم ہو تو مجھے بتلاؤ جب سے آسمانون و زمین کو پیدا کیا جو کچھ نفقہ دیا بیشک اس نے یمین سے کچھ کم نہین ہوا اور اسکا عرش پانی پر تھا اُسکے ہاتھ میزان ہے کہ پست و بلند فرماتا ہے عرش کا پانی پر ہونا قول مجاہد و وہب بن منبہ و ضمرہ و قتادہ و بہت سے علما کا ہے اور ربیع بن انس نے کہا کہ جب آسمانون و زمین کو پیدا کیا تو اس پانی کے دو حصے فرمائے ایک زیر عرش ہے اور ابن عباس نے فرمایا کہ عرش کا نام عرش اسکی اونچائی کے سبب سے ہوا۔ محمد بن اسحاق نے اس آیت مین کہا کہ ایسا ہی تھا جیسے اللہ تعالی نے خود بیان فرمایا کیونکہ سوائے

نی کے نہ تھا اور اسپر عرش تھا اور عرش پر ذوالجلال والاکرام وعزت وسلطان وملک وقدرت وحلم وعلم ورحمت ونعمت تھی وہی جو چاہتا ہے
رتا ہے ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ عرش پانی پر تھا اور پانی کس چیز پر تھا تو کہا کہ ہوا کی پشت پر تھا۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ سب شیخ ابن کثیرؒ
نے ذکر کیا اور جب اسقدر معلوم ہو گیا تو اب تفسیر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے فرمایا۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ
ہی پاک خالق ہے کہ جسنے پیدا کیا آسمانوں وزمین کو چھ روز میں مفسرؒ نے کہا کہ اول اسکا روز سنیچر تھا اور آخر اسکا روز جمعہ تھا۔ مدارک میں
ا کہ وہ چاہے ایک آن میں پیدا کرے پھر چھ روز میں پیدا کرنا مخلوق کو تعلیم ہے کہ آہستگی کے ساتھ معرفت میں کمال حاصل کرنے کو نفس سے
مجاہدہ رکھیں۔ واضح ہو کہ دوسری آیات میں خلق السموات دو روز میں وعلی ہذا زمین وغیرہ کا ذکر ہے پس یہاں کلام اجمالی ہو اور تفصیل
ملی بنا پر دوسری آیات کے یہ کہ آسمانوں کو دو روز میں مع اسکے عجائبات کے اور زمین کو دو روز میں اور زمین کی مخلوقات مثل حیوانات ونباتات
قوات وجمادات کو دو روز میں پیدا کیا اور ایام سے یہاں اوقات مراد ہیں لہذا ذکرہ بعضہم مترجم کہتا ہے کہ حدیث صحیح میں سنیچر واتوار ودوشنبہ
فیرہ کے ایام میں جمعہ تک ہر روز کی تفصیل پیدائش پہاڑ و درخت و دواب و نور وظلمت کا ذکر ہے پس ساعات مراد لینے سے یہ جواب ہو سکتا
ہے کہ زمین کے اوپر جو مخلوق ہے وہ منجملہ چھ اوقات میں سے دو وقت میں پیدا ہوئی اور دو وقت کی تفصیل یہ ایام ہیں فلیتامل فیہ پھر واضح
ہو کہ اصل اشکال اس مقام پر بعضوں کو یہ پیش آیا کہ دن نام ہے طلوع آفتاب سے غروب تک اور ہفتہ کے ایام میں سنیچر سے جمعہ تک نام مقرر
ہیں پھر جب آسمانوں وزمین کی پیدائش نہ تھی تو ایام کا وجود کیونکر ہوگا اور جب یوم نہ ہوا تو تخصیص سنیچر وغیرہ کی بدرجہ اولی نہ ہوگی اسی واسطے
صاحب فتح البیان نے لکھا کہ بعض نے کہا کہ مراد ایام سے آیت میں ایام معروفہ ہیں کہ اول روز سنیچر تھا اور آخر اسکا جمعہ تھا۔ پھر لکھا کہ
ٹھیک نہیں ہے اسواسطے کہ اسوقت زمین وآسمان وسورج نہ تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ اس مؤلف کی سخت بیباکی ہے اس نے کیونکر ایسی بات
غیر مستقیم کہا جو حدیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ اشکال دراصل حاشیہ جمل سے اسنے لیا چنانچہ جملؒ نے کہا ہے کہ اسمیں سخت اشکال یہ ہے
سنیچر وغیرہ کوئی متعین نہیں ہو سکتا مگر جبھی کہ بالفعل موجود ہو اور اس حال میں بالکل زمانہ نہیں تھا پھر تفصیل ایام کے کیونکر ہوگی پھر ہر ایک
کا مخصوص نام کیونکر ہوگا اور رہا یہ جواب کہ مراد ایام سے مقدار چھ روز کا وقت ہے اس سے یہ اشکال دفع نہیں ہوتا ہاں اس بات کا جواب
ہو سکتا ہے کہ زمانہ نہ تھا پس اس سے مندفع ہوا کہ اتنے زمانہ کی مقدار مراد ہے مترجم کہتا ہے کہ منشاء اس اشکال کا فلسفی خیال کا دماغ
میں رسوخ ہے چنانچہ میں اسکی تفصیل کر کے اشکال دفع کرتا ہوں بحول اللہ تعالی وتوفیقہ۔ واضح ہو کہ زمانہ فلاسفہ خیال پر حرکت فلک اول کا
نام ہے اور شرع اسکی مثبت نہیں پس یہ محض اختراع عقلی ہے ہاں علم الٰہی غیر متغیر وغیر حادث ہے تو علم اسکا وجود زمانہ وایام وہر ایک کے
بین نام بنام میں قدیم سے یکساں ہے اور وجود بالفعل ان مخلوقات کیواسطے ضرور ہے جنمیں حدوث وحس ہے لہذا علم الٰہی میں وجود ان کا و
میں بدون قیاس حادث وغیرہ کے یکساں موجود تھا اور کوئی اشکال نہیں ہے پس جو آیات میں آیا صحیح ہے کہ آسمانوں وزمین
چھ روز میں پیدا کیا۔ حدیث میں آیا کہ اول سنیچر وآخر جمعہ ہے۔ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاۤءِ۔ اور تھا عرش اسکا پانی پر۔ سابق میں ذکر ہوا کہ
اس کی حقیقت معلوم نہیں ولیکن جو صورت خیال وعقل میں ایسی آوے کہ مخلوق سے خالق کی مشابہت لازم آوے وہ قطعاً خیال باطل ہے
لیس کمثلہ شئی۔ لہذا یہ تو صریح باطل ہے کہ عرش اللہ تعالی کا اٹھانے والا ہے ہاں بلا کیفیت وبدون تشبیہ کے ایمان لانا فرض اور
اہل السنۃ کا قول ہے۔ پھر واضح ہو کہ اللہ تعالی نے آیت میں اول مخلوق کا ذکر نہیں کیا پس بعض احادیث جو اول مخلوق کے بارہ میں ثابت
ئی ہیں وہ حقیقۃ یا اضافۃً صحیح ہیں ہاں آیت میں اسقدر بیان ہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے پانی تھا اور یہ ظاہر ہے اور

قولہ جعلنا من الماء کل شیئ حی - کے معنی یہاں سے خوب مرتبط ہیں بعض سلف سے منقول ہے کہ وضع عرش میں اب بھی تغیر نہیں جیسا پہلے تھا ویسا ہی اب ہے - ابو رزین العقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا فرمایا - کان فی عمار ما فوقہ ہواء وما تحتہ ہواء وخلق عرشہ علی الماء یعنی عمار میں تھا جسکے اوپر ہوا اور نیچے ہوا تھی اور اپنا عرش پانی پر پیدا کیا رواہ الترمذی وحسنہ اور امام احمد نے کہا کہ عمار سے مراد یہ کہ اسکے ساتھ میں کچھ نہ تھا - بیہقی نے کہا کہ معنی اسکے یہ کہ کوئی چیز ثابت نہ تھی کیونکہ وہ خلق سے عمی تھا - ازہری رح وغیرہ نے کہا کہ ہم لوگ بلا کیفیت وصفت خیال کرنے کے اسپر ایمان لاتے ہیں - مترجم کہتا ہے کہ جملہ احادیث صعود ونزول واستواء وغیرہ میں اہل السنۃ سلف صالحین و ائمہ فقہا وعلماء ربانیین کا یہی قول ہے کیونکہ شان الٰہی عزوجل بقول معروف سے اے برتر از خیال و قیاس وگمان ووہم ؛ وز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم ؛ ہر فرد مخلوق کے قیاس و گمان وعقل وغیرہ سے اعلیٰ ہے لہذا ایمان بلا کیفیت وصفت فرض ہے اور اس سے کوئی تشبیہ یا جسمیت وغیرہ کا شبہہ وارد نہیں ہوتا اور متاخرین نے جو ایسی تاویلیں کیں یہ طریقہ بہت ضعیف وخلاف سلف بلکہ کمال خلجان پیدا کرنیوالا ہے - پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سب کمال حکمت بالغہ سے پیدا فرمایا چنانچہ کہا - وما خلقنا السماء والارض وما بینہما باطلاً ذلک ظن الذین کفروا الآیۃ - فرمایا - افحسبتم انما خلقناکم عبثاً - اور مدح فرمائی - ربنا ما خلقت ہذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار - بلکہ منجملہ حکمتوں کے ایک اہم کو صریح بتلائی کہ یہ مخلوق واسطے نفع ان بندوں کے ہے جن کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا کہ توحید کریں و شرک نہ کریں کما قال تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور یہاں فرمایا - لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً - اسے خلق لیبلوکم یعنی یہ سب اسواسطے پیدا کیا کہ تم کو امتحان میں ڈالے کہ کون تم سے احسن ہے ازراہ عمل کے - بیضاوی رح نے کہا کہ پیدا کیا مانند ایسے پیدا کرنے کے کہ امتحانی معاملہ کرنا چاہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو کیونکہ یہ سب اسباب ومواد تمہارے وجود ومعاش وضروریات اعمال ہیں اور دلائل وآیات ہیں جن سے اپنے خالق پر استدلال و دنیا کے فنا ہونیکا اعتبار و جزا وسزا و بعث وحشر کا اعتقاد حاصل کرو خصوص جبکہ وحی الٰہی سے ہدایت کی گئی کیونکہ حادث کیسے ہی کامل ہو حدوث کے نقص سے جو فی نفسہ بڑا نقص ہے قدیم عزوجل تک خود عقلی رسائی میں عاجز ہے اسیواسطے بحکم قولہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا - بدون ارسال رسول وکتاب کے مواخذہ مرتفع فرمایا - اور یہ درحقیقت فضل وکرم ہے اگر کہا جائے کہ استفہام کا تعلق علم سے یا جو اسکے معنی میں ہو - ٹھیک ہوتا ہے تو بیضاوی رح نے جواب دیا کہ فعل ابتلاء دلہوی کی تعلیق اس سبب سے جائز ہے کہ اسمیں علم کے معنی ہیں اس راہ سے کہ مانند نظر کرنے واستماع کے وہ طریقہ بجانب علم ہے اور احسن عمل میں صیغہ اسم تفضیل واختیار شامل بجملہ فریق مکلفین کو باعتبار حسن وقبح کے اس فائدے کیلئے ذکر فرمایا کہ سب عمدہ اعمال پر آمادہ ہوں اور اختیار کریں اور ہمیشہ مراتب علم وعمل میں ترقی کریں اور عمل سے عام عمل مراد ہے جو فعل قلب وجوارح سب کو شامل ہے ایسی ہی حدیث میں آیا کہ ایکم احسن عقلا واورع عن محارم اللہ واسرع فی طاعۃ اللہ - اور آیت میں قصہ موسیٰ علیہ السلام میں فرمایا - وامر قومک یاخذوا باحسنہا الآیۃ - اور معنی یہ کہ کون تم میں سے ازراہ علم وعمل کے اکمل ہے - پھر کفار پر تشنیع کی کہ ان کو اس خلق ونظام محکم سے کوئی پند ونصیحت حاصل نہ ہوئی بلکہ کمال جہالت سے تنبیہ وتصریح پر بھی منکر ہوئے چنانچہ فرمایا - وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ - لام اسمیں موطیۃ القسم ہے اور کلام میں شرط وقسم کا اجتماع ہوا اور قاعدہ یہ ہے کہ پچھلے کا جواب حذف اور اگلے کا جواب ذکر کیا جائے پس قولہ لیقولن جواب قسم ہے اور شرط کا جواب محذوف ہے اور ایسا ہی قولہ ولئن اخرنا - اور - لئن اذقنا الانسان اور لئن اذقناہ - چاروں مواضع میں ہے - پھر واضح ہو کہ ابتلاء وامتحان متضمن

جزا و سزا اٹھا جو بعث و حشر کو مقتضی ہے اور وہ مثل ابتدائی تخلیق کے بدرجۂ اولیٰ قدرت الٰہی میں شامل اور خود دنیا میں فنا و اعادہ ہوتا ہے تو کفار کی جہالت بیان فرمائی یعنی اور اگر اے محمد تو کافروں سے کہے کہ تم بیشک مبعوث ہو بعد موت کے۔ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ۔ تو کہتے ہیں وے لوگ جو کافر ہوئے ہیں کہ بیشک یہ کھلا جادو ہے یعنی جیسے جادو امر باطل ہے اگرچہ بتاثیر الٰہی مؤثر ہو ویسے ہی یہ قول باطل ہے۔ اور احتمال ہے کہ کفار نے اس قول کو کلام معجز نظام قرآن سے سنا اور متحیر ہوئے کہ یہ کلام تو امکان بشر سے خارج ہے ولیکن بعث بعد الموت ان کے اعتقاد میں کسی طرح ٹھیک نہ تھا پس تحیر میں کلام مجید کے جواب میں یہ عذر کیا کہ یہ تو جادو ہے اسی میں جو بات مذکور ہے اسی قبیل سے ہے کہ کفار مسحور ہوں اور ایک قراءۃ میں ساحر ہے تو آنحضرت صلعم کو بلحاظ قرآن کے ساحر کہتے تھے پھر یہ امال جہل تھا کہ عذاب موعود دائمی کو یقین کرنے کیلئے مانگتے تھے حالانکہ بعد حلول کے ایمان سے کوئی معنی نہیں ہیں سوائے عذاب کے لہذا فرمایا۔ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اور اگر ہم نے تاخیر کردیا اُن سے عذاب یعنی جسکو جلدی مانگتے تھے کہ سچے ہو تو لاؤ یا وہ عذاب جو قولہ اخاف علیکم عذاب یوم کبیر میں مذکور ہے اور بعض نے کہا کہ عذاب دنیاوی مانند روز بدر وغیرہ کے۔ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ۔ الی طائفۃ من الایام معدودۃ قلیلۃ۔ ایک ٹکڑے ایام قلیل تک یعنی اگر چند روز تک ہم نے اُن پر سے عذاب میں تاخیر کی۔ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ۔ تو کہتے ہیں کہ عذاب کو کون چیز روکے ہے یعنی سچے ہو تو کیوں نہیں وہ عذاب نازل ہوتا ہے۔ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ۔ خبردار ہو کہ دن جو آویگا اُنپر مانند عذاب یوم بدر کے دنیا میں و مانند روز موت کے کہ متصل ہے توالی عذاب آخرت ہو وہ نہیں ہے پھیرا ہوا اُن سے یعنی خبردار ہوں کہ اس تاخیر سے یہ نہ ہوگا کہ عذاب موعود کا روز اُن سے دفع ہوجاوے بلکہ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ اور گھیر لیگا اُن کو وہ جسکے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے یعنی جسکو جلدی مانگتے تھے پس بجائے یستعجلون کے یستھزؤن اسلئے فرمایا کہ انکا استعجال بطور استہزا تھا اور دے شک پر مجبول ہوئے تھے۔ حاق بصیغہ ماضی بھی اسی دلالت کیلئے ہے کہ ہوشیار رہو کہ گویا اسنے تم کو گھیر لیا کیونکہ علم الٰہی پر خبر قطعی ہے پس یہ تہدید شدید ہے ف قولہ الی امۃ معدودۃ۔ اے الی اجل محدود و امد محصور۔ ایک مدت محدود اور انتہا محصور تک پس امت کا استعمال یہاں مدت یا انتہا معلوم پر ہوا۔ شیخ ابن کثیرؒ نے افادہ فرمایا کہ امت کا لفظ قرآن و حدیث میں معانی متعددہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے چنانچہ ایک معنی انتہائے مدت معلوم جیسے اس آیت میں اور قولہ وقال الذی نجا منہما وادکر بعد امۃ الآیۃ میں یعنی بعد مدت کے اسنے یاد کیا۔ دوم معنی امام پیشوا مانند قولہ ان ابراہیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا۔ سوم معنی ملت و دین کقولہ قالوا انا وجدنا آباءنا علی امۃ اے علی ملۃ و دین۔ چہارم معنی جماعت کقولہ ولما ورد ماء مدین وجد علیہ امۃ من الناس یسقون۔ و قولہ ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا۔ و قولہ ولکل امۃ رسول الآیۃ۔ یہاں امت سے ہر وہ جماعت مراد ہے جنمیں رسول مبعوث ہوا خواہ وے مومن ہوئے یا کافر رہے ہوں۔ کما فی صحیح مسلم والذی نفسی بیدہ لا یسمع بی احد من ہذہ الامۃ یہودی و لا نصرانی ثم لا یؤمن بی الا دخل النار یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قسم اس ذات پاک کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ نہیں سنیگا میرے مبعوث ہونے کو اس امت میں سے کوئی خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لاویگا تو ضرور آگ میں ڈالا جائیگا۔ پنجم امت وہ خاص لوگ جو رسول پر ایمان لائے اور اتباع کی کقولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیۃ۔ وفی الصحیح فاقول امتی امتی۔ اور حدیث صحیح ابن حبان وغیرہ میں آنحضرت صلعم کا اپنی امت کیلئے غمگین ہونا اور جبرئیل ع کا بحکم الٰہی عز و جل آکر پوچھنا اور آپ کا عرض کرنا یا رب امتی امتی پھر بشارت الٰہی کہ اے محمد ہم تمکو تمہاری امت کی طرف سے غمگین نکریں گے اور امت کا لفظ امیں سے ایک فرقہ پر بھی بولا جاتا ہے کقولہ تعالیٰ

ومن قوم موسیٰ امۃ یہدون بالحق وبہ یعدلون وکقولہ من اہل الکتاب امۃ قائمۃ الآیۃ - ہذا ما افادہ الحافظ رح فائدہ ثانیہ آنکہ قولہ الا یوم یاتیہم لیس
مصروفا عنہم میں یوم کو نصب بسبب خبر لیس کے ہے درحالیکہ خبر اسپر مقدم ہے اور یہ دلیل بصریون کی ہے کہ تقدیم خبر کا اسپر جائز ہے
کیونکہ معمول تابع عامل ہے پس وہیں واقع ہوگا جہاں اُسکا متبوع واقع ہو ورنہ اصل پر فرع کی تقدیم لازم آویگی - اسکا جواب دیا گیا کہ یہاں
معمول ظرف ہے اسمیں وہ بات جائز ہوتی ہے جو اور میں نہیں جائز ہوتی ہے کیونکہ ظرف میں توسع و تسامح ہے اور یون بھی جواب دیا گیا کہ کبھی
معمول مقدم ہوتا ہے جہاں تقدم عامل کو مجال نہیں مانند قولہ تعالیٰ فاما الیتیم فلا تقہر واما السائل فلا تنہر - باوجودیکہ یتیم وسائل ہر دو منصوب
بفعلین مجزومین ہیں کہ دونون لا ناہیہ پر مقدم ہوسکتے باوجودیکہ تقدم فعلین کا اسپر ممتنع ہے - ابوحیان نحوی نے لکھا کہ میں نے دواوین
عرب کو تتبع کیا مگر مجھے لیس کی خبر اسپر مقدم نہ ملی اور نہ میں نے اسکے معمول کو اسپر مقدم پایا مگر ان اس آیت سے ظاہر ہے یہ بات ملی اور ایک
شاعر کے قول میں بھی جیسے کہا ہے فیابیٰ فمایزداد الا لجاجۃ ۔ وکنت ابیا فی الخنا لست اقدم ۔ مترجم کہتا ہے کہ زبان عرب کیلئے کلام مجید
اصل ہے لہٰذا بیضاوی رح وکشاف رح نے کہا کہ یوم منصوب بخبر لیس اسپر مقدم ہے اور یہ دلیل ہے کہ خبر لیس کا اسپر مقدم ہونا جائز
ہے کیونکہ جب معمول خبر لیس کا اسپر مقدم ہونا جائز ہوا تو یہ دلیل اسکے خبر مقدم ہونے پر ہوئی اسواسطے کہ معمول تابع عامل ہے پس
وہیں واقع ہوگا جہاں عامل واقع ہو انتہی کلام الکشاف - ولیکن یہیں وہی اعتراض ہوسکتا ہے کہ ظرف کے باب میں توسع و مسامحہ
کیا جاتا ہے پس معمول ظرف کی تقدیم سے یہ استدلال تمام نہیں ہے - فافہم - پھر اللہ عزوجل نے انسان کا ایسا متلون ہونا بے ثبات
ہونا فرمایا -

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ
اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے مہر پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ نا امید ناشکر ہو اور اگر ہم
اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ
چکھا دیں اسکو انعام بعد تکلیف کے جو پہونچی اسکو تو کہنے لگے گئیں برائیاں مجھ سے تو وہ خوشیاں کرے
فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
بڑائیاں کرتا مگر جو لوگ ثابت ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں اُن کو بخشش ہے
وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝
اور ثواب بڑا

ابن کثیر رح نے کہا کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی صفات ذمیمہ کی خبر دی سوائے ایسے بندون کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور
وے مومنین ہیں چنانچہ فرمایا - وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً - انسان سے مراد جنس انسان ہے جو کافر و مومن سب کو شامل
ہے بدلیل استثنا قولہ الا الذین صبروا یعنی مومنین کو استثنا کیا ولیکن مفسر نے الآدمی لکھ لیا ہے پس موافق اس قول سے ہے کہ انسان سے
جنس کفار مراد ہیں بتائید آنکہ یاس وکفران واترانا و فخر کرنا اوصاف اہل کفر ہیں اسواسطے حدیث صحیح میں فرمایا کہ میری امت سے فخر وطعن نسب
یہ دونون کفر کی باتیں لگی رہیں گی او جنس کفار مراد لینا منافی اسکے نہیں جو مروی ہے کہ مراد انسان سے ولید بن المغیرہ یا عبداللہ بن امیہ مخزومی
ہے کیونکہ سبب نزول میں وہ بدرجہ اولیٰ داخل ہے - المعنی اور جب ہم چکھائی ہم نے انسان کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نعمت و وسعت رزق

وصحت وسلامتی اند جنت وغیرہ۔ ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۔ پھر ہم نے اس رحمت کو اس سے کھینچ لیا اور الگ کر دیا۔ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ ۔ بیشک وہ نہایت نا اُمید از رحمت ۔ كَفُوْرٌ ۔ نہایت کفران والا ہے او سخت منکر ہے۔ واضح ہو کہ نزعنا منہ میں نزع سے اشارہ ہے کہ وہ اس مال و دولت پر نہایت چپٹا ہوا حریص تھا کہ اس سے نزع کیا گیا اور یؤس وکفور۔ ہر دو صیغہ مبالغہ میں دلالت ہے کہ انسان سے بعض نعمت سلب ہونے پر وہ بہت ہی مایوس و سخت کفران والا ہو جاتا ہے پھر اسکو عود کی اُمید نہیں رہتی اور گذشتہ کا شکر نہیں کرتا۔ وفی الحدیث نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ اور جب ہم نے اسکو چکھائی نعمت بعد مضرت کے مثلاً فقیری کے بعد تونگری اور بیماری کے بعد صحت وغیرہ۔ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۔ تو کہتا ہے کہ مجھ سے سیأت جاتی رہیں یعنی جو مجھے ناگواری واسارت دیتی تھیں وہ جاتی رہیں یعنی شکر الٰہی واسکے مقدرات پر نظر نہیں کرتا بلکہ اترا کر مطمئن ہو جاتا ہے اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۔ بیشک آدمی اترانے والا فخر کرنیوالا ہے۔ نعمار وہ انعام جسکا اثر انعام والے پر ظاہر ہوا اور ضرار ظہور اضرار اس کے مبتلا میں ہے۔ واضح ہو کہ نعمار کو اللہ تعالیٰ نے اذقناہ کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا اور ضرار مستہ میں ضرار کو فعل لازمی فرمایا تو بعض مفسرین نے یہ نکتہ بیان کیا کہ نعمت کا صدور اللہ تعالیٰ سے اسکا فضل وانعام مقرری ہے چنانچہ حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا کہ کوئی اپنے عمل سے جنت میں نہیں داخل ہوگا یعنی بلکہ بفضل الٰہی داخل ہوگا اور کہا کہ میں بھی اپنے اعمال سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت میں مجھے ڈھانپے اور ضرر کا صدور بندہ کی کمائی ہے کیونکہ غالباً وہ معاصی سے اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے لقولہ تعالیٰ ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ قل کل من عند اللہ فما لہؤلاء القوم لایکادون یفقہون حدیثا۔ تو جواب یہ ہو کہ بیشک ایجاد و خلق اُسی کی طرف سے ہے فرق اتنا کہ نیکوئی تو احسان وامتحان ہے اور مصیبت مجازات وانتقام ہے وفی الصحیح عبادی انما ہی اعمالکم احصیہا علیکم الحدیث۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کو جنمیں یہ اوصاف ذمیمہ نہیں ہیں بیان فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۔ فراء نے کہا کہ استثناء متصل ہے کیونکہ انسان سے جنس مراد ہے اور اخفش نے کہا کہ منقطع بمعنی لکن ہے اور یہی مفسر رح نے اختیار کیا یعنی لیکن وے بندے انسان جنہوں نے صبر کیا یعنی سختی کے وقت صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہوئے اور نعمت کے وقت امتحان پر صبر و شکر کیا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور ہر حال میں صالحات اعمال کیے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ایسے بندوں کے لیے مغفرت ہے گناہوں سے اگرچہ کیسی کثرت سے ہوں ماسوائے شرک کے۔ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۔ اور اجر ہے جو کبیر ہے اور وہ جنت ہے جہاں رضوان الٰہی و دیدار حق سبحانہ تعالیٰ ہے باوجود سلامتی از آفات ودوام نعمت کے۔ بالجملہ اہل ایمان کی یہ صفت ہے کہ شدائد و مکارہ میں صابر رہتے ہیں اور آسانی و عافیت میں شکر واعمال صالحہ کرتے ہیں حدیث میں یہ مضمون ہے کہ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نہیں پہونچتا مومن کو کوئی ہم (تردد ۱۲) و نہ غم (اندوہ ۱۲) اور نہ وصب و حزن حتیٰ کہ کانٹا جو اسکے لگ جاوے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اُسکے عوض اُسکے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں مضمون ہے کہ قسم اُس ذات پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ مومن کے لیے کوئی حکم قضا جاری نہیں فرماتا مگر یہ کہ اس بندہ کے حق میں بہتر ہوتا ہے اگر اسکو آسانی و فراخی پہونچے پس اُسنے شکر کیا اسکے لیے بہتر ہوا اور اگر اسکو مضرت پہونچی پس اُسنے صبر کیا تو اُسکے لیے بہتر ہوا اور یہ بات کسی اور کے لیے نہیں ہے سوائے مومن کے۔ ف فی العرائس قولہ تعالیٰ ولئن اذقنا الانسان منا رحمۃ الخ ان میں اشارات سے بعض ناقصین کے احوال پر استدلال ہے چنانچہ اس شخص کا بیان حاصل ہوا جو امتحان میں ڈالا گیا اور اُسنے حال عارفین و محبین و مریدین کے طمع سے۔

مذاق پایا تھا پھر حظوظ نفس اسکے ہوا وہوس مین پڑ گیا تھا اور اس سے مراتب ذاکرین وصالحین سے محجوب ہو گیا اور اوقات وانفاس کی فوت ہونے پر کچھ تدارک نہین کیا بلکہ حجاب مین رہ کر احوال اصلاح پانے سے مایوس ہو کر بتابعت نفس مین زیادہ خوض کرنے لگا پس ہلاک ہو جاتا ہے اور بہتیرے گروہ اسی ورطہ مین ڈوب گئے۔ ابو سعید الخراز رح نے کہا کہ جس کسی کو یاد آلہی کی حلاوت اور صفائی سر باطن عطا ہوئی پھر مقامات واحوال مین سے اُس سے سلب کر لیا گیا تو اپنے قلب کے لئے موت کا اور سر باطن کیلئے راہ ہدایت سے اندھے ہونیکا حکم لگا دے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولئن اذقنا الانسان منا رحمۃ الخ اور یہی محل قربت تھا پھر اسکا نزع کر لینا حجاب نقمت ہو پھر دوسری آیت یعنی قولہ ولئن اذقناہ نعماء بعد ضراء الخ مین محنت فراق سے وزہر قہر سے نجات پا کر ایام سعادت پر پہونچنے والے کو بیان کیا پس اشارہ ہے کہ بعد فراق کے اسکو نعمت وصال دے پس اسکو وجد وسکر ہوتا ہے اور قلب کو ہیجان فرح ہوتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ اوقات اسپر باقی ہین پس خلق کے سامنے بمقتضائے بشریت مقامات واحوال کے دعوے کرتا ہے اور یہ اسکی بڑی غلطی ہے لہٰذا بعد وقت کے جیسا تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے اسی واسطے فرمایا۔ انہ لفرح فخور۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل استقامت وثبات کو جو انوار تجلی قدم مین خشوع وفنا کے ساتھ مستقیم رہتے ہین ذکر فرمایا بقولہ الا الذین صبروا وعملوا الصالحات پس باوجود اعلیٰ منزلت وارفع قرب کے صابر رہتے ہین اور دعوے کے ساتھ مخلوق کے نزدیک ان اسرار کو افشا نہین کرتے ہین۔ اعمال صالحہ انکے یہ ہین کہ ہوا وہوس پر قدم صدق رکھکر اپنے اوقات کی تلافی کرتے اور انفاس کی رعایت رکھتے اور اس کو خطرات سے بچاتے ہین انھین کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ فترۃ و غفلت کے گناہون سے مغفرت کا اور اپنی طرف سے مزید فضل کا وعدہ دیا بقولہ اولئک لہم مغفرۃ واجر کبیر مغفرت یہ کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان پر قبول کر لینے سے توجہ فرمائی اور اجر کبیر یہ کہ اگلے زمانہ فراق کو یاد کر کے موجودہ حالت پر شکر کرتے ہین اور اللہ تعالیٰ اسمین ترقی وازدیاد فرماتا ہے۔ استاد رح نے قولہ ولئن اذقناہ نعماء بعد ضراء۔ مین کہا کہ جس نے تفرع وتذلل اختیار کیا اسپر آفتاب اقبال طلوع فرماتا ہے اور دنیاوی احوال کو تحقیق کے نزدیک کچھ منزلت نہین اور نہ اسکے تکدر کو مرتبہ ہے ہان بڑا خطرہ اسکا ہے کہ شاخ وصال خشک ہو جائے تو یہی اُن کیلئے قیامت ہے اور جب درمیان مین فراق کا نام آیا تو یہی اُن کیلئے گریہ وزاری ہے۔ فافہم پھر اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرمائی بقولہ تعالیٰ۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَن يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ

سو کہین تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی تیری طرف اور خفا ہو گا اُس سے تیرا جی اُسپر کہ وے کہتے ہین کیون نہ اُترا

عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝

اسپر خزانہ یا آتا اُسکے ساتھ فرشتہ تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہے ہر چیز پر ذمہ رکھنے والا

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن

کیا کہتے ہین باندھ لایا ہے اُسکو تو کہہ تم لے آؤ ایک دس سورتین ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو پکار سکو

دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ

اللہ کے سوائے اگر ہو تم سچے پھر اگر نہ کرین تمھارا کہنا تو جان لو کہ یہ اُترا ہے

بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اللہ کی خبر سے اور کوئی حاکم نہین سوائے اُسکے پھر اب تم حکم ماننے ہو

اہل کفر اپنی جہالت و سرکشی سے آنحضرت صلعم کے حق مین رسول ہونے کا تعجب کرکے عجیب عجیب معجزات بطریق ٹھٹھول کے مانگتے تھے اور اُن کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا بقولہ وقالوا مال ہذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا او یلقی الیہ کنز او تکون لہ جنۃ یاکل منہا وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا۔ پس یہان اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعنت سے اپنے رسول کو تسلی فرمائی بقولہ۔ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ۔ اُمید کی جا سکتی ہے کہ تو چھوڑنے والا ہے بعض اسکو جو تجھے وحی کیا گیا۔ یعنی بعض وحی کی تبلیغ اور بندون کو پہونچانا تو ترک کرے اور یہ وہی ہے جو مشرکین کی رائے سے بالکل مخالف تھا بخوف اُنکی بےکیفیت وحی صریح کو بسبب مخالفت اپنے ظنون کے رد کرین اور اس سے ٹھٹھول کرین اگر کہا جاوے کہ کیا آپ نے بعض وحی کی تبلیغ چھوڑ دی اور اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ الآیۃ۔ تو جواب بیضاوی وغیرہ یہ ہے کہ ہرگز نہین اور یہان کلام مین حرف لعل ہے جو امید کیواسطے آتا ہے پس جب ایسی بات موجود تھی جو بعض وحی کی تبلیغ چھوڑنے پر داعی تھی تو اس حرف سے فرمایا ولیکن داعی موجود ہونے کے سبب توقع سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ بات جسکی طرف داعی موجود ہے وہ واقع بھی ہو جاوے کیونکہ وہان اس سے مانع قوی موجود ہو سکتا ہے چنانچہ یہان یہ بات موجود ہے کہ رسول الٰہی تبلیغ رسالت مین تقیہ کرنے سے اور وحی مین خیانت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معصوم ہین اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا واللہ یعصمک من الناس پس کوئی خوف بھی نہ تھا وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اور عارض ہونیوالا ہے تجھے اسکے سبب ضیق صدر کبھی کبھی یعنی کبھی تو دل تنگ ہو کر وحی کو ایسے منکر بیہودہ قوم کو جو حق کو باطل سمجھین برعکس کیونکر سنایا جاوے پس ترک کی امید و ضیق صدر کی۔ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ سے مخافۃ ان یقولوا یعنی بخوف انکے کہین کفار کہ کیون نہین نازل کیا گیا اسپر خزانہ جسکو وہ تابع بنانے مین بادشاہون کی طرح خرچ کرتا۔ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ۔ یا کیون نہین آیا اسکے ساتھ مین فرشتہ جو اسکی تصدیق ظاہر کرتا۔ بعض نے کہا کہ ضائق بہ کی ضمیر کو مبہم ان یقولوا تفسیر کرتا ہے بالجملہ تسلی فرمائی کہ تو اسکا خیال مت کر اور دل تنگ مت ہو۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ۔ تو فقط انذار و ڈر سنانیوالا ہے اس سے جو تجھ پر وحی کی جاوے پس اگر وے رد کرین یا تعنت سے اقتراح و ہٹ کرین تو تجھ پر کچھ ڈر نہین پھر تیرا سینہ کیون تنگ ہو۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر وکیل ہے پس وکالت کفار تجھ پر نہین بلکہ یہ مخصوص بحق عز وجل ہے پس تو بھی اسی پر توکل کر کہ وہی تیری تبلیغ رسالت کا اور منکرون کے تفصیلی احوال و افعال و اقوال کا عالم ہے پس وہی اُن کے اقوال و افعال کی اُن کو جزا دیگا۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔ ام منقطعہ بمعنی بل ہے اور یہ اضراب از بیان سابق ہے کہ کفار مشرکین اپنے خالق سے منکر لوگ فقط رسول و وحی سے تنہا دون ہی نہین کرتے اور معجزات کا مذظاہرہ سے اعراض ہی نہین کرتے بلکہ اس سے بڑھکر قبیح فعل کے مرتکب ہین کہ رسول کو مفتری بناتے اور وحی کو افترا و سحر کہتے ہین قولہ افتراہ مین ہا کا مرجع وحی ہے والمعنی بلکہ کفار کہتے ہین کہ افترا کر لیا اسکو محمد صلعم نے یعنی اپنی طرف سے بنا لیا ہے پس بدلیل ساکت اسکو رد کیا جسمین انکا و اُن کے شرکا کا عجز بھی کھل گیا بقولہ۔ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ۔ اسکے مثل کی سورۃ۔ مُفْتَرَيٰتٍ مختلقات۔ تو کہدے اے محمد صلعم کہ پس تم بھی لے آؤ دس سورتین کہ ہر ایک اسکے مثل ہو ایسی مفتریات یعنی گھڑی و بنائی ہوئی۔ حاصل یہ کہ اگر ایسے حسن نظم و

بیان احکام پاک و توحید و اخبار غیب وغیرہ مین مجھے بنانے کی قدرت ہے اور مین نے اپنی طرف سے تمھارے زعم مین بنایا تو مین اکیلا ہون اور آدمی ہون تم بھی فصحاء عرب ایک جماعت ہو اور تم کو قصص و اشعار و بلاغات فی نظم مین بڑا توغل رہا پس تم بھی ایسی ہی دس سورتین جمع ہوکر بنا لاؤ بلکہ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّن دُونِ اللّٰهِ۔ اور بلاؤ مدد کیلیے جسکی تمھین استطاعت ہو سوائے اللہ تعالی کے یعنی اپنے معبودون و شرکاء کو بھی اپنی مدد پر پکار لو اور سب مل کر بناؤ۔ اِن كُنتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو اس بات مین کہ یہ قرآن آدمی کا بنایا ہوا ہے۔ سراج مین لایا کہ ابن عباس رض نے کہا کہ یہ سورتین جن سے یہ تحدی واقع ہوئی معین ہین اور وہ سورۂ بقرہ و آل عمران و نساء و مائدہ و انعام و اعراف و انفال و توبہ و یونس و ہود ہین اور بعض نے کہا کہ تحدی مطلق سورتون سے واقع ہوئی ہے اور یہی اظہر ہے۔ پھر واضح ہو کہ یہان دس سورتون سے تحدی فرمائی پس سورۂ بقرہ وغیرہ مین جو ایک سورہ سے تحدی فرمائی کہ ایک سورہ کے مثل لاؤ تو دس سورہ کی تحدی جیسے یہان ہے یہ مقدم ہے پس سورۂ بقرہ پر اس سورہ کا تقدم ظاہر ہے کیونکہ یہ سورہ مکیہ ہے اور بقرہ مدنیہ ہے اور سورۂ یونس اور یہ سورہ دونون مکیہ ہین اور سورۂ ہود کا نزول سورۂ یونس پر مقدم ہوگا جیسا کہ امام رازی کا قول ہے ولیکن مبرد رح نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ نہین بلکہ سورۂ یونس مقدم ہے اور کہا کہ معنی یہ ہین کہ سورۂ یونس مین ایک سورہ کے مثل تحدی فرمائی تھی کہ اخبار غیب و احکام صادقہ و وعدہ و وعید مین ایک سورہ کے مثل لاؤ پھر جب عاجز ہوئے تو ہود مین یہان تحدی کی کہ خالی فصاحت و بلاغت مین دس سورتون کے مثل لاؤ۔ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ۔ خط مصحف مین یہان خصوصاً فان لم بدون نون کے فالم لکھا جاتا ہے۔ المعنی پھر اگر نہ استجابت کرین تمھاری یعنی جو تم اُن سے مانگتے ہو اگر اسکو لا کر تمھارا کہنا اور انکرین اور جواب نہ دے سکین۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔ تو یقین کر لو کہ یہ تو اللہ تعالی کے علم ہی کے ساتھ اُتارا گیا۔ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اور یقین کر لو کہ کوئی الٰہ نہین مگر وہی کیونکہ اسمین یہی توحید کی تعلیم ہے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اب تو تم مسلم ہو یعنی اسلام پر ثابت و راسخ ہوا اور پورے مخلص ہو جبکہ تمھارے نزدیک اسکا اعجاز ہر طرح متحقق ہوگیا۔ واضح ہو کہ اس تفسیر پر فاعلموا کا خطاب اہل اسلام کو ہوا اور فالم یستجیبوا لکم مین خطاب جمع یا تو رسول اللہ صلعم کی تعظیم سے ہے یا مومنون کو شامل ہے کیونکہ وے بھی کافرون کو تحدی کرتے تھے اور امر الرسول صلعم مومنون کو اس راہ سے شامل تھا کہ مومنون پر آپ کی اتباع ہر امر مین واجب تھی سوائے بعض امور کے جو بدلیل خاص مستثنی ہوکر آنحضرت صلعم سے مخصوص ثابت ہوئے اور نیز اسمین تنبیہ ہے کہ تحدی سے اہل اسلام کے ایمان کا رسوخ اور انکے یقین کو قوت ہے پس اس سے غافل نہ ہون اسی واسطے اس کلام پر فاعلموا الخ کو بالفاء مرتب فرمایا۔ نزول بعلم اللہ سے یہ مراد کہ اسمین ایسے اخبار و علوم بحد اعجاز ہین کہ ان کو سوائے اللہ تعالی کے نہ کوئی جانتا اور نہ اسپر قدرت رکھتا ہے۔ بیضاوی رح وغیرہ نے لکھا کہ جائز ہے کہ یہ سب خطاب مشرکون کو ہو اور تبیان مین کہا کہ بنظر سیاق یہی اظہر ہے پس اس صورت مین تفسیر اسطرح ہو کہ قولہ فالم یستجیبوا لکم پھر اگر قبولیت کا جواب تم کو نہ دین یعنی اے اہل کفر اگر تمھارے آلہہ جن کو شریک ٹھیراتے ہو وہ معارضہ مین تمھاری مدد نہ کر سکین بسبب اپنے عجز کے اور تم اپنے آپ کو تو معارضہ سے عاجز جان چکے ہو۔ فاعلموا انما انزل بعلم اللہ۔ تو جان لو کہ یہ تو اللہ تعالی ہی کے علم سے ملتبس نازل ہوا اور ایسا کلام ہے کہ سوائے اللہ تعالی کے کوئی اسپر قادر نہین اور وہ اسی کی طرف سے منزل ہے۔ وان لا الہ الا ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالی واحد ہے کوئی اسکا شریک نہین پس اس کلام وحی مین جس توحید کی طرف تم کو بلایا گیا وہ حق ہے فهل انتم مسلمون۔ اب بھلا تم ایسی قطعی حجت قائم ہونے کے بعد اسلام مین

داخل ہونیوالے ہو۔ ایسے استفہام میں ایک سجاب بلیغ ہے کیونکہ اسمین طلب کے معنی ہین اور تنبیہ ہو کہ موجب موجود اور عذر زائل ہے
واضح ہو کہ مجاہد رح سے روایت ہو کہ یہ خطاب اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے پس یہ مرجح وجہ اول ہے اور مؤید اُس کا دوسری آیت
ہے جسمین فرمایا فان لم یستجیبوا لک فاعلم الآیۃ۔ کیونکہ یہ خطاب آنحضرت صلعم کو متعین ہے۔ پھر اللہ تعالی نے راس الخطیہ حب دنیا پر
ہمت مقصور کرنے والون کو وعید فرمائی بقولہ تعالی۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ۝

جو کوئی ہو چاہتا دنیا کا جینا اور اُسکی رونق بھر دین ہم اُن کو اُن کے عمل اُسی مین اور اُنکو اسمین نقصان نہین

أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا

وہی ہین جنکو کچھ نہین پچھلے گھر مین سوائے آگ کے اور مٹ گیا جو کیا تھا اُس جگہ

وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۝

اور خراب ہوا جو کماتے تھے

علما تفسیر نے اس آیت مین اختلاف کیا اور فی الحقیقت کچھ خلاف نہین ہے ابن کثیر رح نے ذکر کیا کہ عوفی نے ابن عباس رض سے اس آیت
مین روایت کی ریاکار لوگ دنیا ہی مین اپنی نیکیون کا بدلا پا جاوینگے اور یہ اس سبب سے کہ ان پر بقدر نقیر بھی ظلم نہ ہوگا پس قوله
تعالی مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ جو شخص چاہتا ہے زندگانی دنیا کو۔ وَزِينَتَهَا اور اسکی زینت کو نُوَفِّ إِلَيْهِمْ
أَعْمَالَهُمْ فِيهَا۔ بھرپور دیدینگے ہم ان کو اُنکے اعمال اسی دنیا مین۔ وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ۔ اور وے دنیا مین کمی
نہین کئے جاوینگے۔ ابن عباس رض نے کہا یعنی جس نے دنیا کی التماس سے کوئی نیک کام کیا مثلاً روزہ یا نماز یا تہجد اس کی
دلی غرض اس سے نہین سوائے دنیا کی طلب کے تو اللہ تعالی اسکو دنیا مین اسکا ثواب دیتا ہے پھر جو کام اُسنے بطلب
دنیا کیا تھا وہ مٹ گیا اور آخرت مین وہ بالکل خسارہ والون مین سے ہوگیا۔ ایسا ہی مجاہد و ضحاک و بہتون سے روایت ہے۔ انس
بن مالک رض و حسن رح نے کہا کہ اسکا نزول یہود و نصاری کے حق مین ہے۔ مجاہد وغیرہ نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ریاکارون کے حق مین
قتادہ رح نے کہا کہ جس شخص کی تمام ہمت و نیت و خواہش یہی دنیا ہو اللہ تعالی اسکی نیکیون کا عوض دنیا ہی مین اسکو دیدیگا۔ پھر
آخرت مین ایسے حال سے پہونچیگا کہ اسکے پاس کوئی نیکی نہین جسکا ثواب پاوے اور مومن کو اسکی نیکیون کا عوض دنیا مین
بھی ملتا ہے اور اللہ تعالی آخرت مین بھی اسکو ثواب عطا فرماتا ہے۔ قال الحافظ۔ اور ایک حدیث مرفوع مین آنحضرت صلعم
سے بھی اسی کے مانند وارد ہے مترجم کہتا ہے کہ حدیث صحیح سے یہ مضمون ثابت ہے کہ ریا شرک اصغر ہے اور آپنے اُمت پر ریا
سے بہت خوف کیا اور سراج مین کہا کہ ریا یہ ہے کہ آدمی نیک اعمال ظاہر کرے تاکہ لوگ اسکی تعریف کرین اور اسمین صالح ہونیکا
اعتقاد کرین مترجم کہتا ہے کہ اس صورت مین اسکی خواہش یہی شہرت و تعریف ہوئی چنانچہ حدیث صحیح مین ہے کہ پہلے آگ تین گروہ
سے بھڑکائی جاویگی از انجملہ ایسا عالم و حافظ کو شمار کیا جس نے نام و شہرت کے واسطے علم سیکھا تو اُسکو کہا جائیگا کہ تو جھوٹا ہے تو نے
اللہ تعالی کے لیے نہین کیا بلکہ نام و شہرت کیلیئے کیا تھا وہ تجھے دیدیا گیا۔ اور یہان مناسب ریا کے معنی یہ ہین کہ اللہ تعالی کیواسطے
خالص نہو بلکہ مقصود فقط دنیا ہو جیسے حدیث ہجرت کی نیت مین ہو من کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او الی امرأۃ ینکحہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ۔

یعنی جسکی نیت میری طرف ہجرت کر کے آنے مین یہ ہوکہ کوئی متاع دنیا ہے جسکو پاوے یا کوئی عورت ہے جس سے نکاح کرے تو اسکی
ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جسکی طرف اسنے ہجرت کی نیت کی ہے۔ علیٰ ہذا یہان اعمال صالحہ سے قصد فقط دنیا ہو خواہ اس
سبب سے کہ آخرت کا اعتقاد نہین جیسے اس زمانہ مین نصاریٰ مین دیکھا جاتا ہے۔ سراج مین کہا کہ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ
آیت کا نزول اہل کفر کے حق مین ہے بخلاف مومن کے کہ وہ دنیا مین عافیت سے بسر ہونا چاہتا اور آخرت اسپر غالب ہوتی
ہے پس بفضل الٰہی دونون جگہ ثواب پاتا ہے بعض نے کہا کہ آیت کا نزول منافقون کے حق مین ہے۔ حق یہ ہے کہ نیک اعمال جس کا
نفع غیر کو پہونچے یا مانند اس کے جو کوئی دنیا ہی کیواسطے کرے خواہ عمداً قصد کرکے یا بسبب عدم اعتقاد آخرت کے اسکو اس کا
نفع دنیا ہی مین جسقدر ہو مل جاویگا اسی واسطے بعض نے کہا کہ جب یہ نیات پر ہے تو جو فرقہ مختلفہ مفسرین نے بیان کئے وے
اسمین شامل ہین اور آیت عام وارد ہے اسمین سب آدمی شامل ہین کوئی کیون نہ ہو پس عموم پر محمول کرنا اولیٰ ہے کہ ہر ایک اپنی
نیت پر بدلا پاویگا پھر واضح ہو کہ آیت مین خالی ارادہ مذکور ہے اور یہی مراد نہین بلکہ مقصود یہ ہے کہ نیک اعمال کے کرنے سے ارادہ اسکا
حظ دنیا ہو اور اسکی زینت اور مراد زینت سے ہر وہ چیز جس سے زندگی دنیاوی مزین ہوتی ہے مانند صحت و تندرستی و امن و کشائش
رزق و کثرت اولاد اور ریاست و مانند اسکے۔ پھر قولہ من کان یرید۔ مین حرف کان داخل کرنے سے افادہ فرمایا کہ اُن کو اس ارادہ پر
استمرار ہے کہ آخرت کو چاہتے ہی نہین ہین اور بعض نے فرمایا کہ آخرت مین خالی ہاتھ ہی نہین بلکہ عذاب پاوینگے کیونکہ اُنھون نے
آخرت کیلئے کچھ نہین کیا بلکہ بالکل ہمت دنیا ہی پر مقصور کرکے منصوص الٰہی کے خلاف کیا مترجم کہتا ہے کہ قولہ اولٰئک لیس لہم فی الآخرۃ
الا النار صریح ہے کہ آخرت مین انکے لئے فقط دوزخ ہے وہذا کقولہ تعالیٰ من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الآخرۃ من نصیب
اور ظاہر آیت مقتضی ہے کہ طالب دنیا اپنے اعمال کا بدلا خواہ مخواہ یہان پاتا ہے اسیواسطے قاضی وغیرہ نے لکھا کہ معنی اس آیت کے یہ ہین
کہ جو کوئی اپنے عمل نیک سے زندگی دنیا و اسکی زینت چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا مین بدون کمی و نقصان کے ان کے اعمال بھرپور
دیدیتا ہے اور یہ مانند صحت و کفاف و دیگر لذات و طیبات و منافع کے ہے پس بدلا ایسی ہی مذکورہ چیزون سے مخصوص ہوا اور یہ
جزا ہر شخص کو جو دنیا کے لئے عمل کرے حاصل ہے اگرچہ قلیل ہو اور بعض نے کہا کہ ہر متمنی دنیا اپنی خواہش نہین پاتا لہذا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے
ارادہ و مشیت پر مقید ہے۔ قرطبیؒ نے کہا کہ اکثر علما اسطرف گئے ہین کہ یہ آیت مطلقہ ہے اور ایسے ہی قولہ و من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ
منہا الآیۃ جو سورۂ شوریٰ مین واقع ہے اور ایسے ہی قولہ من یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا الآیۃ ہے پھر اُن کی تقیید و تفسیر اس آیت سے
ظاہر ہوئی جو سورۂ سبحان الذی مین ہے۔ قولہ من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید الآیۃ۔ الحاصل جو اعمال خیر سے دنیا ہی
فقط طلب کرتا ہے اسکو دنیا ہی ملیگی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے اور اُن کے اعمال اگرچہ فی الواقع ریا وغیرہ ہین لیکن کمال کرم
سے صورت اعمال پر اُن کو بدلا دیدیا پھر وہ مٹ گئے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ۔ ایسے ہی لوگ ہین
کہ نہین ہے اُن کیلئے آخرت مین کچھ سوائے آگ کے مراد اولٰئک سے وہی لوگ ہین جنھون نے استمراراً سوائے دنیا کے کسی عمل سے آخرت
کا قصد نہین کیا یا یہ آیت مخصوص بحق کفار و مشرکین ہے۔ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا۔ اور مٹ گیا جو کچھ اُنھون نے دنیا مین کیا تھا
کیونکہ وہ کوئی عمل ثابت و صالح نہ تھا بلکہ صورت مین غیر کو نفع پہونچانے وغیرہ سے خیر قرار دیکر اسکا بدلا اُن کو دنیا مین متاع حقیر
جو اُنکی مراد تھی دیدیا گیا لہذا فرمایا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اور جو وے کرتے تھے باطل ہے یعنی اُن کے اعمال فی نفسہ باطل تھے

کسی شمار مین نہ تھے کیونکہ اُن کا عمل کسی ایسے صحیح طریقہ پر نہ تھا جو موجب جزا ہو۔ واضح ہو کہ جس نے آیت مین تعمیم کی کہ مومن و کافر سب کو شامل ہے اسپر اشکال ہے کیونکہ آخر آیت مومن کے حال سے لائق نہین ہے اور مرجع اسکا آخر یہی ہے کہ آیت اہل کفر کے حق مین متعین ہے اسلئے کہ جس مومن نے اپنے اعمال سے استمراراً فقط دنیا کا قصد کیا وہ درحقیقت کچھ مومن نہین ہے بلکہ مرتد ہے یا درحقیقت ایمان ہی نہین لایا تھا اور کبھی جواب دیا جاتا ہے کہ جب یہ اعمال باطلہ سوائے اللہ تعالیٰ کے غیر کے واسطے ہوئے تو ان کا کرنیوالا مستحق وعید شدید ہوا کہ اولئک لیس لهم الخ اور اسی کا مؤید ہے جو ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا من تعلم علما لغیر اللہ الخ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے سوائے غیر کے لیے علم سیکھا یا اس سے غیر اللہ کا ارادہ کیا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ مین بنا دے۔ اخرجہ الترمذی۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ مین نے آنحضرت صلعم کو سنا کہ فرماتے تھے قال اللہ تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک الخ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مین مشرکون کے اعمال شرک سے بالکل مستغنی ہون جسنے کوئی ایسا کام کیا جسمین میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کیا تو مین اسکو واسکے شرک کو چھوڑتا ہون۔ اخرجہ مسلم اور اسمین ایسی ہی بہت احادیث ہین اور یہ ریا شرک اصغر ہے وظاہر نظم القرآن الکریم یہ ہے کہ اس مین مطلقاً کفار داخل ہین اور جو ان مین سے قرآن عظیم مین قدح کرتے وفانی دنیا ہی چاہتے اور عذاب مین استعجال کرتے وے بدرجۂ اولیٰ داخل ہین اور ان کو تفہیم ہے کہ بسعت رحمت وکمال کرم سے حق تعالیٰ نے فانی دنیا چاہنے والون کو موافق اپنی مشیت کے ایک وقت تک دنیا دیدی ہے ف۔ فی العرائس قوله تعالیٰ من کان یرید الخ۔ اسمین اللہ تعالیٰ نے دکھلانے سنانے کو کام کرنیوالون کی خبر دی جو اپنے اعمال سے فقط ترفع وجاہ وزینت ومال چاہتے ہین اور آخرت سے اُن کی آنکھون پر پردہ پڑا ہے اور اگر انھون نے دیدار آخرت کا مزہ چکھا ہوتا اور معرفت پائی ہوتی تو کیونکر حظوظ نفس کی طرف التفات کرتے اور یہان تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایسی چیزین دیدین جو ان کو دنیا مین آخرت سے محجوب کرین۔ واضح ہو کہ اگر عارف متمکن نے دنیا و اسکی زینت سے کام لیا تو اے برادر اسکو بھی تو انھین لوگون مین سے مت شمار کیجیو وہ اللہ تعالیٰ ہی کو چاہتا ہے اور دنیا کو اپنے کفاف وعفاف کے لیے چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو دنیا مین پاکیزہ زندگانی سے رکھتا ہے اسطرح کہ دنیا کو اسکا خادم کردیتا ہے پس مخلوق کی آنکھ مین اسکی تبجیل اور لوگون کے دلون مین اسکی ہیبت ہوتی ہے کما قال تعالیٰ فلنحیینه حیوة طیبة الآیة۔ اور مروی ہے کہ جو بندہ مرتبہ احسان پر پہونچا تو عاجل دنیا اور آجل الآخرة مین اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر واقع ہوا۔ اور یہ عارف ان ریاکارون کی طرح نہین ہے جو شرف آخرت سے محروم ہین چنانچہ ریاکارون کو فرمایا۔ اولئک لیس لهم فی الآخرة الخ ابوبکر الوراق رح نے کہا کہ حیات دنیاوی نام ہے ارتکاب تمنا و اتباع شہوات کا اور امیدون کے جنگل مین غافل ہونا اور موت سے بے فکر کہ کبھی یاد نہ آوے اور حرام وحلال سے جس طرح ملے مال جمع کرنا اور زینت دنیاوی مین پڑنا کہ جسمین غافل کرنے والے علائق ہین جن کو اللہ تعالیٰ نے قوله زین للناس حب الشہوات من النساء الآیة مین بیان فرمایا ہے۔ بعد ذکر اہل کفر وشرک وریا کے اہل ایمان وان کے درمیان بڑا فرق ہونا بیان فرمایا بقوله تعالیٰ۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً

بھلا ایک شخص جو ہے نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور اسکے پیچھے ہے اُسکو گواہی اُس سے اور پہلے اُس سے کتاب موسیٰ کی راہ ڈالتی اور مہربانی

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ

یہی لوگ مانتے ہین اس کو اور جو کوئی منکر ہو اُس سے سب فرقون مین سو آگ ہے وعدہ اُسکا سو تو مت رہ شبہہ مین

مِّنْهُ تَا اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

اُس سے یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن بہت لوگ یقین نہین رکھتے ہین

اللہ تعالیٰ مومنون کے حال سے آگاہ فرماتا ہے جو اس فطرت پر ہین جسپر اللہ تعالیٰ بندون کو پیدا کرتا ہے یعنی اپنے خالق کے معترف کہ لا الٰہ
الا اللہ۔ چنانچہ فرمایا فاقم وجہک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا۔ اور صحیحین مین ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا
کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے والدین اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی کر ڈالتے ہین جیسے چوپایہ پورے
اعضاء کا بچہ جنتا ہے بھلا تم اسمین کوئی کان وغیرہ کٹا ہوا پاتے ہو پھر آخر تک۔ صحیح مسلم مین عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یقول اللہ تعالیٰ انی خلقت عبادی حنفاء الخ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مین نے اپنے بندون کو حنیف پیدا کیا
پھر اُن کے پاس شیاطین آئے اور اُنکو اُن کے دین سے بہکا دیا الحدیث اور سنن و مسانید مین مروی ہے کہ ہر مولود اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے
یہان تک کہ اسکی زبان چھوٹے اور وہ اپنا عقیدہ بیان کرے۔ قال ابن کثیرؒ بالجملہ مومن تو اسی فطرت پر ہوتا ہے اور کفار اس سے برگشتہ
ہوا فرمایا۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ بینہ برہان یعنی روشن دلیل جو اسکو راہ حق دکھلاوے والمعنی کیا بھلا وہ شخص جو روشن دلیل
پر ہے اپنے پروردگار کی طرف سے ہمزہ اسمین انکار کا ہے یعنی ایسا نہین کہ جو ایسی روشن دلیل پر ہے وہ بمنزلہ ان لوگون کے ہو جن کی
ہمتین محض دنیا پر مقصور ہین۔ قال البیضاویؒ اسی نے ذکر خبر سے مستغنی کر دیا اور تقدیر کلام یون ہے کہ بھلا جو شخص اپنے پروردگار کی
طرف سے روشن دلیل پر ہو کیا وہ ایسے شخص کے مانند ہے جسکی ہمت فقط دنیا پر مقصور ہے یعنی ہرگز نہین بلکہ دونون مین بڑا فرق ہے اور
یہ حکم ہر مومن مخلص کو شامل ہے اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے آنحضرت صلعم ہین اور بعض نے کہا کہ اہل کتاب مین سے ایمان لانیوالے
قول اول پر معنی یہ ہین کہ آنحضرت صلعم کی اتباع مین اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا مومن مخلص کیا ویسا ہے جو حیوٰۃ دنیا و اُسکی زینت
چاہتا ہے۔ قول دوم پر یہ معنی ہین کہ کیا آنحضرت صلعم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان و معجزات پر ہین نظیر کفار ہین حیات دنیا و اسکی زینت
چاہنے والون کے مثل ہین ہرگز نہین۔ اور حکم عام اولیٰ ہے کہ بھلا جو شخص بینہ پر ہو اپنے پروردگار کی طرف سے۔ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ
قال ابن کثیرؒ یعنی اور آیا اسکے پاس شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور وہ وحی الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف بھیجی جسمین شرائع
مطہرہ مکملہ کا بیان ہے اور اسکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا اسی واسطے ابن عباسؓ و مجاہد و عکرمہ و ابو العالیہ و ضحاک و ابراہیم نخعی و سدی
وغیرہم نے کہا کہ قولہ یتلوہ شاہد منہ یعنی جبرئیل علیہ السلام اور حضرت علیؓ و حسن بصریؒ و قتادہ سے روایت ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہین اور ہر دو قول قریب المعنی ہین کیونکہ دونون مین سے ہر ایک نے رسالت الٰہی کو پہونچایا چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کو اور
آنحضرت صلعم نے اُمت کو پوری تبلیغ کی بعض نے ذکر کیا کہ علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ قریش مین سے کوئی ہو ہر ایک کے حق مین کچھ قرآن نازل
ہوا تو ایک شخص نے پوچھا کہ آپکے حق مین کیا نازل ہوا فرمایا کہ کیا تو سورۂ ہود نہین پڑھتا قولہ افمن کان علی بینۃ من ربہ و یتلوہ شاہد منہ۔ پس
آنحضرت صلعم بینۃ من ربہ ہین اور مین شاہد ہون۔ اخرجہ ابو نعیم و ابن ابی حاتم۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے
فرمایا کہ یتلوہ شاہد منہ علی ظاہر ہے۔ اخرجہ ابن عساکر۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا کہ بعض کے قول مین یتلوہ شاہد کی تفسیر مین علیؓ ہین مگر یہ قول
ضعیف ہے اسکا کہنے والا کوئی ثابت نہین ہوتا اور حق وہ قول اول و ثانی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مومن کے پاس فطرت خود شاہد شریعت ہے
مگر بالاجمال پھر شریعت سے اسکی تفاصیل لیجاتی ہین اور فطرت اسکی تصدیق کرتی اور اُسپر ایمان لاتی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ افمن کان

علیٰ بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہد منہ یعنی قرآن جسکو جبرئیلؑ نے آنحضرت صلعم کو اور آنحضرت صلعم نے امت کو پہونچایا۔ پھر فرمایا۔ وَمِنْ قَبْلِهٖ ۔ اور
پہلے قرآن سے کِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۔ موسیٰ کی کتاب یعنی توریت ہو درحالیکہ وہ اس امت کے لیے امام پیشوا اور رحمت آلہی تھی کہ دے
اسکی اقتدا میں رحمت آلہی پاسنے لہذا جو اسپر ایمان لایا اسکا ایمان خواہ مخواہ منجر ہوا کہ قرآن پر ایمان لاکر سعادت دارین حاصل کرے ۔ الحاصل
یتلوہ شاہد منہ ویتلوہ شاہد آخر وہ کتاب موسیٰؑ ۔ یعنی ایک تو اسکا شاہد از جانب حق ہے اور دوسرا شاہد کتاب موسیٰ ہے کیونکہ اُسنے محمد صلعم
کی رسالت عامہ وختم رسالت کی شہادت دی ہے زجاج رح نے کہا کہ المعنی ویتلوہ من قبلہ کتاب موسیٰ کیونکہ آنحضرت صلعم کا وصف بلیغ توریت
مین اور انجیل مین مذکور ہے مترجم کہتا ہے کہ یہ قول بنا بر نیکہ یتلوہ تلاوت کرنا ہے اسکو یعنی بینۃ وحی کو شاہد منہ شاہد از حق یعنی محمد صلعم
اور من قبلہ کتاب موسیٰ ۔ مربوط یا ثبات آنحضرت صلعم کا وصف اسمین مذکور تھا۔ اظہر قول یہ ہی کہ افمن کان عام ہے آنحضرت صلعم اصل و اول ہین
اور مومنین مخلصین آپکے مقتدی ہین چنانچہ فرمایا ۔ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۔ ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بینہ پر ہین وہی ایمان لاتے
ہین اسپر یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یا قرآن کی تصدیق کرتے ہین وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ ۔ اور جس نے کفر کیا اسکے ساتھ یعنی نبی صلعم
یا قرآن کے ساتھ احزاب مین سے ۔ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۔ تو دوزخ اُسکا وعدہ گاہ ہے ۔ دوزخ کو موعد قرار دینا تہویل ہی کہ اسمین طرح طرح کے
عذاب الیم ہین ۔ احزاب جمع حزب ایک جھنڈا اور وے تمام روے زمین کے لوگ تا قیامت ہین ۔ مقاتل رح نے کہا کہ تمام بنی آدم جن کو قرآن
پہونچا بقولہ تعالیٰ لانذرکم بہ ومن بلغ ۔ وبقولہ قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا پھر وہ حدیث ذکر فرمائی قال والذی نفسی بیدہ لا یسمع
بی احد من ہذہ الامۃ الخ یعنی صحیح مسلم مین ابو موسیٰ اشعری رضہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ مین میری
جان ہے کہ نہین سنیگا مجھے کوئی اس امت مین سے خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لاویگا تو بیشک دوزخ مین داخل ہوگا ۔ سعید
بن جبیر سے روایت ہو کہ مین جب کوئی حدیث سنتا تو اسکا مصداق یا تصدیق قرآن مجید سے پاتا پھر جب مجھے یہ حدیث والذی نفسی
بیدہ لا یسمع بی الخ پہونچی تو مین نے ڈھونڈھا کہ اسکا مصداق کلام آلہی مین کہان ہین یہانتک کہ مجھے یہ آیت ملی کہ من یکفر بہ من الاحزاب
فالنار موعدہ کہا کہ احزاب تمام ملتون والے کوئی ہون ۔ فَلَا تَكُ ۔ دراصل تکن تھا نون خلاف قیاس حذف ہوتا ہے فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ مریہ
بالکسر لغت اہل حجاز وہی جمہور کی قراۃ ہے اور بالضم لغت اسد وتمیم وغیرہ اور سلمی وغیرہ کی یہی قراۃ ہے ۔ والمعنی پس نہ ہیو تو کسی طرح کے
شک مین قرآن سے ۔ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۔ بیشک وہ حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے ۔ آنحضرت صلعم تو قرآن مین واسکے وعدہ
ووعید مین شک کرنے سے معصوم تھے پس قولہ فلا تک اگرچہ ظاہر خطاب آپکو ہے مگر یہ تعریض ہے اور لوگون کو جو شک کرتے و کفر کرتے ہین
لہذا فرمایا ۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ ولیکن بہتیرے لوگ ایمان نہین لاتے ہین خواہ اسوجہ سے کہ مانند علماء یہود کے حق جان کر
عنادکرتے یا کفر پر مطبوع ہوے کہ ان کے دلون مین اسکا حق ہونا باوجود کھلے دلائل کے نہین سماتا ہے ۔ اسمین تنبیہ ہے کہ قرآن و راہ
ہدایت کے منکر بہت ہونگے اور مومنین تھوڑے ہے چنانچہ آئندہ و گذشتہ آیت ولقد صدق علیہم ابلیس ظنہ الآیۃ ۔ مین اسکی تصریح ہے
فافہم ف ۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ افمن کان علیٰ بینۃ الخ آیت کی تقدیر بطریق استفہام کے اس معنی مین ہی کہ جو کوئی اپنے پروردگار کی
طرف سے بینہ و برہان پر ہو کیا ویسا ہے جو اختیار دنیا و ضلالت و جہالت مین پڑا ہے جس شخص کو اپنے رب کی معرفت و ولایت و کرامت
حاصل ہو وہ محض بندہ دنیا کے مثل نہین ہے اور ہر عارف جب حق سبحانہ تعالیٰ کو اپنے قلب و روح و عقل و سر باطن سے مشاہدہ کر لیتا ہی
اور انوار جمال و قرب پا جاتا ہے تو یہ اسکی صورت تک مین اثر کرتا ہے یہانتک کہ اسکے چہرہ سے انوار آلہی ظہور کرتا ہے جسکو ہر نظر والا دیکھتا ہے

قولہ تعالیٰ ویتلوہ شاہد منہ - بینہ تو بصیرت معرفت ہے اور شاہد اسکے ساتھ ظہور نور مشاہدہ ہے اور نیز بینہ کلام معرفت ہے اور شاہد اسکے لئے قرآن وحدیث ہے پس جو شخص اس مرتبہ پر ہو وہ چشم حق سے مکنون غیب اسرار قلب دیکھتا ہے اور اسکا مشاہدہ اسکے یقین پر اور اسکا یقین اسکی بصیرت پر اور بصیرت عقل پر اور عقل اسکے نفس پر غالب ہوتے ہیں حتیٰ کہ اسکا نفس اپنی ہوا و ہوس سے اس کا مزاحم نہیں ہو سکتا بلکہ واردات حق از کشف وعیان وبیان کے تحت میں اسکا نفس فانی ہوتا ہے تصدیق اسکی قولہ تعالےٰ فلا تک فی مریۃ منہ انہ الحق من ربک جو کچھ حق سے وارد ہو وہ حق ہے جبکہ معارضۂ نفس زائل ہو گیا پھر اگر اول نزول انوار میں کوئی خطرہ آیا تو یہ امتحان حق ہے پھر اسپر وارد اسلئے حقیقیہ ایسے آتے ہیں کہ اس خطرہ کو بالکل زائل کر دیتے ہیں شیخ ابو عثمان رحؒ نے کہا کہ جو کوئی بینہ پر ہو گیا پھر اسپر کوئی بھید چھپا نہیں رہتا ہے - رویم رحؒ نے کہا کہ بینہ یہ ہو کہ بندہ کو اپنے قلب پر اطلاع نصیب ہو اور عیوب پر حکم ہو جنید رحؒ نے کہا کہ بینہ حقیقت ہے اور موید اسکا ظاہر علم ہے - ابو بکر بن طاہر رحؒ نے کہا کہ جو کوئی بینہ پر ہو اس کے اعضاء ظاہری اپنے پروردگار کی درگاہ پر طاعت میں حاضر رہتے ہیں اور اسی کے حکم سے موافقت کرتے ہیں اور زبان اسکی یاد میں تر رہتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دنیا میں پھیلاتا ہے اکثر زبان سے اور اسکا قلب منور با نوار توفیق ہوتا ہے اور اسمیں تحقیق کی روشنی بھری ہوتی ہے اور اسکے سر و روح کو تمام اوقات میں حق کا مشاہدہ ہوتا ہے اور مکنون عیوب دستور سے جو ظاہر ہو سکتا ہے اسکو وہ جانتا ہے اور اشیاء کو یقین کی نظر سے دیکھ لیتا اور اسکا حکم اسکی مخلوق پر مانند حکم حق کے ہو کہ نہیں نطق اسکا مگر بحق اور نہیں دیکھتا مگر بحق کیونکہ وہ مستغرق فی الحق ہو پس اسکا مرجع نہیں مگر الی الحق - پھر ابطال الحق کے بیان کے بعد زبان اشارت میں ظالمین مدعین کے جو بہتان و فریب کرتے ہیں مذمت فرمائی قلت یعنی آگے کی آیت میں فافہم - پھر اللہ تعالےٰ پر افترا کرنیوالوں کا خسران بیان ہوا

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ

اور کون ظالم ہے اُس سے جو باندھے اللہ پر جھوٹھ وہ لوگ روبرو آوینگے اپنے رب کے اور کہیں گے

الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

گواہی والے یہی ہیں جنھوں نے جھوٹھ بولا اپنے رب پر سن لو پھٹکار ہے اللہ کی بے انصاف لوگوں پر

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم

جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈھتے ہیں اُس میں کجی اور وہی ہیں

بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم

آخرت سے منکر وہ لوگ نہیں تھکا نیوالے زمین میں بھاگ کر اور نہیں ہے اُن کو

مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ

اللہ کے سوائے حمایتی دونا ہے اُن کو عذاب نہ سکتے تھے

السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا

سُننا اور نہ تھے دیکھتے وہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان اور گم ہو گیا اُن سے جو

يَفْتَرُونَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ○

جھوٹ باندھتے تھے آپ ہوا کہ یہ لوگ آخرت میں ہی ہیں سب سے خراب

اللہ تعالیٰ نے منکرین کفار کے چودہ ذمائم بیان فرمائے۔ ذم اول یہ کہ وہ مفتری ہیں بقولہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ اور کون بڑھکر ظالم ہے یعنی کوئی بڑھکر ظالم نہیں اس شخص سے جسنے افترا کیا اللہ تعالیٰ پر کَذِبًا۔ دروغ۔ یہ زیادہ فضیحت و مبالغہ ہے کیونکہ افترا خود کذب ہے، تو یہ لوگ افترا و کذب کے جامع ہیں پھر انکا افترا ظاہر ہے کہ بتوں کو اپنا شفیع بتلاتے اور ملائکہ کو دختریں بناتے اور قرآن کو کلام مخلوق کہتے اور قولہم واللہ امرنا بہا۔ ایسے افعال کی نسبت کرتے جو فحش تھے غرضکہ خالق عزوجل کی جناب میں خلاف واقع انکا افترا کرتے اور ایسے ہی عزیرؑ کو بیٹا اور مسیح کو بیٹا کہتے۔ واضح ہو کہ ظاہر لفظ سے نکلتا ہے کہ ان سے اظلم کوئی نہیں ولیکن مقام مقتضی ہے کہ اُن کے برابر ظالم بھی نہیں ہے۔ دوم آنکہ یہ لوگ مقام ذلت و خواری میں پیش ہوں گے بقولہ۔ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ یہی لوگ پیش کیے جاویں گے اپنے پروردگار کے سامنے یعنی قیامت کے روز جسمیں کچھ شک نہیں ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اس پیش ہونے میں یہی لوگ مختص نہیں بلکہ عرض عام ہے سب بندے پیش ہوں گے۔ بقولہ وعرضوا علی ربک صفا۔ جواب دیا گیا کہ فضیحت کے لیے پیش ہونا انہیں سے مخصوص ہے کیونکہ اُن کے مخالف فقط ایک فریق مومنین کا ہے پس وے فضیحت نہیں کیے جاوینگے بلکہ یہی سب احزاب فضیحت ہونگے بقولہ تعالیٰ۔ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ۔ اور اشہاد کہیں گے کہ یہی ہیں وے لوگ جنھوں نے جھوٹ باندھا اپنے پروردگار پر۔ اس سے اُنکو نہایت ذلت و خواری حاصل ہوگی مع اُن کی بدصورتوں کی شناخت و تشہیر کے اور یہ تیسری صفت مذمت ہے۔ اشہاد جمع شہید اسی کو فاضل ؒ نے ترجیح دی کیونکہ قرآن میں کثرت سے اسکا ورود ہے بمانند قولہ ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ قولہ من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ہؤلاء شہیدا۔ بعض نے کہا کہ وہ جمع شاہد ہے مانند اصحاب صاحب کے پھر ان اشہاد میں اختلاف ہے کہ کون لوگ ہوں گے۔ مجاہدؒ نے کہا کہ وہ ملائکہ ہوں گے جو دنیا میں اُن کے اعمال کے حافظ تھے۔ مقاتل نے کہا کہ الناس جیسے کہتے ہیں کہ علی رؤس الاشہاد یعنی علی رؤس الناس اور ایک قوم نے کہا کہ انبیاء ہوں گے بقولہ تعالیٰ فلنسئلن الذین ارسل الیہم ولنسئلن المرسلین۔ یہ قول ابن عباسؓ کا ہے اور بعض نے کہا کہ ملائکہ و مرسلین و علماء جنھوں نے دنیا میں اُن کو دین الٰہی پہونچایا تھا اور قتادہؒ نے کہا کہ جمیع خلائق۔ مترجم کہتا ہے کہ سوائے فرقہ مومنین کے جملہ خلائق یہی کذاب ہیں ماسوائے ملائکہ کے۔ فافہم۔ اسکے تعیین کی حاجت نہیں بلکہ اسی قدر کافی ہے کہ جو اشہاد ہوں گے وہ اُن کو فضیحت و خوار کریں گے کہ انھیں نے دنیا میں اپنے پروردگار پر دروغ باندھا تھا اگر کہا جاوے کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مقام پر ہے حالانکہ او تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے جواب دیا گیا کہ یہ لوگ ان مقامات میں پیش ہوں گے جو حساب کے لیے مقرر ہیں۔ حق جواب یہ ہو کہ اسکی تاویل و کیفیت عقل بشری سے باہر ہے اور قدرت الٰہی اس سے اعلیٰ واجل ہے پس ہمیں کوئی مشکل نہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وے پیش ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے کوئی کیفیت اسکے خیال میں نہیں لاتے ہیں بالجملہ دار آخرت میں مفتریوں کی فضیحت ہوگی ابن کثیرؒ نے کہا کہ ملائکہ و رسولوں و باقی آدمیوں و جنوں کے روبرو اور اشہاد کہیں گے کہ انھیں نے دنیا میں اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ خبردار ہو کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے بعض نے کہا کہ یہ منجملہ کلام اشہاد سے ہے اور بعض نے کہا کہ محتمل ہے کہ بعد اشہاد کے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں رحمت سے دوری و لعنت فرمائی۔ سراج میں کہا کہ یہ اُن کی چوتھی مذمت ہے اور عقاب قیامت سے آگاہ کرنیکے بعد

فی الحال وے جس طرح ہین وہ بیان کیا یعنی فی الحال ظالمین ملعون ہین۔ پھران کی پانچوین مذمت فرمائی بقولہ تعالیٰ۔ اَلَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ۔ یہ ایسے لوگ ہین جو روکتے ہین راہ آلہی یعنی اُسکے دین سے لوگون کو اس راہ راست پر چلنے نہین دیتے چھٹی مذمت یہ کہ وَیَبۡغُوۡنَہَا اور چاہتے ہین اس راہ کو عِوَجًا۔ کج معوجۃ۔ یعنی چاہتے ہین کہ راہ ایسی ہو جیسے اُن کے نفوس چاہتے ہین جو سراسر ظلم و برائی سے محض کج ہے راہ مستقیم نہین ہے۔ پھر ساتوین مذمت فرمائی بقولہ وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ۔ لفظ ہم کی تکرار اُنکی تاکید کفر و توغل کیلیے ہو۔ یعنی حالانکہ وے آخرت سے کافر ہین جملہ حالیہ ہی۔ آٹھوین مذمت یہ کہ اُولٰٓئِکَ لَمۡ یَکُوۡنُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ۔ ایسے لوگ نہ تھے معجز زمین مین۔ یعنی اگر دنیا مین اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب کرنا چاہتا تو یہ اسکو عاجز کرنیوالے نہ تھے کہ کہین بھاگ جاتے کیونکہ عذاب آلہی اسکی مشیت ہو تو ہر جگہ وہر طرح بندہ کو پہونچے۔ بعض نے کہا کہ معجزین اے سابقین یعنی دنیا مین کچھ سبقت نہین کر گئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک وقت تک عذاب سے مہلت دی تھی۔ بعض نے کہا معجزین اے فائتین وبعض نے کہا مفلتین۔ یعنی دنیا مین اگر عذاب چاہتا تو یہ اسکو فوت نہین کرسکتے یا اس سے اُچک کر بھاگ نہ سکتے تھے سب کے معنی قریب قریب ہین کیونکہ عذاب آلہی سے چھٹکارا بندے کو اپنی طاقت سے محال ہی۔ نوین مذمت وَمَا کَانَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ اَوۡلِیَآءَ۔ اور نہین اُن کیلیے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اولیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُنکا ولی نہین تو اسکے سوائے کوئی غیر انکا ولی نہین ہوسکتا جو اُن کو عذاب آلہی سے بچالیوے۔ دسوین مذمت دونا عذاب ہونا۔ یُضٰعَفُ لَہُمُ الۡعَذَابُ۔ دونا کیا جائے گا اُن کیلیے عذاب۔ کہا گیا کہ خود گمراہ ہوے اور دوسرون کو گمراہ کیا۔ کہا گیا کہ اُنھون نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور اُسپر افترا باندھا۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ قولہ اولئک لم یکونوا الخ دنیا مین اُنسے انتقام پر قادر ہے مگر ان کو ایک ایسے دن تک مہلت دی جسمین آنکھین پھراوینگی اور صحیحین مین ہی کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہان تک کہ جب پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو چھٹکارا نہین ہوتا اور قولہ یضاعف لہم الخ یہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کان آنکھین دل دیا تھا کہ بچانین مگر وے صم بکم عمی رہے لہذا قیامت مین اقرار کرین گے۔ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ دوسری آیت مین فرمایا زدناہم عذابا فوق العذاب الآیۃ۔ اسیواسطے ہر امر آلہی جسکو ترک اور ہر نہی جسکا ارتکاب کیا ہے سب پر عذاب کیے جاوین گے اسی واسطے اقوال مین سے اصح قول یہ ہی کہ کافر لوگ بلحاظ دار آخرت کے فروع اعمال سے بھی مکلف ہین مترجم کہتا ہے کہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک کافر نماز روزہ زکوۃ وغیرہ کا قبل ایمان کے مکلف نہین بلکہ اول ایمان لاوے پس ان اعمال کا مکلف ہوگا کیونکہ یہ اعمال بدون ایمان کے باطل ہین اور مشہور مذہب شافعی رح یہ ہی کہ کفار فروع اعمال سے مکلف ہین پھر جو قول شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا وہ ظاہر حدیث صحیح مسلم اخذ بالاول والآخر یعنی عدم ایمان کی صورت مین اگلے وپچھلے گناہون مین ماخوذ ہوگا موافق ہے پس ظاہر اس قول پر احکام دنیاوی ان پر جاری نہ ہون گے بلکہ آخرت مین ضعف عذاب کیواسطے ہے اور فائدہ اسکا یہ ہی کہ مثلاً رمضان مین کسی کافر تندرست مقیم نے جو بہت پیاسا ہے کسی مسلم سے پانی مانگا تو اسکو پلاوے یا نہین پس بنا بر قول مذکور کے ہر دو مذہب کے موافق پلادینے مین مضائقہ نہین ہے۔ فافہم۔ گیارہوین مذمت۔ مَا کَانُوۡا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ السَّمۡعَ نہ تھے کہ استطاعت رکھتے سمع کی یعنی سننے کی۔ قتادہ رح نے کہا کہ سماع حق سے بہرے تھے پس بھلائی کو سنکر اُس سے انتفاع نہین لیتے تھے۔ وَمَا کَانُوۡا یُبۡصِرُوۡنَ۔ اور نہین تھے کہ دیکھین یعنی بھلائی کے دیکھنے سے اندھے تھے دیکھتے نہ تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل الشرک اپنی طاعت مین بیچ مین روک کر دی پس دنیا مین اسطرح کہ ما کانوا یستطیعون السمع الخ اور آخرت مین اسطرح کہ فلا یستطیعون خاشعۃ ابصارہم الآیۃ۔ پھر بارھوین مذمت قولہ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡٓا اَنۡفُسَہُمۡ۔ یہی لوگ ہین جنھون نے

خسارہ مین ڈالا اپنی جانون کو۔ کیونکہ انھون نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بدل کر اٰلہہ کی عبادت کی پس ہمیشگی کی آگ مین پڑے اور یہ بڑے خسارہ کی وجہ ہی تیرھوین مذمت قولہ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۔ اور گم ہو گیا اُن سے وہ کچھ جو افترا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کا دعویٰ کرتے اور کہتے کہ یہ بت وغیرہ آلہہ انکے سفارشی ہین اور مسیح اُن کے گناہون کا کفارہ ہو گئے ہین یہ سب باطل دعویٰ گم ہو جاوین گے چودھوین مذمت ۔ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۔ لامحالہ وہی عاقبت مین نہایت خسارہ والے ہین خلیل وسیبویہ نے کہا کہ لاجرم بمعنی حق ہے پس ان کے نزدیک یہ گویا کلمۂ واحدہ ہے فرّا رحمہ نے کہا کہ بمنزلہ لابد ولامحالہ کے ہے پھر کثرت استعمال سے بمعنی حق ہو گیا۔ زجاج رحمہ نے کہا کہ جرم بمعنی کسب اور فاعل مضمر ہے اے کسب ذلک الفعل لہم الخسران۔ اور ان کو نصب بوجہ جرم کے ہے والمعنی اس فعل نے ان کو خسران کما دیا۔ ازہری رحمہ نے کہا کہ یہ اس لغت مین احسن توجیہ معقول ہے۔ بالجملہ اس آیت سے من کان علیٰ بینۃ من ربہ مین اور من کان یرید الحیوۃ الدنیا مین فرق وتفاوت ظاہر ہوا خصوص جبکہ اگلی آیات مین مومنون کے درجات بیان ہون گے تو ان مین کمال تفاوت ظاہر ہو جاویگا ف فی العرائس قولہ تعالیٰ ومن اظلم ممن افتریٰ الخ اسمین اشارت سے ثابت ہو کہ ریاکار ومکار بھی عذاب مین ماخوذ ہون گے یعنی کون بڑھکر ظالم ہے اس شخص سے جو ولایت کا دعویٰ کرے اور سابق الحکم مین وہ کذاب ٹھہرا ہے گویا وہ چاہتا ہے کہ وہ حکم ازلی جو اسکے کفر وبہتان کا جاری ہوا اسکو توڑ دے اور اولیا وصدیقین جن کے حق مین سابق عنایت ہو اُن کو اہل شقاوت سے مقابلہ ومماثلہ کرے پس ظلم اس کا اس مراد سے کہ اپنے آپ کو ولایت کے دعویٰ پر لاکر اللہ تعالیٰ پر دروغ باندھتا ہے حالانکہ وہ کاذب ہو اور ان مفسدون کی غرض اس فعل سے یہ ہوتی ہے کہ ریا وسمعہ وجاہ کیلئے مخلوق کے منہ اپنی طرف پھیرلاوین پس اللہ تعالیٰ ان کو قیامت مین تمام خلائق کے روبرو فضیحت فرماویگا پس جو کوئی اپنے پروردگار سے سچا معاملہ رکھتا تھا وہ اُن کے کذب پر گواہی دیگا پھر قرب ووصال سے دور کر کے نکال ووبال مین ڈالے جاوین گے بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرنیوالا وہ شخص بھی ہے جو اپنے واسطے ان احوال کا دعویٰ کرے جو بزرگان دین وصلحا رکو حاصل تھے اور اپنے نفس سے ایسے مقام کا مشاہدہ ظاہر کرے جہان اسکو شہود نہین ہوا ہے پس ایسے لوگون کو اللہ تعالیٰ دنیا مین بھی فضیحت کر دیتا ہے کہ ان کے کذب پر وے لوگ مطلع ہو جاتے ہین جو حقائق اشیاء کو بنور حق دیکھتے ہین پس وے ظاہر کر دیتے ہین کہ ہٰؤلاء الذین کذبوا علیٰ ربہم کیونکہ اُنھون نے اپنے لئے ایسے احوال ظاہر کئے جو درحقیقت ان مین نہین ہین۔ اور اپنے آپ کو لباس صلحا سے آراستہ کر لیا لہذا یہ فضیحت تو ان کو مجالس اہل الحق مین ہے یہان تک کہ جب قیامت مین مشاہد الحق مین جاوین گے تو عام فضیحت اُٹھا دینگے۔ قولہ تعالیٰ ما کانوا یستطیعون السمع الآیۃ ۔ یہ لوگ خطاب حق کو دل کے کانون نہین سنتے تھے اور مشاہدۂ حق کو روح کی آنکھون نہین دیکھتے تھے کیونکر سنتے و دیکھتے کہ ازل مین اُن کے حق مین عنایت نہین جاری ہوئی بعض نے کہا کہ سماعت کی استطاعت ایسے شخص کو کیا ہو جس کے کان امر حق کی سماعت کے لیے نہین کھلے ہین اور کیونکر دیکھے جس کی آنکھ مین توفیق کا سُرمہ نہین ہے کیونکہ بغیر سُنائے اور بغیر دکھلائے کچھ دیکھتا وسنتا نہین ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل الخسران کے نکال ووبال کے بیان کے بعد اہل درجات از اہل ایمان کے فضائل وکرامات کو بیان فرمایا بقولہ۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

البتہ جو لیقین لائے اور کین نیکیان اور عاجزی کی اپنے رب کی طرف وہ ہین جنت کے لوگ

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

وہ اس میں رہا کرینگے   مثال دونوں فریقوں کی جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھتا اور سنتا   کیا برابر ہے

مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

دونوں کا حال   پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے

ع ۲

اب اہل ایمان وطاعت کا حال اور ہر دو فریق کی مثال بیان فرمائی بقولہ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ بیشک وہ بندے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے یعنی رسول الٰہی و کلام الٰہی سے معرفت صحیحہ حاصل کرکے سب جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اسپر یقین کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کام کئے نیک یعنی جو طاعات نماز روزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ بتلائے ہیں اور رسول صلعم نے سکھلائے ہیں سب بجا لائے مگر خالی اعضاء وجوارح ظاہرہ سے نہیں بلکہ اسکے ساتھ وَاَخْبَتُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ۔ اور خشوع وخضوع کیا اپنے رب کی طرف۔ اصل اخبات کا معنی مستوی ہونا جنت یعنی زمین ہموار میں پس خشوع واطمینان کے معنی سے مناسب ہے اسی واسطے کہا گیا کہ واخبتوا سے اثابوا مطمئن ہوکے اپنے رب کی طرف۔ فراء نے کہا کہ الی ربہم اور لربہم واحد ہیں اور ربیع وغیرہ نے کہا کہ اخبت الیہ کے معنی اطمئن ہوا اسکی جانب اور اخبت لہ کے معنی اسکے لیے خاشع وخاضع ہوا بعض نے کہا۔ انابوا یعنی پروردگار کی طرف دل سے جھکے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ خافوا۔ یعنی اپنے پروردگار سے خوف وتقویٰ کیا۔ بالجملہ اشارہ ہے کہ آخرت میں اعتبار اعمال جوارح کے ساتھ اعمال قلب کا ہے یعنی نماز وغیرہ خشوع وخضوع سے ہو اور خود بندہ دیگر اوقات میں خاشع رہے۔ اُولٰٓئِكَ یہ بندے جن کا وصف ایمان وطاعت وخشوع وخضوع مذکور ہوا۔ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ جنت والے ہیں۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ ابن کثیر رح نے کہا کہ اہل سعادت جنھوں نے جوارح سے قولی وفعلی اعمال صالحہ کئے ومنکرات کو ترک کیا اور دل سے خشوع وخضوع کیا وہی جنت کے وارث ہونگے جسمیں غرف عالیہ وسرر مصفوفہ وقطوف دانیہ وفرش مرتفعہ وخیرات حسان وغیرہ نعیم باقیہ دائمہ ہیں اسمیں انکو خلود ہوگا نہ کبھی مرینگے نہ بوڑھے ہوں گے نہ بیمار ہوں گے نہ بیند میں اونگھیں گے نہ پاخانہ میں بیٹھیں گے نہ وہاں تھوک بلغم ہو وہاں تو عرق مشک کی خوشبو ہو۔ واضح ہو کہ جنت واسکی نعمتوں کا بیان بہت دراز ہے وہاں ایک رضوان الٰہی و دیدار جیسے نعمت ہے کہیں ممکن نہیں ہے پھر دونوں فریق کی مثال فرمائی بقولہ تعالیٰ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ۔ فریق کفار کی تشبیہ اعمیٰ یعنی اندھے واصم یعنی بہرے سے فرمائی۔ خواہ علیحدہ علیحدہ یا یہ دونوں ہوں اور مومن کی تشبیہ بھی اسی طرح سمیع یعنی سننے والے وبصیر یعنی آنکھوں سے دیکھنے والے سے فرمائی پس اگر مثال مجموعی ہو تو مطلب صفت بصفت ہو۔ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا یعنی حالا وصفۃ بھلا دونوں فریق برابر ہیں اندازہ حال وصفت کے یعنی ہرگز نہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ کیا تم سوچ نہیں کرتے ہو کہ ان میں بڑا تفاوت ہے پس تم بھی مومن ہو جاؤ۔ دوسری آیت میں فرمایا لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ الآیۃ۔ اور فرمایا ما یستوی الاعمیٰ والبصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات الآیۃ۔ بالجملہ دونوں میں صاف فرق کردیا حجت تمام ہوگئی ف۔ فی العرائس قولہ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات الآیۃ۔ اشارت ہے کہ آمنوا یعنی جو اعیان غیبیہ کو بصفت دیدار یقین کیا اور وعملوا الصالحات یعنی اپنی جانیں قرب حاصل ہونے میں ذاکر دین اور دفعتا ارذکر سے اپنے سراور آنکھ کے وفکر کو آیات الٰہی میں جولان کیا واخبتوا الی ربہم یعنی اسرار کی بصیرت سے سلطان کبریائی کے انوار دیکھکر اسکے تحت میں فنا ہوگئے یعنی

اپنے آپ کو صفات قدم مین فنا کر کے اصحاب مشاہدہ صفات بقا رہین اور بدون صرف فنا کے باقی ہین کیونکہ اب بعد محو کے ہمیشہ اصحاب
الصحو ہین گے۔ شاہ کرمانی رح نے کہا کہ اخبات تین طرح ہے عدم ایاس مع توبہ کے کیونکہ گناہون کی طرف کثرت سے عود ہوتا ہے اور خوف
استدراج کا پردہ مین یعنی شاید باوجود ان گناہون کے انعام (نا امید ہو) فقط استدراج ہون کہ ناگہانی عذاب مین پکڑا جاوے اور سوم توقع
عقوبت کی ہر وقت بخوف کیونکہ وہان عدل ہے اور عدل مین یہان گناہ بہت ہین استاد رح نے کہا کہ اخبات یہ ہے کہ ہمیشہ انکسار کے
ساتھ دل کو اللہ تعالی کی طرف خشوع ہو اور مخبتین کے علامات مین سے یہ ہے کہ ہمیشہ پوشیدہ استعانت کے ساتھ احکام تقدیر کے
تحت مین گھلتے رہتے ہین۔ پھر اللہ تعالی نے ازلی مقبول بندون اور ازلی مطرودین فرق بیان فرمایا کہ فریق اول کو نعمت ولایت ہے
اور دوم کو حجاب بقولہ مثل الفریقین کالاعمی آہ بیان اشارت سے ثابت ہے کہ باطنی حالت کے اعتبار سے جو حقیقت مین مشاہدہ و وصال
مین پہونچا وہ محقق مانند سمیع و بصیر کے ہے اور جو حقیقت مین کچھ نہین مگر ظاہر مین مکار ہے وہ اندھا و بہرا ہے۔ پھر سمیع کی یہ کیفیت
ہے کہ حق تعالی سے اس کے کلمات کو اسی کی قوت سے سنتا ہے اور انہین کلمات سے اسکو خواطر ملکوتی اور ہواجس شیطانی و نفسانی مین فرق
معلوم ہوتا ہے اسی طرح جمال حق تعالی کو قوت حق سے دیکھتا ہے اور یہ کوئی کرامت اپنی قوت سے نہین ملتی ہے وہی پاک پروردگار سبحانہ
اپنے کرم سے عارفون کے دل اور محبون کی آنکھین روشن کر دیتا ہے جس سے ان کو آدمیون کے دلی خطرات اور غیب کے حقائق ظاہر ہو جاتے ہین
اور جو شخص مکار جاہل ہے وہ الہامی ہواتف کو نہین سنتا کیونکہ اسکو خاص سننا جو بقوت حق ہے حاصل نہین ہوا اور اسپر بشری شہوات
وعوارض غالب ہونے کی وجہ سے اسکو معرفت کے انوار نظر نہین آتے۔ یہ صریح مثال دونون کی فرما کر اہل عقل سے دونون کے
مساوات پوچھی بقولہ ہل یستویٰن یعنی ہرگز دونون یکسان نہین ہین۔ بعض نے کہا کہ بصیر وہ شخص ہے کہ تقدیر الٰہی مین جو کچھ اس سے مراد ہے
اور جو اس کے نفع و ضرر کے لئے جاری ہو تمام اوقات مین اسکو دیکھے اور سمیع وہ شخص ہے جو خطاب کے تمام اقسام کو خواہ تادیب ہون یا
تقریع ہون یا حث و مذب ہون تمام اوقات مین سنے پھر بعض مشائخ نے کہا کہ اندھا وہ شخص بھی ہے جو عبرت کی باتین نہ دیکھے
اور بہرا وہ شخص بھی جو لطائف خطاب سے محروم ہو اور بصیر وہ شخص جو نظر حق سے اشیاء کو دیکھے تو کسی کا انکار نہ کرے اور کسی چیز سے
تعجب نہ کرے۔ جنید رح نے کہا کہ اندھا وہی ہے جو حقائق اشیاء کو نہین دیکھتا۔ استاد رح نے کہا کہ اندھا وہ ہے جسکو ہدایت کی بینائی
نہ ہو ایسے ہی بہرا وہ جسکے دل کے کان بہرے ہون پس نہ وہ افعال مین تقدیر کا بھید دیکھتا ہے اور نہ نور فراست سے مکاشفات غیب
پاتا ہے اور فرمایا کہ بصیر وہ ہے جو افعال کو علم الیقین سے دیکھے اور صفات کو عین الیقین سے اور ذات کو حق الیقین سے پس جو چیزین
غائب ہین ان کو ایک قسم کا حضور ہے اور جو مستور ہین ان مین کشف ہے۔ پھر جو شخص کہ صفت حق سے سنتا ہے اسکو ہواجس
نفسانی و وساوس شیطانی نہین سنائی دیتے ہین پس دواعی علم سے شرعاً سنتا ہے اور خواطر تعریف سے براہ تقدیر سنتا ہے اور خطاب
حق سے براہ اسرار سنتا ہے پس یہ جاہل و عارف کسی طرح مساوی نہین ہو سکتے ہین۔ پھر انواع دلائل کے بعد بعض قصص و وقائع
امم سابقہ و ان کے بد انجام کو شاہد یقینی بیان فرمایا بقولہ۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ط إِنِّي

اور ہم نے بھیجا نوح کو اسکی قوم کی طرف کہ مین تم کو ڈراتا ہون کھول کر کہ نہ پوجو سوائے اللہ کے مین

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ

ڈرتا ہون تم پر عذاب سے ایک دُکھ والے دن کے پھر بولے سردار جو منکر تھے اُسکی قوم کے ہم دیکھتے نہین تجھکو

إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ ج وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ

مگر آدمی جیسے ہم اور دیکھتے نہین کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم مین نیچ قوم ہین اوپری عقل سے اور دیکھتے نہین تم کو

عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ۝

اپنے اوپر کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہو کہ تم جھوٹے ہو

وَلَقَدْ واو ابتدائیہ و لام موطئۃ القسم ہے۔ أَرْسَلْنَا نُوحًا نوح علیہ السلام اول رسول ہین جو کافر بت پرستون کی طرف بھیجے گئے بعد آدم علیہ السلام کے لوگون کے گمراہ ہونے کے وقت۔ إِلَىٰ قَوْمِهِ۔ یہ قوم بُت پرست تھی اور بعد آدم کے دس قرن تک لوگ توحید پر رہے پھر اُن مین کفر پھیلا۔ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ۔ بعض نے کہا کہ تقدیر کلام بانی لکم ہے پس ان مفتوحہ کی قراۃ ابوعمرو و ابن کثیر و کسائی پر صحیح ہو اور باقی قرّاء نے بالکسر پڑھا تو قول مضمر ہے یعنی قال انی۔ یا قائلا انی۔ والمعنی او قسم ہے کہ بیشک ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم پاس کہتا ہوا کہ مین بیشبہہ تمھارے لیئے کھلا ڈر سنانے والا ہون۔ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ۔ ان مصدریہ یا مفسرہ متعلق بارسلنا یا نذیر یا مبین ہے اور لا ناہیہ ہو۔ سراج مین کہا کہ انی لکم آخ سے یہ جملہ بدل ہو یعنی مین تمھین ڈراتا ہون کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کی عبادت مت کرو۔ یا مبین کا مفعول ہو یعنی صاف بیان کرنے والا ہون اس امر کو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو مت پوجو۔ علی ہذا مبین بمعنی بیّن نہین بلکہ افعال متعدی معنی مین ہو۔ خالی انذار پر اکتفا کیا اسلیئے کہ نوح کی دعوت محض انذار تھی بشارت نہین۔ یہ قول ضعیف ہے بعض نے کہا کہ بشارت ان مین کارگر نہین ہوئی۔ مترجم کہتا ہے کہ قوم بد افعال مین مبتلا تھی اس سے باز رہنے کا حکم دیا اور نہ ماننے کی صورت مین ڈر سُنایا۔ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ۔ بیشبہہ مجھے تم پر عذاب روز الیم کا خوف ہو۔ روز کو الیم کہنا باعتبار اسکے عذاب کے ہے اور مراد روز طوفان ہو یا روز قیامت اور ظاہر یہ ہو کہ قیامت مراد ہو یا مخالفت پر عذاب کا یقین کر کے فرمایا کہ ایک نہ ایک روز تم پر عذاب آویگا اسلیئے کہ غرق کی وحی پیچھے ہوئی ہے ہان محتمل ہو کہ پہلے سے قوم کا انجام معلوم ہو واللہ اعلم فی السراج۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ چالیس برس کی عمر ہونے پر رسول ہوئے اور ساڑھے نوسو برس قوم کو راہ راست کی طرف بُلایا۔ مقاتل رحؒ نے کہا کہ سو برس کی عمر مین اور بعض نے کہا کہ پچاس برس اور بعض نے کہا کہ دو سو پچاس برس کی عمر ہونے پر رسول ہوئے اور ساڑھے نوسو برس دعوت کی اور بعد طوفان کے ڈھائی سو برس زندہ رہے تو اُن کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس برس کی ہوئی اور نوح اسم عجمی ہو لہذا جس نے کہا کہ کثرت گریہ کی وجہ سے نوح بالفتح سے ماخوذ ہو اُسنے سہو کیا کیونکہ عربی اشتقاق نہین ہو سکتا۔ اس سورہ مین سات قصے ترتیب وار جس طرح زمانہ مین واقع فرمائے ہین ذکر کیئے از انجملہ پہلے یہی قصہ نوحؑ ہو۔ الحاصل حضرت نوحؑ نے قوم بت پرست سے کہا کہ اگر تم نے سوائے اللہ تعالیٰ کے غیر کو پوجا تو مجھے تم پر عذاب الیم واقع ہونے کا خوف ہو لہذا تم باز رہو۔ مترجم کہتا ہے کہ جو کوئی مشرک مرے اسپر عذاب آخرت یقینی ہو پس ظاہر کلام اسکو مشعر ہے کہ آنحضرتؑ نے قوم کو دنیاوی عذاب کا خوف دلایا۔ قوم نے ان کے جواب مین صاف انکار کیا اور تین شبہہ پیش کیئے چنانچہ اُن کو بیان فرمایا۔ بقولہ تعالیٰ فَقَالَ الْمَلَأُ ملا جماعت اشراف جنکو دنیا کی ریاست و منزلت حاصل ہو۔ الَّذِينَ كَفَرُوا جملہ صفت ملا۔ مِن قَوْمِهِ۔ بیان ملا یعنی اسکی قوم کے اشراف نے جو کافر تھے۔ کہا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اشراف قوم کافر نہ تھے ولیکن اظہر یہ ہے کہ جملہ الذین کفروا محض مذمت کیلئے ہے یعنی ان ملاؤں کی یہ صفت تھی کہ خبیث کافر تھے اسلئے کہ کلام مابعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان لانیوالے دنیا کی راہ سے حقیر لوگ تھے۔ بالجملہ رئیس کفار قوم نوح نے کہا کہ۔ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ پہلا اعتراض و شبہہ یہ کہ ہم نہیں دیکھتے تجکو مگر ایک آدمی مانند اپنے یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول کوئی فرشتہ ہوتا آدمی کیا ہوگا اور تو ہمارے مثل آدمی تجھے یہ فوقیت ہم رؤساء سے بڑھکر نہیں ہوسکتی جیسے کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے۔ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا۔ جمع اردل بضم دال معجمہ اردل جمع رذل بسکون ذال جیسے کلب اکلب اکالب ہیں اراذل جمع الجمع ہے اور بعض نے اسم تفضیل رذل بروزن اشرف کے جمع قرار دی جیسے اساود جمع اسود پھر اراذل مانند جولاہہ موزہ دوز وغیرہ کے ادنی پیشوں میں سے اور گھٹیا حقیر ہیں سے۔ بَادِیَ الرَّاْیِ۔ ظاہر الرائے یعنی بدون غور و تحقیق کے۔ اور نصب اسکو بنا بر ظرف کے یعنی وقت ظہور اول رائے کے۔ یہ دوسرا شبہہ جتایا اور معنی یہ کہ اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ایسے لوگوں کے جو ہم میں سے اراذل ہیں انھوں نے بھی بدون غور و تحقیق کے سرسری نظر سے اتباع کر لی۔ ابن کثیر نے لکھا کہ کافروں کا یہ اعتراض ان کی جہالت و بے عقلی پر دلیل ہے اسلئے کہ جو امر حق ہے وہ ہمیشہ حق ہے چاہے اراذل اسکی پیروی کریں چاہے اشراف۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ امر حق و حکم الٰہی کی پیروی کرتے ہیں وہی اشراف ہیں اگرچہ فقیر ہوں اور جو اس سے منہ موڑتے ہیں وہی اراذل ہیں چاہے تونگر ہوں پھر اکثر ایسا واقع ہوتا ہے کہ امر حق و انبیاء و اولیاء کی پیروی کرنیوالے فقیر و ضعیف لوگ ہوتے ہیں ان میں کچھ غرور نہیں ہوتا اور وہ حق کے تابع ہو جاتے ہیں اور رؤساء اکثر مخالف ہوتے ہیں اسلئے ہرقل بادشاہ روم نے جب آنحضرت صلعم کا حال پوچھا اور آپ کی اتباع دریافت کیے اور ابو سفیان نے کہا کہ ضعیف لوگوں نے آپکی پیروی کی اور کسی شریف نے پیروی نہیں کی تو بادشاہ نے کہا کہ تم بہت سمجھو بلکہ رسولوں کی پیروی کرنیوالے ضعیف ہی ہوتے چلے آئے ہیں۔ زجاج رحمہ اللہ نے کہا کہ کافروں نے اتباع نوح کو جولاہہ وغیرہ اراذل کہا اور بیوقوفی سے یہ نہیں جانا کہ دین کی بزرگی اور رسول کی پیروی میں شرافت ہے مال و مناصب کو کچھ دخل نہیں اور کوئی پیشہ جائز ہو اس سے دین میں کچھ نقصان نہیں آتا بلکہ بہتیرے پیشہ ور ہیں انکی بہت بہتر ہے تو بیشیوں سے دین میں افضل ہیں۔ ابن کثیر نے لکھا کہ بادی الرائے کا اعتراض بھی محض جہالت ہے کچھ عیب نہیں اسلئے کہ حق جب کھل گیا تو اس میں غور و فکر کو کوئی مجال نہیں رہتی بلکہ اس حال میں امر حق کی اتباع فرض ہے ایسی حالت میں سوائے غبی گمراہ جاہل کے کوئی بدی و برائی اسکا منہ میں نہیں پڑیگا اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہمیشہ امر واضح لائے ہیں اور صحیح حدیث میں آیا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں نے جس کسی کو اسلام کی طرف بلایا اسنے کچھ نہ کچھ گردن موڑی سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ اسنے کچھ بھی توقف نہ کیا یعنی فوراً ایمان لائے پھر کافروں نے تیسرا شبہہ حضرت نوح و انکی اتباع سب پر پیش کیا یعنی قولہ۔ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ اور ہم تمھارے لیے اپنے اوپر کچھ فضیلت نہیں دیکھتے یعنی دنیاوی مال و دولت میں تم ہم سے اچھے نہیں ہو۔ ابن کثیر نے کہا کہ یہ لوگ اندھے تھے بہرے تھے گونگے تھے ان کو ہدایت و اسکی بزرگی کیونکر نظر آتی پھر حضرت پیغمبر کی فضیلت کمالات سے دیکھتے اور دنیاوی عزت کے سوائے آخرت میں بھی اراذل خوار ہوں گے جو دنیا میں اندھے ہو کر امر حق میں متردد اور جہالت کے اندھیرے میں پاتے تھے آخرت میں دوزخ کے اندھیرے میں جا ہیں گے پھر ان کافروں نے حضرت نوح کے مقابلہ میں خود ہی تردد بھی چھوڑا اور اپنی اصل کی طرف جو تمام کافروں میں ہمیشہ موجود ہے رجوع کیا اور وہ خیالی گمان ہے چنانچہ کہا بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۔ بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔ اسی گمان پر جم گئے اور اسی طرح آنحضرت کی نصیحت نہ سنی۔ حالانکہ گمان سے حق نہیں ملتا ہے آخر غرق کے عذاب میں پڑے یہی حال کفار مکہ کا تھا کہ رسولوں کو اللہ تعالیٰ کے

یہان اپنا سفارشی سمجھتے اور گمان کرتے کہ وہان ہم کو نفع دینگے حالانکہ یہان نہ منہ سے بولین اور نہ ہاتھ ہلاوین اور نہ اشارے سے راہ بتاوین اور نہ اپنے اوپر سے ایک مکھی ہانک سکین ایسے ہی نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو اپنے تمام گناہون کا چاہے کیسی ہی بدکرداری کرین کفارہ سمجھ لیا اور یہ خلاف عقل و تمام انبیاءؑ سے مخالف ہے اور جب ان لوگون کو امر حق دیا جاتا ہے تاکہ دنیاے فانی سے منہ موڑ کر عاقبت درست کرین تو دل سے عاقبت پر یقین نہین کرتے اور اسپر بھی حق بات مین مانند قوم نوح کے بالکل وہی شبہہ پیدا کرتے ہین ف۔ فی العرائس قولہ ما نراک اتبعک الخ کمینہ جاہلون بیوقوفون کی یہی عادت ہے جو اپنی فاسد راے پر انبیاءؑ کے حالات کو قیاس کرتے ہین اور اگر کاش ایک ذرہ اُن کے حالات سے مشاہدہ کیا ہوتا تو اسکے شوق و حسرت مین مرجاتے ولیکن شقاوت ازلی نے ان کو ان بزرگون کے انوار سے محجوب و محروم کیا اور اپنے گمان و قیاس مین پڑے ٹکرین کھاتے ہیں ان کو شکل و صورت نظر پڑی اور اس واسطے دیکھنے سے اندھے رہے اور بسبب جہالت کے اولیاء الٰہی پر تکبر کرتے رہے۔ ابن الوردیؒ نے کہا کہ جس نے انبیاءؑ سے مخالفت کی اسکو فقط البشری صورت نظر پڑی اور جو اختصاص و فضائل اُن کو عطا ہوئے ہین مخالف کو نظر نہ آئے کیونکہ حقائق باطن ہین اور اُن کی ظاہری صورت کا باقی رہنا خلق پر رحمت ہے کہ فیض پاوین اسی ظاہری شکل کو اپنی طرح کھاتا پیتا دیکھکر ان کو اپنے مثل سمجھنے لگے اور یہ سچا تاکہ وہ مشاہدہ کرتا میں حضرت حق عزوجل کے قرب مین ہین اگر اُن کے قرب منزلت کو دیکھ پاتے تو ایسے جواب کو نگے رہجاتے اور اُن کے عیش کی تمنا مین حسرت کیساتھ جان دیدیتے ولیکن تقدیر العزیز العلیم ہے کہ ایسے اسی عذاب مین خوش ہین پھر مجمل جواب نوحؑ ذکر فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

بولا اے قوم دیکھو تو اگر مین ہوا نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور اسنے دی مجکو مہر اپنے پاس سے پھر وہ

عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝

تمہاری آنکھ سے چھپا رکھی کیا ہم لگا دیوین وہ تم کو اور تم اُس سے بیزار ہو

حضرت نوحؑ نے خصائل نبوت کے موافق نہایت حلم و تلطف سے بیوقوف قوم کو جواب دیا۔ قَالَ يٰقَوْمِ۔ کہا کہ اے قوم اَرَءَيْتُمْ مجھے آگاہ کرو۔ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ کہ اگر مین کھلی دلیل و معجزہ پر ہون اپنے پروردگار کی طرف سے۔ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ اور دی اُسنے مجکو رحمت یعنی نبوت اپنے پاس سے یعنی اپنے فضل سے تو بھی کیا مجھے جھوٹا کہوگے یعنی مین جھوٹا نہین ہون مجھے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بدون دعوی و استحقاق کے اپنی طرف سے حجت و برہان دی اور اپنے پاس سے رحمت و نبوت دی۔ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ۔ پس ہر ایک بینہ و رحمت تم پر اندھری گئی کہ تم اُس کو نہین دیکھتے و انکار کرتے ہو۔ حفص و حمزہ و کسائی نے عمیت بضم اول و تشدید ثانی پڑھا یعنی یہ رحمت تم پر اندھرائی کردی گئی اور مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کے فضائل و کرامات دیکھنے سے اندھا کردیا۔ دلیل ہو کہ ہدایت و ضلالت کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا کیا مین تم پر لازم کردونگا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۔ حالانکہ تم اس سے کراہت کرتے ہو یعنی زبردستی مین تمھارے اوپر لازم نہین کر سکتا ہون۔ قتادہؒ نے کہا کہ واللہ اگر اللہ تعالیٰ کے نبی کو استطاعت ہوتی تو لازم فرماتا ولیکن اس کے امکان مین نہ تھا ف۔ حلم رکھنا جاہلون کے جواب مین اخلاق انبیاءؑ مین سے ہے اور قولہ فعمیت بنا بر قراءۃ حفص و حمزہ کے دلیل ہے کہ ہدایت و ضلال از جانب حق تعالیٰ ہے۔ قولہ تعالیٰ

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط

اور اے قوم نہین مانگتا مین تم سے اسپر کچھ مال میری مزدوری نہین مگر اللہ پر اور مین نہین ہانکنے والا ایمان والون کو

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ○ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ

اُن کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن مین دیکھتا ہون تم لوگ جاہل ہو اور اے قوم کون چھڑاوے مجکو اللہ سے

اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

اگر اُن کو ہانک دون کیا تم دھیان نہین کرتے ہو

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ ضمیر علیہ راجع اس نصح کی طرف ہو جو پہلے ان کو فرمائی تھی ۔ مَالًا ۔ اور اے قوم مین نہین مانگتا اس نصح پر تم سے کچھ مال یعنی خالص اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکے واسطے تم کو اسکی سیدھی راہ پر بلاتا ہون اور تم سے کچھ چاہتا نہین کہ تم تہمت کرو کہ اسی مال کیلیے ایسا کیا ۔ بلکہ تم سے بے غرض نصیحت ہو ۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔ نہین میری مزدوری مگر اللہ تعالیٰ پر ۔ یعنے اللہ عزوجل نے اپنے فضل سے مجھے اس کام پر ثواب جزیل دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو میرا ثواب تو وہی ہے پھر کافرون کے تکبر و غرور کی درخواست کا جواب دیا بقولہ ۔ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ اور مین کبھی نہین ہانک دینے دور کرنے والا ہون ان لوگون کو جو ایمان لائے ۔ روایت ہو کہ کافرون نے صریح درخواست کی تھی کہ ان رذیل لوگون کو دور کرو تو ہم تمہارے پاس بیٹھین اور بعض نے کہا کہ انکی گفتگوئے سابق سے یہ بات نکلتی تھی بہرحال جواب دیدیا کہ مین کبھی ایسا نہین کرونگا ۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے کفار مکہ نے آنحضرت صلعم سے ضعفاء مومنین کو ہٹانے اور خاص اپنے لئے مجلس بنانے کی درخواست کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قولہ لاتطرد الذین یدعون ربھم الآیۃ ۔ سے صریح ممانعت فرمائی پھر حضرت نوح نے جن کو کافر رذیل کہتے تھے انکا مرتبہ مع اپنے فعل کی دلیل کے بیان کیا بقولہ ۔ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ۔ یہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہین ۔ انکا مرتبہ یہ ہو کہ پروردگار عزوجل ان سے ملاقات فرماویگا اور اُن کو اُن کے ایمان و نیکیون کا اچھا ثواب عطا کریگا کیونکہ ایمان و اعمال نیک کسی کے ضائع نہین ہوتے اور وہی حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہین ۔ دنیائے فانی و دولت بالکل ہیچ و باطل ہے ۔ اسی واسطے فرمایا ۔ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۔ لیکن مین تم کو ایسی قوم دیکھتا ہون کہ تم جہالت کرتے ہو یعنی صاف بات صحیح جسکو ہر عقلمند جان لیتا ہے اس سے تم جاہل ہو پھر زیادہ اُنکا مرتبہ بڑھایا اور طرد کا جائز نہ ہونا بتلایا بقولہ ۔ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۔ اور اے قوم کون مدد کر کے مجھے بچاویگا اللہ تعالیٰ سے اگر مین ان لوگون کو مطرود کرون یعنی اُن کا مطرود کرنا خلاف مرضی الٰہی ہے اگر مین بالفرض طرد کرون تو اللہ تعالیٰ مجھ پر عذاب فرماویگا پھر اسکے عذاب سے بچانے والا کوئی نظر آتا ہے ہرگز کوئی ممکن نہین ہو پھر اُن کو اُن کی جہالت پر تنبیہ کی بقولہ ۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ کیا بھلا تم غور نہین کرتے ہو ۔ بعض نے کہا کہ افلا بمعنی ہلا یعنی حرف تحضیض ہو یعنی کیون نہین غور کر کے سمجھ حاصل کرتے ہو کہ ایمان و طاعت سے کوئی ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوجاتا ہے کسی کو اسکے رد کرنے کی مجال نہین ہو اور دنیاوی دولت سے قرب الٰہی و شرف نہین حاصل ہوتا ۔ ف ۔ فی العرائس قولہ وما انا بطارد الذین اٰمنوا الخ حضرت نوح علیہ السلام نے بیان کردیا کہ مین ایسے لوگون کو مطرود نہین کرسکتا جنھون نے دنیا کو جو محل امتحان تھا چھوڑا اور خالص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے اور دار آخرت پسند کیا اور حق تعالیٰ نے ازل سے اُن کو اپنے دیدار و مجلس اُنس

وسماع کلام ومعرفت صفات وذات کیلیے برگزیدہ کردیا تھا پھر دلیل فرمائی بقولہ انہم ملاقوا ربہم یعنی انکا مقبول کرنا یا مطرود کرنا
میرے حوالہ نہیں ہے بلکہ جس پاک خالق جل سلطانہ نے مجھے پیدا کرکے رسول بنانے کو چھانٹا اسی نے اپنے ان بندون کو ولایت
کیلیے مخصوص کیا اور اسکو اختیار ہے کہ اپنی رحمت سے جسکو چاہے سرفراز کرے اور تم لوگ اندھے جاہل ہو تم کو چاہیئے کہ انکی
شکستگی کو مت دیکھو اور دنیا سے اعراض کرنیسے اُنکے پھٹے کپڑون و زرد رنگ کو لحاظ مت کرو کیونکہ ملکوت وجبروت مین بسر کرنیوالے یہی لوگ ہین
شیخ ابوعثمان رحمہ نے اس آیت مین کہا کہ مین نہین منہ موڑونگا ایسے لوگون سے جنہون نے اللہ تعالیٰ کی طرف منہ کیا کیونکہ جو کوئی خلاص سے اللہ تعالیٰ
کی طرف توجہ لاوے اللہ تعالیٰ اسپر توجہ فرماتا ہے پس جو کوئی ایسے شخص سے منہ موڑے اُس نے اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لیا پس مین ایسا نہین کرونگا

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کافرون کے بعض اقوال کا جواب فرمایا کما قال تعالیٰ۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ

اور مین نہین کہتا تم کو کہ میرے پاس ہین خزانے اللہ کے اور نہ مین خبر رکھون غیب کی اور نہ مین کہون کہ فرشتہ ہون اور نہ کہون گا

لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ

کہ جو تمہاری آنکھ مین حقیر ہین نہ دے گا اُن کو اللہ بھلائی اللہ بہتر جانے جو اُن کے جی مین ہے

اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

یہ کہون تو مین بے انصاف ہون۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ اور مین تم سے یہ نہین کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہین یعنی رزق کے خزانے
یا اموال کے خزانے۔ یہ جواب کفار ہے کہ رسول ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے خزانے رکھتا ہوتا۔ یعنی رسول کیلیے یہ شرط نہین ہے اور بعض
نے کہا کہ یہ معنی ہین کہ جیسے مین تم سے مال نہین مانگتا ویسے ہی یہ بھی نہین کہتا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانون کا مالک ہون بلکہ مجھے مال سے
دینے یا لینے کی کچھ غرض متعلق نہین ہے کیونکہ یہ اموال دنیاوی سب فانی ہین ان کے حاصل ہونے سے کچھ آبرو نہین اور نہ ہونے
سے کچھ ذلت نہین ہے اور اُن کی جستجو مین عمر برباد کرنا عذاب کی گرفتاری ہے۔ ہان دار الآخرۃ کی نعمتین البتہ باقی ودائم ہین وَلَآ
اَعْلَمُ الْغَيْبَ اور یہ بھی نہین کہتا کہ مین غیب جانتا ہون۔ بلکہ مین نے وحی الٰہی پہونچنے پر تم سے یہی کہا تھا کہ انی نذیر مبین مین کھلا
ڈرسنانے والا ہون۔ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ۔ اور یہ بھی مین نہین کہتا کہ مین فرشتہ ہون تاکہ تم کہو ہم تو تم کو اپنے مثل آدمی
دیکھتے ہین بیشک آدمی ہون اور آدمیت ونبوت دونون جمع ہوتے ہین کوئی شک نہین بلکہ تمھارے لیے جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہو وہ
آدمی ہونا چاہیئے۔ اس کلام سے بعض نے استدلال کیا کہ آدمی سے فرشتہ افضل ہوتا ہے کیونکہ اپنے سے افضل کی اسطرح نفی کیا کرتے
ہین اور جواب دیا گیا کہ یہ استدلال نہین صحیح ہے کیونکہ حضرت نوح نے کافرون کے جواب مین یہ کہا جو کہتے تھے کہ تم تو ہمارے سے
آدمی ہو پس جواب دیا کہ مین اپنے کو فرشتہ کب کہتا تھا جو تم مجھ پر طعن کرتے ہو اور حق اس بحث مین یہ ہے کہ سرے سے ہم بحث
ہی نہ کرین کیونکہ ہم کو طاعات الٰہی وعافیت کی راہ چلنے سے کام ہے اس بحث سے کیا کام کہ کون افضل ہے وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا۔ اور جن لوگون کو تمہاری آنکھین حقارت سے دیکھتی ہین اُن کے حق مین مین یہ نہین
کہتا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اُنکو بھلائی وبہتری نہ دیگا کیونکہ ثواب ودرجات کا مدار دل کے ایمان وسلامتی پر ہے مجھے ان کے دل کا حال

کیا معلوم ۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ ان کے دلون مین کیا ہو پس اگر ایمان وتصدیق ومعرفت
ہے تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے لئے آخرت مین مہیا کیا وہ نہایت افضل ہی تمھارے دنیاوی اموال بلکہ تمام روے زمین کی سلطنت زمین
کے خزائن ودریا کے جواہرات سب بمقابلہ ایک ہاتھ جنت کی جگہ کے کچھ چیز نہیں ہین ۔ جب یہ بات ہو تو پھر مین کیونکر اُن کو دور کرون
اور کیونکر ان کے حق مین ایسی بات کہون ۔ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ اے انی اذا فعلت ذلک صرت من الظالمین یعنی اگر مین ایسا
کرون تو مین بھی ظالمون مین سے ہو جاؤن اور یہ بڑا گناہ ہے اگر کہا جاوے کہ جب ایسا گناہ ہو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر
مطرود کیا تھا جسپر قولہ ولاتطرد الذین یدعون ربهم الآیۃ ۔ اتری ہو جواب دیا گیا کہ ایک تو حضرت نوح سے کفار کہتے تھے کہ غریبون کو بالکل
اپنے پاس سے دور کردو اور آنحضرت صلعم نے اپنے ضعفا صحابہ کو بالکل دور نہین کیا اور دوسری بات یہ ہو کہ یہ جواب اس تقدیر پر تھا
کہ آنحضرت صلعم نے دور کیا اور اصح قول یہ ہو کہ خالی قصد کیا تھا جبکہ بعض اکابر صحابہ نے مشورہ دیا کہ غیر کافرون کی یہ ہٹ بھی دیکھئے
اسپر جب آیت اُتری تو آپنے یہ قصد دور کردیا کیونکہ حق تعالیٰ نے کافرون کے تکبر اور مومنون کی دلشکنی کو پسند نہ فرمایا اور اپنے رسول صلعم
کو اس قصد سے قبل اسکے کہ واقع ہووے منع فرمادیا پھر کافرون نے ٹھیک جواب پاکر جدال شروع کیا بقولہ تعالیٰ

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

بولے اے نوح تو ہم سے جھگڑا پھر بہت جھگڑ چکا اب لے آجو وعدہ دیتا ہے ہم کو اگر تو سچا ہے

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ

کہا کہ لادیگا تم اُسکو اللہ ہی اگر چاہیگا اور نہ تم تھکا دوگے بھاگ کر اور نہ کام کریگی تم کو میری نصیحت جو مین چاہون

اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

تمکو نصیحت کرون اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو بیراہ چلاوے وہی ہے رب تمھارا اور اسی کی طرف پھر جاؤگے

قالوا کفار قوم نے کہا کہ يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا ۔ اے نوح تو نے ہم سے جدال کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید ونبوت ومعاد ثابت
کرنے مین غلبہ کا کلام لایا ۔ فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا ۔ پس ہم سے جدال مین اکثار کیا یعنی طول کلام سے تو نے سب باتون پر دلائل
پیش کئے ولیکن کافرون کے گمان سے یہ سب باہر تھا لہذا کہا ۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا ۔ سو لے آ جو کچھ تو ہم کو وعدہ دیتا ہے یعنی عذاب کے
وعید دیتا ہو وہ عذاب لے آ ۔ بما مین با تعدیہ ہو ۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ اگر تو سچون مین سے ہو ۔ جزا اس شرط کے محذوف ہو
جسپر جملہ ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی ان کنت صادقا فاتنا بما تعدنا یہ اس مذہب نحویین کے طور پر جو جزا کو شرط پر مقدم ہونا جائز نہین
کہتے ورنہ دوسرے مذہب پر جزا ۔ مقدم ہو ۔ حاصل آنکہ تیرا مناظرہ ہم مین کچھ موثر نہین اب اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب جس سے ڈراتا
ہے لا ۔ قال فی السراج اس آیت مین دلیل ہے کہ دلائل کو صاف بیان کرنا اور کافرون کے شبہات دور کرنا یہ انبیا علیہم السلام
کا پیشہ ہو اور تقلید وجہالت کرنا کافرون کا پیشہ ہے حضرت نوح نے اُن کے جواب مین کہا ۔ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اُسکو تو اللہ تعالیٰ
ہی تمپر لاویگا ۔ اِنْ شَآءَ اگر وہ چاہیگا یعنی تم جو عذاب مجھ سے جلدی مانگتے ہو تو مجھے کچھ اختیار نہین ہو بلکہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے اگر
چاہیگا تو تمھاری موت سے پہلے ہی تم پر عذاب لادیگا اور چاہیگا تاخیر فرماویگا ۔ وہ مختار ہو ۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۔ اور تم لوگ اس عذاب
سے بچنے والے نہین ہو یا تم عذاب مین اللہ تعالیٰ کو عاجز نہین کرسکتے کہ تم پر عذاب نہ کرسکے پھر حضرت نوح نے کلام کو قطعی طور پر ختم کردیا

بقولہ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ- اور نہین نفع دیگی تم کو میری نصیحت اگر مین چاہون کہ تم کو نصیحت دون- اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ- اگر اللہ تعالی نے چاہا ہوگا کہ تم کو گمراہ کرے- تقدیر کلام یون ہی ان کان اللہ یرید ان یغویکم فان اردت ان انصح لکم فلا ینفعکم نصحی- پس بمذہب عدم جواز تقدیم الجزا ان اردت الخ کی جزا مثل جملہ اول محذوف ہو اور بمذہب جواز تقدیم جملہ شرط و جزا اول جزا شرط ثانی ہو اور ایسے شرائط مین حکم ثابت ہونے کیلیے یہ شرط ہو کہ ثانی قبل اول کے واقع ہو اور مفاد خلاف ایسی صورت مین ظاہر ہوتا ہو کہ ایک مرد نے جورو سے کہا کہ تو طالقہ ہو اگر تو گھر مین داخل ہوئی اگر تو نے زید سے بات کی پس اگر وہ داخل ہو کر بات کرے تو طلاق نہ پڑیگی اور اگر بات کر کے داخل ہو تو طالقہ ہو جائے گی- ہذا ما ذکرہ فی السراج اور تمام یہ بحث مترجم کے ترجمہ عالمگیریہ سے تلاش کرو وفی السراج اس آیت مین دلیل ہو کہ اللہ تعالی کبھی بندہ سے کفر کو ارادہ کرتا ہے پس جب اس نے ارادہ کیا تو بندہ سے ایمان کا صادر ہونا ممکن نہین ہے مترجم کہتا ہے کہ ازلی اختیار یہی ہو چنانچہ ازل مین اگر اسکو کافر مقدر کیا تو وہ کبھی مومن نہین مریگا اگرچہ مثل بلعم باعور کے درمیان مین مانند ابلیس کے بظاہر کسی کرامت کو پہونچے- بالجملہ ارادہ الٰہی مقدم ہے اور وہ خالق پاک قادر مختار ہو جو چاہے کرے اسپر کسی کا کچھ حق نہین ہو اسیواسطے حضرت نوحؑ نے ان کافرون کو ان کے خالق عزوجل کے حوالہ کیا- بقولہ تعالی- هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کیطرف تم لوٹائے جاؤگے ف فی العرائس قولہ ولا ینفعکم نصحی ان اردت الخ یعنی کیونکہ میری نصیحت تم کو فائدہ دیگی حالانکہ اللہ تعالی نے قبول نصیحت کی استعداد پیدا نہین کیا اور یہ شقاوت ازلی تمہارے حق مین ہے اور نصیحت تو اسی کو کارگر ہوتی ہے جسکے دل مین اسکے رب کی طرف سے کوئی ایسی استعداد ہو جو اسکو معصیات سے جھڑکے اور روکے اور نصیحت سننے پر آمادہ کرے شیخ حمدون القصار نے کہا کہ نصیحت ایسے شخص کو مفید نہین جو اپنے آپکو نصیحت نہ کرے- پھر اس ذکر قصہ کے درمیان مین بطریق جملہ معترضہ اللہ تعالی نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتان کفار دفع فرمایا بقولہ تعالی-

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۟

کیا کہتے ہین کہ بنا لایا قرآن کو تو کہہ اگر بنا لایا ہون تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور میرا ذمہ نہین جو تم گناہ کرتے ہو

مقاتل نے کہا کہ یہ کفار مکہ کا کلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطریق جملہ معترضہ درمیان قصہ نوحؑ مین ذکر فرمایا اسی قول کو شیخ ابن کثیرؒ نے اختیار کیا اور رازیؒ نے کہا کہ یہ بہت بعید ہے بلکہ یہ کلام منجملہ کلام نوح علیہ السلام کے ہو یعنی انکی قوم انکو اس دعوی مین مفتری بتلاتی تھی تو کہا کہ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ- بلکہ کہتے ہین کہ اسنے افترا کر لیا یعنی اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے- ضمیر افترا راجع بجانب وحی ہے جو قوم کو پہونچائی تھی- قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ تو کہدے کہ اگر مین نے اسکو گڑھ لیا تو مجھ پر اسکا اجرام ہے- اجرام کسی ممنوع بات مین پڑجانا پس مضاف محذوف ہو یعنی گناہ اس اجرام کا وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ- اور مین بری ہون اس چیز سے جسکا تم اجرام کرتے ہو یعنی تمہارے اجرام کے عقاب سے مین بری ہون کہ ناحق تم مجھ پر افترا کرتے ہو- بعض نے لکھا کہ ان افتریتہ فعلی اجرامی- ایک محذوف جملہ پر دلالت کرتا ہو اسی سے وہ حذف کیا گیا یعنی وان کنت صادقا وکذبتمونی فعلیکم عقاب ذلک یعنی اور اگر مین سچا ہون اور تمہین نے مجھے جھوٹا بتلایا تو اس کا عذاب تم پر ہے- مترجم کہتا ہے کہ قولہ وانا بری الخ اسی معنی پر دلالت کرتا ہے اور یہ حسن بیان ملیح ہے- پھر انجام قوم نوح علیہ السلام بیان فرمایا- بقولہ تعالے-

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور حکم ہوا طرف نوح کے کہ اب ایمان نہ لاویگا تیری قوم مین مگر جو ایمان لاچکا سو غمگین نرہ اُن کامون پر جو کر رہے ہین

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ

اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بول مجھ سے ظالمون کے واسطے یہ البتہ غرق ہونگے اور وہ

الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۚ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا

کشتی بناتا ہے اور جب گذرتے ہین اُس پر سردار اُس کی قوم کے ہنسی کرتے اُس سے ۔ بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہین تم سے جیسے

تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

تم ہنستے ہو اب آگے جان لوگے کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اسکو اور اُترتا ہے اُس پر عذاب ہمیشہ کا

پہلے بعض ترکیب و معانی معلوم کرلو ۔ قولہ انہ لن محل رفع مین نائب فاعل ہے ۔ قولہ لن یومن ۔ بعض نے کہا کہ وقت موت کفار تک اُن کے ایمان سے مایوسی دلانے کو حرف لن آیا ۔ قولہ الا من قد آمن اے الا من قد سبق ایمانہ ۔ یا مراد یہ کہ الا من استعد للایمان ۔ ظاہر مراد نہین ہو ورنہ معنی یہ ہونگے الا من آمن فانہ یومن ۔ اور اسکا فساد ظاہر ہے ۔ قال المترجم اللہم الا ان یقال ان المعنی انہ لا متصف بالایمان من قومک الا من قد آمن فانہ متصف بہ دائما ۔ اور بعض نے کہا کہ استثنا منقطع ہو بمانند قولہ الا ما قد سلف چنانچہ پارہ پنجم وغیرہ مین گذرا قولہ فلا تبتئس بوس بمعنی حزن و ابتیاس حزن آگین ہونا ۔ بائس مسکین ۔ قولہ باعیننا اے بمرآی منا یعنی ہماری نظر روبرو کہ ہم دیکھتے ہین کیونکہ اللہ تعالیٰ سب دیکھتا ہے اور یہ مجاز ہے مراد اس سے حفظ الٰہی ہے اور عین سے تعبیر کیا حفظ کو کیونکہ وہ دیکھنے کا آلہ ہے جس سے حفاظت ہوتی ہے بعض نے کہا کہ باعیننا یعنی بعلمنا ۔ ہمارے دیے علم سے اور اعین کی جمع بغرض مبالغہ و تعظیم ہے ورنہ کثرت سے مقصود نہین ہے اور بعض نے کہا کہ مضاف الیہ محذوف ہو اور تقدیر یہ کہ باعین ملائکتنا یعنی ہمارے ملائکہ کی نگاہ روبرو ۔ بعض نے کہا کہ مراد اس سے حکم الٰہی ہے اور ایک جماعت نے کہا کہ عین صفت الٰہی ہے اسکو بدون تاویل و تمثیل و تشبیہ و تعطیل و تقدیر کے رکھنا اور اسپر ایمان لانا مذہب سلف صالحین ہو اگر کہا جاوے کہ پھر اعین جمع کیون آئی تو جواب یہ کہ جیسے ضمیر جمع متکلم واسطے وحدہ لا شریک کے ہے اسی رعایت سے جمع ہو چنانچہ نفتا غیر مستحسن اور انفسنا صحیح ہو ۔ قال تعالیٰ ۔ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ ۔ اور وحی کیگئی نوح کو اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ۔ کہ ہرگز نہین ایمان لاویگا تیری قوم مین سے کوئی سوائے اُن کے جو ایمان لاچکے ۔ یعنی پیغمبر کو قوم کے ایمان سے تا دم موت مایوس کردیا اور معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ برابر کفر پر اڑے رہین گے حالانکہ اس سے پہلے آنحضرت اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر غمگین ہوتے ۔ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔ سو تو ان پر غمگین مت ہو بسبب اُن کے فعل کے یعنی کفر و بت پرستی و انکار توحید و رسالت جو ان سے صادر ہوتا ہے اس سے غمگین مت ہو ۔ قتادہؒ نے کہا کہ اسی وقت نوحؑ نے دعا کی کہ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا الآیۃ ۔ اور حسنؒ سے روایت ہو کہ نوحؑ نے اپنی قوم پر بددعا نہین فرمائی یہانتک کہ جب یہ وحی ہوئی تو اُن سے امید منقطع ہوئی تب بددعا فرمائی ۔ محمد بن اسحاق نے عبید بن عمیر اللیثی سے روایت کی کہ عبیدؒ کو خبر پہونچی کہ نوحؑ کے قوم والے آنحضرت کو پکڑ کر گلا گھونٹ دیتے یہانتک کہ ان پر غشی طاری ہوتی پھر جب ہوش آتا تو کہتے کہ پروردگار میری قوم نادان ہو اسکو معاف کردے یہانتک کہ قوم نے معصیات مین بہت دور

باندھا اور نوح پر زیادہ سختیاں شروع کین اور آنحضرت پشت پشت و قبیلہ وقبیلہ دیکھتے کہ شاید کوئی مومن ہوجاوین مگر
جو صدی آتی وہ اگلون سے بھی زیادہ ناپاک نکلتی آخر آنحضرت نے جناب باری تعالیٰ مین شکایت کی کما قال تعالیٰ۔ ربِّ اِنِّی
دعوت قومی لیلاً ونہاراً الآیات۔ اور دعا مانگی بقولہ رب انی مغلوب فانتصر پس قوم پر عذاب کا حکم ہوا اور آنحضرت کو وحی ہوئی کہ
وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا۔ اور کشتی بنا ہماری نظر روبرو۔ وَوَحْيِنَا اور ہمارے حکم سے یعنی جس طرح بنانے کا ہم حکم فرماوین
وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ اور مت خطاب کیجیو مجھ سے ان لوگون کے حق مین جنھون نے اپنے اوپر ظلم کیا یعنی کافرون
مین سے کسی سے عذاب دور ہونے مین مجھ سے کچھ التجا مت کیجیو۔ اِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ۔ بیشک وے ڈوبنے والے ہین بعض نے کہا
کہ الذین ظلموا سے مقصود انکا بیٹا کنعان اور اُنکی جورو واعلہ ہے یعنی یہ دونون بھی قوم کے ساتھ ہلاک ہونیوالے ہین۔ روایت ہے
کہ حضرت جبرئیل نے آکر حکم الٰہی پہونچایا کہ کشتی بناؤ۔ آنحضرت نے کہا کہ مین کیونکر بناؤن مین بڑھئی نہین ہون کہا کہ پروردگار
فرماتا ہے کہ تو بنانا شروع کر ہماری نظر روبرو۔ دلیں بسولا لیکر تراشنا شروع کیا تو برابر ٹھیک بنتی چلی جاتی تھی اور اُن کا فعل برائے نام
تھا پھر روغن سے مالش کرکے سب تیار کرلی۔ اس حال مین ان کی قوم ان پر استہزا کرتی کما قال تعالیٰ۔ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ اور بناتا ہے
کشتی علی ہذا یہ صیغۂ حال کا اسوقت کی حکایت ہے یعنی اسوقت آنحضرت ایسا کررہے تھے بعض نے کہا کہ تقدیر کلام یہ کہ فاقبل
بصنع الفلک یعنی بعد اس حکم کے متوجہ ہو کر کشتی بنانے لگا۔ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ اور ہر بار جب گذرتی اسکے پاس سے
کوئی جماعت اسکی قوم سے سَخِرُوا مِنْهُ۔ تو یہ جماعت لے اس سے مسخرہ پن کرتے۔ کہتے تھے کہ اے نوح تم تو پیغمبر بنے تھے اب
بڑھئی ہوگئے اور دریا سے دور خشکی مین اتنی بڑی کشتی کیونکر چلے گی تم مجنون ہوگئے ہو۔ روایت ہے کہ کافرون کی عورتین اس جرم
مین بانجھ ہوگئین۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو سال مین کشتی بنائی اُسکا طول تین سو گز اور ساٹھ کی تھی اسمین تین درجے
تھے نیچے درجہ مین جانور وحشی و کیڑے وغیرہ تھے اور بیچ مین چارپایہ اوپر درجہ مین خود مع مومنین و طعام۔ صاوی نے ذکر کیا کہ دو سو
برس مین بنائی۔ سراج مین لکھا کہ زید بن اسلم نے کہا کہ ایک درخت جمایا سو برس بعد اسکو کاٹ کر سو برس مین پوری کشتی تیار
کی۔ اور ابو السعودؒ نے چار سو برس ذکر کیے بعض قول مین تیس برس ہین اور ظاہر یہ کہ ان اقوال کی کوئی ضرورت نہین ہے اور
اہل کتاب یہود سے یہ مختلف روایتین لی گئی ہین اسی طرح اس کے طول و عرض مین بھی چنانچہ کہا گیا کہ تین سو گز لنبی اور پچاس گز
چوڑی اور تیس گز اونچی تھی۔ امام بغوی نے اسی کو مشہور قول لکھا ہے اور بعض قول مین طول بارہ سو اور عرض چھ سو مذکور ہے اور ماسوا
اسکے دیگر اقوال ہین اور لکڑی اسکی ساکھو کی اور بعض نے کہا کہ توریت مین صنوبر کی آئی ہے اسکی اونچائی مین روایات متفق ہین
کہ تیس گز اونچی تھی اور اسکے اوپر چھت تھی۔ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ شیخ ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے یہان ایک اثر روایت کیا کہ حواریون
نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ اچھا ہوتا اگر آپ کسی ایسے مردہ کو بحکم الٰہی زندہ فرماتے جسنے اس کشتی کو آنکھون دیکھا اور اسمین حاضر ہوا ہو تاکہ وہ
ہم سے حال بیان کرتا پس آپ ان کو لیکر چلے یہان تک کہ ایک تودۂ خاک کے پاس ٹھہرے اور ایک مٹھی خاک اُٹھا کر فرمایا کہ تم جانتے
ہو یہ کون ہے اُنھون نے کہا کہ اللہ تعالیٰ و اُسکے رسول کو علم ہے فرمایا کہ یہ حام بن نوح کا ٹخنا ہے پھر اس تودہ مین اپنا عصا مار کر
کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھو اسی وقت حام بن نوح اپنے سر سے خاک جھاڑتے اٹھ بیٹھے کہ انکا سر سپید ہوگیا تھا حضرت عیسیٰؑ
نے کہا کہ کیا آپ اسی عمر مین سپید بال ہوئے تھے کہا کہ نہین بلکہ مین جوان مرا تھا ولیکن مجھے اب گمان ہوا کہ قیامت قائم ہوئی آئی

خوف سے میرے بال سپید ہوگئے کہا کہ ہم سے کشتی نوح کا حال بیان کیجئے۔ کہا کہ بارہ سو گز لمبی اور چھ سو گز چوڑی تھی اسمین تین درجے تھے ایک مین چوپایہ و وحشی جانور تھے اور دوسرے مین انسان اور تیسرے مین پرندے تھے۔ پھر جب جانورون کی لید بہت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ ہاتھی کی دُم کو دباؤ پھر حضرت نوح نے دبائی تو جوڑا سور کا پیدا ہو کر لید کی طرف دوڑا اور سب صاف کر دی پھر جب کشتی مین چوہے رسیان وغیرہ کاٹنے لگے تو وحی کی گئی کہ شیر کی دونون آنکھون کے درمیان عصا مارے پس جوڑا بلی کا پیدا ہوکر چوہے پر دوڑے پھر حضرت عیسیٰ نے پوچھا کہ حضرت نوح کو کیسے معلوم ہوا کہ روئے زمین غرق ہوگئی کہا کہ کوّے کو خبر کیلئے بھیجا تھا وہ راہ مین مردار دیکھکر اسپر گر پڑا تو اسپر بد دعا فرمائی کہ خوفناک رہے اسی واسطے گھرون مین نہین رہتا پھر کبوتر کو بھیجا وہ زیتون کا پتہ چونچ مین اور کیچڑ پنجون مین لایا تو معلوم کر لیا کہ شہر و بلاد غرق ہوگئے پس سبزی اسکی گردن مین ڈالی اور اسکے لیے انس و امان کی دعا فرمائی بس یہ گھرون سے اُلفت رکھتا ہے پھر حواریون نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ان کو ہمارے گھرون مین نہین لے چلتے کہ بیٹھکر باتین سنا دین آپنے فرمایا کہ کیونکر ایسا شخص تمہارے ساتھ رہیگا جس کا یہان رزق نہین ہے پھر کہا کہ یا سام عود کر وہ بحکم الٰہی پھر وہ مٹی ہوگئے۔ قال ابن کثیر رح۔ یہ اثر ضعیف ہو کیونکہ اسکے بعض راوی ثقہ نہین ہین۔ امام رازی رح نے لکھا کہ ایسے مباحث وامور جو انبیا کے قصص مین بغیر صحیح روایات کے نقل کئے جاتے ہین مجھے کچھ پسند نہین اسلئے کہ ایسی باتون کے جاننے کی ہم کو کچھ حاجت نہین اور نہ اسکا کوئی فائدہ ہے بلکہ ایسے مباحث مین خوض کرنا محض فضول ہے خصوصاً جبکہ یہان کوئی ایسی بات نہین نکلتی جس سے معلوم ہو کہ ان اقوال و روایات مین سے کون صحیح ہے ہان اسقدر ہم جانتے ہین کہ وہ کشتی اتنی چوڑی لمبی تھی کہ اسمین نوح علیہ السلام کی قوم سے ایمان والے مع ہر جاندار کے جوڑے و ضروریات کے بخوبی سما گئے اور بحکم الٰہی ہر آفت سے محفوظ تھے اور قرآن مین اسی قدر مذکور ہے اور اُن کے ساتھ ایمان والے بہت تھوڑے تھے پھر انکی مقدار کہ چالیس تھی یا اسی تھی وغیر ذلک تو یہ ہمکو معلوم نہین ہے مترجم کہتا ہے کہ ایسے مقامات مین یہی قول صواب ہے۔ بالجملہ جب قوم نے مسخرہ پن کیا تو آنحضرت نے انکا جواب دیا بقولہ قال ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون۔ حضرت نوح نے کہا کہ اگر مسخرہ پن کرو تم ہم سے تو ہم بھی تم سے مسخرہ پن کرینگے جیسے تم مسخرہ پن کرتے ہو۔ اگر کہا جائے کہ مسخرہ پن کرنا منصب نبوت کے لائق نہین ہے جواب دیا گیا کہ یہ بطریق مشاکلت ہے جیسے قولہ فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی۔ وقولہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ اور مراد یہ ہے کہ اگر تم ہم سے مسخرہ پن کرتے ہو تو اسکا انجام دیکھو گے کہ تم غرق ہو جاؤ گے اور ہم نجات پاوینگے چنانچہ مصرح کر دیا بقولہ فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ عنقریب جانو گے کہ کس پر آتا ہے ایسا عذاب کہ خوار کر دے اسکو دنیا مین یعنی غرق۔ ویحل علیہ اور نازل ہوگا اسپر آخرت مین عذاب مقیم۔ عذاب مقیم کہ کبھی دور نہ ہوگا ہمیشہ طاری رہیگا اور وہ آتش دوزخ ہے۔ ف۔ فی العرائس قولہ واصنع الفلک باعیننا۔ اس کلمہ مین صورت الجمع کا اشارہ ہے اور یہ استعارہ عین ربوبیت از عیون ازلیہ ہے تاکہ نوح کو اس سے حقائق صنعت جو علم الٰہی مین ہین نظر آوین پس کشتی کو انکی نقش پر جو علم الٰہی مین ہو بنا دین یعنی کشتی کو ہمارے دید سے بنا جیسے ہم نے ازل مین کشتی کا وجود چاہا ہے اور اعین بلفظ جمع مین اشارہ عیون صفات ہو کہ ذات حق اُن کے انوار کا معدن ہے والحاصل فی قولہ باعیننا یعنی تاکہ متصف ہو تیری آنکھ اس کشتی کے بنانے مین عیون صفاتیہ سے جس سے تو وہ ہیأت و ترکیب دیکھے جو ہمنے ازل مین ارادہ فرمائی ہے۔ یہ اشارہ حدیث حبیب الٰہی صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ مین موجود ہے حیث قال

فی حدیث قدسی فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بی وبصرہ الذی یبصر بی الحدیث۔ نیز اسمیں تقاضا جریان عبودیت اور مشاہدہ ربوبیت ہے مانند قولہ علیہ السلام الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ الحدیث۔ نیز یہ معنی ہیں کہ کن فی عیون رعایتنا وحفظنا یعنی ہماری نظر رعایت وحفاظت میں ہو جا اور اپنے فعل کو مت دیکھیو اور نہ اسپر اعتماد کیجیو کیونکہ غیر کی طرف نظر کرنے والا مجھ سے محجوب ہو جاتا ہے بعض نے کہا یعنی تدبیر کو اپنے نفس سے ساقط کر دے اور جو کچھ کرنے والا اسکو ہمارے مشاہدہ میں پورا کر اور کسی مخلوق کو یا اپنے نفس کو مت دیکھیو بعض نے کہا یعنی کشتی تیار کرو لیکن اسپر اعتماد مت کیجیو کیونکہ تو ہماری حفاظت و نگہداشت میں محفوظ ہے اور اگر کشتی پر اعتماد کرے تو ہماری حفاظت سے ساقط ہو جائیگا قولہ ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا۔ اللہ تعالیٰ نے اسمیں اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام کو ادب سکھلایا اور اپنے علم قدیم سے آگاہ فرمایا کہ قوم سب غرق ہوگی اسکے حق میں سفارش کارآمد نہ ہوگی اور بتلا دیا کہ تمھیں اول ان پر بددعا کر چکے ہو وہ قبول ہوئی اور اب سفارشی دعا قبول نہ ہوگی کیونکہ دعا سے اول تو موافق تقدیر واقع ہوئی اور بندہ عارف کی دعائیں مقبول ہونے میں یہی ہوتا ہے کہ وہ موافق تقدیر دعا کرتا ہے اور جو خلاف تقدیر ہے اسکی زبان سے نہیں نکلتی اور اگر نکلی تو قبول نہیں ہوتی ہے ذوالنون رحمہ اللہ کا قصہ تم نے سنا ہوگا کہ اپنے اوپر سختی کرنیوالوں کیلئے دعا کی جب شاہ بزرگی کو پہونچے تو پھر توبہ کی کہ پروردگار اب تیرے کسی بندے پر بددعا نہ کرونگا۔ آیت میں حضرت نوح کے قلب کی رقت ظاہر ہے کہ قوم سے اتنی ایذا و تکلیف اٹھانیکے بعد اسکے حق میں بھلائی کے خواہاں تھے اور سچے بندوں کی یہی شان ہوتی ہے شیخ ذوالنون رح نے فرمایا کہ اگر مجھے ازل میں کچھ عنایت مل چکی ہو تو میں نے نجات پائی ورنہ خالی مستجاب الدعوۃ ہونے سے کچھ کام نہیں چلتا ہے قال اھ

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ

یہاں تک کہ جب پہونچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم نے لادلے اسمیں ہر قسم سے جوڑا دوہرا اور اپنے گھر کے لوگ

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ○

مگر جسپر پہلے پڑ چکی بات اور جو ایمان لایا ہو اور ایمان نہ لائے تھے اسکے ساتھ مگر تھوڑے

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖ۪ىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور کہا سوار ہو اسمیں اللہ کے نام سے اسکا بہنا اور ٹھہرنا تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان

حتی۔ ابتدائیہ ہے جو جملہ شرطیہ پر داخل ہوا یا غائیہ ہے پس یصنع الفلک کی انتہا بیان کرتا ہے اور درمیان میں جو کلام ہے وہ انکی ضمیر سے حال ہے کذا فی السراج وقیل درمیانی کلام معترضہ ہے۔ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا۔ مراد امر سے عذاب ہے یا وقت اسکا اور یہ امر کا واحد نہیں ہے یعنی امر بمقابلہ نہی نہیں ہے بلکہ امور کا واحد ہے یعنی منجملہ امور کے یہ امر آیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقابل نہی کا لیا جائے یعنی حکم اس قوم کے ہلاک کرنے کا۔ یا حکم حضرت نوح کو کشتی میں سوار ہونیکا۔ المعنی حتی کہ جب آگیا ہمارا حکم۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔ اور ابلا تنور۔ واضح ہو کہ تنور کی تفسیر میں اختلاف ہے لہذا پہلے ان اقوال کو بیان کرتا ہوں۔ اول یہ کہ تنور سے مراد زمین کا اوپری فرش ہے اور اہل عرب منہ سطح زمین کو تنور یا اسمیں سے بہتر مقام کو تنور کہتے ہیں اور یہ قول ابن عباس و عکرمہ و زہری و ابن عیینہ سے روایت بھی کیا گیا۔ دوم تنور وہ مقام ہے جہاں کشتی میں پانی جمع ہوتا ہے یہ حسن بصری کے سے مروی ہے۔ سوم تنور طلوع فجر ہے کہ تنور الفجر طلع الفجر بولا کرتے ہیں یہ معنی یہ ہونگے کہ نور کا ترکا ہوا اور یہ قول علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے چہارم تنور مسجد کوفہ ہے یہ بھی حضرت علی و مجاہد سے مروی ہے اور مجاہد کہتے تھا

ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ
سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے — کہا میں لگ رہوں گا کسی پہاڑ کو کہ بچالے گا مجکو پانی سے — بولا
لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝
کوئی بچانیوالا نہیں آج اللہ کے حکم سے — مگر جسپر وہ رحم کرے — اور بیچ آپڑی دونوں میں موج — سو رہ گیا وہ — ڈوبنے والوں میں

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ — واو حالیہ ہے تو یہ جملہ حال ہے باین طور کہ کلام کی تقدیر یہ ہے۔ فرکبوا فيها في السفينة وهي تجري بهم اے تجری وہم فیہا یعنی جاری ہوئی کشتی درحالیکہ نوح مع اہل و عیال مومنین و اتباع مومنین کے اسمین تھے اور محتمل ہے کہ جملہ مستانفہ ہو۔ فِيْ مَوْجٍ جمع موجہ اور موجہ اس پانی کو کہتے ہیں جو ہوا کے تھپیڑے سے چڑھ کر اوپر اچھلے۔ كَالْجِبَالِ جمع جبل یعنی پہاڑ۔ المعنی اور وہ کشتی ان کو لئے چلتی تھی موجوں میں جو پہاڑوں کے مانند تھیں۔ ہر موج کو پانی سے اونچے ہونے میں پہاڑ سے تشبیہ دی جیسے وہ زمین سے اونچے ہوتے ہیں پس یہ بیان طوفان کے ہولناک ہونیکا ہے کہ اسکی موجیں بلند مانند پہاڑوں کے اٹھتی تھیں اور یہ کشتی ان موجوں میں بدون پانی کے ڈوبنے کے مومنوں کو لئے چلتی تھی۔ اہل تواریخ نے لکھا کہ پانی پہاڑوں سے چالیس گز اونچا یا پندرہ گز اونچا ہوا حتی کہ کل چیز غرق ہوئی اور جہان کے سب بندے ہلاک ہو کے ڈوب گئے۔ اور یہ مشہور ہے کہ آسمان و زمین کے بیچ میں سب پانی بھر گیا اور کشتی اسکے اندر مانند مچھلی کے پیرتی چلتی تھی تو اسرائیلی وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہوا۔ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ — اور پکارا نوح نے اپنے پسر کو۔ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ — اور وہ تھا معزل میں۔ معزل اسم ظرف عزل ہے ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں آدمی اپنی قوم و قرابتیوں کو چھوڑ کر یا کسی اور جگہ سے جدا ہو کر تنہا ہو جاوے پس یہاں مراد یہ کہ دین الٰہی سے الگ تھا یا کشتی سے علیحدہ تھا اور بعض نے کہا کہ جس وقت نوحؑ نے لوگوں کو حکم کیا کہ بسم اللہ پڑھکر سوار ہو اس وقت ایسی جگہ الگ تھا کہ اسکو یہ خبر نہیں پہنچی اسواسطے بعض نے کہا کہ نوح علیہ السلام کا یہ پکارنا کشتی چلنے سے پہلے خالی تنور ابلنے کے وقت تھا جس وقت لوگوں کو غرق کا یقین نہیں ہوا تھا مگر جھکو کھٹکتا ہے کہ یہ قول مستبعد ہے کیونکہ اسنے پہاڑ سے بچاؤ حاصل ہونیکا جواب دیا اور درمیان میں موج حائل ہو گئی پھر ظاہر یہی ہے کہ وہ کشتی والے قرابتدار مومنین سے علیحدہ رہا تھا جسکو نوح علیہ السلام نے پکار کر کہا کہ يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا — اے میرے چھوٹے پسر تو ہمارے ساتھ سوار ہو لے۔ وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ — اور کافروں کے ساتھ مت رہ۔ یا بنیؑ سے یہ غرض نہیں کہ اُن کی اولاد میں سے سب سے چھوٹا تھا بلکہ پیار سے اپنے فرزند کو بصیغہ تصغیر یاد کیا کرتے ہیں اور قولہ ہمارے ساتھ سوار ہو لے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ تو مسلمان ہو کر ہمارے ساتھ ہو جا چنانچہ توضیح کی کہ کافروں کے ساتھ مت ہو کیونکہ اسوقت تک غرق نہیں ہوا اور نہ غرق کا یقین رکھتا تھا پس اسوقت مسلمان ہو جانا حالت اختیاری میں قرار دیا جاتا۔ ملا علی جیلانی نے کہا کہ ظاہر معنی یہ ہیں کہ تو مسلمان ہو جا تاکہ ہمارے ساتھ سوار ہونے کا مستحق ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح کو کسی کافر کے سوار کرنیکا حکم نہیں دیا تھا پھر واضح ہو کہ اس پسر کا نام ایک قول میں کنعان تھا اور دوسرے قول میں یام تھا پھر کہا گیا کہ یہ لڑکا مع اپنی ماں کے کافر تھا اسپر اعتراض کیا گیا کہ خود حضرت نوحؑ نے دعا فرمائی کہ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ باوجود اسکے مستبعد ہے کہ کافر کو آواز دیتے۔ یہ جواب دیا گیا کہ مراد کافر سے منافق ہے اسکے نفاق سے آنحضرت نے اسکو مومن گمان کیا۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس صورت میں قولہ تعالیٰ و اہلک الا من سبق کے وقت اسکو کیوں نہیں سوار کیا جواب دیا گیا کہ اسی وقت اسکا نفاق ظاہر ہوا ونیہ ما فیہ پھر اسمیں بھی اختلاف کیا گیا کہ کیسا بیٹا تھا بعض نے کہا کہ نوح کی بی بی سے حرام زنا سے پیدا ہوا تھا درحقیقت اسکا بیٹا نہ تھا یہ قول مردود اور مخالف نص ہے بقولہ ونادی نوح ابنہ۔ وبقولہ ان ابنی من اہلی۔ اور کہا گیا کہ وہ

خبیثہ فاحشہ ایسے پاک پیغمبر اولوالعزم کے ساتھ رہ سکتی تھی اور دلی کفر امر دیگر ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اس کافرہ سے نکاح کیونکر صحیح ہوا تو
جواب دیا گیا کہ شاید اسوقت مباح ہوا اور صحیح جواب یہ ہے کہ یہ عورت اور اسکا بیٹا دونون منافق تھے جو کافرون کیساتھ
ہوگئے اور کشتی پر سوار نہ ہوئے بدین زعم کہ طوفان پہاڑون تک نہین پہونچیگا بعض نے کہا کہ اسی عورت کا بیٹا پہلے خاوند
سے تھا اور قراءۃ علی کرم اللہ وجہہ اسکی مؤید ہے کہ انھون نے قولہ ونادی نوح ابنہا پڑھا ولیکن صریح نص مذکور سے مخالف
ہے لہذا صحیح نہین معلوم ہوا۔ اور ابن عباس رضہ وغیرہ مجتہدین نے فرمایا کہ درحقیقت وہ حضرت نوح کا چوتھا بیٹا تھا ولیکن اسنے کفر قبول
کیا اور حضرت نوحؑ کا اسکو پکارنا بوجہ شفقت پدری کے تھا پس اس حالت مین جبکہ کشتی روان تھی اور پانی چڑھتا آتا تھا اس سے کہا کہ اب
بھی نفاق چھوڑکر اسلام لاکر ہمارے ساتھ ہوجا اور آخر اللہ تعالی سے درخواست کی کہ میرے اہل کو بچانے کا حکم ہے تو یہ لڑکا میرا بیٹا
ہے اسکو بھی ایمان دیکر نجات دی جاوے لیکن کمال شفقت سے تقدیر ازلی سے نظر چوک گئی کہ وہ بھی استثناے قولہ الا من سبق علیہ القول
مین داخل ہوا اور وعدہ آلہی حق ہے اسمین خلاف نہین ہوسکتا اسیواسطے اللہ تعالی نے جاہل ہونے سے منع فرمایا یعنی جبکہ وہ ازلی حکم
مین کافر مطبوع ہوا تو اب اسکے ایمان کی درخواست منصب نبوت کے لائق نہین ہے اور یہی حکم ازلی پورا ہوا چنانچہ جب نوحؑ
نے اسکو پکارا کہ مومن ہوکر کشتی پر ہمارے ساتھ ہوجا تو اسنے باوجود اس تلاطم طوفان کے قبول نہ کیا اور جواب دیا قَالَ سَاٰوِیْ بولا کہ عنقریب مین
ٹھکانا لونگا اِلٰی جَبَلٍ کسی پہاڑ پر یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ جو مجھے پانی کے صدمہ سے بچالیگا اسنے اندھی آنکھون سے یہ طوفان بھی مثل
پانی کی بہیا کے گمان کیا۔ لہذا آنحضرت نے اسکو اس خیال محال سے پھیرا بقولہ قَالَ نوح علیہ السلام فرمایا لَا عَاصِمَ کوئی بچانیوالا نہین
اَلْیَوْمَ۔ آج کے روز مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ حکم آلہی سے یعنی حکم آلہی کو آج کوئی پھیرنیوالا نہین یا امر سے عذاب مراد ہے یعنی عذاب سے آج
کوئی نہین بچاسکتا کیونکہ حق تعالی نے آج کے روز عذاب کو کافرون پر مسلط کیا کہ سب ہلاک ہوجاوین اور قلم تقدیر محکم جاری ہوچکا
اب نہین مٹ سکتا پس تو نے پہاڑ پر بچانے کا گمان دوڑایا حالانکہ پہاڑ وغیرہ کوئی چیز بھی نہین بچاسکتی۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ۔ اسے
لکن من رحمہ اللہ فہو معصوم منہ لیکن جسپر اللہ تعالی ہی نے رحم کیا تو وہ البتہ بچیگا اور رحم اسپر ہے جو ایمان لایا لہذا تو مومن ہوکر اس کشتی
مین داخل ہو۔ استثناء اس صورت مین منقطع بمعنی لکن ہے اسی کو زجاج نے بیان کیا اور صفاقسی نے اسی کی تائید کی ہے اور استثناء
متصل بھی ہوسکتا ہے جبکہ عاصم بمعنی معصوم ہو مانند ماء دافق وعیشۃ راضیۃ کے یعنی لا معصوم الیوم من عذاب اللہ الا من رحمہ اللہ۔
یعنی آج عذاب آلہی سے کوئی بچا ہوا نہین ہوسکتا سواے اسکے جسپر اللہ تعالی نے رحم کیا اسی کو ابن جریر و زمخشری و قاضی بیضاوی
نے اختیار کیا و حاصل کلام وہ ہے جو عکرمہؒ نے فرمایا ہے لا ناجی الا اہل السفینۃ کوئی نجات پانیوالا نہین سواے کشتی والون کے۔
وَحَالَ بَیْنَھُمَا الْمَوْجُ۔ اور حائل ہوگئی موج دونون کے بیچ مین یعنی امر آلہی سابق و ازلی غالب کا ظہور ہوا کہ اسی درمیان مین
ان دونون کے بیچ مین موج کا پہاڑ آگیا اور کچھ فائدہ مترتب ہوا فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ۔ پس وہ غرق ہونے والون مین سے تھا۔ یعنی
علم آلہی مین۔ یا کافرون مین ہوگیا اور ڈوبا جیساکہ تقدیر مین تھا۔ ف فی العرائس بیان اشارات قولہ تعالی بسم اللہ مجریہا ومرسہا
بحر جسمین کشتی روان ہے بحر القدم والابد ہے سفینہ قلب العارف ہے جو موافق ہواے عنایت کیساتھ بقوت روح ناطقہ جو قدرت ربانیہ
کا مظہر ہے بکلمہ بسم اللہ مجریہا۔ دریاے قلزم صفات مین جاری اور بکلمہ مرسہا۔ قاموس لذات مین راسی ہے۔ یہ کمال کرم ہے کہ اس سفینہ کو
باوجود حدوث کے صفات مین جاری ہونے نہین دیکا اور ذات مین فنا نہین کیا لہذا قولہ ان ربی لغفور رحیم کشتی کو بحر صفات مین روان ہونیکیلیے

حق تعالیٰ انوار جمال مشاہدہ سے منبسط فرماتا ہے اور سطوات عظمت کے سکون سے ذات میں منقبض فرماتا ہے قال المترجم یعنی قلب عارف جو کشتی ہے اسکی روانی یہ ہے کہ صفات کے مشاہدہ میں انوار جمال سے اسکو انبساط ہوتا ہے بس یہی انبساط اسکی روانی ہے اور ذات میں بوجہ ظہور عظمت کے انقباض ہوتا یہی ٹھہراؤ ہے۔ قولہ لا عاصم الیوم الخ یعنی بحر قہریات کے تلاطم میں کوئی حافظ نہیں سوائے انوار لطف کے لہذا جسنے الطاف کی طرف التجا کی وہ قہریات سے بچ گیا۔ انطاکی رحمہ نے کہا کسی مخلوق کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اعتصام نہیں ہے بعض نے کہا کہ جسکو توفیق دے کہ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لے اسی کو اس موج خیز طوفان سے نجات دیتا ہے۔ القصہ سب کافر ہلاک ہوگئے اور پانی کا جوش اترا اور کشتی ٹھہری چنانچہ بیان فرمایا بقولہ

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ

اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری

عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف

وَقِيْلَ - یہ حکم طوفان پورا ہونے اور قوم کافر کے ہلاک ہونے پر ہے اور کہا گیا کہ قیل یہاں دونوں مقام پر قدرت تنجیزی کا تعلق ہے یعنی پانی کا جاتا رہنا اور قوم کا ہلاک ہو جانا جیسے قولہ تعالیٰ ان یقول لہ کن فیکون میں خاصۃ قول مراد نہیں بلکہ تعلق قدرت و قوت ارادت ہے۔ وعلیٰ ہذا اس آیت میں استعارہ مکنیہ و تخییلیہ یا تمثیلیہ ہے جیسا کہ خفاجی رحمہ نے عنایہ میں بسط سے مع انواع بلاغت ذکر کیا اور حق یہ ہے کہ ہر مقام پر ایسے قول میں حقیقی معنی مراد ہیں اور ضرورت تاویل کچھ نہیں ہے ہاں کیفیت صفات الٰہی عز سلطانہ وجل برہانہ بالکل طوق بشری سے باہر ہے پس نہیں معلوم کہ کیونکر کہا گیا لیکن ہم ایمان لاتے ہیں کہ کہا گیا۔ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ - کہ اے زمین نگل لے اپنے پانی کو۔ بلع پی لینا اور پانی و زمین وغیرہ میں دھنس جانا اور اسی سے بالوعہ وہ چہ بچہ جس میں پانی جمع کرتے ہیں کہ زمین میں خشک ہو جائے ویقال بلعہ مافی فمہ من الطعام یعنی طعام میں سے جو کچھ اس کے منھ میں تھا وہ نگل گیا۔ پھر آیت میں زمین کیلئے بلع استعارہ ہے کیونکہ یہ لفظ حیوان کیلئے ہے اسکو زمین کے چوس لینے میں استعارہ فرمایا بدیں معنی کہ سمجھ لیا جائے کہ زمین کا یہ چوسنا ویسا نہ تھا جیسا از راہ عادت دیکھا جاتا ہے کہ آہستہ آہستہ ہوتا ہے بلکہ کہاں یہ طوفان پانی کا اور کہاں حکم ہوتے ہی زمین نے خشک کر لیا گویا منھ کا نوالہ نگل گئی خفاجی وغیرہ نے کہا کہ بلع نشف ہے جیسے کپڑا بھیگ کر چوس لیتا ہے اور علامہ مدقق نے کہا کہ سکاکی رحمہ نے جو بلع کو پانی زمین کے اندر ہو جانے کا استعارہ قرار دیا تاکہ دلالت کرے کہ زمین کا یہ پانی چوس لینا مانند حیوان کے نگل لینے کے واقع ہوا تو اسکی بہ نسبت نشف الثوب استعارہ بہتر ہے کیونکہ نشف فعل زمین ہے اور غائب ہو جانا پانی کا کام ہے لیکن ظاہر ہوا کہ علامہ کو حقائق معانی پر خوب اطلاع تھی۔ پھر ابن عباس و عکرمہ وغیرہ سے روایت کیا جاتا ہے کہ بلع لغت ہندی یا حبشی ہے لیکن اسکے ثبوت میں کلام ہے علاوہ بریں یہ لفظ لغت عرب میں مع مشتقات کے فصیح معروف ہے کہاں کی ہندی اور کہاں کی حبشی ظاہرا یہ روایات ضعیف راویوں کا وہم ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ زمین کو حکم ہوا کہ اپنا پانی چوس لے یعنی دریا و نہر وغیرہ کے سوائے جو پانی بطریق عذاب طوفان نکلا و چڑھا ہے تاکہ کفار غرق ہو کر جہنم واصل ہوں اور ہوگئے اب اسکو چوس لے۔ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ - اور اے آسمان رک لے۔ اقلاع امساک یقال اقلع المطر اذا انقطع یعنی آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسانے سے رک کے اور مہائمی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اے آسمان جو تو اتارتا ہے اسکو اوپر کی طرف جذب کر لے بعض نے کہا

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی و زمینی پانیون مین فرق کر دیا کہ جو کچھ زمین کا ہو اسکو زمین چوس لے اور جو آسمانی تھا وہ دریا و نہرین ہوگیا مترجم
کہتا ہو کہ اگر یہ مراد ہو کہ اسیوقت سے دریا و نہرون کا وجود ہوا تو مسلم نہین کیونکہ حدیث تخلیق مین ابتدا سے انکا پیدا کرنا مذکور ہے اور اگر یہ مراد
ہے کہ آسمانی پانی دریاؤن سے بہا تو غیر منصوص ہو علاوہ برین مقام مقتضی قدرت عجیبہ ہو کہ باوجود اس کثرت کے کفار کے مرتے ہی تمام
روئے زمین پھر پاکیزہ ہوگئی کہ زمین نے تمام اپنے اوپر کا چوس لیا اور آسمان سے برسنا منقطع ہوگیا وَغِيضَ الْمَآءُ ۔ اور گھٹ گیا پانی ۔
غاض الماء یغیض ۔ لازمی و غاضہ یغیضہ متعدی ۔ و قولہ تعالیٰ ۔ ما تغیض الارحام ۔ اسے نقص یعنی لازمی ہے اور یہان کہا گیا کہ متعدی ہو
کیونکہ لازمی کا مجہول بلا واسطہ حرف الجر نہین آتا ہے ۔ مراد یہ کہ زمین و آسمان نے معًا حکم کو مانا اور پانی گھٹ گیا ۔ بیضاوی رح نے کہا کہ
ناقص ہونا اسلیے فرمایا کہ آسمانی پانی باقی ہے بالکل نہین گیا اور یہ قول ظاہر اس بنا پر ہو کہ غیض الماء مخصوص بطوفان آسمانی ہو
وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۔ اور پورا ہوگیا امر یعنی حکم ہلاک قوم نوح پورا ہوگیا ۔ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ۔ اور ٹھہری وہ کشتی اس پہاڑ پر جسکو
جودی کہتے ہین ۔ روایت ہو کہ آنحضرت علیہ السلام دسوین رجب کو کشتی پر سوار ہوے اور دسوین محرم کو چھ مہینہ روئے زمین پر سیر کرکے
جودی پر اترے اور اُس روز شکر کا روزہ رکھا اور جودی قریب موصل کے ایک پہاڑ ہے اور بعض نے کہا کہ شام مین ہو یا بجانب آمد
اقوال ہین اور حدیث مین آیا کہ اس کشتی مین سے کچھ باقی رہ گیا تھا کہ اس امت کے اگلون نے اسکو پایا ہو ۔ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ
اور کہا گیا کہ دوری واسطے ظالم قوم کے یعنی ہلاکت ہو جیو اور رحمت سے تا ابد دوری ہو جیو ۔ یہ لفظ بد دعا کیلیے مخصوص ہو اور ظالم
سے کافرون کو تعبیر کیا تاکہ ظاہر ہو کہ یہی سبب ہلاک ہو اور قیل کا فاعل بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عز و جل ہو اور بعض نے کہا
کہ یہان نوح علیہ السلام مع اصحاب ہین بخلاف ابتدائے آیت کے ولیکن بنا بسبب قول اول ہو ۔ واضح ہو کہ عبدالرحمٰن بن خلدون نے
تاریخ مین لکھا کہ لوگون نے اتفاق کیا ہو کہ یہ طوفان زمانہ نوح ؑ مین انکی بد دعا سے آیا اس سے روئے زمین کی تمام آبادی جاتی رہی جو لوگ
کشتی مین سوار تھے وے بھی اپنے وقت موت پر بغیر اولاد چھوڑے مر گئے پھر تمام روئے زمین والے حضرت نوح ؑ کی نسل سے ہوئے اسی سے آنحضرت
کو آدم ثانی کہتے ہین ۔ انتہی کلامہ اور ابن الاثیر نے کامل مین فرمایا کہ مجوسی لوگ اس طوفان سے آگاہی نہین بیان کرتے ہین مگر بعضے انمین
سے اقرار کرتے ہین وہ بھی اسطرح کہ طوفان مذکور اقلیم بابل مین آیا تھا اور کیومرث کی اولاد مشرق مین رہا کرتی تھی ان تک طوفان
پہونچا اور اسی طرح اہل ہند و فارس و چینی والے اس طوفان کا اقرار نہین کرتے ہین لیکن بعضے فارسی مقر ہین اور یون کہتے ہین کہ طوفان ہوا
نہ تھا اور عقبہ حلوان سے آگے نہین بڑھا اور صحیح یہ ہو کہ طوفان عام تھا تمام روئے زمین کے حیوانات آدمی وغیرہ مر گئے پھر اولاد
نوح علیہ السلام سے بڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ تمام آدمی اولاد سام و حام و یافث سے ہین انتہی کلامہ اور
مقریزی نے خطط مین لکھا کہ انبیا کے متبعین خواہ یہود ہون یا نصاری یا مومنین مسلمین ہون سب متفق ہین کہ تمہی اولاد آدم فقط نوح
علیہ السلام کی اولاد سے باقی ہین لیکن قبطی و مجوس و ہندو اور چینیون نے طوفان سے انکار کیا اور بعض ان مین سے کہتے ہین کہ طوفان
فقط اقلیم بابل اور اسکے ادھر والے مغربی ملکون مین آیا ہو اور فارسیون کے نزدیک کیومرث آدم اول ہو جو مشرقی ملکون مین تھا
تھا وہ طوفان سے غرق نہین ہوا انتہی کلامہ ملخصًا ۔ وفی الفتح علماء بلاغت نے اتفاق کیا ہو کہ اس آیت مین اس مرتبہ بلاغت و فصاحت
ظاہر ہو کہ جہان کے فصیح و بلیغ اسکے بیان وصف سے عاجز ہین بھلا اسکا مقابلہ کرنے کا کیا ذکر ہے حالانکہ یہ وہ لوگ ہین جو میدان
فنون بلاغت مین راسخ القدم و خطباء عرب و اشعار الشعراء مین علوم بیان سے سرتا قدم عربیت کے اسرار سے خوب واقف کہ تمام عمر اسی مین

گزاری ہے۔ صاوی رح وجمل رح نے لکھا کہ ایسے بلغاء وفصحاء کا قول ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں خالی اُنیس الفاظ ہیں اور اسپر اکیس اقسام
علم بدیع موجود ہیں پھر معاصر موصوف نے لکھا کہ ایک جماعت ائمہ فن رحمہم اللہ نے جہاں تک امکان بشر ہے اس آیت کے علوم بیان کرنے
میں خوب خوب لکھا۔ انھیں ناموں میں سے شیخ امام ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی نے کتاب نہر الماد میں اور سید امیر محمد بن اسمعیل
بن الصلاح نے رسالہ نہر الورود فی تفسیر آیہ ہود میں یہ اکیس انواع یہ لکھے ہیں۔ المناسبۃ والمطابقۃ۔ المجاز۔ الاستعارہ۔ الاشارہ
التمثیل والارداف۔ التعلیل۔ صحۃ التقسیم۔ الاحتراس۔ الایضاح۔ المساوات۔ حسن النسق۔ الایجاز۔ التسہیم۔ التہذیب۔ حسن
البیان۔ التمکین۔ التجنیس۔ المقابلہ۔ الذم۔ الوصف۔ پھر امام سید امیر محمد رح نے ہر نوع کو بسط سے بیان کیا اور پھر لکھا کہ یہ سب اصناف
بلیغ معجز جو مذکور ہوئے اس آیت کریمہ کی مثالی بلاغت پر نظر کرنے سے ظاہر ہوئے ہیں اور اگر فصاحت معنویہ پر نظر کرو تو کیا پوچھنا ہے
کہ معانی کیلئے نظم لطیف سدید ملخص بیہر ہے نہ اسمیں تعقید کہ فکر کے پاؤں پھسلیں اور نہ التواء کہ مقصد نکلے بلکہ معانی پر الفاظ سبقت
کرتے ہیں اور معانی الفاظ پر۔ پھر اگر فصاحت لفظیہ پر نگاہ کرو تو سبحان اللہ تعالی پاکیزہ مستعمل الفاظ پانی کے مانند رواں و موتی کے مانند
آبدار و شہد سے شیریں و نسیم سے خوشگوار تر ہیں۔ قال المعاصر رح۔ بالجملہ اسمیں چار طور سے نظر ہے اول از راہ علم البیان دوم از جہت
علم المعانی سوم و چہارم از جہت فصاحت لفظی و معنوی۔ علامہ نسفی رح نے مدارک میں بعد ذکر بعض انواع از ہر جہات کے فرمایا کہ یہیں سے
اہل العناد از یہود و نصاری و مجوس وغیرہ جو زبان عرب میں مہارت رکھتے و علوم بدیع و بیان سے واقف ہیں ناچار متفق ہو گئے کہ بیشک
کسی بشر کی طاقت نہیں کہ اسقدر کم الفاظ میں ایسی بلاغت و فصاحت لاسکے اور عجیب قدرت الٰہی اس کلام مجید میں ظاہر ہے کہ جہانتک
عالم اسمیں فکر و تامل کرتا جاتا ہے عجیب عجیب لطائف نکلتے چلے آتے ہیں کہ عالم باوجود تبحر و ہمہ دانی کے اسکے سامنے اپنے کو طفل مکتب
سے زیادہ نادان دیکھتا ہے اور خبردار رہو کہ کبھی تم یہ گمان مت کرنا کہ آیت کریمہ میں اسی قدر ہے جتنا بیان کیا گیا بلکہ جو ادراک بشر
سے باہر ہے غالباً وہ مذکور شدہ سے زائد ہے۔ قاضی بیضاوی رح نے کہا کہ یہ آیت کریمہ بلاغت کی انتہا سے بڑھ گئی اسکے الفاظ عجیب فخیم
ہیں و نظم نہایت خوب کتہ الحال پر دلیل باوجود اعجاز کے جو خلل سے خالی ہے۔ خفاجی رح نے لکھا کہ یہ آیت کریمہ عجیب بلاغت کو گھیرے
ہوئے ہے کہ غایت تعجب سے دل اسکے لئے خوشی میں رقص کرنے لگتے ہیں اور کچھ اسکے نکات شرح مفتاح میں بیان ہیں۔ ابوالسعود رح نے لکھا کہ
سبحان اللہ تعالی شانہ یہ آیت کریمہ اعجاز کے مراتب میں سے انتہا کو پہونچ گئی اور کمالات فن کی پیشانی کے بال اُسکے قبضہ قدرت
میں ہیں اور اسکی تفصیل میں ماہرین کاملین نے کوشش کی اور میں قسم کھاتا ہوں کہ اُسکے اوصاف کسی وصف کرنیوالے کے حیطہ
قدرت میں نہیں ہیں جہاں تک بشر کا امکان ہے بیان کرے ورنہ فی الحقیقت اسکا وصف کرنا طاقت بشری سے باہر اور بالاتر ہے مترجم
ضعیف کہتا ہے کہ میں نے ان کاملین علماء متقدمین متبحرین کے نکات کو یہاں درج نہیں کیا اسلئے کہ یہ تفسیر جس سے حضرت رب العزۃ جلشانہ
وعز برہانہ اپنے فضل عمیم سے اہل عالم کو فیضیاب فرماوے بطفیل سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین زبان اُردو میں عام
کیلئے ہے جن کو ان نکات کے ادراک میں کمال ثروت بلکہ امکان نہیں ہے لہذا یہ شہادات مذکورہ ان کے جو شرایان کیلئے سچی گواہیاں عین
الیقین کے مرتبہ پر ان کو علم اجمالی عطا فرماتی ہیں اور واضح ہو کہ اس زمانہ میں بعضے احمق جاہل گندہ ناتراش جنکو بلاغت عربیت سے ادنیٰ
مس نہیں ہے زبان درازی کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ اسمیں کوئی بلاغت بیان کرو اور ضرور اسکے مثل ہم لاسکتے ہیں پس قسم ہے اس یک
وحدہ لاشریک تعالی شانہ کی کہ جسکو زبان عربیت کے بلاغات سے ذرہ برابر بھی مس ہے وہ ان احمقوں پر بیساختہ ہنستا ہے کہ یہ جاہل جنکو گندھوتے

مثال دینا چاہیے کہ گدھون سے بھی زیادہ بیوقوف ہین مرد عاقل ایسے احمقون کی طرف لحاظ بھی نہین کر سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اہل اسلام بھی تن
دنیاوی کار آمد زبانون کے سیکھنے مین ایسے سرگرم ہین کہ گویا انکو عاقبت کا بالکل یقین نہین ہے اور یہ درحقیقت کفر ہے اسیوجہ سے انکو ان علوم سے
کچھ نصیب نہین بلکہ ان احمقون کی بات پر لحاظ کرتے ہین اور کہتے ہین کہ معترض صاحب تو عربی خوب جانتے ہین لاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحکیم
اے لوگو عاقبت کو دیکھو آخر انجام موت و فنا ہے دنیا کی تھوڑی تکلیف پر صبر کرو اور دنیا کے حاصل کرنے مین دل مت لگاؤ بلکہ آخرت کیلئے
اگر تم کو ضروری کھانے پینے وغیرہ کی احتیاج ہو تو اس نیت سے دنیا کی اتنی چیزین حاصل ہو جانے کا ذریعہ سمجھکر شرعی جائز زبانون و کانون و
نوکریون کیلئے کوشش کرنا امید ہے کہ مباح ہو لہذا عاقبت کیلئے علوم دین و عربیت مین کمال حاصل کرو واللہ تعالی ہو الموفق و ہو الہادی للفضل
اشارہ حکیم مایرید ـــ فی العرش قم لہ تعالی وقیل یا ارض ابلعی ماءک الآیۃ جب سفینہ قلوب بحر علوم غیوب مین پیری یا در عظمت کے گرداب
مین پہونچے تو عبرت القدم سے ڈوبنے کے قریب ہوئی پس سابقہ عنایت ازلیہ جسنے آپ تک سطوات ربوبیت مین فنا ہو جانے سے محفوظ رکھا
ہے ارادت قدیمہ سے بچا دیا اور زبان وصال نے آسمان کمال الذات و زمین صفات کو آواز دی کہ یا ارض ابلعی الی آخرہ یعنی آپ ذات و صفات
ادراک عبودیت سے باہر ہو گئے اور لطف سے اسکو مشاہدہ افعال و آیات کی طرف راجع فرمایا اور مسالک ازلی ابدی اسی طرح ناطقہ بند کیا
ہوئی چنانچہ آخر آیت کریمہ سے یہ اشارہ لیا گیا ہے پس احکام معارف ذات و صفات اسپر جاری ہوئے اور سوائے ذات و صفات کے کچھ
اس طرح کا لمہ پاس پھٹا وہ ذات و صفات مین غرق ہو گیا یعنی نفس اسکے ہواجس و شیطان دا اسکے وسواس اور عقول و انس سے مراتب
حتی کہ ہر دو جہان و جملہ عوالم سے اس سے مستغرق ہوئے اور وہ تمکین کیساتھ جودی طریقت و حقیقت پر متمکن ہو گئی چنانچہ اضطرابات کے بعد اسکو
مواجید مین سکون ہوا اور قولہ تعالی فکان قاب قوسین او ادنی مین یہ اشارہ خوب ظاہر ہے پس تو الدنو سے بحر ازل و فنا مین غرق ہوئے
سے جسکا خوف میدان ابد کے قہری طوفان سے تھا جو قلزم کبریاء و عظمت سے اٹھا تھا بچ گیا کیونکہ حسن عنایت ازلی نے بعصمت رضا
اسکو قبول فرمایا لہذا آنحضرت علیہ السلام دعا فرماتے کہ اللہم انی اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بمعافاتک من عقوبتک و اعوذ بک
منک الحدیث۔ آنحضرت علیہ السلام مدارک صفات و مرآئے انوار ذات مین حقائق ازلیت مین شناور تھے پس سکرات کے قہر سے
خائف ہوکر کبھی صفت سے صفت کی طرف اور کبھی فعل سے فعل کی طرف اور کبھی ذات سے ذات کی طرف گریز فرمایا یعنی معنی یہ کہ
مین پناہ ڈھونڈھتا ہون تیرے رضوان عنایت کیساتھ تیرے خشم غیرت سے اپنے اوپر اس بات مین کہ تیرے سوا کوئی اور تجکو
پہچان لے اور تیری مین پناہ ڈھونڈھتا ہون تیرے رضوان جمال کے ساتھ تیرے سطوات جلال سے تاکہ تیرے ساتھ تجھ مین فنا ہو جاؤن
اور مین پناہ ڈھونڈھتا ہون تیرے رضوان بقا کے ساتھ صولت تجلیات قدم سے پھر جب صفت مین دوران سے زوال کا خوف کیا
تو وہان سے افعال کی طرف فرار فرمایا کہ دل کو راحت پہونچا دین جو عظمت الوہیت کا بار اٹھا چکا ہے لہذا فرمایا اعوذ بمعافاتک
من عقوبتک یعنی اولی عنایت دعوت کے معافات مین تیرے ابدی ہجر کی عقوبت سے پناہ لیتا ہون پھر جب راحت حاصل
ہوگئی تو مکرر مشاہدہ ذات کی طرف رجوع لائے بقولہ اعوذ بک منک یعنی تیرے فردانیت کی پناہ مین آتا ہون حلاوت جمال مشاہدہ
سے جہان عاشق تیری وحدانیت مین گم ہو جاتا ہے تاکہ تیری ہی بقا و حدت کی پاکی بیان کرنے مین دعوی انانیت سے بچا رہے۔ اور
مین پناہ لیتا ہون اس مقام کی پراگندگی سے حتی کہ مین ہون اور تو ہی ہو اور مین نابود ہون جیسے تو نہین اور تو ہی ہو جیسے تھا پھر جب ابتداء
عبودیت سے فانی اور مشاہدہ ربوبیت از افعال و صفات مین باقی ہوکر استقامت کیساتھ انوار الوہیت سے توحید افراد القدم عن الحدث کے

موازی ہو کر حضرت حق عزوجل سے زبان ازلی پائی تو تعریف بیان فرمائی بقولہ لا احصی ثناء علیک ۔ اپنے حدوث و عبودیت کا اقرار باقی رکھا پھر قولہ انت کما اثنیت علی نفسک ۔ یہاں نفس و شمار و عبودیت و تکالیف وجود اور قرب و بعد اور تصاریف علل سب کو درگاہ حضرت رب العزت سے بدر کیا اور اسی پاک حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام کمالات کو رجوع کیا ۔ فافہم ۔ اب ہم ظاہری آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام اذیت قوم سے ضیق انقباض میں تھے پس وصل بلا فرقت اور بسط بلا قبض اور انس بلا وحشت کی خواہش کی لہٰذا حضرت پروردگار سبحانہ سے دعا کی کہ اس سے نجات فرما دے پس او تعالیٰ نے قوم کو غرق کیا و لیکن بشریت سے اپنے پسر کے حق میں مناجات کی تو موج آئی اور اسکو غرق کیا تاکہ پیغمبر کے دل میں سوائے حق کے کچھ باقی نہ رہے ۔ استاد رح نے کہا کہ پسر کنعان کے غرق ہونے سے موج ٹھہری یا فی جذب منقطع ہوا گویا اسی کا غرق مقصود تھا پھر حق تعالیٰ نے انبساط نوح علیہ السلام سے آگاہ فرمایا ۔ بقولہ تعالیٰ ۔

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو بولا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور تیرا وعدہ سچ ہے

وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۝ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ

اور تیرا حکم سب سے بہتر ہے فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اسکے کام ہیں

صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالَ

ناکارہ سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھکو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھکو کہ ہو جاوے تو جاہلوں میں بولا

رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھکو اور اگر تو نہ بخشے مجھکو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں خرابی والوں میں

وَنَادَىٰ ۔ اور پکارا یعنی دعا کی نُوحٌ رَّبَّهُ نوح نے اپنے رب سے ۔ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي پس کہا کہ اے رب میرے میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ ۔ اور بیشک تیرا وعدہ حق یعنی صدق ہے ۔ گویا قولہ احمل فیہا من کل زوجین اثنین واہلک ۔ کی طرف التجا کی یعنی تو نے میرے اہل کو نجات کا حکم دیا ہے وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۔ اور تو احکم الحاکمین ہے یعنی سب حاکموں سے افضل ہے یا عدل و علم میں سب سے بڑھکر ہے اور اولی قول یہ کہ تو بڑے اتقان والا ہے کہ تیرے حکم میں کوئی نقص و خلل نہیں ہو سکتا کیونکہ تجھے اسکا خوب علم ہے اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے قولہ اہلک الا من سبق علیہ القول میں اہل سے اولی کافروں کو استثنا کر دیا تھا پھر نوح نے کیونکر اسکے لئے دعا کی تو جواب یہ کہ نوح کو اس وقت تک یقین نہ تھا کہ وہ ازلی کافر ہے پھر کہا گیا کہ دعائے مذکور کشتی روان ہونے سے پہلے تھی کیونکہ اس وقت تک نجات کا امکان تھا اور بعض نے کہا کہ پسر مذکور کو نمائش کرنے والے کے انکار کرنے کے بعد یوں دعا فرمائی و لیکن اس قول پر ضرور ہے کہ قولہ حال بینہما الموج کے یہ معنی ہیں کہ موج حائل ہو گئی اور پردہ ہو گیا اور یہ نہیں کہ وہ اسی وقت غرق ہو گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے نوح کو جواب فرمایا کہ اہل میں تیرا بیٹا داخل نہیں ہے بقولہ قَالَ يَا نُوحُ فرمایا کہ اے نوح إِنَّهُ یہ تیرا بیٹا جسکی تو نجات مانگتا ہے لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۔ نہیں ہے تیرے اہل میں سے یعنی ایسے مومنوں میں سے جنھوں نے ایمان لا کر تیری پیروی کی ہے اگرچہ قرابت کی راہ سے تیرا بیٹا ہے اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ وہ نہیں ان لوگوں میں سے جنکی نجات کا میں نے تیرے ساتھ میں وعدہ فرمایا ہے یہیں سے بعض نے کہا کہ قولہ لیس من اہلک منصیص ہے کہ یہ لڑکا حضرت نوح کے نطفہ سے نہیں تھا اور استبعاد کیا کہ نبی کا لڑکا کافر ہوئے اور جواب یہ ہے کہ اہل سے مراد ان کی اتباع

مومنین میں بس ایسے اہل سے نہ تھا اگرچہ قرابتی پسر تھا بلکہ قولہ۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔ انہ ذو عمل غیر صالح۔ یہ لڑکا بے نیکوئی کے عمل والا ہی نہیں عمل مصدر کو بمبالغہ محمول کیا گویا وہ نرا بدکاری ہی ہو اور حق یہ ہے کہ کافر آدمی اتقی کوئی نیکی نہیں رکھتا اگر باعتبار صورت کے بعض اسکے افعال اس قابل ہوتے ہیں کہ دنیا کی دولت اسکا عوض ہو اور نکوئی درحقیقت وہ ہے جسکا بدلا نعمت کاملہ آخرت ہو سکے بالجملہ بدکاری وکفر کی جہ سے اسکو اہل نہیں قرار دیا ورنہ صریح قولہ نادی نوح ابنہ۔ اور قولہ یا بنی۔ دلیل ہے کہ وہ بیٹا تھا اور عکرمہ و سعید بن جبیر و ضحاک و اکثر مفسرین نے کہا کہ وہ نوح کا بیٹا انکے نطفہ سے تھا اور یہی صحیح ہے اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی نبی کی جورو نے زنا نہیں کیا بالجملہ کلام کو حقیقی معنی سے مجاز کی طرف پھیرنا بلا ضرورت نہیں جائز ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ مومن سے کافر اور کافر سے مومن پیدا فرماتا ہے چنانچہ آدمؑ سے قابیل کو اور آزر سے ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ ایسے ہی کنعان کو پشت نوحؑ سے پیدا کیا وہ قادر مختار ہے جو چاہے جسطرح چاہے کرے۔ واضح ہو کہ قولہ انہ عمل۔ میں جمہور کی قرأت عمل مصدر ہے اور انہ ضمیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ راجع بجانب پسر ہے پس عمل اسکی خبر بطریق زید عدل ہے اور یہی ارجح ہے اور صاوی رحنے کہا کہ شیخ سیوطی رحنے اشارہ کیا کہ یہاں مضاف محذوف او ضمیر راجع بجانب نوحؑ ہے یعنی ان سوالک عمل غیر صالح اے غیر مقبول یعنی تیرا یہ سوال کرنا ایسا کام ہے جو مقبول نہیں ہے اور ابن عباسؓ سے جو تفسیر مروی ہے اسکی تائید کرتی ہے کہ کہا کہ معنی یہ ہیں کہ اے نوح تیرا مجھ سے یہ سوال کرنا عمل غیر صالح ہے میں اسے پسند نہیں کرتا ہوں پھر اس سوال سے منع فرمایا بقولہ۔ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ پس تو مجھ سے مت مانگ وہ چیز کہ جسکا تجھکو علم نہیں ہے یعنی جب تجھے نہیں معلوم کہ اسکا مانگنا ٹھیک ہے تو مانگنا چاہیئے یا نہیں ٹھیک ہے کہ ترک کرنا چاہیئے اور یہ حکم عام ہے ہر شخص جو اپنی درخواست کو مطابق شرع نہ جانے وہ سوال نہ کرے بعض نے کہا کہ یہ معنی ہیں کہ اے نوح تجھکو نہیں معلوم کہ وہ ازلی کافر ہے اور قولہ الا من سبق علیہ القول میں داخل ہے اور بعض نے کہا کہ تجھکو نہیں معلوم کہ وہ منافق ہے مومن نہیں ہے ولیکن اول ارجح و اوفق ہے۔ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ۔ اے انہاک من ان تکون من الذین یجہلون فیسئلون مالا علم لہم بہ۔ میں تجھکو نصیحت کرتا یعنی منع کرتا ہوں اس امر سے کہ تو جاہلوں میں سے ہو جاوے یعنی انکے مانند ہو جو جہالت کرتے ہیں مانگتے ہیں وہ چیز جسکا انکو علم نہیں ہے۔ یہاں سے بھی کہا گیا کہ حضرت نوحؑ کو اسکے قطعی کافر ہونے کا علم نہ تھا بلکہ ظاہری اقرار منافقانہ سے مشتبہ تھے ورنہ معلوم ہے کہ مشرک کافر کے واسطے مغفرت نہیں ہے یا جو ازلی مطرود ہے وہ حسب تقدیر کبھی مومن نہ ہوگا۔ کرخی رحنے کہا کہ نوحؑ کے سوال کو جہل اسلیئے فرمایا کہ فرزند کی محبت میں انکو استثنار قولہ الا من سبق علیہ القول۔ یاد نہ رہا۔ ابن العربی رحنے کہا کہ یہ نصیحت و موعظت از جانب الٰہی تعالیٰ ایک فضل ہے جس سے نوحؑ کو مقام جاہلین سے خارج اور بلند مرتبہ کر کے مقام علماء عاملین پر پہونچایا جب نوحؑ کو اپنا سوال غیر مطابق تقدیر و رضائے الٰہی و غیر موافق منصب نبوت عظمیٰ معلوم ہوا تو فوراً مغفرت و رحمت کی درخواست کی بقولہ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ۔ نوحؑ نے کہا کہ اے رب میرے میں تیری پناہ میں آیا اور التجا و عذر لایا من اَنْ اَسْـَٔلَكَ اس امر سے کہ میں تجھ سے مانگوں مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ۔ ایسی چیز جسکا مجھکو علم نہیں ہے خوفناک ہوئے کہ یہ سوال اس صورت میں تقدیر و علم الٰہی سے معارضہ ہوا اگرچہ دعا میں کوئی گناہ نہیں ہے لہذا زیادہ خوفناک ہو کر التجا کی وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وان لا تغفر لی ذنب ما دعوت کذلک۔ وَتَرْحَمْنِیْٓ بقبول توبتی بالرحمۃ الواسعۃ اور اگر تو نہ بخشے مجھکو میرا یہ گناہ جو میں نے اسطرح سوال کرنے سے کیا اور اگر تو نہ رحم فرمائے مجھ پر اپنی وسیع رحمت سے اسطرح کہ میری توبہ قبول کر لے۔ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ تو میں خسارہ والوں میں سے ہو جاؤں۔ واضح ہو کہ یہ شان نبوت تھی کہ خالی ایسی دعا سے اسقدر خوفناک ہو کر گڑگڑانے لگے

ورنہ آیت کریمہ میں کوئی امر ایسا مذکور نہیں کہ جو نوحؑ سے گناہ و معصیت صادر ہونے پر دلالت کرے سوائے اس بات کے کہ ایک ایسے امر کی دعا مانگی جو علم الٰہی میں تقدیر سے موافق نہ تھا اور یہ کچھ معصیت نہیں ہے سو آنچ میں ہو کہ نوحؑ سے اجتہاد میں چوک ہوئی جیسے آدم علیہ السلام سے درخت کا پھل کھانے میں چوک ہوئی وقال المترجم علیہ وفیہ نظر لان ما وقع من آدم علیہ السلام کان سہوا انہ تصریح قولہ تعالیٰ فنسی ولم نجد لہ عزما۔ واما نوح علیہ السلام فلم ینس وکان من اولی العزم غیر انہ سأل مالا علم لہ بہ من شقاوۃ ابنہ بدا وانما استغفارہ فشان الانبیاء کما قال تعالیٰ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون وقولہ تعالیٰ وہم من خشیۃ ربہم مشفقون۔ اولا تری الی ما اجاب اللہ تعالیٰ بہ حیث وعظہ وذکرہ ولم یؤاخذہ بشیء واما ما وقع لآدم علیہ السلام بعد اکل الشجرۃ من ہبوطہ من الجنۃ الی الارض فلیست بعقوبۃ ایضا بل من قبیل ما وعدہ اللہ تعالیٰ من خواص الاشیاء کان اکل شیئا قدر اللہ تعالیٰ من اثرہ ما وقع فلیتامل فیہ۔ وفی العرائس قولہ فنادی نوح ربہ الآیہ یعنی کہ بسبب بشریت بمقام امتحان الٰہی ہے کہ نوحؑ کی شان سے تھا کہ اسرار کو اغیار کی طرف نظر سے پاک رکھکر موجود وجود کو فنا کرین لہٰذا انہین خلیل کے امتحان مین غرق رہا کہ آگ مین ڈالے جانے کے وقت ملائکہ مقربین وغیرہ کسی سے مدد نہ چاہی اور اپنے آپ کو سلم کردیا اور صحیح ہوا قولہ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین پس معارضہ قلب عقل وقوت ونفس وتمام عالم سے بیزار ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جھکے اور نوح علیہ السلام نے غرق فرزند کی طرف التفات کرکے سوال کیا حالانکہ مقام توحید مین اور تسلیم ورضا و شرط معرفت مین فرزند کا کیا ذکر ہے اور انبساط کیساتھ مناجات مین حکم کیا کہ میرا پسر میرے اہل مین سے ہے حالانکہ وہ اہل مین سے نہ تھا اسیواسطے یہ جواب پایا کہ انہ لیس من اہلک اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نوحؑ فرزند کی طرف نظر کرنے سے تقدیر سابق سے غافل ہوئے اور یہ انبساط تھا جو کمال رحمت سے حضرت نوحؑ کے اسرار پر وارد ہوا اور جو انبساط کہ مقام امتحان مین حکم سابق کے دیدار پر ہو وہ مراد ملنے سے دور رہتا ہے جیسے یہ کہا کہ انبساط قدرت الٰہی قہر و جبروت کی وجہ سے مقام انبساط نہیں ہے ورنہ رد کردیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو سمجھا دیا کہ حسبی اہلیت ظاہری اُن کے اور بیٹے کے درمیان مرتفع ہو ویسی ہی ان کی روح و پسر کی روح مین اہلیت مرتفع ہے کیونکہ ازل مین انکے بیٹے کو معرفت و محبت و تقویٰ کی اہلیت عطا نہین ہوئی بقولہ انہ عمل غیر صالح۔ جو تجکو معرفت دی گئی اسکی اہلیت تیرے پسر مین نہین ہے وہ کسی طرح حصول نہین ہو سکتا فلا تسئلن مالیس لک بہ علم۔ ادب سکھلایا کہ وہی دعا مانگو جو موافق تقدیر ہو ورنہ جو مشیت الٰہی سے ناموافق ہو وہی مراد نہین ملتی ہے اور یہ جو فرمایا انہ عمل غیر صالح۔ اسکے معنی یہ ہین کہ اسکے اعمال موافق سنت نبی نہین ہین پھر وعظ فرمایا بقولہ انی اعظک ان تکون من الجاہلین۔ جاہل اسکو کہتے ہین جو تقدیر الٰہی کو بھولا اور اسکی لیاقت والون کو بخانا مراد یہ ہے کہ مین تجھے نصیحت کرتا ہون کہ تو سوال کرنے مین خلاف ادب راہ چلے بلکہ ارادہ الٰہی کے موافق ہونا واجب ہے۔ اسمین خواص عارفین کو تہدید ہے کہ بارگاہ حق مین غیر کی طرف التفات کرنے سے اپنے خواطر کو صاف رکھین تاکہ مقام احتشام مین مراد الٰہی کے لیے تسلیم جھکائے ہوئے ہون قاسم رحمہ اللہ نے کہا کہ اہلیت دو طرح کی ہوتی ہے اہل قرابت اور اہل ملت پس پسر نوحؑ کو اہل ملت ہونے سے منفی کردیا اور قرابتی ہونے سے نفی نہین فرمائی ہے قولہ۔ انی اعظک بعض نے کہا کہ مقصود یہ ہے کہ کیا تو نے نہ جانا کہ مین نے نیک بختون و بدبختون کو ازل مین مقدر کردیا ہے پھر یہ حکم قضا رد نہین ہو سکتا اب مین تجھے نصیحت کرتا ہون کہ تو ان احکام کو کھودینے والا مت ہو جیو۔ بعض نے کہا کہ نوحؑ نے مخصوص کرکے اپنے بیٹے کیلئے دعا فرمائی تو کو عتاب کیا کہ میرے تمام بندون کے درمیان سے خالی اپنے پسر کے لیے دعا فرمائی پھر نوحؑ نے تضرع و عاجزی کے ساتھ بارگاہ کبریائی مین رجوع کیا بقولہ قال رب انی اعوذ بک ان اسئلک آہ۔ اسمین بیان ہے کہ جو مانگے اسکے جانے بغیر

اسکا سوال کر بیٹھنا خوب نہیں ہوا اور جب آنحضرت کو جو کہنا معلوم ہوا تو خضوع و خشوع سے ملتجی ہوئے کہ اے رب اگر یہ ترک ادب تو نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ فرماوے کہ عبودیت میں ربوبیت آسان کرے تو میں ایسے لوگون میں سے ہو جاؤنگا جنھون نے عبودیت میں حقائق معرفت کو گم کیا ابو سعید الخراز نے کہا کہ نوح علیہ السلام نے جو انبیاء اولو العزم میں سے تھے ساڑھے نو سو برس اللہ تعالی کی بندگی میں نہایت کوشش و نصیحت کی اور طرح طرح کی ایذائین اُٹھائین پھر اس کہنے پر کہ رب ان ابنی من اہلی جب عتاب کئے گئے تو خوف کبریائی سے ساری باتین بھول گئے اور سال پھر اس ترک ادب سے رویا کئے یہان تک کہ کہا والا تغفرلی وترحمنی الخ پس اس بات کہنے سے مدت تک نادم رہے پھر جب نوح علیہ السلام نے کبریا آلہی کیلئے خشوع و خضوع کیا تو حق عز و جل نے اُن کو لباس انوار امن و عافیت پہنایا و فرمایا ۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ

حکم ہوا اے نوح اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتون کیساتھ تجھ پر اور کتنے فرقون پر تیرے ساتھ والون میں اور کتنے فرقون کو فائدہ دینگے پھر

يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

پہونچیگی اُنکو ہماری طرف سے دکھ کی مار یہ بعضی خبرین ہین غیب کی کہ ہم بھیجتے ہین تیری طرف اُن کو جانتا نہ تھا تو

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۭ فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

معانقه ٢
عند ال…

اور نہ تیری قوم اس سے پہلے سو تو ٹھہرا رہ البتہ آخر بھلا ہے ڈر والون کا

قِيلَ يٰنُوحُ ۔ کہا گیا اے نوح یعنی حق تعالی نے وحی فرمائی ۔ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ۔ اُتر کشتی سے یا جودی پہاڑ سے ہماری طرف سے سلامتی و امن کے ساتھ ۔ کما قال تعالی سلام علی نوح فی العالمین بعض تفاسیر مین مذکور ہے کہ غرق چونکہ تمام روئے زمین مین عام تھا تو کشتی سے اُترنے مین گویا حضرت نوحؑ کو خوف ہوگا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز نہین ملیگی لہذا حق تعالی نے سلامتی و عافیت کی بشارت دی اور فرمایا ۔ وَبَرَكٰتٍ اور برکتون کے ساتھ یعنی امن و عافیت جسمانی اور برکات انواع رزق وغیرہ سے عَلَيْكَ تجھ پر ۔ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۔ اور امتون پر تیرے ساتھ والون سے ۔ اگر کہا جائے کہ ممن معک مین من تبعیضیہ ہے پس ساتھ والون مین سے بعض امن و برکت مین داخل ہے جواب دیا گیا تین طرح سے ۔ اول آنکہ کشتی مین وحوش و طیور و بنی آدم سب تھے انہین سے وحوش و طیور وغیرہ اُمم کو چھوڑ کر سلام کیساتھ بنی آدم کو مکرم فرمایا ۔ اور اطلاق امت کا اقسام وحوش و طیور وغیرہ پر قرآن و حدیث مین شائع ہے پھر بنی آدم کو بلفظ اُمم تعبیر کرنا اسوجہ سے کہ وے جماعات متفرقہ تھے دوم آنکہ ممن معک سے انکی پشت کی اولاد سمیت مراد ہے اور مشہور ہے کہ جو لوگ کشتی مین ان کے ساتھ تھے انکے اولاد نہین ہے اور نوع انسانی اولاد نوحؑ مین منحصر ہوئی اسی سے اُن کو آدم دوم و آدم صغیر کہتے ہین اور وہ آدم سے ہزار برس بعد آٹھوین پشت بعد ہوئے ہین پس مراد اس سے اولاد نوحؑ کی تقسیم بجانب مومن و کافر ہے ورنہ اُن کے ساتھ والے سب مومن تھے سوم ابو السعود رح نے کہا کہ من بیانیہ ہو سکتا ہے یعنی اُن اُمم پر جو تیرے ساتھ ہین اور جماعات متفرقہ ہونے سے اُن کو بلفظ اُمم تعبیر فرمایا ۔ واضح ہو کہ مشہور یہ ہے کہ دعوت نوح عام تھی تمام روئے زمین کے لوگون کو ایمان لانے کا حکم تھا اسی واسطے کفر و اصرار سے عام طوفان آیا و لیکن مترجم نے سابق مین بعض مقام پر اشارہ کیا ہے کہ عموم دعوت کا کوئی ثبوت نہین اور بعض محققین نے اسی کو مصرح بیان کر کے صحیح قرار دیا ہے اور کلام آلہی مانند قولہ ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ ۔ شاہد ہے کہ دعوت مخصوص بقوم نوحؑ تھی لیکن قوم مذکور کو اسقدر ترقی ہوئی کہ روئے زمین کے پہاڑون و ملکون مین پھیل گئی لہذا طوفان محیط ہو گیا ۔ وعلی ہذا ممکن ہے کہ بعض اقوام جن کی طرف اُنکی بعثت نہین تھی عام عذاب طوفان سے بچے ہون

لہذا چین و ہندوستان و فارس والے جنکو طوفان سے انکار ہے یعنی قائل ہین کہ عموماً ہم لوگ غرق نہین ہوئے ہان ارض بابل وغیرہ ممالک مغرب
غرق طوفان ہوئے ہین تو شاید ایسا ہو اور معنی یہ ہین کہ یہ لوگ قوم نوحؑ مین سے نہ تھے اور قولہ تعالی وجعلنا ذریتہ ہم الباقین یعنی فی تلک البلاد
التی غرقت۔ یا آنکہ من ذلک القوم پس اس صورت مین اقوام فارس و ہندوستان و چین وغیرہ شاید اولاد نوحؑ سے نہ ہون لیکن جمہور اہل ادیان
اسپر متفق ہین کہ طوفان عام تھا اور قوم نوحؑ تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی تھی لہذا انکے مقابلہ مین ان چند اقوام کا اعتبار نہین ہو سکتا خصوصاً
اس صورت مین کہ یہ اقوام ان ملکون مین بعد طوفان کے اولاد نوحؑ سے موجود ہوکر یہان آباد ہین پس انکو مشتبہ ہوا کہ یہان کبھی طوفان نہین آیا
حالانکہ ان کے بسنے سے پہلے جب طوفان آچکا تو ان کے اگلون کی کتابون مین کہان سے مذکور ہوتا فتدبرہ واللہ تعالی اعلم۔ بالجملہ اللہ تعالی
نے حضرت نوحؑ کو سلام و برکات دین اور ان لوگون کو جو انکے ساتھ مین تھے بنابر آنکہ من بیانیہ ہے پس ساتھ والے یا تو یہی مراد ہین جو کشتی مین
سوار تھے اور اس صورت مین کہا جائیگا کہ مشہور یہ ہے کہ ان سے اولاد باقی نہین رہی اور یا حضرت نوحؑ کی پشت مین انکی اولاد سے قیامت تک
امم مراد ہین اور اس صورت مین من تبعیضیہ اولی ہے یعنی ان امتون مین سے قلیل بعض امم پر برکت و سلامت فرمائی اور یہ امم مسلمہ ہین پھر باقی
امم کافرہ کو بیان فرمایا بقولہ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ۔ اے ومنہم امم آہ او البواقی امم۔ اور امم ہین کہ ہم ان کو متاع دین گے جس سے وے
دنیاوی حیات پوری کرین۔ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ پھر پہونچیگا ان کو ہماری طرف سے عذاب دکھ دینے والا یعنی آخرت مین بعد
موت کے۔ اور احتمال ہے کہ یہ معنی ہون کہ ان مین سے بعض امم ہین کہ ہم ان کو دنیاوی عیش و آرام دینگے پھر بسبب کفر و شرک و معاصی کے
ان کو دنیا و آخرت مین عذاب پہونچیگا اور مصداق اسکے اقوام حضرت صالحؑ و ہودؑ وغیرہ ہین واللہ اعلم۔ اور یہان ایک احتمال یہ بھی ہے کہ
اگر طوفان عام نہ ہو تو حضرت نوحؑ کے ساتھ والون پر سلامت و برکت کا حکم دیا اور انکو آگاہ فرمایا کہ تھا یا دیگر امم ہین جنکو چند روزہ معاش
دنیاوی کے بعد عذاب پہونچیگا اسلیئے کہ وے کافر اقوام ہین باشندہ اہل چین و فارس وغیرہ سے ولیکن معنی اسکا ضعیف ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا
حضرت ضحاکؒ سے روایت ہے کہ قولہ علی امم ممن معک آہ یعنی ممن لم یولد یعنی مراد وہ لوگ ہین جو ہنوز پیدا نہین ہوئے تھے پس اللہ تعالی نے
انکے لیے برکات واجب فرمائین کیونکہ علم الٰہی مین انکا جنتی ہونا مقرر تھا اور قولہ امم سنمتعہم یعنی متاع حیات دنیا کے بعد ان کو عذاب ملیگا
کیونکہ علم الٰہی مین یہ لوگ بدبخت شقی تھے۔ محمد بن کعبؒ نے کہا کہ اس سلام و برکات مین قیامت تک کے ایمان والے مرد و عورتین داخل ہین جیسے
عذاب الیم مین قیامت تک کے کافر مرد و عورتین شامل ہین۔ ابن زیدؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی رضامندی کے ساتھ انکو نزول کا حکم
دیا اور انسے نسل پیدا فرمائی جنمین سے بعض پر رحمت فرمائی اور بعض پر عذاب کیا بعض نے کہا کہ امم سنمتعہم سے اقوام ہود و صالح و لوط وغیرہ مراد
ہین جو چند روزہ متاع کے بعد عذاب مین گرفتار ہوئے۔ یہان تک قصہ نوحؑ تمام ہوا پھر فرمایا۔ تِلْكَ۔ اے قصہ نوحؑ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ
انبا جمع نبا بمعنی خبر اے من اخبار الغیب۔ یہ قصہ از اخبار غیب ہے۔ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ۔ جس کو ہم تیری جانب وحی فرماتے ہین۔ مَا كُنْتَ
تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ۔ جسکو نجانتا تھا تو اور تیری قوم یعنی اہل عرب۔ مِنْ قَبْلِ هٰذَا۔ پہلے اس وحی سے یا قرآن سے یا اسوقت
سے۔ اسمین تنبیہ ہے کہ یہ بڑی قوم جب اس سے غافل تھی تو اکیلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو وحی سے جانا اور کسی سے نہین سنا ہے لہذا کفار
جو آنحضرت صلعم پر بہتان باندھتے کہ لوگون سے یا جنون سے قصے سنکر نظم کرتے ہین اول تحدی و معارضہ رد فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اسکے مثل
ایک ہی سورہ بنا لاؤ اور فرمایا کہ اخبار غیب بکثرت مذکور ہین کوئی لاؤ پھر جب عاجز ہوکر شرارت و عناد پر آمادہ ہوئے تو انہام کار کی غیبی
خبر کے ساتھ حکم دیا بقولہ۔ فَاصْبِرْ۔ صبر کر اے محمد صلعم کافرون کی ایذا پر جیسے نوحؑ نے صبر کیا تھا۔ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ بیشک نیک

انجام دنیا و آخرت مین انھین لوگون کیلئے ہی جو اللہ تعالیٰ پر تقویٰ کرتے ہین چنانچہ انجام کار حضرت نوح و مومنین کو سلامتی و برکات حاصل ہوئین و کفار عذاب دنیا و آخرت مین دائمی گرفتار ہوئے اسمین آنحضرت صلعم کو تسلی اور خوشخبری ہی کہ انجام کو فتح و ظفر آنحضرت صلعم کے واسطے ہو ۔ فی العرائس قوله تعالیٰ قیل یا نوح اھبط بسلام الخ ۔ اشارہ ہی کہ اھبط بسلام یعنی ہبوط او وصف سلام ہو یعنی ہماری صفات و خلق سے متصف ہو کر کشتی حقیقت سے بسلامت نازل ہو کہ پھر اسکے بعد تیرے واسطے سوائے سلامتی کے یہ نہ ہوگا کہ سطوات عظمت مین فنا ہو جاوے کیونکہ ہمارے وصل کی برکت سے تجھ اور تیری برکت سے تیری ساتھی قوم کو عذاب فراق سے نجات ہی پھر آنحضرت صلعم کو کشف انبار الغیب سے تشریف فرمائی بقوله تلک من انبار الغیب الخ کشف و انبار کے دو مرتبہ ہین ۔ اول ارواح کیلئے اشباح سے پہلے دیوان غیب مین کشف ہی کہ نور غیب سے اسرار مکتوم کو یہ ارواح دیکھتے ہین دوم اشباح مین ارواح کے ہو جانے بعد انکشاف ہو پس اسکو دیکھنا و سننا اس چیز کا حاصل ہوتا ہی جو اشباح مین آنے سے پہلے ارواح نے غیب مین دیکھا تھا پس یکا شفہ تجدید عہد ہی اور مشاہدہ تذکیر عہد ہی اور یہ جو فرمایا ما کنت تعلمھا یعنی بوجود روح سے پہلے نہ جانتا تھا اور نہ بعد وجود روح کے جو ہوا اور ہونے والا تھا سب تعلیم آلٰہی جان لیا اور اسمین آنحضرت صلعم کو تسلی ہی کہ اولو العزم انبیا کی اقتدا مین اہل شقاوت سے ایذا برداشت کرین کما قال تعالیٰ فاصبر ان العاقبة الخ یعنی تقوی کے میدان مین جو لطائف بلا و حقائق وجود عظمت و کبریا کا ظہور ہو اُسکی برداشت مین صابر رہو اور ہمت بلند رکھو اور کسی غیر کی طرف نظر و التفات مت کر و کیونکہ جنھون نے میرے سوائے سب سے انقطاع کیا انجام کار انکو میرا وصال و دیدار جمال ہی ۔ شیخ جنید رحؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی و رسول کیواسطے ایک طرف غیب کو کشف فرمایا اور ہمارے پیغمبر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے انبار الغیب کو کشف فرمایا اور یہ انتہا کشف ہی چنانچہ آنحضرت صلعم پر غیب سے وہ امور مکشوف تھے کہ مخلوق مین سے کسی پر کشف ہونا روا نہین ہی اور یہ اسوجہ سے کہ آپ کو امانت عظمیٰ بدرجہ کمال حاصل تھی کیونکہ اسرار کا انکشاف انھین لوگون کو ہوتا ہی جو امین ہین پس جتنا زیادہ امین ہو اتنا زیادہ کشف پاویگا نصر آبادی رحؒ نے کہا کہ عاقبت کی نجات اُسکو ملیگی جو ازل مین زیور تقوی سے آراستہ ہوا ہی پھر حق تعالیٰ عز وجل نے اپنے رسول ہود علیہ السلام کا و انکی قوم کی ضلالت و عذاب کا حال بیان فرمایا ۔ بقوله تعالیٰ

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۖ إِنْ أَنتُمْ

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا اُنکا بھائی ہوؔد　بولا اے قوم بندگی کرو　اللہ کی　کوئی تمہارا حاکم نہین سوائے اسکے　تم سب

إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱلَّذِى فَطَرَنِىٓ ۚ

جھوٹ کہتے ہو　اے قوم مین تم سے نہین مانگتا اسپر مزدوری　میری مزدوری اسی پر ہے جسنے مجھکو پیدا کیا

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَيَٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا

پھر کیا تم نہین بوجھتے　اور اے قوم گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع لاؤ اُسکی طرف چھوڑدے　تم پر آسمان کی دھاریں

وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا۟ مُجْرِمِينَ ۝

اور زیادہ دے تمکو زور پر زور　اور نہ پھر جاؤ　گنہگار ہوکر

یہ قصہ شرارت قوم عاد و اُسکی ہلاکت کا ہی اور عاد نام ایک شخص کا ہی اُسکے نام سے اس قبیلہ کا نام ہو گیا جیسے تمیم و بکر وغیرہ قبائل عرب کا نام ہی اور کہتے ہین کہ عاد کا نام دو قوم کا ہی اول یہی عاد جو اولاد سام بن نوح سے بت پرست تھے جنکی طرف ہود علیہ السلام مبعوث

ہوئے اور نہایت قوی مہیب ڈیل ڈول کے مغرور تھے اور دوم عاد جنہیں شداد مطرود اور لقمان مقبول وغیرہ تھے جنہیں صالح علیہ السلام
مبعوث ہوئے پھر نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کے درمیان آٹھ سو برس کا فرق تھا اور ہود چار سو چونسٹھ برس زندہ رہے فرمایا اللہ تعالیٰ
نے۔ وَاِلٰی عَادٍ۔ وارسلنا الی قوم عاد۔ اَخَاهُمْ ای فی النسب لا فی الدین هُوْدًا۔ اور بھیجا ہم نے قوم عاد کی طرف اُنکے بھائی کو یعنی اُنکے نسبی
بھائی کو نہ دینی بھائی کو اور وہ ہود علیہ السلام ہیں۔ قَالَ یٰقَوْمِ ہود نے کہا کہ اے میری قوم۔ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ بندگی کرو اللہ تعالیٰ
کی یعنی اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانکر اسی کی عبادت کرو اور بت وغیرہ سے شرک مت کرو۔ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ۔ نہیں تمہارا کوئی
معبود سوائے اسکے یعنی درحقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے تمہارا کوئی معبود نہیں ہے مگر تم نے اپنے گمان پر بتوں وغیرہ کو شرکاء و معبودات بنا لیے
ہیں۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ۔ نہیں ہو تم مگر افترا کرنیوالے یعنی شریک و معبودات بنانے میں اور اس کہنے میں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے
یہاں ہمارے سفارشی و مستحق عبادت ہیں تم اللہ تعالیٰ پر افترا و بہتان دروغ باندھتے ہو۔ بالجملہ میں نے جو وحی سے تم کو نصیحت کی وہی
حق و تمہارے واسطے بہتر ہے۔ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا عَلَیْهِ اس تبلیغ و نصح خالص پر اَجْرًا کچھ اجرت۔ بلکہ محض
خالص ہی اللہ تعالیٰ کیواسطے تم کو سمجھاتا اور راہ راست بتلاتا ہوں تو ایسی بے غرض نصیحت ضرور ہی صحیح وضرور ماننے کیلئے لائق ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ
اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ۔ نہیں میری مزدوری و اجرت مگر اسی رب پر جس نے مجھے پیدا کیا یعنی جس نے فضل سے مجھے پیدا کیا اسی سے مجھے
ثواب کی امید ہے اور تم لوگوں سے میں کچھ نہیں چاہتا ہوں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ بھلا تم کو سمجھ نہیں ہے اگر سمجھو تو صاف نصیحت نیک ہے کیونکہ
اچھی بات جو کوئی سمجھاتا ہے اور کسی طرح کی طمع نہیں رکھتا وہ کیوں جھوٹی بات کہیگا تو عقل والے کو صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ شخص بیشک
رسول صادق ہے نہ مکار کاذب۔ پھر قوم کے دلوں پر جو تاریکی چھائی تھی جسنے انکی عقل ہٹائی اسکو دور کرنے کیواسطے توبہ و استغفار کی طرف ارشاد
کیا بقولہ تعالیٰ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ اے قوم تم مانگو مغفرت اپنے پروردگار سے پھر اُسکی طرف رجوع لاؤ یعنی اُنکے
گناہوں اور اُنکی سیاہی دور ہونے کی درخواست کرو اسطرح کہ تم کو طاعات الٰہی کی توفیق دیدی جاوے پھر اسکی طرف صفائی دل سے
رجوع لاؤ چونکہ اُنکو متاع دنیا کی طرف رغبت زیادہ تھی اور طاعات سے یہاں بھی بھلائی ملتی ہے تو ترغیب دلائی کہ تمہاری اس اطاعت
و طاعات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا۔ یہ جواب امر ہے یعنی یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار و توبہ کرو وہ ارسال فرمائیگا
تم پر سما یعنی سحاب کو مدرار یعنی کثرت سے دردر والا یعنی پے درپے کثرت سے برسنے والا پانی تم پر برسادیگا۔ واضح ہو کہ قوم ہود کھیتی و باغوں کی
کثرت رکھتی اور یمن و شام کے درمیان بستی تھی ضحاک نے کہا کہ تین برس مینہ نہیں برسا جس سے قحط ہوگیا پس ہود نے انکو استغفار و توبہ کی
نصیحت کی یعنی ایمان و اطاعت کی مگر وہ اور زیادہ سرکش ہوئے اگر کہا جاوے کہ سما مؤنث ہے تو مدرارۃ بتانیث چاہیے جواب یہ کہ مدرار
صیغہ مبالغہ ہے جسمیں تذکیر و تانیث یکساں ہے بدون تا کے یا سما سے مراد سحاب و مطر ہے جو مذکر ہے۔ وَیَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ۔ اور
بڑھادیگا تمہاری قوت پر قوت۔ یہ لوگ بڑے قوی تھے تو زیادہ قوت کا وعدہ دیا۔ یا مراد یہ کہ فراخی پر فراخی یا عزت پر عزت بڑھائے گا
عکرمہ سے روایت ہے کہ مراد اولاد پر اولاد ہے کہ تیس برس سے اُنکی عورتیں بانجھ ہوگئی تھیں اُنکے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ بالجملہ اُنکو اپنے پروردگار
کی بندگی و طاعت پر دین و دنیا کی بہتری کا وعدہ فرمایا اور گنہگاری سے منع فرمایا بقولہ تعالیٰ۔ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ۔ اور منہ مت موڑو
اس حال میں کہ تم مجرم ہو یعنی کفر پر اڑے ہوئے رہکر میری نصیحت سے منہ موڑو ایسا مت کرو۔ فی العرائس فی اشارات قولہ ویقوم
استغفروا ربکم الآیة یعنی استغفار کرو اپنے پروردگار کو چھوڑکر غیر کی طرف نظر رکھنے سے اور رجوع ہو اسکی طرف اپنے نفس کو چھوڑکر اور اپنی

طاعت پر نظر کرنے سے تو باران قدم سے انوار تجلیات تمہارے دلوں پر برسیں گی اور تمہاری ارواح کو بستان قدس و ریاض انس میں طیران کی قوت حاصل ہوگی اور یہ قوت اسطرح ہوتی ہے کہ روح کو بحر سرمدیت و ازلیت سے اور مشاہدہ ذات و صفات پاک سے زلال دوام بقا حاصل ہوکر لیاقت و قوت مشاہدہ حاصل ہوجاتی ہے حاصل آنکہ نفس جبتک فانی ہوکر باقی ببقاء حق عزوجل نہو جاوے تب تک بے قوت و مردہ ہے۔ قوم نے نہایت غباوت و جہالت سے جواب یا کما قال تعالیٰ۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

بولے اے ہود تو ہم پاس کچھ سند سے نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنیوالے اپنے ٹھاکروں کو تیرے کہے سے اور ہم نہیں تجھکو ماننے والے

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھکو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں نے بری طرح بولا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو

اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ

کہ میں بیزار ہوں اُن سے جنکو شریک کرتے ہو اسکے سوائے سو بدی کرو میرے حق میں سب ملکر پھر مجھکو فرصت نہ دو میں نے بھروسہ کیا

عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں پاؤں دھرنیوالا مگر اسکے ہاتھ میں ہے چوٹی اس کی بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ پر

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

پھر اگر تم پھر جاؤگے تو میں پہونچا چکا جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تم کو اور قائم مقام تمہارے کریگا میرا رب کوئی اور لوگ

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝

اور نہ بگاڑ سکوگے اُسکا کچھ تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان

قَالُوْا - کافروں نے عناد و بدبختی سے کہا کہ يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ - اے ہود تو نہیں آیا ہمارے پاس کوئی روشن دلیل اپنے ساتھ لئے ہوئے یا تو نہیں لایا کوئی کھلی حجت ہمارے پاس یعنی اس امر کی واضح دلیل نہیں لایا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اُسی کی عبادت فرض اور بتوں وغیرہ کا ترک فرض ہے۔ تمام معجزات سے منہ موڑ لیا اور خالی حضرت ہودؑ کا زبانی دعویٰ قرار دیا وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا اور ہم نہیں ہیں ترک کرنیوالے اپنے آلہہ معبودوں بتوں کو عَنْ قَوْلِكَ تیری بات کے سبب سے یا تیری بات سے وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ - اور ہم نہیں ہیں ایمان لانیوالے تجھ پر یعنی تیری تصدیق کبھی نہیں کریں گے اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ یقال عراہ الامر و اعتراہ اذا ألم به اصابه۔ ہم کچھ اور نہیں کہتے مگر یہی کہ پہونچایا تجھکو بَعْضُ اٰلِهَتِنَا - ہمارے بعض معبودوں نے - بِسُوْٓءٍ برائی یعنی جنوں کو یعنی ہم کو یہی یقین ہے کہ تو نے جو ہمارے آلہہ کو برا کہا تو ان میں سے کسی نے تجھکو مجنون کردیا ہے جس سے تو خلاف عقل باتیں کرتا ہے جو ہمارے نزدیک بغیر حجت ہیں انتہیٰ ہو کہ اللہ عزوجل جب کسی کو مطرود فرماتا ہے تو وہ اپنی رائے و گمان کو جو ایک دائرہ میں محیط ہے ایسا اندھا دوڑاتا ہے کہ تمام حکمت آلہیہ کو محیط ہو جاوے اور یہی کم قدم ہے حالانکہ قوم ہود کے احمق تو بالکل عقل کے دشمن تھے جو بتوں کو مجنون کرنیوالا اور نفع و ضرر دینے والا خیال کرتے تھے لہذا حضرت ہودؑ نے جواب ایسا دیا کہ مجکو سوائے حق تعالیٰ کے کسی پر بھروسہ نہیں کیونکہ وہی نفع و ضرر دینے والا ہے لہذا تم لقیرین کے طور پر میرے ضرر کی فکر کرو چنانچہ کما بقوله قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ فرمایا کہ میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں وَاشْهَدُوْٓا اور تم بھی گواہ رہو کہ اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ - بیشک میں بری ہوں اُس چیز سے جو تم

شرک کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اگر مما مین ما مصدریہ ہے تو یہ معنی کہ تمھارے شرک کرنے سے اللہ تعالیٰ کیساتھ
غیر کو۔ فَكِيدُونِي جَمِيعًا سو تم مکر و فریب کر دو میرے ساتھ میرے قتل کرنے و برائی پہونچانے پر تم و تمھارے آلہہ سب کے سب۔ ثُمَّ
لَا تُنظِرُونِ۔ پھر تم مجھے کچھ مہلت مت دو بلکہ فوراً کر گزرو جو تمھارے خیال مین آوے یہ صاف معجزہ ہے کہ تم کو یا تمھارے آلہہ کو کچھ قدرت
نہین ہے۔ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ۔ مین نے بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ قادر قاہر ذوالجلال پر جو میرا رب ہے تمھارا رب ہے۔ اسی کے
بھروسے پر مین نے یہ دعویٰ کیا ہے ورنہ مجھ مین بھی کوئی قدرت نہین ہے کیونکہ اسنے فرمایا ہے کہ من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ اسلئے کہ ہر چیز اسی کے
قبضہ قدرت مین ہے لہذا فرمایا مَا مِن دَابَّةٍ من زائدہ بغرض استغراق نفی۔ نہین کوئی دابہ۔ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا مگر وہی
رب قاہر پکڑے ہے انکی پیشانی کو یعنی ہر دابہ کی پیشانی اسکے قبضہ قدرت مین ذلیل ہے کسی کو طاقت نہین کہ اسکے حکم سے سرتابی
کر سکے پھر تمھارے یا تمھارے معبودون یا تمام عالم کی کیا طاقت ہے کہ اسکے بندہ مطیع کو بدون اسکی مشیت کے ستا دین۔ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ بیشک میرا رب صراط مستقیم پر ہے یعنی حق عادل ہے جو چیز جسطرح پیدا فرمائی ہے بعدل و انصاف ہے اور اس چیز سے جو صادر
ہوگا جسکے لیے اسکو پیدا کیا اسیواسطے تم ایمان سے انکار کرتے ہو اور صاف کہتے ہو کہ ہم کبھی ایمان نہین لاوینگے۔ فَإِن تَوَلَّوْا پس اگر تم
اعراض کرو یعنی ایمان سے منھ موڑے پڑے رہو اور کبھی نہ مانوگے تو مجھے تمھارے ایسے رہنے پر اپنے حق مین کچھ ڈر نہین۔ فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم
مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ کیونکہ بیشک مین نے تم کو پہونچا دیا وہ پیغام الٰہی جسکے ساتھ مین تمھارے پاس بھیجا گیا تھا اور یہی مجھ پر واجب تھا
اب تم نے جو اصرار کیا ہے تو حجت الٰہیہ تمام ہونیکے بعد کیا لہذا عذاب سے مٹائے جاؤگے۔ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ اور میرا رب
لاویگا بجائے تمھارے کسی دوسری قوم کو جو تمھارے دیار و اموال کے مالک ہونگے اور خبردار رہو کہ تم کچھ نہین کر سکتے ہو۔ وَلَا تَضُرُّونَهُ
شَيْئًا۔ اور تم اسکا کچھ نہین بگاڑوگے بلکہ اپنی دنیا و آخرت خراب کر کے دائمی عذاب اٹھاؤگے اور اگر عذاب آیا تو بیشک تم اسی لائق
ہو۔ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ۔ میرا رب ہر چیز پر حفیظ ہے۔ وہی رقیب و مہیمن ہے ہر چیز اسکے حفظ و علم مین ہے جو جس لائق ہے اسکو وہی
پہونچاتا ہے۔ فی العرائس قولہ قال انی اشھد اللہ واشھدوا الخ مین جلال ازل مین ڈوبا ہوا ہون وہی میرا مشہود و معبود ہے پس مین
اسکے سوائے ہر ایسی چیز سے بری ہون جو اسکے سوائے بتلاتے ہو اور اپنی قوت و طاقت سے بھی اور تمھاری طرف نظر کرنے سے بھی بری ہون
تم اسکی بادشاہت مین ایک ذرہ قدرت نہین رکھتے ہو اور اگر تم کو کچھ دعویٰ ہے تو ہر حیلہ سے مجھ پر اپنا مکر پھیلاؤ دیکھو کہ کچھ بھی کر سکتے ہو اور
مجھے تو اپنی نبوت و رسالت مین اپنے رب پر وثوق ہے کیونکہ مین اسکی طرف سے معجزات پر ہون اور وہ پاک تعالیٰ ہر بندۂ صادق کیلئے اپنا
فضل فرماتا ہے اسیواسطے کہا۔ انی توکلت علی اللہ ربی وربکم۔ میری پرورش انوار مشاہدہ و لطائف وصل سے فرماتا ہے اور تمھاری
پرورش تمھارے ایجاد کرنے و ظاہری غذاؤن سے فرماتا ہے۔ پھر وصف کیا کہ میرا رب ذوالجلال قادر ہر ذرہ پر محیط ہے بقولہ ما من دابۃ الا
ہو آخذ بناصیتھا۔ ید القدم سے ہر مخلوق کا ناصیہ پکڑ کر اسکو جبروت کیساتھ عدم سے وجود مین لایا اور پھر قدرت قہاری سے ہر چیز کو وجود
سے عدم مین لیجاتا ہے اور ہر چیز کو اسکی لیاقت کے موافق غذا ظاہری سے یا تجلی افعال و آیات و صفات و ذات سے غذا دیتا ہے پس
ارواح کو غذا تجلی ذات اور قلوب کو مشاہدہ صفات اور عقول کو مشاہدۂ انوار افعال و آیات ہے اور نفوس کو عنصریات غلیظہ سے غذا ہے۔ ان ربی
علی صراط مستقیم یعنی راہ ربوبیت پر ہے جسکی مبادی صحارای ازل و ابد ہین اور مجھے آسان طریقہ پر جو کہ طریقہ علم ذات و صفات ہے اور وہی
طریق مستقیم ہے روان کرتا ہے کیونکہ جمیع احوال رسن قلوب اولیا پر تجلی فرماتا ہے اور وے اسی راہ سے چلتے ہین۔ علی صراط مستقیم وہی ہادی الی المستقیم

ہے کیونکہ حوادث وکائنات کی کجی وتغیر سے پاک ہے۔ واسطی رح نے قولہ فکیدونی جمیعا میں کہا کہ ہود علیہ السلام پر اسوقت میں صولت قربت غالب تھی اور بہت خوب مقام ہے کیونکہ وہ محل حضور ومجلس قربت ہے۔ اسیواسطے بالکل بس مشاہدہ وحدت میں کسی غیر کی پروا نہ فرمائی اور قصہ لوط علیہ السلام میں ہے لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید۔ یہ نطق لوط علیہ السلام نطق طبعی تھا انھون نے اسوقت میں اپنا حال ووقت وان سے اشتغال کیا قال المترجم حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے رحم اللہ لوطا الحدیث فلیتامل بعض مشائخ نے کہا کہ جو بندہ قبضۂ حق وسرادق عزت وہیبت میں ہوا اسکو کسیکی طاقت ہے کہ ایذا پہونچا سکے بلکہ کید اسی کو پہونچتا ہے جو مخالفت کے راستہ پر چلتا ہے بعض مشائخ نے کہا کہ قولہ ما من دابۃ بھلا تجھکو کیا قوت وقدرت ہوسکتی ہے جبکہ تیری ہستی وبقا رقبضۂ قدرت حضرت ذوالجلال میں ہے بعض کا قول ہے کہ جسنے انا کہا یعنی میں ہون تو اُسنے قبضۂ قدرت حق سے منازعت کی۔ بالجملہ جب ہود علیہ السلام سے کافرون نے اصرار سے انکار کیا تو اُنھون نے جان لیا کہ یہ سب ہلاک ہونگے چنانچہ ان کے جواب میں اشارہ کیا اور وہی واقع ہوا لقولہ تعالیٰ۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ

اور جب پہونچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو یقین لائے تھے اُسکے ساتھ اپنی مہر سے اور بچا دیا اُن کو

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

ایک گاڑھی مار سے اور یہ تھے عاد منکر ہوئے اپنے رب کی باتون سے اور نہ مانے اُس کے رسول

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ

اور مانا حکم اُنکا جو سرکش تھے مخالف اور پیچھے پائی اُس دنیا میں پھٹکار اور

الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

قیامت کے دن سُن لو عاد منکر ہوئے اپنے رب سے سُن لو پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی

وَلَمَّا جَآءَ اور جب آیا اَمْرُنَا حکم ہمارا قوم ہود کے ہلاک ہونے کا یا ہمارا امر یعنی دنیاوی عذاب جو متصل بعذاب آخرت ہے اور وہ ہوا ایسی تندی سے قوم ہود کا ہلاک ہوکر دار البوار میں پڑنا نَجَّيْنَا هُوْدًا نجات دی ہم نے ہود علیہ السلام کو وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اور ان لوگون کو جو اُسکے ساتھ میں ایمان لائے اور وے چار ہزار تھے بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ اپنے رحمۃ عظیمہ کائنۃ منا۔ اپنی طرف سے بڑی رحمت کیساتھ کیونکہ عذاب نازل ہونے پر وہی بچتا ہے جسپر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو بعض نے کہا کہ وہ ایمان تھا جو ان لوگون کو توفیق سے عطا ہوا تھا اور اشارہ ہے کہ نجات محض رحمت الٰہی دی ہے کسی کو اپنے افعال پر کیسے ہی نیک ہون کچھ بھی گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۔ اور نجات دی ہم نے انکو عذاب سخت شدید سے اور وہ عذاب آخرت ہے یہان مختصر قصہ ہود تمام ہوا اور پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے پھر قوم عاد سے عبرت کو بیان فرمایا بقولہ وَتِلْكَ عَادٌ۔ اسم اشارہ مونث اس اعتبار سے کہ عاد قبیلہ ہے چنانچہ کسائی نے کہا کہ بعضے عرب لفظ عاد کو قبیلہ کا نام کرکے غیر منصرف رکھتے ہیں مراد اس سے قوم عاد کے آثار وقبور وشہر ہیں جہان قریش وعرب کا گذر ہوتا تھا تو عبرت حاصل کر لینے کو فرمایا کہ یہی عاد ہیں جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ جنھون نے انکار کیا اپنے رب کی نشانیون وآیات سے یعنی ایسی واضح آیات کا انکار کرنا گویا جان بوجھکر انکار وجحد ہے بعض نے کہا کہ آیات معجزات ہیں وَعَصَوْا رُسُلَهٗ اور نافرمانی کی اُسکے رسولون کی یعنی اکیلے ہود علیہ السلام سے انکار گویا تمام رسولون سے انکار ہے کیونکہ رسول باہم رسالت میں یکسان ہیں اور

عہد ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولون کی اتباع کرنے کا عہد لیا تھا یا بجلہ رسل جمع فرمایا حالانکہ سوائے ہودؑ کے دوسرا رسول اسوقت نہ تھا تو اسکی دو دلیلین ہین ایک یہ کہ ہود سے انکار گویا سب رسولون سے انکار ہو دوسرے یہ کہ ہود کیلئے ضمیر جمع بطریق تعظیم ہو بعض نے کہا کہ ہود اور اُن سے پہلے سب رسولون سے انکار کیا اور بعض نے کہا کہ اس حالت پر تھے کہ اگر اُن کے پاس متعدد رسل بھیجے جاتے تو سب انکار کرتے لہذا رسولون سے منکر ہوئے وَاتَّبَعُوٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ - جبار تکبر کرنیوالا اور عنید سرکش جو حق بات نہ ماننے اور ظلم کرے قتادہؒ نے کہا کہ عنید مشرک ظاہرا مشرک بدرجہ اولیٰ عنید مین شامل ہو یا یہان کی مراد بیان فرمائی ہو یعنی پیروی کی عوام قوم عاد نے ہر متکبر مشرک کے حکم کی یعنی ان مین کے رذیلون نے اپنے مالدارون و ثروت و قوت والون کی پیروی کی - وَاُتْبِعُوْا اور پیچھے لگا دیئے گئے قوم عاد کے رذیل و مالدار سب کے سب - فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً اس دنیا مین لعنت وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور قیامت کے روز یعنی اس دنیا مین اور آخرت مین ان پر لعنت یعنی رحمت سے دوری لاحق ہوئی اور مراد یہ کہ دنیا و آخرت مین لعنت اُن سے کبھی جدا نہو گی - سدیؒ نے کہا کہ عاد کے بعد جو نبی مبعوث ہوا اُس نے اس قوم پر لعنت فرمائی - قتادہؒ نے کہا کہ لعنت دنیا اور لعنت آخرت سے ان پر پے در پے لعنت ہوئی - اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ - خبردار ہو کہ عاد نے ناشکری کی اپنے پروردگار کی - اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ - خبردار ہو کہ رحمت سے دوری یا ہلاکت ہو عاد کیلئے جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی دو مرتبہ تکرار مین مبالغہ و تاکید ہے

پھر عاد دوم کا حال فرمایا - بقولہ تعالےٰ -

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ

اور ثمود کی طرف بھیجا اُنکا بھائی صالح - بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہین تمہارا اسکے سوائے اُسی نے بنایا تم کو

مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ

زمین سے اور بسایا تم کو اُسمین سو بخشواؤ اُس سے اور اُسکی طرف آؤ تحقیق میرا رب نزدیک ہے

مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ

قبول کرنیوالا بولے اے صالح تجھ پر ہم کو اُمید تھی اس سے پہلے تو ہمکو منع کرتا ہے کہ پوجین جن کو پوجتے رہے

اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝

ہمارے باپ دادے اور ہم کو تو شبہ ہے اُسمین جس طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہین ٹھہرتا

عاد ثانیہ یہی قوم صالح ہے جسکا نام ثمود ہے اور حجر مین جو شام و مدینہ منورہ کے درمیان ہے رہا کرتے تھے کما قال الشیخ المحلی فی سورۃ الحجر اور قرّاء نے ثمود کی قراۃ مین اختلاف کیا پس بعض مقام پر ثمود کو قبیلہ کا نام قرار دیکر غیر منصرف اور بعض مقام پر گروہ و قوم کے معنی پر منصرف پڑھا - پھر حضرت ہود اور حضرت صالح کے درمیان سو برس کا زمانہ گذرا تھا اور صالحؑ دو سو اسی برس زندہ رہے اور اُنکی قوم بھی عذاب سے ہلاک ہوئی چنانچہ یہان سے زیادہ تفصیل اسکی سورۂ اعراف مین گذری ہے بیان فرمایا - وَاِلٰى ثَمُوْدَ اور بھیجا ہم نے ثمود کی طرف اَخَاهُمْ اُنکے بھائی کو جو نسبتی رشتہ سے اُنکا بھائی تھا اور وہ صٰلِحًا صالح علیہ السلام تھے - قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ - کہا کہ اے قوم توحید کرو اللہ تعالیٰ کی اسکے سوائے تمہارا کوئی الٰہ نہین ہے کیونکہ اسکے سوائے کوئی تمہارا خالق و مالک و منعم و سب کمال و قدرت والا نہین ہے - هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ - اُسی نے تم کو پیدا کیا زمین سے کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم

زمین سے بنایا پھر آدم سے سب آدمی پیدا ہوئے۔ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا اے اعمرکم فی الارض اور کر دیا تم کو اس زمین کے آباد کرنے اور بسنے والے۔ ضحاک نے کہا کہ تم کو دراز عمر دی زمین میں چنانچہ تین سو برس سے ہزار تک جیتے تھے۔ بعض نے کہا کہ استعمرکم یعنی تم کو زمین میں عمارتیں بنانے و درخت لگانے سے عمارت کا حکم دیا۔ حاصل آنکہ تم کو پیدا کرنے و نعمتیں دینے والا وہی ہے۔ فَاسْتَغْفِرُوهُ سو تم اس سے مغفرت مانگو کیونکہ جہالت سے تم نے خالق کو چھوڑ کر بتوں وغیرہ کی عبادت کی اور یہ جائز نہ تھا لہٰذا اس سے درخواست کرو کہ اے رب ہمارے جو کچھ ہم نے جہالت کی کہ غیر کو پوجا اسکو تو اپنے کرم سے معاف کر دے تاکہ تم پاک ہو جاؤ۔ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ۔ پھر تم اسکی طرف رجوع لاؤ تاکہ تم کو کمالات انسانی و نعمت دنیا و آخرت کی پاکیزہ زندگانی ملے۔ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ۔ بیشک میرا رب قریب مجیب ہے یعنی استغفار و توبہ و دعا کا قبول کرنیوالا اور جلد قبول کرنیوالا ہے یا علم اسکا قریب محیط ہو سب کی دعا سنتا ہو اور بڑا قبول کرنیوالا ہو۔ قَالُوا يَا صَالِحُ۔ قوم والے بولے کہ اے صالح قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا۔ تو تھا ہم میں امید لگایا گیا یعنی ہم تیری نیکی و سچائی و خوبی دیکھکر امید لگائے تھے کہ دنیا حاصل کرنے اور بتوں کی پجاری بنانے میں تجھ سے قوت و مدد پاویں گے یعنی دنیا حاصل ہونے میں ہم کو تجھ سے مدد کی امید تھی کیونکہ صالح علیہ السلام اسی قوم میں سے ضعیفوں کی خبر گیری کرنیوالے و فقیروں کی حاجتیں روا کرنیوالے تھے لہٰذا ان لوگوں نے کہا کہ تو ہم میں امید کیا گیا تھا۔ قَبْلَ هَٰذَا اس سے پہلے یعنی نبوت کا دعوی کرنے اور فقط ایک اللہ تعالی وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم کرنے سے پہلے ہم کو تجھ سے بھلائی قوم کی امید تھی جب حضرت صالحؑ نے ان کے بتوں کی مذمت فرمائی تاکہ سمجھکر بت پرستی چھوڑیں تو انھوں نے نہ مانا اور ان سے امید توڑ لی اور تعلیم توحید و بتوں کے ترک سے انکار کیا بقولہ۔ أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا۔ بھلا تو ہم کو منع کرتا ہے اس بات سے کہ ہم وہی پوجیں جو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے یعنی جو کچھ وے کرتے آئے انھیں کی تقلید کرنے میں ہمارا اطمینان ہے وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ۔ اور ہم تو بڑے شک میں پڑے اس چیز سے جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے مریب از اراب یریب ایسا کام کرنا جو ریب کو پیدا کر دے یعنی جس سے اطمینان نہیں بلکہ اضطراب ہو۔ کفار ثمود کو حضرت صالح کا توحید سکھلانا ایسا کام معلوم ہوتا تھا جو ان کو شک میں ڈالے باوجودیکہ توحید کھلی ظاہر ہے اور شک بھی ایسا کہ جو مریب ہو یعنی اضطراب دے اطمینان میں ڈالنے والا ہو اور باپ دادے کی تقلید پر بت پرستی کرنے میں بڑا اطمینان تھا حالانکہ شرک بہت ظاہر بدی ہے یہی حال تمام دنیا چاہنے والوں کا ہو جنکو ہدایت نصیب نہیں ہوئی اگرچہ اپنے نزدیک سے لوگ بڑے عقیل بنیں پھر حضرت صالح کا جواب فرمایا۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ

بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھکو سوجھ مل گئی اپنے رب سے اور اسنے مجھکو دی مہر اپنی طرف سے پھر کون میری مدد کرے اللہ کے سامنے

إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ

اگر اسکی بیحکمی کروں سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ۔ ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ رویت سے یہاں رویت قلبی مراد ہو جو متعدی بدو مفعول ہوتی ہو مانند رایت زیداً فاضلاً یعنی میں نے زید کو فاضل دیکھا پس یہاں آگے جملہ شرط و جزا بجائے اسکے دو مفعول کے ہو۔ شیخ وغیرہ نے فرمایا کہ ارایتم بمعنی اخبرونی ہو یعنی متضمن معنی اخبار ہو ورنہ جملہ شرطیہ قائم مقام دو مفعول نہیں ہوتا ہو۔ یعنی حضرت صالح نے کہا کہ اے قوم مجھے آگاہ کرو کہ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي۔ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ پر ہوں یعنی روشن واضح حجت لایا ہوں۔ وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً۔

اور اُسنے دی ہو مجھے اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت۔ کافرون کے شک دور کرنے کا جواب دیا کہ تمھین ایسی صورت مین بھی شک ہوگا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات و نبوت حاصل ہو اگر کہا جاوے کہ حرف ان کنت مستعمل بمقام شک ہوتا ہو تو جواب یہ ہو کہ بیشک حضرت صالح کو یہ باتین بالیقین حاصل تھین مگر بحرف شک بیان کرنا دو وجہ سے ہو یا تو کافرون کی رسی ڈھیلی کرنے کے طور پر تھا کما قال الخفاجی اور یا اسلیئے کہ قوم کی حالت پر اعتبار کیا کیونکہ اُنھون نے اپنا شک صاف بیان کر دیا تھا۔ فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللّٰهِ پھر کون مدد کر کے بچا دیگا مجھے اللہ تعالیٰ سے یعنی عذاب الٰہی سے مجھے کوئی بچانے والا نہین۔ اِنْ عَصَيْتُهٗ۔ اگر مین اسکی نافرمانی کرون یعنی اسطرح کہ مثلاً اُسکا پیغام اسکی مخلوق کو نہ پہونچاؤن اور تمھارا ساتھ دون۔ ینصرنی مستعمل اپنے معنی کے لازم مین یعنی منع کے معنی مین مستعمل ہوا لہذا حرف من سے متعدی ہوا۔ ان عصیتہ۔ اگر مین نے اسکی نافرمانی کی یعنی اللہ تعالیٰ عز و جل کا پیغام توحید تم کو پہونچانے اور اشراک سے تمکو منع کرنے مین۔ الحاصل اگر تم کو توحید پہونچانے اور اشراک سے منع کرنے کا کام جسکے واسطے مین بھیجا گیا ہون نہ کرون تو مجھے عذاب الٰہی سے کون بچاویگا۔ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ۔ سو تم مجھے کچھ نہین بڑھاتے ہو اپنے قول سے غَيْرَ تَخْسِيْرٍ۔ سوائے تخسیر کے یعنی نافرمانی سکھلاتے ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت قبولیت جو مجھکو حاصل ہو وہ جاتی رہے اور مین سخت خسارہ اُٹھاؤن۔ فی السراج اور شیخ حسن بن الفضل نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام کبھی بھی خسارہ مین نہ تھے جو یہ معنی ٹھیک ہون کہ خسارہ کے سوائے نہین بڑھاتے ہو بلکہ یہان تو فقط یہ معنی ہین کہ تم مجھے کچھ نہین بڑھاتے سوائے اسکے کہ مین تم کو کہون کہ تم سخت خسارہ مین ہو۔ المترجم توجیہ یہ کہ تخسیر باب تفعیل سے بمعنی نسبت باخذ کے مصدر معروف ہو اسے انسبکم الی الخسران یعنی سوائے اس بات کے کہ مین تمھین خسران کی جانب نسبت دون اور بیضاوی وغیرہ نے دونون معنی ذکر کیے کیونکہ شیخ کا اعتراض ساقط ہو اور معنی یہ ہین کہ تم اپنی حکمتی باتون سے مجھے کچھ فائدہ نہین دیتے سوائے اسکے کہ اگر مانون تو مجھے خسارت پہونچے اگرچہ ابھی تک بفضل الٰہی تعالیٰ نعمت ہو فائدہ۔ امر معروف اور نہی منکر عموماً انبیاء علیہم السلام پر جن کے لیئے بھیجے گئے تھے فرض تھا خواہ مانین یا نہ مانین اور اب مومنین پر اس تفصیل کے ساتھ ہو جو فتاوی ہندیہ مین مذکور ہو اور اصح یہ ہو کہ جو مومنین وارث انبیا یعنی علما ہین ان پر بھی مطلقاً واجب ہو بدلیل قولہ تعالیٰ یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر الآیۃ بمقابلہ منافقین کے جو اسکے برعکس ہین غیر ازینکہ ان مین سے جو ہاتھ و زبان سے منع نہ کر سکے اسکا دلی انکار بوجہ عدم معجزہ کے گویا وہان موجود نہو نیکے مثل ہے علی ما جاء فی الاحادیث المرفوعۃ وقد مر البحث فی مواضع مما سبق فتذکر چونکہ قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے ایک پہاڑ سے اونٹنی معجزہ مانگی تھی جو آخر باعث ہلاک قوم ہوئی اشارہ فرمایا بقولہ تعالیٰ۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

اور اے قوم یہ اُونٹنی ہو اللہ کی تمکو نشانی سو چھوڑ دو اُسکو کھاتی پھرے اللہ کی زمین مین اور نہ چھیڑو اسکو

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ

بری طرح تو پکڑلے گا تم کو عذاب نزدیک کا پھر اُسکے پاؤن کاٹے تب کہا برت لو اپنے گھرون مین

ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

تین دن یہ وعدہ ہے جھوٹھا نہ ہوگا پھر جب پہونچا حکم ہمارا بچادیا ہم نے

صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ
صالح کو اور جو یقین لائے اُسکے ساتھ اپنی مہر کر کر اور اُس دن کی رسوائی سے تحقیق

رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا
تیرا رب وہی ہے زور آور زبردست اور پکڑا اُن ظالموں کو چنگھاڑ نے پھر صبح کو رہ گئے

فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا
اپنے گھروں میں اوندھے پڑے جیسے کبھی رہے نہ تھے اُسمیں سن لو ثمود منکر ہوئے

رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ع
اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے ثمود کو

ع ۸

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ۔ نصب آیہ بنابر حالیت و عامل معنی اشارہ اور لکم اُسکا حال اور بسبب نکرہ ہونے کے مقدم ہے ۔ کذا قال البیضاوی رح والکواشی والعکبری ۔ اور بعض نے اُس کے ذوالحال ہونے سے انکار کیا اور واحدی رحمہ اللہ نے کہا کہ آیہ بمعنی واٰلہ ہوکر ذوالحال ہوسکتی ہے اور بعض نے کہا کہ اولیٰ یہ کہ لکم میں معنی اشارہ نے عمل کیا اور آیہ اسکی ضمیر مستتر سے حال ہو الیس ہر دو حال متداخل ہوئے ۔ تفصیل اس ناقہ کے نکلنے اور اسکے قد و قامت و معاندو مسکن و مشرب وغیرہ حالات کی سورۂ اعراف میں مذکور ہو چکی ہے ۔ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ جزم تاکل بجواب ذروا صیغہ امر ہے ارض اللہ باعتبار حقیقت کے ہے کیونکہ کل مخلوقات الٰہی ہر طرح اسی کی ہے اور مخلوق کو اسکے حکم کے موافق ان اشیاء سے انتفاع کی اجازت ہے اور اصل یہ ٹھہری کہ جن اشیاء کی ممانعت نہیں فرمائی خواہ صریح یا بقاعدہ شرعی تو وہ مباح ہیں اسی سے تمباکو پینا وغیرہ کھانا مباح کہا جاتا ہے کیونکہ کراہت پر دلیل قائم نہیں ہوتی بخلاف افیون و بھنگ وغیرہ کے المعنی اور کہا کہ اے قوم یہ ناقۃ اللہ ہے درحالیکہ تمھارے لئے وہ ایک نشانی ہے سو اسکو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرے اور پانی پئے ۔ کہتے ہیں کہ نہایت دراز قد و جسیم سے انکے جانور اُسکی صورت دیکھکر بھاگتے اور ایک ناے سے تالاب پر جاکر سب پانی پی جاتی کہ پھر بغیر دوسرے دن نہ سوتوں سے پانی جمع ہوئے اُن لوگوں کو پانی نہ ملتا لیکن سب کو اُسکا دودھ کافی ہوتا غرضکہ ایک دن پانی اُسکا اور دوسرے روز لوگوں کا تھا اور ناغہ کے روز دودھ پاتے اسیواسطے بلفظ لکم فرمایا یعنی اگرچہ یہ ناقۃ اللہ معظم مکرم ہے کہ بطریق معجزہ اسکا ظہور ہوا مگر نفع اسکا تمھارے لئے اور نشانی بھی تمھارے لئے ہے اسکو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے پھرنے دو ۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ ۔ اور ایسا مت کرو کہ اسکو کوئی بُرائی چھو جاوے ۔ ممانعت میں ان کو بہت احتیاط سکھلائی کہ اس سے ایذا رکا برتاؤ کرنا تو دور اسکو بُرائی چھونے نہ پاوے اور یہ حضرت صالح کا لطف تھا کیونکہ معجزہ مانگنے والی قوم کو اگر معجزہ دیا گیا پھر ایمان نہ لائے تو ضرور ہلاک ہوتے ہیں اسیواسطے جب کفار قریش نے آنحضرت صلعم سے وسعت مکہ اور سونا ہو جانا کوہ صفا کا مانگا اور حق عزوجل نے آگاہ فرمایا کہ پھر اگر نہ ایمان لائے تو عذاب دونگا تو آنحضرت صلعم نے شفقت کو کام فرماکر معجزہ مذکور نہ لیا ایسے ہی حضرت صالح نے جانا کہ یہ لوگ شیطانی وسواس سے باوجود اس نفع کے اسکے ساتھ بدی چاہتے ہیں جس سے ضرور عذاب آویگا لہٰذا انکو باحتیاط منع فرمایا اور صاف کہدیا ۔ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۔ کہ تم کو عذاب قریب گرفتار کرے یعنی اگر تم نے بُرائی پہنچائی

تو نزدیک عذاب مین پکڑے جاؤگے باوجود اس تصریح کے جلدی کا زمانہ نہین بتلایا اور وہ تین روز مہلت کے تھے۔ عذاب قریب
باعتبار ظاہر کے فرمایا کیونکہ عذاب آخرت کو وہ دور سمجھتے تھے حالانکہ بحکم قولہ تعالی ونراہ قریبا۔ وہ بھی نزدیک ہی خصوص بحکم
حدیث صحیح من مات فقد قامت قیامتہ۔ جو مرا اُسکی قیامت آگئی پس مراد یہ کہ ہلاک ناقہ سے عذاب تک دیر نہوگی چونکہ اس قوم مخذول
نے انکو ہربات مین جھٹلایا اور بالکل شیطانی وساوس و شہوات کو قبول کیا۔ فعقروھا۔ پس ناقہ کو عقر کیا۔ روایت مین ہے کہ سب سے
شقی وہ تھا جس نے ناقہ صالح کو عقر کیا کہتے ہین کہ ایک نے کمینگاہ سے تیر مارا اور ایک ہی تیر سے گر پڑی۔ دوسرے نے دوڑکر تلوار
سے کونچین کاٹین پھر سبھون نے اسکے گوشت کے حصے لگائے اور اسکا بچہ بھی اسکے برابر تھا وہ بھاگا اور پہاڑ پر جاکر اُسنے تین بار
آواز سے اپنی مان کو پکارا اور پہاڑ شق ہوا وہ اسمین سما گیا جب حضرت کو خبر پہونچی تو آئے اور ناقہ کو دیکھکر روئے اور قوم شقی
نے مضحکہ کیا کہ ہم نے تو مارا اب کہان ہے وہ عذاب۔ فقال تمتعوا فی دارکم ثلثۃ ایام۔ تو فرمایا کہ اب زندگی کر لو اپنے
گھر مین تین روز۔ کہتے ہین کہ چہارشنبہ و پنجشنبہ و جمعہ۔ تین روز تھے اور مراد اپنے گھر سے خواہ وہ بستی ہو جسمین رہتے تھے یا مراد دنیا کا
گھر ہو۔ ذلک وعد غیر مکذوب۔ یہ وعدہ غیر مکذوب فیہ ہے یعنی اس وعدہ مین کچھ جھوٹ نہین رہا جیسے اور وعدون
مین بھی دروغ نہین اور مین نے عذاب قریب کہا تھا سو تین روز بعد آویگا۔ اول روز تمہارے منھ زرد دوسرے روز سرخ
تیسرے روز سیاہ اور چوتھے روز عذاب ہوگا۔ علما نے کہا کہ تین دن کی مہلت بھی رحمت تھی کہ اب توبہ کرین مگر ان بدبختون
نے نمانا آخر جب چہرے اسی طرح نیلے پیلے ہوئے تو موت کا یقین کرکے رات بھر وہ لوگ کفن پہنے بیٹھے رہے۔ کہتے ہین کہ تڑکے سے
تاخیر ہوئی یہانتک کہ سورج نکل آیا اور پھر یہ لوگ خوش ہوئے اور سمجھے کہ شاید کچھ نہین ہوگا کہ ناگاہ عذاب الصیحۃ آگیا ولیکن
اہل ایمان بچائے گئے چنانچہ فرمایا۔ فلما جاء امرنا نجینا صالحا۔ پھر جب آیا ہمارا امر یعنی عذاب تو ہم نے نجات دیدی
صالح کو۔ والذین امنوا معہ۔ اور ان بندون کو جو صالح کے ساتھ ہمپر ایمان لائے تھے۔ برحمۃ منا۔ یہ نجات ہم نے
اپنی رحمت و فضل سے انکو دیدی ورنہ انکا کچھ حق ہمپر واجب لازم نہ تھا کہ ہم اسپر مجبور ہون۔ ومن خزی یومئذ۔ اور ہم نے
ان سب کو نجات دی اس دن کی خواری و ذلت سے یا قیامت کی خواری سے بھی ان ربک ہو القوی العزیز۔ بیشک تیرا پروردگار وہی
قوی عزیز ہے حتی کہ کافرونکو کچھ بھی قوت نہ تھی کہ اپنے اوپر سے عذاب ہٹادین یا صالح کو بھی آزار پہونچادین یا وہ کڑکت آواز سے مومنون کو
کچھ بھی صدمہ نہوا۔ واخذ الذین ظلموا۔ اور پکڑ لیا اُن لوگون کو جنھون نے اپنی جانون پر خود کفر کرکے اور ناقہ قتل کرکے ظلم
کیا تھا۔ الصیحۃ۔ سخت کڑکت مہیب آواز نے۔ کہتے ہین کہ سورج نکلنے جب پھر دل خوشی مین اترانے لگے ناگاہ حضرت جبرئیل
نے سخت کڑکت مہیب آواز دی کہ کافرون کے دل پارہ پارہ پھٹ گئے اور سب گھٹنون کے بل مرے رہگئے چنانچہ فرمایا فاصبحوا
فی دیارہم جثمین۔ پس رہ گئے اپنے گھرون مین گھٹنون کے بل سر نگون ہوئے۔ کان لم یغنوا فیہا۔ ای کانہم لم یسکنوا
فی دیارہم مین قولہم غنی بالمکان فی المکان اذا سکن بہا۔ گویا وے ان گھرون مین کبھی نہ بستے تھے یعنی وہ خواہشین و امیدین و عمارات
واسباب سب چھوڑکر بالکل نابود ہوگئے گویا کبھی یہان انکا وجود ہی نہ تھا۔ الا ان ثمود کفروا ربہم۔ آگاہ رہو کہ بیشک ثمود
یعنی قوم صالح نے اپنے پروردگار سے کفر کیا یعنی جس بزرگی و عظمت کی صفات سے پیغمبر نے بتلایا اسطرح نہ مانے اور خلاف حکم اعمال کئے
آخر عذاب کفر مین پڑے۔ الا بعدا لثمود۔ خبردار ہو کہ ثمود کیلئے رحمت الہی سے دوری ہے پھر حضرت ابراہیم کا حال ذکر فرمایا بقولہ تعالی

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ

اور آچکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لیکر بولے سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا

بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ

ایک بچھڑا تلا ہوا پھر جب دیکھا اُن کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر اوپری سمجھا اور دل میں اُن سے ڈرا

قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا

وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے اور اُسکی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اُسکو

بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ

اسحٰق کی اور اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی بولی اے خرابی کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا

إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ

یہ تو ایک عجیب چیز ہے وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی مہر ہے اور برکتیں تم پر

أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝

اے گھر والو وہ ہے سراہا بڑائیوں والا

قال المترجم حضرت ابراہیم کا قصہ اس مقام پر مستقل طور پر نہیں بلکہ حضرت لوط کی قوم پر عذاب کا ذکر بیان کرنے کا توطیہ ہے اسواسطے مختصر بیان کیا نہ مانند واذکر فی الکتاب ابراہیم الی قوم وغیرہ سورتوں میں فرمایا اور ابراہیم خلیل اللہ اولاد نوح سے دو ہزار چھ سو چالیس برس بعد ملک بابل میں پیدا ہوئے اور بلاد فلسطین شام میں سکونت اختیار کی اور ایک سو پچھتر برس زندہ رہے اور ان کے بیٹے اسحٰق ایک سو اسی برس اور یعقوب ایک سو چالیس برس جئے اور لوط علیہ السلام بھی پیغمبر مگر تابع ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے تھے اور قوم لوط کی بستیاں نواحی شام میں تھیں پھر جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب بھیجا تو ملائکہ حضرت ابراہیم کے پاس ہوتے ہوئے بشارت دیتے ہوئے گئے لیکن چونکہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں متمثل تھے حضرت ابراہیم نے انکو مہمان سمجھا عطاؓ نے کہا کہ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل تھے ضحاکؒ نے کہا کہ نو تھے سدیؒ نے کہا کہ گیارہ تھے مقاتلؒ نے کہا بارہ تھے اور محمد بن کعب القرظیؒ نے کہا کہ جبرئیل کے ساتھ سات تھے قال المترجم ان روایات کی تحقیق مشکل ہے اور کوئی ضرورت داعی نہیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ تین سے کم نہ ہوں بوجہ اسکے کہ رسلنا جمع ہے فی قولہ تعالیٰ ولقد جاءت رسلنا بعضوں نے کہا کہ لقد لام تاکید خبر کیلئے اور قد واسطے توقع کے ہے کیونکہ انبیاء کے قصص میں ایک کے بعد دوسرے کے سننے کی توقع رہتی ہے اور حاصل یہ کہ قسمیہ نہیں ہے اور رُسُل بضم سین اصل ہے اور جب ضمیر کی طرف مضاف ہو تو سکون سین بھی مانند قبل کے جائز ہوتا ہے اور یہ لفظ جمع ہے کم سے کم تین عدد ہونا چاہئے اسواسطے عطاء و ابن عباسؓ سے تین کی تفسیر فرمائی اور اس بات پر اجماع ہے کہ انہیں جبرئیل داخل تھے الحاصل ہمارے بھیجے ہوئے یعنی ملائکہ ابراہیم بالبشریٰ ابراہیم ہمارے پیغمبر پاس بشارت کو یعنی جن ملائکہ کو جبرئیل کے ساتھ ہم نے قوم لوط پر عذاب کیلئے بھیجا تھا وہ پہلے حضرت ابراہیم پاس بشارت لیکر آئے یہ نسبت اصل کے ہے تو قالوا سلاما بولے کہ ہم تم پر سلام کرتے ہیں یعنی سلمنا علیکم سلاما یا قالوا یعنی ذکروا اسلاما تو سلاما اسکا مفعول منصوب ہوگا قال سلام ابراہیم نے کہا وعلیکم سلام یا امرکم سلام بہرحال سلام مرفوع ہوگا یا مبتدا ہوگا یا خبر ہوگا اور بیان کیا ہے کہ ... ابراہیم ... یوں کہا کہ ہم پر

ہمیشہ سلامتی ہے حالانکہ ملائکہ نے سلامًا منصوب کہا تھا جسکا جملہ فعلیہ تھا اور علماء نے کہا کہ فعلیہ میں ہمیشگی نہیں ہوتی ہو لہذا حضرت ابراہیمؑ کا جواب
اُنکے سلام سے احسن ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو کہ اذا حُیّیتم بتحیۃ فحیّوا باحسن منہا اَو رُدّوہا - جب تمکو تحیہ یعنی سلام کیا جاوے تو اُس سے اچھا جواب دو
یا وہی جواب میں کہدو - مسئلہ آداب سلام میں مذکور ہو کہ چھوٹا بڑے کو اور کھڑا بیٹھے کو اور راہ چلتا اور آنیوالا بیٹھے کو اور سوار پیادہ کو سلام کرے
اور پورا اسلام یہ ہو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور بعض روایت میں ومغفرتہ زیادہ ہو تو جب کسی بزرگ کو سلام کرے تو چاہیئے کہ فقط السلام علیکم کہے
تاکہ وہ جواب میں بڑھالے اور صحیح حدیث میں ہو کہ ایک صحابی نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ پڑھایا تو آنحضرت صلعم نے آگاہ فرمایا کہ اُسنے ذرا نیکیان
بڑھائیں اسی طرح ہر لفظ پر دس فرمائیں اور آخر میں جسنے پورا اسلام کیا اُسکو فقط وعلیکم کہا اور فرمایا کہ تم نے میرے بڑھانے کو کچھ باقی نہیں چھوڑا - اب
سمجھو کہ ملائکہ نے شاید حضرت ابراہیمؑ کے جواب کی توقع کی کہ اپنی زبان سے اچھی دعا دین اور دوسرے مقام پر ہو قال سلام قوم منکرون - ابراہیمؑ نے
اچھا جواب دیا حالانکہ ان لوگون کو انجان بتایا لہذا حدیث میں عمدہ نیکی یہ بتلائی کہ سلام کرے ہر آدمی پر خواہ جان پہچان ہو یا انجان ہو - واضح ہو کہ سلام
اکثر قراء سبعہ کی قرأت ہو اور یہی ہمارے یہان معروف ہو اور حمزہ وکسائی نے سِلْمٌ پڑھا اور یہ بھی قراۃ متواترہ ہو فراء رح نے کہا کہ دونون قراۃ میں
کچھ فرق نہیں جیسے حلال کی جگہ حِل و حرام کی جگہ حِرم اور بعض نے کہا کہ سلم بمعنی صلح ہو - مسئلہ اگر کوئی نماز میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی جگہ سلام علیکم کہے تو
مکروہ ہو اور شافعیہ میں سے امام نووی رح نے اسی پر جزم کیا اور وجہ یہ ہو کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ سنت متبعہ ہو اسمین تغیر نہیں ہو سکتا - فائدہ
یہان سے ثابت ہوا کہ ملائکہ بصورت آدمی متمثل ہو سکتے ہین اور ممکن ہے کہ نبی و ولی کسی چیز کو نہ پہچانے چنانچہ ابراہیمؑ کی عادت تھی کہ بغیر مہمان کے تنہا نہین
کھاتے تھے جب ملائکہ خوبصورت آدمی کی شکل پر آئے تو انکو مہمان سمجھے اور خوش ہوکر ضیافت کا جلد سامان کیا چنانچہ حق تعالیٰ نے بیان فرمایا -
فما لبث ان جاء بعجل حنیذ - لبث یعنی لم یلبث دیر کرنا - ان یعنی حتی عجل گو سالہ حنیذ بھونا ہوا اور بعض نے کہا کہ گرم پتھرون پر بغیر آگ کے
آدھ کچا کرنا اور بعض نے کہا کہ حنیذ موٹا تازہ - کہا گیا کہ بھونا ہوا چکنائی ٹپکتا لائے تھے یعنی کچھ دیر نہیں لگائی حتی کہ بھونا بچھڑا موٹا تازہ لے آئے
قتادہ رح نے کہا کہ اکثر انکے پاس یہی گائین تھین اور روایت ہو کہ پندرہ روز انتظار کے بعد ان کو یہ مہمان ملے تھے تو خوشی خوشی لائے کہ آج انکے
ساتھ اچھی طرح کھاؤنگا مگر یہ فرشتے بھلا کیا کھاتے انہون نے ہاتھ نہ ڈالا - فلما رآ ایدیہم لا تصل الیہ نکرہم سو جب ابراہیمؑ
انکے ہاتھون کو دیکھا کہ اس خوش مزہ غذا تک نہین پہنچتے تو اُسنے استنکار کیا - واوجس منہم خیفۃ - اور انکی طرف سے اپنے دل میں کچھ خوف
لائے یعنی خیال کیا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کیا محنت نازل فرمائی ہو - قتادہ رح نے کہا کہ یہ اسوجہ سے تھا کہ اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب مہمان نان و نمک
نہ کھاتا تو یہ دلیل تھی کہ وہ بھلائی نہیں بلکہ کوئی برائی لایا ہو - یہ ڈران بندون کی طرف سے نہ تھا کیونکہ کمال یقین سے وہ نمرود بادشاہ سے نہین
ڈرے تو ان چند آدمی سے کیا ڈرتے جبکہ بالیقین جانتے تھے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں کچھ قدرت نہیں ہو بلکہ امتحان الٰہی تعالیٰ کا خوف ہوتا
ہے جب ملائکہ نے انکو دیکھا کہ کچھ خائف ہین یا کہدیا کہ انا منکم وجلون ہم تم سے ڈرتے ہین جیسا کہ سورہ حجرات میں ہو قالوا لا تخف - بولے
کہ کچھ خوف مت کرو - روایت ہو کہ جبرئیلؑ نے اپنے ساتھیون کو ابراہیمؑ کا ہر کام میں اللہ تعالیٰ کیلئے خلوص ظاہر کرنیکو کہا کہ ہم لوگ بغیر دام ملے
نہین کھاتے تو فرمایا کہ اسکے دام تم دیدوگے بولے کیونکر فرمایا کہ اول بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا شروع کرو اور فارغ ہو کر الحمد للہ
یعنی شکر کرو اور اسکی قوت سے طاعت وعبادت کرنا کوئی گناہ نہ کرنا - تو جبرئیلؑ نے ساتھیون سے کہا کہ دیکھو اسی سے اللہ تعالیٰ نے اسکو خلیل
بنایا ہو پھر صاف ظاہر کر دیا - انا ارسلنا الی قوم لوط - کہ ہم ملائکہ ہین قوم لوط کی طرف عذاب لیکر بھیجے گئے ہین اسواسطے ہم نہین کھاتے
ہین کیونکہ ہم حقیقت میں آدمی نہیں ہین - وامرأتہ قائمۃ فضحکت اور ابراہیمؑ کی جورو یعنی حضرت سارہ علیہا السلام کھڑی تھی یعنی

مہمانون کی خدمت کر رہی تھی اگر پردہ نہ ہو یا پردہ کے پیچھے باتین سنتی تھی وہ یہ سنکر ہنس پڑی - ہنسنے کی وجہ صاف مذکور نہین مگر شاید اسوجہ سے کہ یہ عجیب معاملہ ہوا کہ اتنے دنون بعد مہمان ملے جنکا یہ سامان ہوا پھر سے فرشتے نکلے یا اسوجہ سے کہ قوم لوط نے عورتون کو خوار کیا اور لڑکون کو بیجا و بدکار بنایا تھا انکا عذاب سنکر خوش ہوئین - فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ - پس ہم نے اسکو اسحاق فرزند کی بشارت دی یعنی ملائکہ کی زبان سے اسکو خوشی سنائی کہ تجھ سے اس سن مین لڑکا پیدا ہوگا اسکا نام اسحق ہی پھر تو اسکا بیٹا یعنی پوتا بھی دیکھے گی وہ یعقوب ہی چنانچہ فرمایا - وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ - اور علاوہ اسحق کے یعقوب کی بھی بشارت دی اور دوسرے مقام پر ہی ویعقوب نافلۃ یعنی اسحاقؑ سے علاوہ زائد اسکا لڑکا یعقوب ہی یا بعض علمانے کہا کہ حضرت سارہؓ نے حکم الٰہی پر خوشی کی تو اسکے بدلے یہ انعام عطا ہوا - واضح ہو کہ قوم لوط علاوہ کفر کے لڑکون سے اغلام کے ایسے سخت گناہ مین مبتلا تھے اسواسطے یہ ملائکہ بصورت لڑکون حسین کے بھیجے گئے اور شاید کہ سارہؓ اسی پر ہنسی ہون کہ عذاب با تمام حجت ہوا اور قدرت الٰہیہ کیسی اعلیٰ و اجل ہی کہ ملائکہ کو لڑکون کی شکل کر دی اسکی قدرت بہت بڑی ہی اور شاید کہ اپنے بانجھ ہونے و بغیر فرزند ہونیکا خیال دل سے دور کر دیا ہوا اور اسکے شکریہ مین بشارت عطا ہوئی یا اس قدرت عجیبہ کو دیکھکر ان لڑکون کی صورت سے اپنے واسطے خواہش کی ہو اور یہ مقام لطیف ہی جہان تک آدمی اپنے دل کو خواہش سے پاک کرے لطائف صنعت الٰہی سے محظوظ ہوگا ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ فرزند کا فرزند تھا یعنی اسحاقؑ فرزند کا ہونا ایک بشارت اور یعقوبؑ فرزند کا فرزند دو بشارت ہین کیونکہ پوتا ہونا اور دادی کو بشارت کہ یہانتک زندہ رہیگی کہ پوتا دیکھے گی - قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰۤى ءَاَلِدُ - بولی اے بی مین اب جنونگی وَاَنَا عَجُوۡزٌ - اور مین اب بڑھیا ہون وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ - اور یہ میرا شوہر ہی شَيۡخًا - حالانکہ بالکل بوڑھا ہی - اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ - یہ تو بیشک تعجب کی بات ہی - ویل کے معنی تو اصل مین ہلاک کے ہین لیکن ان معنون کا لحاظ نہین کیا جاتا بلکہ جب کوئی بڑا سانحہ ہو تو یہ لفظ بول اُٹھتے ہین اور اکثر عورتون کی بول چال مین محاورہ ہی جیسے اُردو مین موئی دنگوڑی وغیرہ بولا کرتی ہین حضرت سارہ کی عمر اسوقت بقول مجاہدؒ ننانوے سال کی اور بقول ابن اسحق نوے سال کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ ایکسوبیس برس کے تھے اور تعجب جو دوسرے پہ بلند مرتبہ ہوا سی واسطے شوہر کو عورت بعل کہتی ہی اور ابراہیمؑ کا ایک بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ پہلے حضرت ہاجرہؓ سے ہو چکا تھا جنکو دیکھکر حضرت سارہؓ متمنی ہوئی تھین لیکن فرزند عطا نہ ہوا یہانتک کہ بڑھیا مایوس ہوئین تب یہ بشارت دی گئی اور اسکو انھون نے عجیب سمجھا - قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ - ملائکہ بولے کہ کیا تو تعجب کرتی ہی حکم الٰہی سے یعنی قدرت الٰہی بہت بڑی ہی وہ جو چاہے ہو جاتی ہے یہ کچھ تعجب کی بات نہین بلکہ نبی کے اہلبیت کو ایک نعمت عطا فرمائی ہی - رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ - اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکتین ہین تمپر اے اہلبیت ابراہیم - اِنَّهٗ - بیشک اللہ تعالیٰ حَمِيۡدٌ محمود ہی ہر حال مین و ہر فعل مین جو کرتا ہو لائق حمد کے مَّجِيۡدٌ بہت احسان و بھلائی والا ہی - مسئلہ علیکم خطاب بجمع مذکر کا بطور تعظیم کے عرب کی زبان مین واحد مونث کو روا ہی مسئلہ زوجہ بھی اہلبیت مین ہوتی ہی اور یہی آیت حجت قطعی ہی اور قولہ تعالیٰ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا - مین علما کے دو قول ہین ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت فقط حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ حسینؓ ہین اور انکی دلیل صحیح مسلم کی روایت ہی جسکا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک کمل مین ان سب کو اوڑھا کر فرمایا کہ اے میرے پروردگار یہ سب میرے اہلبیت ہین اور دوسرا قول یہ ہی کہ آیت مین اہلبیت آپکی ازواج مطہرات کیلئے ہی اور یہی قول صحیح ہی اسواسطے کہ وہان اوپر سے ازواج ہی کا بالکل ذکر ہی ولیکن آنحضرت صلعم نے ان سب ائمہ مذکورین کو بھی اہلبیت مین شامل کرکے حدیث مذکور سے اعلام فرما دیا اور حدیث مین کوئی تخصیص اس امر کی نہین ہی کہ اہلبیت کا انحصار انھین چار ائمہ مین ہی - پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا حلم و ترحم اور قوم لوط کا عذاب بیان فرمایا -

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ

پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر اور آئی اسکو خوشخبری جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ ابراہیم

لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۝ يٰٓإِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا إِنَّهُ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ

تحمل والا نرم دل ہو رجوع رکھنے والا اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا

وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۝

اور ان پر آتا ہے عذاب جو پھیرا نہیں جاتا

فلما ذهب عن ابراهيم الروع۔ روع بالفتح خوف و بالضم دل اور یہاں بالفتح ہے یعنی پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے خوف یعنی جو ملائکہ کی طرف سے پیدا ہوگیا تھا۔ وجاءته البشرى۔ اور اسکو خوشخبری ملی یعنی اسحاق و یعقوب پیدا ہونے کی یا ملائکہ کی تسلی کہ تم کچھ خوف مت کرو۔ یجادلنا فی قوم لوط۔ لگا ہم سے جھگڑنے درباۂ قوم لوط کے فائدہ لما جملہ یجادلنا جزا فلما ہو لیکن عربیت میں مسلم ہو چکا کہ لما کا جواب فعل ماضی ہوتا ہے مضارع تو مفسرین نے کہا کہ یہاں تقدیر عبارت قول اخذ یجادلنا ہے یعنی شروع کیا کہ جھگڑتا تھا اور یہ قول فراء کا ہے اور اخفش و کسائی نے کہا کہ ماضی کی جگہ مضارع لایا گیا جیسے مضارع کی جگہ ماضی کر دیا جاتا ہے اور بلاغت یہ ہے کہ مضارع سے اسی حالت کا تصور آ گیا جو اس وقت واقع ہوئی اگر کہا جائے کہ یجادلنا فعل جدال ہے تو جدال کرنا پیغمبر کی شان نہیں ہے اسکا جواب یہ ہے کہ لفظ عرب ایسے مقام پر جدال کے لفظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ بہت الحاح کی طرح سفارش کی باتیں کرنا جیسے حدیث شفاعت میں مومنوں کا اللہ تعالیٰ عز و جل سے جدال کرنا مذکور ہے کہ اسقدر جدال کریں گے جو کبھی نہیں ہوا یعنی اپنے پروردگار ارحم الراحمین کی درگاہ میں گنہگاروں کے لئے نہایت عاجزی و تضرع سے الحاح و مبالغہ کیساتھ سفارشی ہونگے پھر واضح ہو کہ تو یجادلنا یعنی یجادل رسلنا یعنی ہمارے فرشتوں سے بحث کرنا شروع کی۔ ایسا ہی مفسرین نے کہا ہے چنانچہ روایت ہے کہ جب ملائکہ نے کہا انا مهلكوا اهل هذه القرية ہم اس ملک کے والوں کو ہلاک کرنیوالے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں صحیح ہے تو ابراہیم نے انسے کہا کہ بھلا اگر اس میں پچاس مسلمان ہوں تو کیا تم انکو ہلاک کروگے وہ بولے کہ نہیں پھر کہا کہ اگر چالیس ہوں تو وہ بولے کہ نہیں پھر کہا تیس ہوں تو وہ بولے کہ تو بھی نہیں یہاں تک کہ دس و پانچ تک جواب میں بولے کہ نہیں پھر کہا کہ اگر ایک ہو تو بولے کہ تو بھی نہیں تو کہا کہ پھر اسمیں تو لوط علیہ السلام موجود ہیں قالوا نحن اعلم بمن فيها لننجينه واهله الا امراته الآیۃ یعنی بولے کہ جو وہاں ہیں ہم انکو جانتے ہیں ہم اسکو اور اسکے لوگوں کو نجات دینگے سوائے اسکی عورت کے۔ اور ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ ملائکہ نے ابراہیم سے کہا کہ اگر اس میں پانچ مسلمان نمازی ہونگے تو سب سے عذاب دور کر دیا جائیگا۔ الجلالین گفتگو سے مقصود اللہ تعالیٰ کی طرف التجا تھی مگر بواسطہ ملائکہ کے کہ وہ واسطے تھے بہرحال خواہ موافق جمہور کے یجادلنا یعنی یجادل رسلنا لیا جائے یا بمعنی یکلمنا و یسالنا یعنی ہم سے درخواست کرنے لگا کوئی لیا جائے جدال کے یہی معنی ہیں جو مختصر تفہیم سے اوپر ذکر کیا اور جمہور مفسرین نے یجادل رسلنا کی جو روایت ذکر کی اسکے علاوہ خود آیت میں دلیل موجود ہے یعنی قول یا ابراهيم اعرض عن هذا انه قد جاء امر ربک کیونکہ یہ آخری جواب ملائکہ کی طرف سے صاف ہے لہذا معلوم ہوا کہ قوم لوط کے بارہ میں حضرت ابراہیم کا کلام ملائکہ سے تھا لیکن چونکہ ملائکہ بذات خود مقصود نہ تھے بلکہ اس سے غرض یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس التجا کو قبول فرماوے اور مومنین کی وجہ سے کافروں سے عذاب دور فرماوے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی تعریف فرمائی ان ابراهيم لحليم بیشک ابراہیم بندہ حلیم ہے یعنی کسی خطا کار پر جلدی عقوبت نہیں چاہتا اور یہ حضرت عز و جل کی صفت کا مظہر حلم کا ظہور تھا۔ اواه بہت نرم دل مہربان ہو۔ منیب اپنے پروردگار

کی جانب بندگی وطاعت سے رجوع لانے والا ہے۔ اَوّاہ کے معنی مین کہا گیا کہ جو آہ داوہ سے اپنے و دوسرون کے گناہون پر تاسف ہو۔ قتادہ رحؒ نے فرمایا کہ منیب وہ نیک بندہ جو اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اسمین اشارہ ہی کہ ابراہیم جو اس لحاح پر آمادہ ہوئے اُسکا باعث یہ صفات حمیدہ تھین کہ دل کے بہت نرم اور بندون پر ترس کھانے والے مہربان تھے لہذا چاہا کہ عذاب مین تاخیر کی جائے شاید دسے لوگ ایمان لے آدین اور اس گناہ سے توبہ کرلین کیونکہ عذاب سے ہلاک ہونے مین پھر امید ان کو نہوگی اور ہمیشہ اسی سختی مین پڑے رہین گے لیکن آخر کار ملائکہ نے اُنکو حکم قضا و قدر سے آگاہ کردیا بقولہ۔ يَآ اِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔ اے ابراہیم تم اس بہت سفارش و الحاح سے درگزر کرو۔ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ج بیشک آگیا حکم تیرے پروردگار کا یعنی اللہ تعالیٰ جو سب بندون کے حال سے آگاہ ہی اُس نے جو کچھ ازل مین ان کے لئے مقدر کیا تھا وہ حکم آگیا اسی واسطے حدیث مین و بعض آیات مین صریح ہی کہ جب عذاب آجاتا ہی تو پھر مرتفع نہین ہوتا وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۔ اور بیشک ان لوگون پر آویگا ایسا عذاب جو کسی طرح رد نہ ہوگا یعنی یہ قوم ازلی کافر ہی کسیطرح توبہ کی طرف رجوع نہ کریگی ہم آپکو حکم لوح محفوظ بتلائے دیتے ہین کہ ان پر ضرور عذاب آویگا چنانچہ آخر یہی واقع ہوا اور ہر چند پیغمبر نے عاجزی و الحاح سے فہمایش کی مگر ان بدبختون نے کسی طرح نہ مانا اور پیغمبر کو تنگ کیا جیسا کہ عنقریب یہ حال آگے معلوم ہوگا اب کچھ اشارات عرائس سننا چاہیئے اور غور سے سمجھنا چاہیئے ف المترجم چونکہ اشارات لطیف ہین لہذا مترجم انکی فہمایش کیلئے بقدر فہم کے توضیح کریگا۔ قال فی العرائس قولہ تعالے ولقد جاءت رسلنا ابرٰہیم بالبشریٰ فرشتون نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم خلیل کو دوام وصال اور کشف جمال بلا حجاب عتاب کی بشارت دی اور یہ کہ خلت ابراہیمی کسی فعل حادث کا نتیجہ نہین بلکہ ازلی قبولیت کا ظہور ہی۔ قال المترجم حبیب کو حبیب سے بشارت یہی مقدم ہی جسکے لئے شدت محبت ہی لہذا بشارت مذکورہ بدین معنی متضمن ہی۔ فافہم اور یہ بشارت دی کہ نبوت تمہاری اولاد مین باقی رہیگی اقول اسواسطے کہ خالی فرزند ہونا امر آخرت مین سے نہین اور نہ اہل آخرت کیلئے موجب سرور ہی جبتک کہ وہ صالح نہ ہو فافہم اور یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و خلیل بندون کا مشتاق ہی اور یہ بشارت دی کہ تمام مخلوقات مین سے برگزیدہ آپکی اولاد مین سے تشریف لائیگا اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہین اور اولاد کی بشارت بدین معنی یہ بشارت ہی کہ شریعت ابراہیمی یعنی اصل حقیقت کا فیضان ہمیشہ باقی رہیگا چنانچہ تاقیامت یہی واقع ہوا اور فرشتون کا سلام کرنا اخبار ہی کہ یہ فرشتے لیاقت رکھتے ہین کہ خلیل کیطرف ایلچی ہون اور اظہار ہی کہ باہم کوئی فکرت یعنی نجان پن نہین ہے اور معارضہ خطرات ازل ہونیکے ساتھ عہد ازل کی شناخت ہی اور فرشتون کا سلام ممزوج بسلام حبیب ہے اور خلیل کا سلام اظہار اکرام ضیف ہی اور فرشتون کا سلام خلیل کے سلام سے موافق ہونا علامت ہی کہ سر خلیل نے انکا اسرار کو پہچانا یعنی یہان مقام کرامت اور عیوب سے سلامت ہے اور دیکھو کہ حبیب کا سلام حبیب کو کیسا خوشگوار اور پیغام کیسا مزہ دار اور بشارت کیسی پاکیزہ ہی اگرچہ بواسطہ ہو ؎ سلام علی سلمیٰ ومن حل وادیا ؛ سلام علی ارض قدیم بہا العہد ؛ سلام علی جارتہا و جوارہا ؛ سلام حزین لاح شقہ الصد ؛ سلام علیہا دائما متواترا ؛ سلام علی ارض الیہا لہا القصد ؛ اذا نزلت سلمیٰ بواد فماؤہا ؛ زلال وسلسال وسحابہا ورد ؎ منزل سلمیٰ کہ بادش ہر دم از من صد سلام ؛ پر صدائے ساربانان بینی و بانگ جرس ؛ بعضے اکابر نے کہا کہ رسل نے ابراہیم کو بشارت دی کہ نسبت خلت ایسی ثابت ہوئی ہی کہ کبھی منقطع نہ ہوگی بعض نے کہا کہ فرشتون نے اصل بشارت دی تھی کہ آپکی پشت سے حضرت حبیب اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونگے جو خاتم النبیین ہین اور لواء الحمد انھین کے ہاتھ مین ہوگا بعض نے کہا کہ جب حبیب کیطرف سے ایلچی آیا تو یہی بشارت ہی اور جب پیغام پہونچایا تو خوشی پوری کردی اور جب سلام پہونچایا تو سبحان اللہ وبحمدہ دیکھو کیسے ذکر کیا کہ قالوا سلاما یعنی خلیل نے کہا سلام اور مراد پوری ہوگئی۔ ابن عطاء رحؒ نے کہا کہ قالوا سلاما۔ اشارہ ہے

کہ مرتبہ خلت تمکو سلامت ہے جسمین کبھی لغزش نہوگی قال سلام یعنی مجھے یہ سلامتی ازجانب السلام ہے یعنی ازجانب حق عزوجل ـ قولہ فما لبث ان جاء بعجل حنیذ اسمین اخبار واسرار ہین اخبار یہ کہ جوانمردی کیساتھ اپنے مہمانون کیلئے اکرام کیا اقول فی الحدیث الصحیح من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ یعنی جو شخص اللّٰہ تعالیٰ وروز آخرت پر ایمان لایا وہ ضرور ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے ـ اسرار یہ کہ قلب مذبوح تھا روح مجروح تھی اور نفس کو سلطان جبروت انوار ملکوت وبرق جمال وسر جلال کے سامنے قربان کردیا اور یہ سب نتیجہ محبت وعشق حقیقت تھا تاکہ نسیم وصال سے تسلی کی جائے اور اس طریقہ مین اظہار معارضہ دقیقہ ہے تاکہ شان حال معلوم ہو اگرچہ خلقت سخاوت وکرم تھی بعض نے کہا کہ مہمانداری کے آداب مین سے ہے کہ پہلے اچھی طرح آتے ہی طعام کی دعوت کرے پھر باتین کرے چنانچہ خلیل نے پہلے طعام کا بندوبست کیا پھر باتین کرنا جسکو پسند ہو ـ قولہ فلما رای ایدیہم لا تصل الیہ نکرہم ـ یہ انکار اس بات پر تھا کہ انھون نے خلق کو ترک کیا حالانکہ اسمین ایک عجیب اشارہ ہے یعنی یہان بچھڑا ذبح کرنا کافی نہین بلکہ جو ذبح کرنا چاہیے تو ہمارے لیے اسمٰعیل کو ذبح کرو کیونکہ یہی فدیہ بمقتضائے عشق ہے ابوالحسن بوشہری سے حکایت کی جاتی ہے کہ وہ فرماتے جو کوئی ہمارے جھونپڑے مین آیا اور خوشی سے ہمارے ٹکڑے روٹی یا جو ما حضر ہو اسمین ہمارے ساتھ شریک ہوا تو اُسنے ہم پر سخت ظلم کیا ـ ابن جعفر بن عبد اللّٰہ نے کہا کہ جسنے فقیرون وغلامون کے کھانے سے انکار کیا اُسنے اپنا غرور ظاہر کیا ـ اقول مروی ہے کہ چند راہ نشین بانٹے ٹکڑے بچھا کر کھانے بیٹھے کہ اتنے مین حضرت امام زین العابدین گھوڑے پر سوار اُس راستے گزرے درویشون نے صلائے طعام دی آپنے فرمایا کہ ہان یہ کہکر اُتر پڑے اور اُنکے ساتھ کھایا اور فرمایا کہ یا رب مجھے متکبرین مین نہ لکھنا پھر ان لوگون سے کہا کہ اب تم میری دعوت قبول کرو چنانچہ وقت مقررہ پر وہ آئے اور اُنکے ساتھ مہمانداری کا برتاؤ کیا قولہ واوجس منہم خیفۃ ـ ان سے خوف اس وجہ سے نہ تھا کہ ابراہیم کو اُنکے حال سے آگاہی نہ تھی بلکہ اُن کے آثار سے قوم لوط کا عذاب ظاہر ہوا اور یہ خوف کا مقام ہے اقول شیخ کی مراد یہ ہے کہ ابراہیم نے انکو اہل الخیر والصلاح جز سے پہچان لیا تھا اگرچہ یہ امر مخفی ہو کہ فرشتے بصورت اطفال خوبصورت متمثل ہوئے ہین مگر اُنکے خلاق سے انکار کیا جب اُنھون نے کھانے پر ہاتھ نہ ڈالا اور آثار غضب الٰہی نمایان ہوئے تو اُن کو خوف ہوا کیونکہ بسا اوقات ایسی کچھ خوفناک بات لاتا ہے ؎ لعلک عصیان تعصیت بعالم ٭ سلام علی الدارین ان کنت راضیا ٭ اور نیز یہ خوف بوجہ حضرت لوط و اُنکے اہل وعیال کے پیدا ہوا قولہ قالوا لا تخف انا ارسلنا الیٰ قوم لوط فرشتون نے حجاب اُٹھادیا اور صاف عذاب کا حکم ظاہر کردیا ـ قولہ رحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت ـ یہ رحمت وبرکت ان نیکون پر انوار مشاہدہ الٰہی تھی اور نیز نبوت ورسالت وخلافت تھی حتیٰ کہ آخر قیامت تک باقی رہی اور تمام اولادین سے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو اپنی مخصوص دعائے مقبول سے مانگا بعض نے کہا کہ رحمت تو محبت ہے اور برکات معرفت وتوحید ہے بعض نے کہا کہ اہل البیت کی برکتین دعائے خلیل و دعائے ملائکہ سے ہین اور آنحضرت صلعم نے تمام نمازون مین اسکا حکم دیا چنانچہ درود شریف مین ہے کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم یعنی خود واہل بیت واولادین سے تھے ـ انہ حمید مجید محمود تو اپنی حمد قدیم سے ہے چنانچہ خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور وہی مستحق حمد ہے ـ مجید عظیم الشان ہے نہ کوئی فہم ہے کہ اس تک رسائی پاوے اور نہ کوئی عقل ہے کہ ادراک کرے پھر جب برکات الٰہی واصل ہوئین اور مکاشفہ کے دروازے کھلے اور فیض بشارت حاصل ہوا تو انکا قلب غبار امتحان سے نکلکر حضرت الرحمٰن کے ساتھ مقام انبساط مین حاضر ہوا کما قال تعالیٰ فلما ذہب عن ابراہیم الروع وجاءتہ البشریٰ یجادلنا فی قوم لوط ـ دوری کا خوف گیا اور نزدیکی کی خوشخبری ملی تحیت کا مزہ آیا اور خلت کا انبساط ہوا تو اس مقام کے موافق برخلاف انقباض کے حالت طاری ہوئی اور ایسی حالت مین جو امور ان سے برداشت ہوتے ہین وہ اہلبیت وجلال سے جائز نہین ہین ولیکن خلیل کا انبساط یہی ہوتا ہے کہ مخلوق پر بہت شفقت ہو چنانچہ فرمایا یجادلنا فی قوم لوط یس قوم لوط کیلئے تاخیر عذاب مانگتے اور لوط و اُنکے لوگون کیلئے رحمت ونجات چاہتے تھے اور یہی سخاوت وجوانمردی ومروت وحلم ہے اسیلئے

وصف فرمایا بقولہ ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب حلیم تو اسوجہ سے کہ اپنی قوم پر بد دعا نہیں کرتے بلکہ کہتے فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم یعنی جو میری پیروی کرے وہ مجھ مین سے ہو اور جو میری نا فرمانی کرے تو تو غفور رحیم ہو اور زیادہ یہ تھا کہ غیر سے آنکھ پھیر کر رب تبارک و تعالی کیطرف کشادہ رکھتے تھے اور یہی حال عاشقوں کا ہوتا ہو اور منیب بدین معنی کہ سب سے منہ موڑ کر رب تبارک و تعالی کی طرف راجع ہوئے چنانچہ آیت مین مذکور ہوا انی بری مما تشرکون انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض الآیۃ ۔ اور ابراھیم علیہ السلام کا مجادلہ بوجہ جہالت کے نہ تھا بلکہ بسبب کمال انبساط کے تھا پس کمال شفقت سے لوگون پر کرم چاہا کیونکہ اپنے آپکو ازلی انتخاب کی وجہ سے ایسی سفارش کے لائق دیکھا اور حقتعالی کو اپنے نیک بندونکا ایسا معاملہ پسند ہو فی الحدیث انہ لما اسری بی لایت رجلا فی الحضرۃ یتدمر فقلت لجبرئیل من ہذا قال اخوک موسی علیہ السلام یتدمر علی ربہ تعالی فقلت وھل لہ ذلک فقال یعرفہ فیتحمل عنہ ۔ اور قصہ موسی علیہ السلام مین انبساط مذکور ہو بقولہ ان ہی الا فتنتک ۔ واضح رہے کہ انبساط نہین ہوا ہے مگر اسی شخص سے جو معرفت مین ایسے رتبہ پر ہو بعض مشائخ نے اس مقام کی تفسیر مین کہا کہ قولہ فلما ذھب عن ابراھیم الروع الخ یعنی فرشتون کے کھانے سے پرہیز کرنے کے سبب جو انکو تعجب پیدا ہو گئی تھی جاتی رہی اور جان گئے کہ یہ ملائکہ ہین اور اُن کو بشارت پہونچی یعنی اللہ تعالی کی طرف سے سلام پہونچا تو خلق پر بے انتہا شفقت کی طرف متوجہ ہو کر قوم لوط بدکار کی طرف سے مجادلہ کرنے لگے کیونکہ اللہ تعالی نے انکے دل مین رحمت کو پیدا کر دیا تھا لہذا چاہتے تھے کہ یہ لوگ مہلت دیئے جاوین شاید ایمان لاوین اور لوط مع اہل ایمان رہتے ہوتے کیونکہ اہل کفر پر عذاب نازل ہوگا اور کیونکر انکے ساتھ اہل ایمان ہلاک کیئے جاوینگے اور بیشک اللہ تعالی نے اس کلام پاک سے بندون پر ظاہر کر دیا کہ ابراھیم خلیل اللہ نے باوجود مرتبہ خلت درجہ نبوت عظمی کے بسبب صنع الٰہی سے ملائکہ کو پہلے پہل نہین پہچانا اور اُنکو مہمان سمجھے اور یہی ظاہر ہو کیونکہ کلام الٰہی مصرح ہو کہ اول مین اُنکو نہین پہچانا تھا پھر اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی دل تنگی اور خوف کا ویسا ہی حال بیان فرمایا جیسا ابتدا مین حضرت ابراھیم کا نہ پہچاننے سے ہوا تھا ۔ بقولہ تعالی

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝

اور جب پہونچے ہمارے بھیجے لوط پاس خفا ہوا اُنکے آنے سے اور رُک گیا جی مین اور بولا آج دن بڑا سخت ہے

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ

اور آئی اُس پاس قوم اُسکی دوڑتی بے اختیار اور آگے سے کر رہے تھے بُرے کام بولا اے قوم یہ

بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝

میری بیٹیان حاضر ہین یہ پاک ہین تمہارے واسطے سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھکو میرے مہمانون مین کیا تم مین ایک مرد بھی نہین نیک راہ

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝

بولے تو تو جان چکا ہے ہم کو تیری بیٹیون سے دعوی نہین اور تجھکو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہین

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا اور جب پہونچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط پاس یعنی جو ملائکہ حضرت ابراھیم پاس مہمان تھے بشارت دیکر آگاہ کر کے نکلے اور لوط علیہ السلام کی طرف چلے اور درمیان مین چار فرسخ کا فاصلہ تھا سدی نے کہا کہ دوپہر کے وقت نہر سدوم پر پہونچے وہان لوط کی بیٹی پانی بھرتی تھی اُس سے بولے کہ اے لڑکی یہان کوئی ٹھکانا مسافرون کیلیئے ہو اُسنے دیکھا کہ چند لڑکے نہایت خوبصورت خوش پوشاک خوشبو سے معطر اس گاؤن مین مہمانی چاہتے ہین تو اُنسے بولی کہ تم یہین ٹھہرے رہو مین آتی ہون یہ کہکر فوراً گھر پہونچی اور باپ سے کہا کہ کچھ لڑکے شہر کے دروازہ پر ہین مین نے اُن سے زیادہ خوبصورت نہین دیکھے آپ اُنکی خبر لیجیئے ورنہ آپکی قوم اُنکو تباہ کریگی حضرت لوط روانہ ہوئے اور

پوشیده انکو لائے مگر نہایت پریشان و دل تنگ تھے اور اسوقت کوئی واقف ہوا صرف انکی جورو آگاہ ہوئی اور اُسنے قوم سے کہدیا اور قتادہ رح
نے کہا کہ حضرت لوط اپنے کھیت مین تھے وہان آکر ان لوگون نے مہمانی چاہی تو حضرت لوط نے شرم سے انکار نہ کیا اور ساتھ لیکر خوفناک و دلتنگ چلے
اور آپ انکے آگے ہوگئے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے کہا سِيْٓءَ بِهِمْ - ان مہمانون کے آنیکے سبب غمناک ہوگئے - وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا اور دل
تنگ ہوئے وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ - اور دل مین کہا کہ یہ دن سخت ہی حضرت ابن عباس رضہ وغیرہ نے کہا کہ یوم عصیب یعنی آئین
سخت بلا گھیرے ہوئے ہی جیسے سر کے گرد عصابہ یعنی پٹی باندھے ہو پھر آتے آگے انسے کہتے چلے کہ اے لوگو تم اس قصبہ کی بدکاری سے واقف
ہو انھون نے کہا کہ وہ کیا ہی فرمایا کہ اے لوگو واللہ مین نہین جانتا کہ روئے زمین پر اس سے بڑھکر کوئی گانون والے خبیث ہون اور مطلب
یہ تھا کہ یہ مہمان یہان سے چلے جاوین ورنہ انکی طرف سے مجھے اس قوم بدکار سے مقابلہ پیش آویگا اور یہ امر ان پر بہت گران تھا پھر کچھ دور چلکر
انسے یہی کلمہ کہا اسی طرح چار مرتبہ اُنسے کہا - قتادہ رح نے کہا کہ ان ملائکہ کو حکم تھا کہ اس قوم کو ہلاک نکرنا جبتک کہ انکا پیغمبر چار مرتبہ انکی بدفعالی
کی گواہی نہ دے لیکر یہ لوگ ہین گئے یہانتک کہ حسب اتفاق انکو خفیہ گھر تک لائے مگر انکی جورو نے آخر وقت جاکر قوم سے ان لڑکون کے
حسن و جمال کی حکایت بیان کی وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ اور لوط کی قوم انکی طرف دوڑتی ہوئی اترائی آئی - وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ - اور اس سے پہلے قوم والے بدکاری کیا کرتے تھے یعنی اس قوم کی طینت و عادت بدکاری ہوگئی تھی حتی کہ اسی حال پر عذاب
مین گرفتار ہوئے قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ - لوط نے فرمایا کہ اے قوم یہ سب میری بیٹیان ہی تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہین یعنی
لڑکون سے یہ زیادہ پاکیزہ ہین لہذا تم لوگ لڑکون سے اغلام و بدکاری جو محض پلیدی ہی چھوڑ دو اور عورتون سے جوڑا اختیار کرو -
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ - پس اللہ تعالیٰ خالق و مالک سے ڈرو اور لا تخزونی اور مجھے مت رسوا کرو میرے مہمانون کے بارہ مین یعنی
لڑکے میرے مہمان ہین تم ان کی طرف بدکاری کے لیے ہاتھ مت بڑھاؤ کہ اسمین میری سخت رسوائی ہی اور دوسری آیت مین قوم کا جواب
یہان مذکور ہی اولم ننهك عن العالمين یعنی کیا ہمنے تمکو عالمین سے نہین منع کردیا تھا یعنی پہلے ہمنے تم کو منع کردیا تھا کہ تم کبھی مردون کو
اپنا مہمان نکرنا - یہان ناواقف آدمی کو ایک شبہہ ہوتا ہی وہ یہ ہی کہ لوط علیہ السلام نے لڑکیون کو اطہر فرمایا اور اُسکے معنی زیادہ پاک کے ہین جو
کسی دوسری چیز سے بڑھکر ہو تو شبہہ ہوتا ہے کہ لڑکون سے اغلام پاک ہی - لڑکیون سے جماع کرنا زیادہ بڑھکر پاک ہی حالانکہ بالیقین احادیث
و آیات سے معلوم ہوا کہ اغلام کرنا بالکل نجس و ناپاک ہی اس شبہہ کو جو عربی زبان سے واقف ہی جلدی حل کرلیتا ہی اسطرح کہ یہ کلام بطریق
مقابلہ کے ہی اور سمجھانے کا یہی طریقہ عمدہ ہی اور ظاہر ہی کہ وے لوگ اس فعل کو پاک سمجھتے تھے تو سمجھایا کہ اے لوگو تم اپنی جہالت سے کچھ ہی سمجھو
اتنا تو یقینی ہی کہ لڑکیون مین خوب پاکیزگی ہی تو اسی کو کیون نہین لیتے اور نظیر اسکی قوله تعالیٰ اذلك خير ام شجرة الزقوم - بھلا یہ میوے خوش مزہ
بہت اچھے ہین یا تھوہڑ کا درخت - حالانکہ تھوہڑ کے درخت مین تو کچھ بھی اچھائی نہین ہے اور نظیر اسکی حدیث مین قصہ احد مین ہی کہ ابوسفیان
نے اپنے ہبل بت کی بزرگی بیان کی اور کہا اعل ہبل یعنی اے ہبل بڑا ہو - تو پس حضرت نے جواب مین کہلایا کہ اللہ اعلی و اجل یعنی اللہ
بہت بزرگ ہی حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بت کی کچھ بھی بزرگی نہین ہی اور اسکے نظائر زبان عرب مین بہت ہین - فائدہ - حضرت لوط
نے فرمایا کہ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ - یہ میری بیٹیان - تو کیا حقیقت مین اپنی بیٹیون کو فرمایا تھا یا قوم کی عورتون کو کہا تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ
بیٹیون کو ان کافرون کو کیونکر دینا چاہا تو جاننا چاہیے کہ ابتدا مین جو روایت سدی رح سے مروی ہی اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ حضرت
لوط کی بیٹیان تھین اور انھون نے اپنی ہی بیٹیون کی طرف اشارہ کیا اور یہ ارشاد تھا یعنی ان کو بدکاری سے موڑ کر نیکوکاری کی طرف

راہ بتائی اسیواسطے کہا - اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ - کیا تم مین سے کوئی ایسا نہین ہے جو نیک راہ پر ہو یعنی نیک راہ قبول کرے اور دوسرون
کو نیک راہ بتلا دے اور برائی سے منع کرے بعض نے کہا کہ اس قوم مین دو شخص سردار تھے جنکا کہنا سب مانتے تھے تو چاہا کہ ان پاک بیٹیون سے انکو
راہ پر لادین تو پھر سب راہ پر آجا دین اور ظاہر قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہو کہ بیٹیان خود اپنی تھین چنانچہ کافرون کا جواب مذکور ہو کہ
قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ - قوم کافر کہنے لگی کہ تجھے خوب معلوم ہو کہ ہم کو تیری بیٹیون مین کچھ حق نہین یعنی کچھ خواہش و حاجت
نہین ہے - وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ - اور تو خوب جانتا ہو جو ہم چاہتے ہین یعنی لڑکون و مردون سے اغلام کرنا - یہان دو طرح شبہہ
کیا گیا ایک تو کرخی ؒ کا قول ہو کہ اپنی بیٹیون کو کسی پر پیش کرنا خلاف مروت ہو اور اسکا جواب یہ ہو کہ نہین بلکہ عذاب کفر سے نکالنا اور
ہدایت پر لانا مقصود تھا اور پیغمبر اپنی قوم کا باپ ہوتا ہو لہذا یہان کچھ خلاف مروت نہین ہو اور دوسرا شبہہ یہ کہ اہل قوم کافر تھے ان کو
یہ مسلم بیٹیان کیونکر دینی چاہین تو جواب یہ ہو کہ اس شرط سے دینی چاہین کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور بعض نے کہا کہ غالبا اس شریعت مین
مسلمہ کا نکاح کافر مرد سے روا ہو چنانچہ آنحضرت صلعم نے بھی قبل وحی کے اپنی دختر کا نکاح عتبہ بن ابی لہب اور ابو العاص
بن الربیع سے کر دیا تھا لانکہ یہ دونون کافر تھے مترجم کو یہین تردد ہوا اسلیئے کہ آنحضرت صلعم پر جبتک وحی نہین آئی تو زمانہ فترت تھا اور
احکام وحی نازل نہین ہوئے تھے بہرحال یہ سب اس قول پر ہو کہ خود حضرت لوط کی بیٹیان موجود تھین ولیکن قوی تفسیر حضرت مجاہد ؒ سے
مروی ہو کہ حضرت لوط کے کوئی بیٹی نہ تھی مگر ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہو - ابن کثیر ؒ نے کہا کہ ایسا ہی قتادہ ؒ وغیرہم سے مروی ہو
اور اسکے معنی یہ ہین کہ اسی قوم کی عورتون کو اپنی بیٹیان کہا اور ابن جریج نے کہا کہ لوط ؑ نے ان کو ارشاد کیا کہ تم عورتون سے نکاح کرو اور
یہ مطلب نہ تھا کہ عورتون سے بغیر نکاح کے بدکاری کرو اس قول کی تائید مین کہا گیا کہ قوم کے لوگ بہت تھے اور بیٹیان اسقدر کہان تھین جو
سب کے نکاح مین پوری ہون لہذا قوم کی عورتون کو بیٹیان کہکر ترغیب دی اور قولہ مالنا فی بناتک من حق یعنی اپنی عورتون کی جنکو تو
شفقت سے بیٹیان فرماتا ہو ہمین کچھ خواہش نہین ہو اور حاصل یہ کہ حضرت لوط ؑ نے اس قوم بدکار کو جب انھون نے مہمان لڑکون کا قصد
کیا تھا بہت بلیغ و نہایت الحاح سے نصیحت کی کہ اے لوگو تم اپنی عورتون سے رغبت کرو یہ تمھارے لیے بہتر ہے مین باپ کی طرح شفقت
کر کے تم کو راہ بتاتا ہون کہ یہ میری بیٹیان یعنی تمھاری عورتین تمھارے لیے بہت پاکیزہ ہین مگر ان بدبختون نے نہ مانا آخر حضرت لوط علیہ السلام
مضطرب ہو کر کہنے لگے -

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

کہنے لگا کہین سے مجکو تمھارے سامنے زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی محکم آسرے مین مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہین تیرے رب کے

لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ

ہرگز نہ پہونچ سکین گے تجھ تک سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے تم مین کوئی مگر تیری عورت یونہین ہے

مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝

کہ اسپر پڑنا ہو جو ان پر پڑیگا ان کے وعدے کا وقت ہو صبح کیا صبح نہین نزدیک

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً - لوط ؑ نے کہا کہ کاش مجھے تمھارے مقابلہ مین قوت ہوتی تو خود تم کو دور کرتا - اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ - یا
جگہ لیتا رکن شدید کیطرف یعنی کنبہ ہوتا کہ انکی مدد سے تم کو دور کرتا کہ تم میرے مہمانون پر زیادتی کر کے مجھے فضیحت نہ کرنے پاتے - واضح ہو کہ

جب لوطؑ کی جورو نے کوٹھے پر چڑھ کر یا باہر جا کر قوم کو آگاہ کر دیا اور وے دوڑتے آئے تو لوطؑ نے دروازہ بند کر لیا اور خود دروازہ کے باہر
انکو سمجھانے اور مہمانون تک پہونچنے سے روکتے تھے یہان تک کہ وے لوگ نہ مانے اور ہجوم کیا یہان تک کہ اور طرف دیوارون پر چڑھکر مکان مین
داخل ہونے لگے تو حضرت لوطؑ مضطرب ہو کر کہنے لگے کہ کاش مجھے بذات واحد یہ قوت ہوتی کہ تم کو دور کر سکتا یا میرے کنبہ کے لوگ ایک جماعت
با قوت ہوتے کہ تم کو دور کرتا اور یہ قوم اُنکے ناتے دار نہ تھی کیونکہ لوطؑ پہلے عراق مین حضرت ابراہیم اپنے چچا کے ساتھ تھے جب وہان سے شام
مین آئے تو اللہ تعالی نے اُنکو موتفکات مین پیغمبر کیا اور یہ چند بستیان تھین جنمین بڑی بستی سدوم تھی اور آبادی سب چار لاکھ کے قریب
تھی لہذا لوطؑ نے تمنا کی کہ اسوقت میرے کنبہ والے با قوت وشوکت ہوتے تو تم مجھپر یہ ظلم نہ کر سکتے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہو کہ لوطؑ کے بعد اللہ تعالی
نے جو نبی بھیجا وہ اپنے کنبہ کے با قوت گروہ مین سے بھیجا۔ سعدی رح نے کہا کہ قولہ الی رکن شدید یعنی زبردست لشکر کو اس سے مین تم سے قتال کرتا اور
حدیث صحیح مین ہو رحم اللہ لوطا وفی روایۃ یغفر اللہ للوط ان کان یاوی الی رکن شدید یعنی اللہ تعالی لوطؑ پر رحم کرے یا لوط کو بخشدے کہ وہ رکن شدید
کی طرف جگہ لیتے تھے۔ امام نووی رح نے کہا کہ رکن شدید سے مراد اللہ تعالی عزوجل ہے کیونکہ وہی سب رکن سے اقوی ہو ولیکن تفسیر اول اصح ہو
پھر جب قوم کا ظلم یہان تک پہونچا اور حضرت جبرئیل نے ہلاک قوم کی اجازت جناب باری تعالی سے مانگی تو اجازت ملی اور جبرئیلؑ نے حضرت
لوطؑ کو اس سختی مین دیکھا۔ قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ یعنی جبرئیلؑ و دوسرے ساتھیون نے کہا کہ اے لوطؑ ہم تو تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہین یعنی فرشتے
ہین۔ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ یہ لوگ تجھے کوئی برائی نہین پہونچا سکتے ہین پھر جبرئیلؑ نے اُٹھکر اس قوم ظالم تبہ کار کے منھون پر ایک طپانچہ مارا
جس سے اندھے ہو گئے جیسا کہ دوسرے مقام پر آیت مین ہو فطمسنا علی اعینہم انکی بینائی بگاڑ دی کہ اپنے گھر کا راستہ نہین سوجھتا تھا تو یہ کہتے ہوئے
بھاگے کہ لوطؑ کے گھر مین جادوگر ٹھہرے ہین پھر ملائکہ نے لوطؑ کو حکم کیا۔ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ کہ تو یہان سے کچھ رات مین اپنے لوگون
کے ساتھ روانہ ہو۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ اور تم مین سے کوئی مڑکر نہ دیکھے۔ إِلَّا امْرَأَتُكَ سوائے تیری جورو کے۔ ابن کثیر و ابو عمرو نے برفع
تا پڑھا پس احد سے بدل ہوا اور معنی یہ ہین کہ تم مین سے کوئی مڑکر نہین دیکھے گا سوائے تیری جورو کے کہ وہ نافرمانی کر کے دیکھے گی اور ہلاک
ہو گی چنانچہ روایت ہو کہ وہ ساتھ گئی تھی پھر جب نالہ و فریاد و آوازین ہیبتناک سنین تو مڑکر دیکھنے لگی اور بولی کہ ہائے میری قوم پس اسپر
بھی ایک پتھر گرا جس سے ہلاک ہو گئی اور باقیون نے بنصب تا پڑھا اور یہ اہل سے استثنا ہو یعنی تو اپنے سب اہل کو سوائے جورو کے ساتھ
لیکر روانہ ہو۔ واضح ہو کہ یہ ممکن ہو کہ لوطؑ نے عورت کو ساتھ نہ لیا ہو مگر وہ خود ساتھ ہو گئی ہو۔ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ۔ بے شبہہ
اس عورت کو وہی عذاب پہونچیگا جو اس قوم کو پہونچنے والا ہو۔ یہ حال سنکر لوطؑ کا اضطراب رفع ہوا اور پوچھا کہ پھر انکو ابھی ہلاک کر دو
تو جبرئیلؑ نے کہا إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ۔ انکے ہلاک کا وقت اس رات کی صبح ہو۔ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ۔ کیا صبح نزدیک نہین ہے۔
ابن کثیرؒ نے لکھا کہ لوطؑ نے انسے کہا تھا کہ ان کو ابھی ہلاک کر دو تو انھون نے یہ جملہ انکی خوشدلی کیلئے کہا تھا اور لکھا کہ معمرؒ نے قتادہ رح سے
انھون نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ اسطرح نقل کیا کہ ابراہیم علیہ السلام قوم لوطؑ کے پاس آتے تھے اور کہتے کہ اے لوگو مین تم کو بد افعالی سے
باز رہنے کی نصیحت کرتا ہون کہ تم اپنی جانین اللہ تعالی کے عذاب کے سامنے مت پیش کرو انھون نے کچھ نہ مانا یہان تک کہ تاخیر کی مدت
پوری گذری اور عذاب کا وقت پہونچا اور ملائکہ لڑکون کی صورت مین لوطؑ کے پاس پہونچے وہ اپنے کھیت مین تھے پس ملائکہ نے کہا کہ اس
رات ہم تمھارے مہمان ہین اور اللہ تعالی نے جبرئیلؑ کو مامور کر دیا تھا کہ اس قوم کو عذاب نہ کرنا یہان تک کہ لوطؑ انپر تین مرتبہ گواہی دے
جب انکو لیکر گھر چلے تو انکو اپنی قوم کی بد اعمالی جو مردون کے ساتھ کیا کرتے تھے یاد آئی اور کچھ دور چلکر مہمانون کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

کہ تم کو معلوم ہے کہ اس شہر والے کیا حرکت کرتے ہیں مجھے تو روئے زمین پر ان سے زیادہ بدکار کوئی نہیں معلوم ہے بھلا میں تم کو کیونکر ایسی قوم میں
لیجاؤں جو تمام مخلوق سے بدکردار ہے یہ سنکر جبرئیلؑ نے ملائکہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم یاد رکھو یہ دو مرتبہ گواہی ہو گئی پھر جب دروازہ
تک پہونچے تو ان سے شرم کھا کر اور انپر شفقت کر کے رونے لگے اور کہا کہ اے عزیز و میری قوم تمام مخلوق سے بڑھکر بدکردار ہے تم کو
نہیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ کیا بدفعل کرتے ہیں میں تو روئے زمین پر اس سے بدتر کوئی شہر والے نہیں جانتا ہوں پس جبرئیلؑ نے کہا کہ دیکھو
یاد رکھو یہ تیسری بار پیغمبر نے اس قوم کی بدکرداری پر گواہی دی اب تو عذاب ضرور ثابت ہو گیا پھر جب گھر میں داخل ہوئے تو ناگاہ
بڑھیا نے اوپر چڑھکر اپنے کپڑے سے بعضے لوگوں کو اشارہ کیا دظاہر اعادت کے موافق مہمانوں کے خرچ سے ناگواری ہوئی) اسکے اشارہ پر
فاسق لوگ خوش خوش دوڑتے آئے اور بڑھیا نے باہر نکلکر ان کے دریافت کرنے پر کہا کہ آج لوط مہمان لایا ہے میں نے ایسے خوبصورت
نہیں دیکھے اور نہ ایسے معطر دیکھنے میں آئے یہ سنتے ہی وہ لوگ دروازہ کی طرف دوڑے پس حضرت لوطؑ نے نکلکر دروازہ بھیڑ دیا اور باہر کھڑے
ہو کر انکو اللہ تعالیٰ کی قسمیں دلائیں کہ مجھے مت رسوا کرو بھلا دنیا میں کسی بیچارہ کے مہمانوں سے ایسا معاملہ کوئی کرتا ہے اور دیکھو یہ میری بیٹیاں
یعنی اس قوم کی عورتیں تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں انھوں نے آپکی عاجزی پر کچھ خیال نہ کیا اور چاہا کہ زبردستی گھر میں گھسکر مہمانوں کو پکڑ لیجاویں اسوقت
حضرت لوطؑ نے اپنی عاجزی و بیکسی پر افسوس کیا جبرئیلؑ نے یہ حال دیکھکر درگاہ الٰہی میں عذاب کرنے کی اجازت چاہی اور کھڑے ہو کر لوطؑ سے
کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے فرشتے ہیں اور آسمانی اپنی صورت جو بہت خوشنما ہے پیغمبر کی نظروں میں ظاہر فرمائی اور ان فاسقوں کے تھپڑ مارا جس سے
انکی آنکھیں چوندھیا گئیں کہ انکو گھر کی راہ نہیں سوجھتی تھی اور کہتے بھاگے کہ لوطؑ کے مہمان تو جادوگر ہیں پھر ملائکہ نے لوطؑ سے کہا تم اپنے لوگوں
کو لیکر رات رہے نکل جاؤ اور ہم کو اور ان کو چھوڑ دو یہ تجھے کچھ برائی نہیں پہونچا سکتے ہیں ایسا ہی محمد بن کعب القرظی و قتادہ و سدی وغیرہم
سے مروی ہے اب اس آیت کے اشارات سننا چاہیے ف۔ فی العرائس قولہ ولما جاءت رسلنا لوطا سیٔ بہم وضاق بہم ذرعا۔ حضرت لوطؑ
کا ملال اپنی قوم کے فتنہ سے خوف کر کے مہمانوں کے حال پر شفقت کی راہ سے تھا چنانچہ قولہ ولا تخزون فی ضیفی تصریح ہے کہ مہمانوں پر شفیق
و کریم تھے اور واضح ہو کہ ابراہیمؑ و لوطؑ دونوں نے ملائکہ کو نہ پہچانا باوجودیکہ فراست نبوت اعلیٰ ہے اسوجہ سے کہ دونوں مقام بسط و رجاء
میں تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم پر عذاب کا کچھ خوف نہ تھا اسیواسطے ملائکہ کو نہ پہچانا یہانتک کہ قوم کے حق میں مستحق عذاب ہونے کو
خود اپنے منہ سے حضرت لوطؑ نے بیان کیا حالانکہ اپنے اسرار سے ملائکہ کو پہچانتے تھے پس تقدیر نے علم قضا جاری ہونے کیلئے انکی ظاہری اسماع
ناظر پر پردہ کر دیا بعض نے حکمت بیان کی کہ جب حکم الٰہی جاری ہونے کو ہوتا ہے تو اہل عقل پر تقدیری پردہ ہوتا ہے چنانچہ دیکھو حضرت
ابراہیمؑ کو نبوت و خلت و رسالت حاصل تھی پس انکی فراست کے مثل کسکی فراست ہو سکتی ہے پھر بھی ملائکہ کو نہیں پہچانا کیونکہ فراست مسدود
کر دی گئی تھی جیسے آنحضرت صلعم سید المرسلین و ملائکہ پر پردہ کر دیا گیا جبکہ منافقوں نے حضرت صدیقہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان
عظیم باندھا تھا پس آنحضرت صلعم پر حال خفیہ رہا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ کی شان میں پاکیزگی بیان کرنے کو قرآن پاک نازل
فرمایا اسی طرح لوطؑ پر التباس رہا یہانتک کہ عذاب کا حکم ہو گیا واضح ہو کہ جب لوط علیہ السلام اپنی قوم کی طرف سے شدت امتحان میں پڑے
تو قوم کو بدکاری سے دور کرنے کیلئے قوت و رکن شدید چاہا بقولہ تعالیٰ قال لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید حضرت لوطؑ نے اپنے آپکو
مقام امتحان میں دیکھا اور مکاشفہ و مشاہدات کا دروازہ بند دیکھا اور یہی پایا کہ میں خوف و فکر میں مبتلا ہوں و تمنا کی کہ کاش مجھے اس
ساعت بھی صفت قدرت سے اتصاف ہوتا جیسے اس امتحان سے پہلے میرا حال تھا تو البتہ میں اس قوم کو کفر و معصیت سے دور کرتا یا

رکن شدید سے تکیہ لیتا یعنی عدم کے گوشہ مین اگر مجھے جگہ مل جاتی تو وہین جگہ لیتا اور اس قوم کے دیکھنے سے راحت پاتا۔ یا عالم ملکوت سے اس قوم کیلئے عذاب لاتا یا قوم کیلئے دعا کرتا اگر مجھے زبان باطنی حاصل ہوتی جس سے انکو راہ ہدایت ملجاتی اور اپنے اوپر حقوق الٰہی پہچانتے۔ ابن عطاؒ نے فرمایا کہ معنی یہ ہین کہ معرفت اگر میرے قبضۂ قدرت مین ہوتی تو تم کو وہان تک پہونچا دیتا۔ بعض نے کہا کہ اگر مجھے تم پر بددعا کی جرأت ہوتی تو بددعا کرتا یا رکن شدید کی طرف جگہ لیتا یعنی علم غیب جانتا کہ تمہارا انجام سعادت یا شقاوت مین سے کس طرف ہے تو اسی پر صبر و ساکت رہتا پھر جب کام پورا ہوگیا اور ملائکہ نے حال کھول دیا اور کہا کہ یہ قوم صبح کے وقت ہلاک ہوگی بقولہ ان موعدہم الصبح الیس الصبح بقریب۔ تو خاموش ہوئے اور شاید انھون نے خواہش کی تھی کہ کسی طرح گمراہی کے درمیان سے جلد باہر ہوجاؤن اور قرب رحمت و مشاہدۂ قدرت مین داخل ہوجاؤن اور الٹی باتین و منکرات دیکھنے سے راحت پاؤن تو ملائکہ نے تسلی کردی کہ وقت تو بہت قریب ہے گویا لوطؑ نے قوم سے یہ کہا کاش اگر مجھے قوت ازلیہ ہوتی تو مین تمکو ہلاک کرتا یا رکن شدید یعنی حضرت ملکوت مین جگہ لیتا اور تمہاری صحبت و دیدار معصیت سے نجات و راحت پاتا پھر ملائکہ کے وعدہ کا انتظار کرنے لگے تو کہا گیا کہ کیا صبح کا وقت قریب نہین ہے عارفون پر واردات غیب کا اور طلوع صبح مشاہدہ کا انتظار بہت سخت ہوجاتا ہے سری سقطیؒ سے حکایت ہے کہ ابرار کے دل انتظار کا تحمل نہین کرسکتے ہین قال المترجم پھر مین تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہون الغرض جب ملائکہ نے لوطؑ کو نکالنے اور اپنے آپکو قوم مین چھوڑنے کا حکم کیا تو لوطؑ مع اہل و عیال کے جو ایک گھر مین تھے رات رہے سے روانہ ہوگئے اور غالب کہ اسقدر وقت سے حکم دیا تھا کہ ان گاؤن کے حدود سے قبل صبح کے باہر ہوجاوین چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حکم عذاب حاصل کرلیا تھا چنانچہ فرمایا

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ

پھر جب پہونچا ہمارا حکم کرڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائین اُسپر پتھریان کنکر کی تہ بتہ

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۠

ع

نشان بنائین تیرے رب کے پاس اور نہین وہ بستی اُن ظالمون سے کچھ دور

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا۔ پھر جب آگیا ہمارا امر یعنی وہ وقت جو عذاب کیلئے موعود تھا یا آگیا عذاب ہمارا جو اس قوم کیلئے مقدر تھا تو اُس کی کیفیت یون ہوئی کہ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ہم نے ان گاؤن کے عالی یعنی اونچے کو سافل یعنی نیچے کردیا یعنی اس ہیئت پر لوٹ دیا کہ اونچا نیچے اور نیچا اونچے ہوگیا اور یہ فعل الٰہی بواسطہ ملائکہ کے واقع ہوا جیسے عادت الٰہی دنیا مین جاری ہے اور اسکی کیفیت حضرت مجاہدؒ سے یون مروی ہے کہ صبح ہوتے حضرت جبرئیلؑ نے ان مواضع کو اسکی زمین کے اتصال سے قطع کرکے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اٹھاکر آسمان کو بلند کرکے لوٹ دیا کہ اونچا نیچے و نیچا اونچے ہوا پس جو عذاب اس قوم کو پہونچا کسی قوم کو نہین پہونچا مروی ہے کہ یہ پانچ موضع تھے جنمین سدوم سب سے بڑا موضع تھا اور انھین کو موتفکات کہتے تھے اور سب لونڈے بازی و مردون سے اغلام کرنے مین مشہور تھے حالانکہ ان لوگون سے پہلے کسی قوم سے یہ بدفعل نہین واقع ہوا پس انکو عذاب بھی ایسا سخت پہونچا جو کسی قوم کو نہین دیا گیا تھا پہلے انکی آنکھین پھرائین پھر مواضع لوٹ دیئے گئے وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ۔ اور برسائے ہم نے اُن پر پتھر سجیل سے۔ کہتے ہین کہ جبرئیلؑ نے جسوقت عذاب کیلئے اُٹھایا اُسوقت گرم آگ سے پتھر برسے یا اس گاؤن کے لوگ جو اسوقت باہر تھے اُن پر برسے یا مواضع اُلٹے جانے کے بعد برسے بہرکیف جب اللہ تعالیٰ کو عذاب دینا منظور ہوا تو ایسا عذاب انکو پہونچنے سے کوئی چیز نہین روک سکتی اور اہل تفسیر نے اسکی کیفیت بیان کرنے مین بہت طول دیا حالانکہ کلام الٰہی مین بہت مختصر مذکور ہے اور ایسے عنوان سے بیان ہے کہ اسکے ضمن مین علوم قلبی و اسرار عجیب شامل ہین جنکو بیان مین لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے لہذا ابھی کی

ظاہری کیفیت سے بحث کرنا بیفائدہ ہی اور یہ ظاہر ہے کہ ظاہری کیفیت کسی حدیث مین مروی نہین اور اسقدر زمانہ دراز سے اسوقت تک
ایک معتبر آدمی کی زبانی دوسرے معتمد شخص کا روایت کرنا ممکن نہین تو خواہ مخواہ اکثر باتین یہود و نصاری کے عالمون سے لیگئی ہین اور معلوم
ہے کہ اُن لوگون نے اپنی کتابون کو مہذب کرنیکے لائق جانکر کیسی کچھ تحریف کرتے چلے آئے تو بھلا ان قصون مین کیونکر انکی زبانی اصلی کیفیت معلوم ہوسکتی
ہے اور ہمکو حکم ہے کہ انکی روایتون کو نہ مانین اور نہ جھٹلاوین اسلیے ہم سکوت کرتے ہین اور صرف اسقدر یقین کرتے ہین جسقدر قرآن پاک مین
ذکر ہی تو ہم جانتے ہین کہ یہ سچ ہی جو اللہ تعالی نے فرمایا کہ ہم نے اُن پر سجیل سے پتھر برسائے بعض علمار نے کہا کہ سجیل ایک مقام ہی اور بعض نے
کہا کہ سجیل کے معنی پکی اینٹ پس مراد یہ کہ پکی اینٹ کے کھنگر اور بعض نے کہا کہ سجیل معرب سنگ گلین ہی اور یہ کھنگر کے معنی مین ہی اور بعض نے کہا کہ
سجیل و سجین ایک ہی اور سجین کے معنی قولہ تعالی وما ادراک ما سجین کتاب مرقوم سے ظاہر ہین بالجملہ انکی اصل حقیقت کا علم مثل اور چیزون کے
حضرت خالق عز و جل ہی کو ہی ہم کو اس سے کچھ زیادہ بحث نہین ہی قولہ تعالی منضود صفت سجیل ہی اور یہ مؤید ہی کہ سجیل معرب
سنگ گلین ہی کیونکہ منضود و نضید کے معنی یا تو یہ ہین کہ ایک پر دوسرا لگا ہوا جیسے کیلے و خرما کے گودہ مین ہوتا ہے اور مقصود یہ کہ پتھر بہت
کثرت سے تھے اور یا یہ کہ پے در پے جیسے پانی کی بوندین برستی ہین و قولہ تعالی مسومۃ صفۃ بصیغہ مونث اسم مفعول کے حجارۃ سے حال ہی اسوجہ
کہ حجارۃ اگرچہ نکرہ ہی لیکن موصوف ہی اور نکرہ موصوفہ سے مثل معرفہ کے حال جائز ہی اور معنی اسکے معلمۃ یعنی اسپر نشان و علامت تھی جس لہری
وسدی نے کہا کہ ہر پتھر پر سرخی لگی تھی اور بعض نے کہا کہ ہر کافر کے پتھر پر اسکا نام تھا۔ فراء نے کہا کہ یون بیان کیا جاتا ہی کہ ہر پتھر پر سرخ
و سیاہ لکیرین تھین اقول یہ قتادہ و عکرمہ سے مروی ہی۔ ابن جریج نے کہا کہ ان پتھرون پر ایک خاص نشانی ایسی تھی جس سے بالیقین
معلوم ہوجاتا کہ یہ دنیا کے پتھرون کے مانند نہین ہین الحاصل اس قوم پر جو پتھر عذاب کے برسے وہ گوندھے ہوئے یا بوندون کی طرح پے در پے
بکثرت تھے اور ہر ایک پتھر پر نشان تھا۔ عند ربک۔ تیرے پروردگار پاس سے یعنی خزائن الٰہیہ مین سے تھے یا علم الٰہی مراد ہی اور خلاصہ
یہ کہ اللہ تعالی عز و جل کے واسطے کوئی مقام نہین جہان سے آنا مراد ہو بلکہ ایسا کلام جہان مذکور ہی اس سے غیب و خزانہ قدرت یا حکم
حق مراد ہی اور یہ خطاب آنحضرت صلعم کو ہی۔ وما ہی من الظالمین ببعید۔ اور ایسے عذاب کے پتھرون کا برسنا ظالمون سے کچھ دور
نہین ہی یعنی ظالم لوگ جو اللہ تعالی کے رسولون سے کفر کرتے اور زمین مین فساد پھیلاتے ہین ان کو خوف کرنا چاہیے کہ ان پر ایسے پتھر
برسین۔ مجاہد نے کہا کہ اس کلام سے کفار قریش کو دہشت دلائی کہ ان کو بھی ایسا ہی عذاب نہ پہونچے جیسا کہ قوم لوط کو پہونچا۔ قتادہ
نے کہا کہ اس امت کے ظالمون سے ایسا عذاب کچھ دور نہین ہی۔ قال المترجم حدیث مین ہی کہ جسکو تم پاؤ کہ وہ قوم لوط کا فعل کرتا ہی تو فاعل
کرنیوالے اور کرانیوالے دونون کو قتل کرڈالو یعنی ان دونون کا قتل کردینا تم پر واجب ہی کما فی السنن عن ابن عباس مرفوعا۔ اور
حدیث مین ہی اس امت مین بھی یہ ہوگا کہ کچھ لوگ زمین مین دھنس جاوینگے اور بعضون کی صورتین بگڑ جاوینگی اور بعضی روایت مین
پتھرون سے ہلاکت بھی ہی اور بعضی روایت مین اسکا وقت وہ زمانہ بتلایا کہ لوگ بیباکانہ فسق و فجور کے مرتکب ہون اور بعض روایات
مین علانیہ شراب خواری و چوری و زناکاری و امانت مین خیانت و بدکار کا سردار ہونا وغیرہ قریب چند باتین فرمائین کہ جب ایسا کرینگے
تو بلائین اسطرح ٹوٹ پڑین گی جیسے لڑی ٹوٹکر دانے گرنے لگتے ہین یہان تک یہ تذکرہ ختم فرمایا اور چاہیے کہ عام لوگ اس سے عبرت حاصل
کرین اور خاص لوگ اس کیلیے انتہا علوم و دقائق سے فیضیاب ہون اور یہ قصہ تو یہ کوئی افسانہ نہین ہی جیسا کہ اسوقت کے بعض نیچر
ملحدون نے اپنی جہالت سے زعم کیا اور واضح ہو کہ بعض مفسرین نے قرآن مجید کے ذکر سے بہت زائد روایات یہان بھی مانند دیگر

قصص الانبیا کے ذکر کین جنکے ثبوت مین تامل ہو اور کوئی حاجت نہین اور اکثر یہ روایتین اگلی کتابوالون یہود ونصاریٰ سے لی گئی ہین حالانکہ انکی روایت کو نہ ہم جھٹلاوین نہ مانین یہی ہمکو حکم دیا گیا ہے اسیواسطے بہت سے قصص ہم نے حذف کر دیئے ہین فاستقم ف

فی العرائس فی اشارة قوله فلما جاء امرنا جعلنا عالیها سافلها - ابتداء فطرت و انتہاء وجود مین جب معرفت کی نظر یہ ہوتی ہے کہ مشاہدہ وکشف ملکوت سے اطمینان وسکون مین مطمئن ہون تو غیرت قدم ان پر امتحان کے بوجھ ڈالکر بلا مین مبتلا کر رہی ہے چنانچہ اعلیٰ جنت سے ادنیٰ مسکن زمین پر الٹ جاتے ہین اور قلوب احوال سے امتحان شہوات مین منقلب ہو جاتے ہین تاکہ خوب معلوم کرین کہ بارگاہ عظمت و جلال کبریائی مین تمام عرفان جہالت ہے مرید لوگ اگر اپنے مشائخ پر تکبر کرتے ہین تو نفس کے ہاتھون گرفتار ہو کر خوار ہو جاتے ہین اور قرب منزلت سے دوری کے پتھران پر برستے ہین قوله وما هي من الظالمين ببعيد - ایسا خوار ہونا اور قرب منزلت سے دوری مین گرفتار ہونا ایسے لوگون سے دور نہ جانو جو اتباع سنت وطریقہ شریعت چھوڑ کر اتراتے ہین اور ایسے عذاب کے لائق ہونے کی علامت یہ ہے کہ متواتر اس سے گناہ و فسق و فجور ظاہر ہوتے ہین بعض نے قوله فلما جاء امرنا الآیة سے نتیجہ اخذ کیا کہ جب حکم ازلی پہونچا تو جیسے ان کے دلون کو الٹا کر دیا گیا تھا ویسے ہی انکی ظاہری ہیأت بھی لوٹ دی - شیخ محمد بن الفضل نے فرمایا کہ قوم لوطؑ کو جو سزا ملی اسی جہت سے تھی کہ نیک کام خود کرتے اور دوسرون کو نصیحت کرتے اور کچھ پروا نہین کرتے تھے اور باتین بنا کر حرام و فحش باتین عمل مین لاتے اور کہا کہ جو لوگ اپنے خالق سے خوف چھوڑ کر شرع سے تجاوز کرتے ہین یا شرع مین خلاف تقوی تاویلین کر کے حرام کو حلال بناتے ہین اور مانند اسکے معاصی کے مرتکب ہوتے ہین وہ ظالم ہین ان سے ایسا عذاب کچھ دور نہین ہے اول دور کیونکر ہوگا جبکہ ایسی بداعمالی سے اسکی قلبی و باطنی خوبصورتی مقلوب ہو کر مسخ و غیرہ بدتر ہوئی اور عذاب اسپر رہتا ہے تو اگر دنیاوی چند روزہ زندگی مین یہ حال نہ کھلا تو اسکو کچھ فائدہ نہین کیونکہ موت دور نہین تو پھر خواہ مخواہ قبر کا عذاب بھی طاری ہوگا پھر عذاب دوزخ کہان ہے والعیاذ باللہ من الضلال والعذاب - پھر اللہ تعالیٰ نے مجمل

عربی اذکار کے حضرت شعیب کا تذکرہ فرمایا بقوله تعالی -

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ

اور مدین کی طرف بھیجا انکا بھائی شعیب بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہین تمہارا حاکم اسکے سوا

وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور نہ گھٹاؤ ناپ اور تول مین مین دیکھتا ہون تمکو آسودہ اور ڈرتا ہون تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

آفت سے ایک گھیر لینے والے دن کی اور اے قوم پورا کرو ناپ اور تول انصاف سے اور نہ گھٹاؤ لوگون کو

أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ

انکی چیزین اور نہ مچاؤ زمین مین خرابی جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝

اگر ہو تم یقین رکھتے اور مین نہین ہون تم پر نگاہبان

ف - ارسلنا - الی مدین اخاهم شعیبا - اور ہم نے بھیجا مدین کی جانب انکے بھائی شعیب کو - مدین حضرت ابراہیمؑ کے

بیٹے کا نام ہے اور مدین کی تمام اولاد بڑا قبیلہ ہوا وہ بھی مدین ہی مشہور ہوئے اور مدین نے ایک شہر آباد کیا وہ بھی مدین کہلاتا ہی کما فی قولہ
لما بلغ ماء مدین الآیۃ حضرت موسی علیہ السلام کے تذکرہ مین فرمایا ہی پس اگر یہان مدین سے قبیلہ مراد ہے تو معنی ظاہر ہین اور اگر
شہر مراد لیا جاوے جیسے بعض مفسرین نے کہا تو ضرور ہی کہ مضاف محذوف ہو یعنی اہل مدین کیونکہ اخاہم کی ضمیر مدین کے لوگون کی طرف
راجع ہی مقریزی نے خطط مین لکھا کہ مدین حضرت شعیب کی امت ہین اور یہ لوگ مدیان بن ابراہیم خلیل کی اولاد ہین اور مدیان
کی بیوی کا نام قنطورا تھا وہ یقطان کی بیٹی اہل کنعان مین سے تھی جس سے آٹھ بیٹے ہوئے جنکی اولاد بڑا گروہ ہوگیا اور شہر مدین بحر قلزم
کے کنارے پر تبوک کے محاذی اُس سے چھ مرحلہ دور واقع ہی اور تبوک سے بڑا قصبہ ہی اور حضرت موسی علیہ السلام جب اول مرتبہ مصر سے تنہا
بھاگے تو اسی شہر کے کنوئین پر ٹھہر کر شعیب کی بکریون کو پانی پلایا تھا۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ مدین عرب کا ایک قبیلہ تھا جو حجاز و
شام کے درمیان ایک شہر مین بستے تھے جو انھین کے نام پر مدین مشہور تھا۔ اللہ تعالی نے ان کے پاس شعیب کو رسول کر کے بھیجا اور شعیب
انھین مین سے سب سے شریف النسب تھے۔ بعض نے لکھا کہ جمہور کے نزدیک مدین عجمی لفظ ہے تو اسکے وزن پر اشکال نہین اور بعض نے کہا کہ
عربی لفظ ہو تو اس صورت مین وزن فعیل بفتح الیاء ماخوذ از محاورۂ مدن بالمکان یعنی وہان قیام کیا مگر یہ وزن نادر ہے اور بعض نے
کہا مہمل ہی اور بعض نے کہا مفعل ماخوذ از دان ہی تو بھی شاذ ہی اقول بقول مقریزی اصل لفظ مدیان موافق نام مدیان بن ابراہیمؑ ہے
اور شاید کہ انھون نے عجمی نام رکھا ہو اور بہر حال یہ غیر منصرف لفظ ہی یہی قول ابو النحاس کا ہے اور ابن کثیر نے جبکہ اس قبیلہ کو
عرب مین سے قرار دیا تو قابل بحث ہی جسمین عربیت سے واقف آدمی غور کرین اور معنی کی نظر سے عرب مین سے ہونا اقرب و اوضح
معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن پاک مین عرب کو اکثر انھین وقائع سے عبرت و نصیحت دلائی جو انکی سر زمین مین واقع
ہوئے سوائے چند وقائع کے جو کمال شہرت کی وجہ سے عرب کے نزدیک مثل ان کے ملک کے واقعات کے تھے بالجملہ انھین مدین
کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا اور بھائی ہونا کچھ دین کی راہ سے نہ تھا بلکہ نسب کی راہ سے تھا اور شعیب فیہ عربی لفظ ہے
اور نسب انکا یہ ہی شعیب بن میکائیل بن یشجب بن مدین بن ابراہیمؑ تو شعیب علیہ السلام اسی قبیلہ مدین مین سے ان سب سے اشرف
تھے۔ فوائد حدیث سے ثابت ہی کہ اللہ تعالی نے ہر قوم مین سے اسکا نبی سب سے اشرف خاندان کا بھیجا اگرچہ وہ فقیر ہو۔ پھر شعیبؑ
کی نصیحت و تعلیم کا حال بیان کیا کہ مثل اور انبیاء کے شعیب نے جو خطیب الانبیاء کہلاتے ہین پہلے قوم کو وہ بات بتلائی جو سب سے
زیادہ فرض ہی۔ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ۔ کہا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالی کی عبادت کرو یعنی اپنے خالق معبود کی توحید کرو کیونکہ
اللہ تعالی پاک نام ہے تمام مخلوقات کے خالق مالک بےمثل و مانند قادر کا جسکی تمام صفات کاملہ ہین اُسکا کوئی شریک نہین ہی تو جب کہا
کہ اللہ تعالی کی عبادت کرو تو گویا کہا کہ معبود اپنا اسکو جانو جو وحدہ لاشریک ہی یہی توحید اسلامی ہی اسی واسطے جو کوئی کہ شرک کرے یا تدبیر
پر اعتماد و بھروسا کر کے تقدیر کو نہ مانے اُسنے اللہ تعالی کو نہ مانا اگرچہ منہ سے کہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہین یا جو کوئی کہ اللہ تعالی پاک کیلئے جورو
یا بیٹا بتلاوے اسنے اللہ تعالی کو نہ مانا بلکہ اُسنے اپنا خدا ایسی چیز کو بنایا جسکا بیٹا و جورو ہے اور بیشک اللہ تعالی ایسی چیزون سے
پاک ہی سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم تو اسنے اللہ تعالی کو نہ مانا اسیواسطے دیکھو اہل کتاب یہود و نصاری اگرچہ زبان سے
خدا کو مانتے ہین لیکن حقیقت مین اپنے گڑھے ہوئے خیال کو اپنا معبود بنا لیا ہے تو قرآن مین صاف فرما دیا کہ قاتلوا الذین لا یؤمنون
باللہ ولا بالیوم الآخر یعنی مومنون کو حکم دیا کہ جہاد کرو ان لوگون سے جنکا یہ حال ہی کہ اللہ تعالی کو نہین مانتے ہین لہذا جب اللہ تعالی

کی توحید سب سے مقدم فرض تھا تو پہلے قوم کو بتلایا کہ اللہ تعالی کی ذات و صفات کو اسی طرح یقین کرو جس توحید پر وہ پاک ہو تب
تمہاری عبادت البتہ اپنے خالق کی عبادت ہوگی ۔ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ اسکے سوائے تمہارا کوئی معبود نہیں ہو تو اپنے دل سے
کوئی معبود بت بنا و حتی کہ اگر اللہ تعالی کے حکم کے مانند کسی دوسرے کا کہنا اپنے اوپر فرض جانے اور مانے تو اسی کو اسنے اپنا معبود
بنالیا اسیواسطے اگلے یہود و نصاری جنکا اعتقاد تھا کہ جو حبر و قسیس راہب کہے وہی فرض ہے ان کو اللہ تعالی نے مشرک فرمایا اور کہا
کہ انھون نے معبود بنالیے بقولہ تعالی اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۔ اور اس زمانہ مین بھی نصرانیون
کی یہ کیفیت ہو کہ بڑا پادری و بشپ اکثر سفارش سے روپیہ لیکر دوزخ سے معافی کردیتا ہے اور عام نصرانی اسکی معافی پر معافی کا یقین
کرتے ہین تو انبیاء علیہم السلام کے موافق حضرت شعیبؑ نے قوم کو بتلایا کہ اللہ تعالی کے سوائے تمہارا کوئی معبود نہین ہو اور پیغمبر کا حکم
خود نہین ہوتا بلکہ وہ فرماتا ہے کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہو ۔ سراج مین توحید پر یہ دلیل عمدہ لکھی کہ دیکھو ہزارون پیغمبر گذرے اور ان کے
ملکون مین ہزارون کوس کا فاصلہ اور ان کے زمانون مین ہزارون برس کا فرق تھا مگر سب نے اپنی قوم کو یہی توحید کا اعتقاد
سکھلایا تو یا یقین معلوم ہوگیا کہ ہر ایک سچا پیغمبر تھا اور یہی توحید بیشک برحق ہو جو ان کو اللہ تعالی نے وحی فرمائی ۔ پھر جب انکو تعلیم
کردیا کہ اللہ تعالی عز و جل کا حق ہر حال مین اپنے اوپر فرض جانو اور تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے اسی کو سچ جان کر عمل کرو تو پھر
انکو تعلیم کیا کہ آپس مین تمام مخلوق مین عدل کا برتاؤ کرو اور جو فعل بڑا ظلم بعد شرک کے کرتے تھے اس سے منع کیا بقولہ ۔ وَلَا
تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۔ اور کم مت کرو کیال و میزان مین ۔ فی السراج یعنی ناپ مت اور ناپنے کے برتن مین اور نہ تول
اور تولنے کے باٹ مین ۔ اور ناپ تو یہ ہے کہ کسی برتن سے کوئی چیز با عتبار کمی و زیادتی کے برابری پر اندازہ کی جاوے اور وزن یہ ہو
کہ باٹ سے ہلکے و بھاری ہونے کی راہ سے برابری کی جاوے انتہی ۔ حضرت شعیبؑ نے قوم کو ناپ تول مین کمی سے منع کیا کیونکہ یہ لوگ
باوجود کفر کے یہ بدفعلی بھی کرتے تھے اور انکی عادت تھی کہ جب وہان بیوپاری اناج لاتا تو بڑھتی پیمانہ سے لیتے یا تول کی چیز مین بڑھتی
باٹون سے رواج ظاہر کرتے اور جب خود فروخت کرتے تو چھوٹے پیمانہ اور کم باٹ سے دیتے تھے تو دونون حالتون مین انکو عدل
سے تجاوز کرنے کو منع کیا اور کہا ۔ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ ۔ مین تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہون یعنی اب تو تم نعمت و ثروت رکھتے ہو ایسی
کمی کرنے سے اللہ تعالی کی نعمت پر ناشکری و بندون کو ضرر پہنچانا ہو بلکہ شکرانہ مین بھر پور اور کچھ بڑھتی دینے سے کہے تو بھلا
کمی تو نہ کرو جس سے خدا کے غضب مین پڑو ۔ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۔ اور مجھے تم پر عذاب روز محیط کا خوف
ہے یعنی تم پر ایسا دن نہ آئے جسمین تم کو سب طرف سے عذاب گھیر لے پس یہ دنیاوی عذاب سے خوف دلایا کیونکہ عذاب آخرت کا
خوف بعد ایمان کے ہوتا ہو اور بعض نے کہا کہ مراد عذاب آخرت ہو اور معنی یہ ہین کہ مجھے تم پر اسدن عذاب ہونے کا خوف ہو جو دن
سب کو گھیر لیگا یعنی روز قیامت اور مراد یہ کہ اس دن کے عذاب سے کوئی بدکار مستوجب سزا اسکو چھٹکارا نہ ہوگا اور ابن عباسؓ سے
روایت ہو کہ عذاب سے مراد غلہ کی گرانی ہے جیسے خیر سے مراد ارزانی ہے پس معنی یہ ہونگے کہ مین اب تم کو سستے بھاؤ مین آسودہ
دیکھتا ہون تو ڈنڈی نہ مارو یا دھوکا نہ کرو کہ مجھے تم پر قحط و کال کا خوف ہے بعض نے کہا کہ ابن عباسؓ کی مراد یہ ہو کہ اسوقت خیر و
بہتری مین ہو ارزانی و ارزانی ہو اور تم پر خوف عذاب کا ہو جسکی صورتون مین سے گرانی سے ہلاکت بھی ہے پھر ان کو تاکید فرمائی
بقولہ ۔ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۔ اور اے قوم تم پورا دو ناپ و تول کو عدل کے ساتھ ۔ پہلے تو لوگون کو

کمی کرنے سے منع فرمایا اور اب انکو بغیر کمی بیشی کے پورا دینے کا حکم دیا تو بیان میں خوب اہتمام ہوگیا اگرچہ حدیث میں جھکتا ہوا حق دینے
پر فضیلت آئی ہے لیکن حضرت شعیب نے ایسی قوم کو ہدایت کی جو کم دینے پر عادی تھے تو انکا پورا دینا اول مقصود تھا کیونکہ واجب اسبقہ
ہے علاوہ اسکے یہ قوم جاہل تھی اور بعض صورتوں سے بڑھتی دنیا بھی منع ہے اور وہ ان سب صورتوں میں ہے جنمیں سود ہوتا ہے
اور تمام مقام کو کتاب الربوا فتاوی ہندیہ سے معلوم کر دلہذا ان کو حق واجب پر چھوڑا کیونکہ بعضے ثواب کی بات جس سے خوف ہو کہ آخر
گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا تو ایسی بات کو چھوڑنا ثواب ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے پھر اور زیادہ انکی سمجھ کو اوپر چڑھایا اور
کل چیزوں میں اعتدال سے ہٹنے کو منع فرمایا ۔ بقولہ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ ۔ اور لوگوں کے ساتھ انکی چیزوں میں کمی
نہ کرو یعنی ناپ تول کی چیزیں ہوں یا کوئی اور ہوں کسی میں گھاٹ نکرو ۔ حدیث میں ملونی کرنا اناج میں اسطرح حرام کیا کہ من غش
فلیس منا ۔ جیسے اناج میں ملونی کرکے یا تری دیکر گھاٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے بعض احادیث میں ہر چیز میں اور ہر معاملہ
میں خیانت و گھاٹ کرنیکی صورت میں یہی وعید فرمائی ہے کیونکہ ایسی حرکتوں کا فساد تمام ملک میں پھیل جاتا ہے لہذا قوم کو نتیجہ سے
منع کیا اور کہا ۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ اور فسادی مفسد ہو کر زمین میں بگاڑ نہ کرتے پھرو ۔ اور خضر علیہ السلام نے جو
یتیموں کی کشتی توڑ ڈالی تھی وہ بغرض فساد نہ تھی بلکہ ؎ صد درستی در شکست خضر ہست ؛ وہ بگاڑ نہ تھا بلکہ اس بگاڑ میں ہزار
بناؤ تھے ۔ اسی طرح چور کو یا رہزن کو سزا دینا یا خونی کو قصاص دینا کچھ فساد نہیں بلکہ بالکل اصلاح ہے ایسے ہی شریعت موسی
علیہ السلام میں اور شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد کا حکم بالکل اصلاح ہے اور جو شبہ کرتا ہے اسکو ابھی تک جہاد کے معنی ہی
معلوم نہیں ہیں اور ہم نے سابق میں تفصیل کر دی ہے بَقِيَّتُ اللّٰهِ ۔ رسم الخط قرآنی میں صرف اسی مقام پر بقیت کو تار کشیدہ سے لکھا
جاوے ۔ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ جو اللہ تعالی نے باقی رکھا وہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے ۔ ابن جریر وغیرہ مفسرین نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ ناپ
تول تجارت میں ہر حقدار کا حق پورا دینے کے بعد جو نفع حلال تمہارے لیے اللہ تعالی نے مقدر فرمایا وہ گھاٹ کرنے اور کم دینے سے
تمہارے حق میں بہتر ہے اسمیں تمہارے لیے برکت و خوبی ہے ۔ مجاہد نے کہا کہ بقیۃ اللہ کے معنی اللہ تعالی کی بندگی و فرمانبرداری کرنا ۔
ربیع نے کہا کہ وصیت الہی ۔ اقول یہ کلام عمدہ و دقیق ہے کیونکہ فرمانبرداری سے آدمی حلال کما دیگا تو اسمیں برکت ہوگی اور آئندہ
کا ثواب آخرت میں بہت زیادہ ہوگا مانند قولہ تعالی والباقیات الصالحات خیر عند ربک الآیۃ ۔ ابن عباس نے کہا کہ بقیۃ اللہ یعنی
رزق الہی ۔ قتادہ نے کہا یعنی پروردگار کی طرف سے تمہارا نصیب ۔ اگر کہا جاوے کہ حضرت شعیب کی نصیحت سے قوم کا اس حکم پر فرمانبرداری
کرنا ان کے لیے کیونکر مفید و بہتر ہوگا جب تک ایمان نہ لاویں تو جواب یہ کہ اسیواسطے آگے فرمایا ۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اگر تم مومن ہو
یعنی یہ سب اس شرط سے بہتر ہوگا کہ تم ایمان لاؤ کیونکہ برکت و ثواب و نجات حاصل ہونے کیلیے ایمان شرط ہے ۔ کذا فی البیضاوی بعض نے
کہا کہ حرف ان بمعنی اگر یہاں شرطیہ نہیں بلکہ نیکی پر بڑھاوا دینے کے طور پر ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو کہے کہ اگر تم ہمارے بیٹے ہو تو یہ سبق
جھٹ پٹ یاد کر ڈالو حالانکہ کچھ شک نہیں کہ وہ بیٹا ہے اور یقینی بات پر اگر بولتے ہیں ۔ اقول یہ قول کچھ ٹھیک نہیں کیونکہ ابھی انکا ایمان لانا
اور شعیب کو سچا جاننا ظاہر نہیں ہوا بلکہ جواب انکا برخلاف ہے اور خود شعیب نے فرمایا ۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۔ اور میں تم پر کچھ بھی
حافظ نگہبان نہیں ہوں یعنی میں اس بات کا نگہبان و ذمہ دار نہیں کہ تم کو گناہوں میں پڑنے سے بچاؤں اور تمہارے سب کام
نیک اوپر رکھوں بلکہ مجھ پر فقط نصیحت فرض ہے سو میں نے پوری کر دی چاہو مانو بہتر ہوگا اور نہ مانو تو تمہارا حساب تمہارے پروردگار کے

تضمین ہو یا یہ معنی کہ مین تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتون کا نگہبان نہین ہون جبکہ تم بداعمالیان نہ چھوڑو یعنی ڈرو کہ اگر بدفعلی نہ چھوڑو گے تو شاید تم پر عذاب آوے کہ تم اور تمہاری نعمتین سب فنا ہو جاوین اور پھر تم ہمیشہ کیلئے عذاب مین پڑے رہوگے مین تمہارا نگہبان نہین ہو سکتا ہون ف۔ فی العرائس قولہ تعالیٰ انی اراکم بخیر وانی اخاف علیکم۔ خیر سے دنیا کی بھلائیان مراد ہین جو استدراج کا محل ہوتا ہے اور استدراج یہ ہے کہ دنیاوی نعمتون کو دیکھکر آدمی یہ خیال کرے کہ مین اپنی خوبی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہون کہ مجھے اسقدر نعمتین عطا فرمائی ہین حالانکہ اکثر ہوتا ہے کہ بدکار و فاجر جسکے حق مین آخرت کا عذاب شدید ہے دنیا مین وہ سب کچھ دیا گیا اور اس نے جنہیں پاسنے آخرت برباد کردی پس یہ چیزین محل استدراج و امتحان ہین اور اگر شعیبؑ ان لوگون مین آخرت کی بھلائی دیکھتے تو ان پر خوف نہ کرتے اور جو لوگ کہ عارف ہین جب اپنے آپکو اونچے درجون و بلند مقامات و استقامت پر دیکھتے ہین تو انکا خوف بہت زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ انکو معلوم ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ غیور ہے پس اسکے سامنے حوادث کو بلندی و استقامت نہین ہو سکتی مگر بقا رالحی القیوم اسیواسطے دیکھو آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انا اعلمکم باللہ واخوفکم منہ۔ کما فی الصحیح یعنی صحابہؓ کو کسی بات میں اپنی پیروی سے بڑھ چلنے کو منع کرنے مین سمجھایا کہ مین تم سب سے اللہ تعالیٰ کی شان کا عارف ہون اور اس سے بہت زیادہ خوف رکھتا ہون۔ پس دیکھو کہ زیادہ عرفان پر زیادہ خوف فرمایا بعض مشائخ نے کہا کہ ایمان والے کو اپنے اوپر ہر حال مین استدراج کا خوف ہوتا ہے لیکن اسوقت زیادہ ہوتا ہے جب وہ آرام و آسائش مین ہو اور برابر اسپر نعمتین آتی جاتی ہون جیسے اس آیت سے ظاہر ہے بعض مشائخ نے کہا کہ قولہ انی اراکم بخیر یعنی مین تم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتون مین دیکھتا ہون۔ قولہ وانی اخاف علیکم اور مین تم پر خوف کرتا ہون کہ تم ناشکری کرکے برباد نہ ہو بقیت اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین یعنی اگر تم ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ کا قرب و درجات و کرامات و خاصہ نعمتین جنت جو خیالات بشری سے باہر ہین تمہارے لئے اس سب سے بہتر ہین بلکہ ان سے اور آخرت سے کچھ نسبت نہین لیکن قوم کے لوگ دنیا کو اچھا سمجھتے تھے اس لئے ان سے بہتر بتلایا پھر قوم مردود کا جواب سنو۔

قَالُوا يٰشُعَيۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ

بولے اے شعیب تیرے نماز پڑھنے نے تجکو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دین جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دین کرنا

فِىۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنۡتَ الۡحَـلِيۡمُ الرَّشِيۡدُ ۝

اپنے مالون مین جو چاہین تو ہی بڑا باوقار ہے نیک چال والا

قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ قوم کے سردار بولے کہ اے شعیب اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ۔ کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا۔ ہم اسکی عبادت چھوڑ دین جسکو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے یعنی بتون کی عبادت ہمارے باپ دادے بڑے رتبہ والے بزرگ جیسے اب کہان ہو سکتے ہین برابر کرتے چلے آئے اب تو نے ایک نئی نماز پڑھکر یہ نکالا کہ ہم ان بزرگون کی راہ چھوڑ دین۔ اسنے کہا کہ شعیب نماز بہت پڑھتے تھے تو قوم نے طعنہ دیا حالانکہ قوم والے نماز کو اچھا نہین جانتے تھے بعض نے کہا کہ نماز سے یہان شریعت مراد ہے یعنی تیری شریعت حکم دیتی ہے اعمش نے کہا کہ تیری قراۃ۔ لیکن اصلی ظاہر معنی سے تاویل کی کچھ ضرورت نہین معلوم ہوتی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ طعنہ سے کہا کہ تیری نئی نماز نے تجھے سمجھایا کہ تو ہم کو منع کرے کہ ہم اپنے باپ دادون کی راہ سے خلاف کرکے بتون کی عبادت چھوڑ دین اور خالی تیرے کہنے پر ایک معبود وحدہ لاشریک پر ہو رہین

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۔ یا اپنے مالون مین جس طرح ہمارا جی چاہتا ہی تصرف کرتے ہین اسکو چھوڑ دین ۔ پہلا قول تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کا جواب تھا اور یہ جواب انکی تطفیف سے منع کرنے کا ہی اور حرف یا بیان اور کے معنی مین ہی اور ایک قراءۃ مین او ان تفعل بتا اور ما تشاء آیا ہی اور معنی یہ کہ تیری نماز حکم دیتی ہی کہ تو ہمارے مالون مین وہ کرے جو تیرا جی چاہے یعنی ہم کو اپنی خواہش پر نکر سکین یا طعنہ دیا کہ نماز پڑھکر ہمارے مالون مین خواہش و دخل دیتا ہی اور باتون باتون مین چاہتا ہے کہ ہمارے مالون مین جو تیرا جی چاہے تصرف کرے ۔ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۔ تو بیشک سیدھا سادا ہے ابن عباس و دیگر علماء مفسرین نے کہا کہ یہ لفظ ٹھٹھول کے طور پر کہتے تھے حلیم درحقیقت وہ شخص ہی جو مخالفات مین تحمل کرے اور مکروہات کو برداشت کرے اور رشید وہ ہی جو نیک چال چلن ہو ۔ حسن بصری رح نے کہا کہ ہان واللہ حضرت شعیب کو ان کی نماز یہی حکم کرتی تھی کہ کفار قوم بت پرستی چھوڑ دین یعنی اور ناپ تول مین کمی کرنا چھوڑ دین اقول یہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ یعنی نماز ہمیشہ روکتی و منع کرتی ہی ایسی باتون سے جو فحش ہین اور اس بات سے جو شرع مین انکار کی گئی ہی پس صحیح ہوا کہ شعیب کی نماز انکو آمادہ کرتی تھی کہ قوم کو نہی از منکر اور امر معروف کرین ۔ ثوری رح نے کہا کہ قولہ ان نفعل فی اموالنا ما نشاء یعنی زکوۃ ادا کرین ۔ اقول یہ تفسیر بقراءۃ دوم یعنی بتا صیغہ خطاب ہے یعنی عطف ان نترک پر ہوا بعض نے کہا کہ قولہ انک لانت الحلیم الرشید یعنی اپنے نزدیک اپنے اعتقاد مین تو حلیم و رشید ہے پس طعنہ دیا کہ تو بہت جلد توحید کرنے کو کہتا ہی بتون کی عبادت و تطفیف سے منع کرتا ہے وہ تیرے اعتقاد حلم و رشد کے خلاف ہی بعض نے کہا کہ قوم انکو حلیم و رشید جانتی تھی مگر کہا کہ تم ایسے ہو تو قوم کی مخالفت دین و اعتقاد مین تم پر شاق نہ ہونا چاہیے ۔ اور اصح یہی ہی کہ قوم نے شعیب پر بدگمانی کی کہ باتون سے ہمارے مالون مین دست درازی کرنا چاہتے ہین چنانچہ جواب دلالت کرتا ہی قولہ

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھکو سوجھ بوجھ ملی اپنے رب کی طرف سے اور اسنے روزی دی مجھکو نیک روزی اور

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ

مین نہین چاہتا کہ پیچھے آپ کرون جو کام تم سے چھڑاؤن مین تو چاہتا ہون یہی سنوارنا جہان تک ہو سکے

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝

اور بن پاتا ہے اللہ سے اسی پر مین نے بھروسا کیا ہی اور اسیکی طرف رجوع ہون

قَالَ يٰقَوْمِ شعیب نے جواب دیا کہ اے قوم ۔ اَرَءَيْتُمْ مجھے آگاہ کرو کہ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ اگر مین اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی حجت و بیان و ہدایت و بینائی پر ہون جس سے تم کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتا ہون ۔ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا اور اس نے مجھے رزق دیا اپنی طرف سے یعنی خزانہ غیب سے بلا کسی ایسے فعل کے جو جائز نہ ہووے ایسا رزق کہ وہ اچھا یعنی حلال و فراخ ہے جسکی وجہ سے ہوتے ہوئے مجھے تمہارے مالون کی طرف کچھ بھی حاجت نہین ہی تو ایسی صورت مین بھلا مجھکو کب روا ہی کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرون کہ تم کو نہ سمجھاؤن اور وحی الٰہی کی تعمیل نکرون یا یہ معنی کہ اے قوم مجھے بتلاؤ کہ بھلا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے حجت واضحہ بوحی عطا فرمائی جسمین گمان و وہم کو کچھ دخل نہین تو مین علم الیقینی پر ہون تو تم نے کیونکر طعن کیا کہ تو حلیم ہی اور تمہارا مطلب یہ ہی کہ تو بیوقوف ہی خلاصہ یہ کہ جو شخص

اسطرح علم یقینی از جانب حق تعالیٰ رکھتا ہو اور نور یقین سے اسکو بصیرت و بینائی حاصل ہو تمہین کہو کہ وہ کیونکر گمراہی و جہالت پر
ہوسکتا ہو اور جسکو اللہ تعالیٰ نے مال حلال فراخی کے ساتھ دیا ہو تمہین کہو کہ وہ کیونکر پرائے مال پر ہاتھ بڑھادیگا تو پھر تم کیا طعنہ دیتے ہو
کہ تو رشید ہے یعنی نیک چال چلن کہکر یہ مطلب لیتے ہو کہ تیرا چال چلن اچھا نہین کہ تو ہم کو یہ حکم دیتا ہو کہ لوگون کے مال مین کمی نکرو حالانکہ
تو در پردہ ہمارے مالون مین تصرف کرنا چاہتا ہو اور ظاہر مین کچھ کہتا اور باطن مین اسکے خلاف کرتا ہو لہذا فرمایا ۔ وَمَا أُرِيدُ أَنْ
أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۔ اور میرا یہ ارادہ نہین ہو کہ جس کام سے تمکو منع کرتا ہون اسی کام کی طرف تم سے مخالفت
کرکے جاؤن ۔ زجاج نے کہا یعنی ایسا نہین ہون کہ جس کام سے تم کو منع کرون خود اسی کو کرون بلکہ جو بھلائی کی راہ اپنی ذات کیلئے
پسند کرتا ہون وہی تم کو نصیحت کرتا ہون اور میرا علم یقینی بوحی الٰہی ہو ۔ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ ۔ مین نہین چاہتا مگر اصلاح کردینا تاکہ
تمہارے اعتقاد و معاملات مین سے فساد دور ہوجاوے ۔ مَا اسْتَطَعْتُ ۔ جہانتک مجھسے ممکن ہے ۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۔ اور مجھے
کچھ توفیق نہین مگر بقوت و طاقت الٰہی یعنی مین اصلاح اپنی طاقت بھر چاہتا ہون لیکن مجھے یہ طاقت پوری جبھی ملیگی جب اللہ تعالیٰ
عطا فرمادے اور صلاح کے جسقدر سامان ہین وہ پورے کردے ۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۔ اسی پر مین نے بھروسا کیا یعنی سب کام جنمین تمہاری
اصلاح بھی ہو سب کی کوشش خوب کرتا ہون لیکن نظر میری اللہ تعالیٰ پر رہتی ہو اسی پر بھروسہ رکھتا ہون کہ یہ کام پورا کردے
وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۔ اور اسی کی طرف رجوع لاتا ہون کہ اے رب میرے مجھے کچھ قوت و طاقت نہین ہے تو ہی اپنے فضل سے
پورا کرادے ۔ مسئلہ ۔ تدبیر کرنا اور کام مین کوشش کرنا جہانتک ممکن ہو کوئی فریب خیانت نکرنا جو منع ہو یہ آدمی پر واجب ہو اور
کافر بھی یہی کرتے ہین لیکن مسلم و کافر مین صرف یہ فرق ہوتا ہو کہ اس کوشش مین کافر کی نظر اپنی طرف یا غیر اسباب کیطرف
ہوتی ہے اور مسلم کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے پس اسی نظر کا نام توکل ہو تو جب یہ کام پورا ہوا تو کافر اپنی کوشش پر خوش
ہوکر اسکی تعریف کرتا ہو اور مسلم اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اگر یہ کام پورا نہ ہوا تو کافر کہتا ہو کہ اگر یون ہوتا تو ہو جاتا اور
ایسا نہ ہوا ورنہ پورا ہوتا اور رنجیدہ ہوکر افسوس کرتا ہو ولیکن مسلم جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ تھی لہذا وہ کچھ رنج نہین
کرتا اور خوشی سے پھر کوشش کرتا ہے بعضے لوگون نے تقدیر و توکل کے یہ معنی سمجھے کہ خاموش آرام کرو اور کاہل و مجہول ہوکر بیٹھ
رہو کچھ کوشش مت کرو حالانکہ یہ بہت بڑی بات ہو کیونکہ تقدیر تو علم الٰہی ہو بندہ کو اس سے کچھ بحث نہین مگر اسقدر کہ مقدر ہوگا
ہو جاویگا ورنہ نہین لہذا جو مجہول لوگ کہا کرتے ہین کہ ہم کچھ تدبیر و کوشش نہین کرتے ہم تو توکل کئے ہین یا ہم تو اپنی تقدیر
پر شاکر ہین یہ لوگ جاہل بلکہ گنہگار ہین انکو کچھ علم نہین اور نہ آج تک توحید و توکل کے معنی سمجھے ہین اور ناحق اسلام کا نام بدنام
کرتے ہین فی اللہ تعالیٰ ہو الحافظ لدینہ القویم ۔ تفسیر ابن کثیر رح مین اس آیت کی تفسیر مین ہو کہ قولہ رزقنی منہ رزقا حسنا بعض نے
کہا کہ رزق حسن سے مراد نبوت ہو اور بعض نے کہا کہ رزق حلال اور احتمال دونون باتون کا ہے ۔ قولہ ما ارید ان اخالفکم ۔ ثوری
نے کہا کہ یہ معنی ہین کہ یہ نہین ہو کہ مین تم کو ایک کام سے منع کرون اور مین پوشیدہ تم سے اسکو عمل مین لاؤن اور ایسا ہی
قتادہ سے مروی ہو پھر شیخ نے مسند امام احمد سے اس مقام کے مناسب ایک حدیث حکیم بن معاویہ سے روایت کی کہ
حکیم نے کہا کہ میرے باپ معاویہ نے بیان کیا کہ میرے بھائی مالک نے مجھ سے کہا کہ اے معاویہ میرے پڑوسیون کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے گرفتار کرلیا ہے سو تو میرے ساتھ آنحضرت صلعم کے پاس چل کہ آنحضرت تجھ سے باتین کرچکے اور تجھکو پہچان چکے ہین پس میرا بھائی

کے ساتھ گیا اُسنے آنحضرت صلعم سے کہا کہ میرے لئے میرے پڑوسیون کو چھوڑ دیجئے وے مسلمان ہو چکے ہین آپنے منھ پھیر لیا تو میرا بھائی
غصہ مین اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا کہ واللہ اگر آپ ایسا کرینگے تو لوگ گمان کرتے ہین کہ آپ ہم کو ایک بات کا حکم دیتے ہین اور خود اسکے
خلاف کرتے ہین آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اُنھون یہ بات لوگون نے کہی ہو اگر مین ایسا کرون تو اسکا وبال مجھی پر ہوگا ان پر اسمین سے
کچھ وبال نہین ہو پھر فرمایا کہ اسکے پڑوسیون کو اسکے واسطے چھوڑ دو۔ دوسرے طریق سے اس روایت کو نقل کیا اسمین ہو کہ میری قوم
کے بعض لوگون کو آنحضرت صلعم نے ایک بات کی تہمت مین گرفتار کرکے قید کیا پس یہ شخص آنحضرت صلعم کے پاس ایسے وقت آیا
کہ آپ خطبہ پڑھتے تھے اور کہا کہ یا حضرت میرے پڑوسی کس جرم پر گرفتار ہین اور کہا کہ بعضے لوگ کہتے ہین کہ آپ ایک بات کا حکم
دیتے ہین اور خود اسکے خلاف کرتے ہین پس آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہین پس مین نے بیچ مین سے بات کاٹ دی اس
خوف سے کہ ایسا نہو آنحضرت صلعم اس بدوی گنوار کی بات پر رنجیدہ ہو کر میری قوم پہ بددعا کرین کہ پھر کبھی اس قوم کو فلاح نہو
لیکن آنحضرت صلعم نے برابر پوچھا یہان تک کہ صاف ظاہر ہوگیا مگر اسی قدر فرمایا کہ اُنھون کیا یہ بات کہتے ہین یا کہا کہ ان مین ایسا
کہنے والا بھی ہو اور واللہ اگر مین ایسا کرتا تو مجھی پر اسکا وبال ہوتا اور ان پر کچھ نہ ہوتا پھر فرمایا کہ اسکے پڑوسیون کو چھوڑ دو۔ اقول
اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ جو کوئی اورون کو ایک بات کا حکم کرے جسکو وہ اسکے کہنے سے عمدہ و بہتر خیال کرین اور یہ اسکے برخلاف
عمل مین لاوے تو اس شخص پر وبال ہوگا مترجم کہتا ہے کہ دین کی نیک بات جو پہلے سے معلوم ہے دوسرے کو اسپر آمادہ کرنا اگرچہ
خود نہ کرتا ہو بعضے علماء کے نزدیک ضرور ہو کیونکہ یہ تو فقط بھولے کو یاد دلانا ہوتا ہو اور اُسکا نیکی ہونا تو پہلے سے معلوم ہو اور تمام
تفصیل فتاوی ہندیہ مین ہو۔ بیضاوی نے اس جواب کے فوائد مین کہا کہ اس طریق سے جواب مین بہت بڑی تنبیہ ہو کہ عاقل کو واجب
ہے کہ ہر امر مین تین حقوق سے ایک لحاظ رکھے انمین سب سے بڑھکر حق الٰہی ہو اور دوم حق نفس ہو اور سوم حق مخلوق ہو اور لکھا کہ
قوله علیه توکلت یعنی مین نے اسی پر بھروسا کیا کیونکہ اسی کو ہر چیز پر قدرت ہو اور جو کچھ اسکے سوا ہے ہر یعنی مخلوقات تو وہ اپنی ذات
مین بے شبہہ عاجز بلکہ نابود ہو اور اسمین خالص توحید کی طرف اشارہ ہو اور جسکو یہ علم بالیقین حاصل ہوا اسکو وجود کے اعلیٰ مرتبہ کا علم
ہوگیا اور قوله والیه انیب۔ اور مین اسی کی طرف راجع ہوتا ہون اسمین اشارہ ہو کہ آنحضرت علیه السلام کو جیسے مبدء کا پورا علم حاصل تھا
ویسا ہی معاد کا پورا علم تھا کیونکہ انجام سب کا اپنے خالق کی طرف رجوع ہو پھر لکھا کہ تمام کلام مین ایک تو اللہ تعالیٰ سے ہر کام مین
ٹھیک راہ صواب حاصل ہونے کی توفیق مانگی اور تمام امور مین اسی کی استعانت چاہی اور بالکل دل و جان سے اسی کی طرف رجوع
کیا اور دوم کافرون کی طمع توڑ دی اور سوم ظاہر کیا کہ کافرون سے بالکلیہ فارغ و بیفکر ہین کچھ انکی دشمنی کی پروا نہین کرتے
اور چہارم اُن کو خوف دلایا کہ پیغمبر ان کے ہاتھ سے ایذا پا کر جب اللہ کی طرف رجوع لایا تو سزا مین گرفتار ہونگے فت۔ وفی العرائس
قوله وما ارید ان اخالفکم الی ما انھٰکم عنه۔ یاد رکھو کہ اہل صدق و صفا کو مخلوق سے کسی سبب دنیاوی مین عداوت و بغض نہین ہوتا صرف
جبھی غصہ آتا ہے کہ جب سے طریقہ سنت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کرین اقول صحیح حدیث مین ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم کسی بات مین
کسی آدمی پر غضبناک نہوتے لیکن جب کوئی شخص شرع کی ہتک حرمت کرتا تو نہایت غضبناک ہو جاتے تھے۔ قال الشیخ اور اہل
صدق کبھی مخلوق سے دل نہین ملاتے مگر جبھی کہ وے لوگ اپنی نفسانی خواہش کو ترک کردین اور جو کچھ انکو نصیحت کرتے ہین وہ محض
شفقت سے ہوتی ہو۔ شیخ ابوعثمان نے فرمایا کہ وہ واعظ کچھ نہین ہو جو خالی زبان سے نصیحت کرے اور اُسپر خود عمل کرنا نہ دکھلاوے

قولہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت یعنی میری عقل و نیت مین جو قوت از جانب حق عزوجل ہے اس سے مین تمھاری بھلائی چاہتا ہون لیکن ہدایت یعنی نیک راہ پر ہوجانا اور توفیق میرے قبضۂ قدرت مین نہین ہے اور مجھے یہ طاقت نہین کہ جو حکم تم پر ازل مین جاری ہوچکا ہے یعنی گمراہی و بدبختی اس سے تم کو نکال لون۔ قولہ وما توفیقی الا باللہ یعنی اگر مجھے نبوت و دلالت حاصل ہوئی تو میرے صفات کی نہین ہے بلکہ ازل مین حق عزوجل نے اپنے علم قدیم سے مجھے اسطرح سرفراز فرمادیا ہے علیہ توکلت۔ اُسی پاک معبود عزیز قوی قدیر سے مجھے سکون ہے کسی دوسری چیز سے نہین ہے اور جو اُسنے اپنے فضل عمیم سے وعدہ فرمایا اسپر مجھے پورا اعتماد ہے۔ والیہ اُنیب مشتاق ہو کر اُسی کی طرف رجوع لاتا ہون۔ بعض مشائخ نے قولہ ان ارید الا الاصلاح الآیۃ مین کہا کہ میرا مقصد تمھاری درستی ہے بشرطیکہ توفیق الٰہی مدد فرمائے اور خود مجھے ایسی قدرت نہین ہے مگر جبھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو۔ شیخ نہرجوری نے توفیق کے یہ معنی بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک عنایت بندہ کو خود بخود پہونچتی ہے جسمین کوئی سبب نہین ہوتا اور نہ بندہ کی طلب ہوتی ہے حضرت جنید نے توکل کے یہ معنی فرمائے کہ اگر بندہ کو سخت ضرورت لاحق ہو تبھی اسکا دل کسی سبب کی طرف مضطر ہو اور حق عزوجل کے ساتھ تسکین سے ٹھہرے ہونے سے جنبش نکرے انتہی ما فی العرائس۔ واضح ہو کہ تفسیر الجافظ مین اس مقام کے فوائد مین احادیث و آثار نقل کیے از انجملہ ابو سلیمان الضبی نے کہا کہ ہمارے پاس عمر بن عبدالعزیز خلیفہ وقت کے خطوط آتے جنمین وہ ہم لوگون کو نیک کامون کے کرنے اور بُرے کامون سے بچنے کا حکم و نصیحت لکھا کرتے اور آخر مین لکھتے کہ اس سب نصیحت کے بعد مین وہی کہتا ہون جو بندۂ صالح حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا تھا کہ ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔ اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے مصنف مین روایت کیا ہے مسروق نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ آپ عورتون کو بالون مین بال جوڑنے سے منع فرماتے ہو فرمایا کہ ہان بیشک۔ اُسنے کہا کہ آپکی بعض عورتون نے خود ایسا کیا تو فرمایا کہ ایسی صورت مین بندۂ صالح حضرت شعیبؑ کی وصیت ما ارید ان اخالفکم الیٰ ما انہاکم عنہ کو یاد نہین کیا۔ مترجم کہتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جو تو کہتی ہے یہ نہین واقع ہوا کیونکہ مجھے حضرت شعیب کی وصیت یاد ہے تو اگر میرے یہان خود ایسا ہوتا تو مین اُسکے برخلاف تم عورتون کو منع نہ کرتا۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر شیخ حافظ نے ایک حدیث اس مطلب کے لیے ذکر کی کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی طرف سے ایسی بات روایت کرے جو آپکی شان کے لائق نہین ہے تو قطعاً جان لو کہ راوی جھوٹا کذاب ملعون ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تم ایسی حدیث مجھ سے روایت کی ہوئی سنو جس سے تمھارے دل اُنس کرین اور تمھارے رونگٹے نرم ہوجاوین یعنی دل پر اچھا اثر پیدا کرے اور تم دیکھو کہ تم سے یہ بات قریب ہے تو جان لو کہ وہ بات مجھ سے بنسبت تمھارے اور زیادہ قریب ہوگی یعنی بیشک وہ میری طرف سے صحیح ہے اور جب تم مجھ سے ایسی حدیث کی روایت سنو کہ تمھارے دل اس سے انکار کرین و تمھارے رونگٹے و کھالین اس سے نفرت کرین اور سمجھو کہ تم سے ایسی بات ہونا بعید ہے تو یقین جانو کہ وہ مجھ سے بہت ہی دور ہے۔ رواہ احمد و قال الشیخ واسنادہ صحیح۔ مترجم اسکی مثال ذکر کرتا ہے کہ صحاح کے سوائے بعض نیچے درجہ کی کتابون مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت جبرئیل سے شکایت کی کہ میری قوت باہ بہت کمزور ہوگئی ہے تو جبرئیل نے آپکو ہریسہ کھلانے کو بتلایا۔ مترجم کہتا ہے کہ نقاد محدثین نے صریح تنبیہ کردی کہ یہ روایت بالکل موضوع و باطل ہے اسکی کچھ اصل نہین ہے اور سند بتلا دیا کہ اس روایت کو جن لوگون نے بسلسلہ پہونچایا انمین فلان و فلان راوی جھوٹے بیباک لوگ تھے۔ مترجم کہتا ہے کہ راویون کے فاسق ہونے سے تو ظاہر ہی ہوگیا کہ روایت بناوٹی ہے اور اسکے حکم حدیث مسند صحیح ذکر کولیے بالا ابھی معلوم ہوا کہ یہ بات عالم ربانی سے

بعید ہے تو شان نبوت سے بالکل دور ہے دو وجہ سے ایک تو یہ شہوت کی جستجو ہے جسکا نتیجہ آخرت میں کچھ باقی نہیں مگر بواسطہ۔ دوم یہ کہ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے پاک طاہر جامع کمالات بشری پیدا فرمایا تھا جہاں کسی عیب کو دخل نہیں دیا چنانچہ آپ سامنے آنکھوں سے جیسے دیکھتے ویسے ہی سر کی پشت سے دیکھتے تھے اور بعض صحابہ کی آنکھ جو بہا دین تیر کے زخم سے نکل پڑی تھی اپنا لب لگا کر دوبارہ حلقہ میں جما دی جس سے وہ نہایت بڑھاپے میں مرتے وقت تک ویسا ہی روشن دیکھتے تھے اور چالیس جوان زبردست قوی سے بڑھکر آپکو جماع کی قدرت تھی جیساکہ صحیح میں ثابت ہے تو پھر اس روایت موضوع کا کچھ بھی نشان ہے اور یاد رکھو کہ اگر کسی عالم نے اس روایت کو لکھکر اسکی کچھ توجیہ تاویل بیان کی تو اس عالم کو معلوم نہوا کہ یہ روایت موضوع ہے اور عالم کیسا ہی بزرگ عابد و زاہد تہجد گزار ہو وہ کچھ نبی نہیں ہوتا ہے پس جب ہم نے جان لیا کہ آنحضرت صلعم کو حضرت خالق عزوجل نے ہر عیب سے پاک معجزہ پیدا فرمایا تھا حتی کہ بڑھاپے کی سپیدی نہیں ظاہر فرمائی تو یہ عیب بالکل دور تھا پھر اسکا علاج ڈھونڈھنا جو کہے اسپر لعنت ہے کیونکہ اسنے پیغمبر افضل علیہ السلام پر تہمت باندھی و اسکے حکم کے برخلاف کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر حضرت شعیب نے اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈرایا۔ کما فی قولہ۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ
اور اے قوم نہ کمائیو میری ضد کر کر یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ پڑا قوم نوح پر یا قوم

هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا
ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط تم سے دور نہیں اور گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور اسکی طرف

اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝
رجوع لاؤ البتہ میرا رب مہربان ہے محبت والا

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ۔ لا یجرمن صیغہ نہی بنون تاکید از جرم یجرم اور ابن کثیر سے ایک قرأت اجرم یجرم سے مروی ہے ولیکن بیضاوی نے کہا کہ فصحا کی زبان پر اسکا دوران کمتر ہے لہذا الفت فصیح وہی اول ہے اور یہ فعل متعدی بیک مفعول در بدو مفعول آتا ہے یہاں اسکا دوسرا مفعول لفظ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ ہے اور جرم کے معنی کسب سے لا یکسبنکم یعنی تم کو کمواندیوے یہ قول زجاج ہے۔ قتادہ رح نے کہا اسے لایحملنکم یعنی تم کو آمادہ نہ کرے یہی مجاہد و سدی رح سے مروی ہے اور اسی کو ابن کثیر نے اختیار کیا۔ شقاق عداوت بقول زجاج اور یہی سدی و مجاہد سے مروی ہے اور قتادہ رح نے معنی فراق بیان کئے اور یہ بول چال ایسے وقت میں ہے کہ ایک دوسرے سے پھٹ چلے اسطرح کہ ایک تو ایک شق و طرف اختیار کرے اور دوسرا اسکی عداوت سے دوسری طرف پھٹ جائے اور اصل یہ پہنچا یعنی اور اے قوم نہ کمائی کرا دے تمکو میری عداوت یہ کہ تم کو پہنچے مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ۔ ایسا ہی عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح کو یعنی طوفان میں غرق ہوئے۔ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ یا قوم ہود کو یعنی ہوا کے طوفان سے ٹکرا کر مرے اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ۔ یا قوم صالح کو کہ سجیل پتھروں سے ہلاک ہوئے الحاصل قوم کو نصیحت کی کہ تم مجھ سے عداوت کر کے چھٹے پھٹے نہ چلو اور اپنے گناہوں پر ہٹ نکرو ایسا نہ ہو کہ ایسی حرکت سے ان قوموں کو جو عذاب پہونچا ویسا ہی تم کو پہونچے اور تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے خوب واقف ہو اگرچہ انکو کچھ زمانہ گذرا تو ان سے عبرت پکڑو۔ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ۔ اور قوم لوط تو تم سے دور نہ تھی۔ قتادہ رح نے کہا یعنی یہ قوم ایسی ہٹ گناہ پر کرنے اور پیغمبر سے مخالفت کرنے سے ابھی کل کی بات ہے کہ تمہارے روبرو ہلاک ہوئی یعنی انکو تباہ ہوئے کچھ زمانہ نہیں گزرا۔ اور بعض نے کہا

کہ اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہ تھیں۔ قال الحافظ رح کلام میں دونوں باتوں کا احتمال ہے یعنی قوم لوط تم سے بہت قریب تھی نہ انکا زمانہ دور تھا اور نہ انکی بستیاں تم سے دور تھیں عربی زبان کے موافق بعید صیغہ واحد کی جگہ بعیدین صیغہ جمع باعتبار کثرت افراد قوم کے اسواسطے نہیں فرمایا کہ مراد اہلاک قوم ہے یعنی ہلاک کیا جانا قوم لوط کا تم سے دور نہ تھا پس ہلاک کا لفظ دل میں سمجھا ہوا ہے اور قوم کثیر کا لفظ سنایا تاکہ اچھی طرح ہولناک ہوں کہ وہ ہلاک اس قوم کثیر جبار لاکھ پر طاری ہوا تھا اس لطیفہ بلاغت کو غور سے سمجھ لو جب حضرت شعیب نے ان کو انکا خوفناک انجام سنا دیا۔ تو پھر عذاب واقع ہونے سے پہلے انکو ایسی بات بتلائی جس سے بجائے عذاب کے نعمت و رحمت پاویں اگر کریں یعنی فرمایا۔ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ۔ اور مغفرت مانگو اپنے رب سے یعنی پچھلے گناہوں کی معافی چاہو پھر اپنے رب کی طرف رجوع کرو یعنی آئندہ کیلئے اسی کے حکم پر چلو اور کفر اور ناپ و تول میں کمی چھوڑ دو اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ۔ بیشک میرا پروردگار رحیم ہے بڑی رحمت والا ہے اسکی خاص رحمت تو مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے اور عام میں سب شریک ہیں۔ وَدُوْدٌ بہت محبت والا ہے یعنی اپنے نیک بندوں کو محبوب رکھتا اور ان پر بہت رحم فرماتا ہے ودود بتشدید دال بمعنی محبت ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ جیسے اہل مودت میں جو نہایت ودود ہوتا ہے وہ دوسرے کو لطف سے خوش کرتا ہے اور اسکو بھلائی پہنچاتا اور اس سے برائی دور رکھتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے مومن بندوں کو اپنی کاملہ قدرت سے سرفراز فرماتا ہے اور مقصود یہ کہ میرا رب رحیم ودود ہے اگر تم اب بھی استغفار و توبہ کرو تو تم پر کرم و لطف و رحم فرماویگا۔ واضح ہو کہ پہلے تو فرمایا استغفروا ربکم۔ رب انکا کہا اور آخر میں ان ربی میرا رب کہا اسمیں نہایت لطیف اشارہ ہے کہ رحیم و ودود ہونے کی صفت میں میرا رب ہے اور جب تم میری راہ پر ہو تو تمہیں بھی شمول ہوا اور ہنوز تم قابل استغفار و توبہ ہو۔ فافہم ف۔ فی العرائس قولہ واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ الخ۔ اہل قرب و منزلت اپنی عبادت سے استغفار کرتے ہیں تو حکم میں اشارہ ہے کہ تمہارے دلوں پر جو خطرہ گذرا کہ تم کو بندگی یا نافرمانی کی قدرت ہوئی اس سے استغفار کرو کیونکہ بندگی یا معصیت کا تعلق بندہ کی قدرت پر نہیں بلکہ اسی سعادت ازلی یا شقاوت ازلی سے متعلق ہے جو تقدیر الٰہی ہے اور قولہ ثم توبوا الیہ یعنی اپنی طاقت و قوت سے بیزاری کرو یعنی یقین کرلو کہ بذات خود تم کو کچھ قدرت نہیں ہے پھر جب تم نے ایسا یقین کرلیا اور اپنی ہستی کے دیکھنے سے خارج ہوگئے تو اسوقت تم کو میرا رب اپنی معرفت کا لباس پہناویگا کیونکہ وہ اپنے عارف بندوں پر رحیم ہے اور اپنے مودت والوں کے ساتھ ودود ہے اقول معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ اپنے رب کے ساتھ بہت محبت رکھتے ہیں انکا پروردگار بھی اُن سے بہت محبت و رحم و کرم فرماتا ہے محمد بن الفضل رح نے فرمایا کہ جس شخص کے استغفار کا نتیجہ آئندہ کیواسطے سچی توبہ و رجوع نہ ہوا تو یہ شخص استغفار میں جھوٹا ہے اسنے سچے دل سے نہیں چاہا کہ میرے پروردگار میرے گذرے گناہ بخشدے کیونکہ اگر سچا ہوتا تو آئندہ ضرور توبہ میں مضبوط ہوتا کہ اب مجھسے کوئی گناہ سرزد نہ ہو یعنی اگر اتفاقاً جہالت سے ہو جاتا تو اسی وقت شرمندہ و نادم ہو کر توبہ کرتا اور جس شخص کی توبہ کا نتیجہ سچی محبت نہ نکلا تو وہ توبہ میں جھوٹا ہے اسکے نفس نے اسپر دھوکے سے ظاہر کیا کہ تونے توبہ کر لی ہے اور حقیقت میں توبہ کا اثر اسکے دل میں نہیں ہے اور دلیل اس تمام کلام کی یہ ہے کہ فرمایا استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ۔ پہلے استغفار کو فرمایا پھر اسپر توبہ کو مرتب کیا جو اس استغفار کا نتیجہ ہے تو استغفار ٹھیک ہوا پھر توبہ کرنے والوں کے حق میں فرمایا ان اللہ یحب التوابین یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالوں کو محبوب رکھتا ہے تو جو کوئی توبہ کرنیوالا ہوگا وہ ضرور محبت میں سرگرم ہوگا کیونکہ جھوٹا توبہ کرنیوالا تو تواب نہیں ہے بس جھوٹی توبہ کا نتیجہ بھی محبت نہ ہوگا۔ قال المترجم یہ کلام نفیس قابل حفظ ہے اور اسکے فوائد بہت ہیں یاد رکھو کہ محبت سے بندہ کی طرف سے عشق حقیقی کے معنی مراد ہیں اور

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو بحث کرنا لغو و مہمل ہے کیونکہ اسکی صفات سے ہم کو علم نہیں ہو سکتا مگر اسی قدر کہ وہ اپنے بندہ کو محبوب رکھتا ہے
اور ماہیت اس محبت کی مثل اور صفات الٰہیہ متعالیہ کے ادراک مخلوق سے باہر و متعالی ہے فافہم شیخ ابو عثمان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ودود وہ
پاک منعم ہے جس نے تجھکو قدیم سے ابتک ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں بدون اسکے کہ تیرا کوئی استحقاق ہو دیا اسپر کسی طرح ان نعمتوں کا
دنیا اور جب ہو جب قسم کو آنحضرت علیہ السلام سے یہاں تک نصیحت بالغہ و رسالت تامہ پہونچائی تو قوم نے اپنا مردود ہونا ظاہر کر کے نصیحت
کے عوض عداوت کا جواب دیا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

بولے اے شعیب ہم نہیں بوجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند

لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۞ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

تو تجکو ہم پتھراؤ کرتے اور تو ہم پر کچھ سردار نہیں بولا اے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا داب تم پر زیادہ ہوا اللہ سے

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۞

اور اسکو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے فراموش تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے جو کرتے ہو

قالوا یا شعیب قوم والے بولے کہ اے شعیب ما نفقہ کثیرا مما تقول۔ ہم سمجھتے نہیں بہتیری باتوں کو ان باتوں میں سے
جو تو کہا کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کرنا اور شرک چھوڑنا و ناپ تول میں کمی نہ کرنا سب حق پورے کرنا و ان کی دلیلیں
ہم اکثر نہیں سمجھتے اور یہ اسوجہ سے تھا کہ انکی عقل میں قصور رہتا اور اسلئے باوجود ان کی باتوں کی طرف غور نہ کرتے و دھیان نہ لگاتے تھے
حالانکہ حضرت شعیبؑ ان کو انہیں کی زبان میں انکی سمجھ کی مقدار پر سمجھاتے تھے اور بعض نے کہا کہ سب سمجھتے مگر یہ مطلب تھا کہ تمہاری باتوں
کی توقیر کچھ نہیں ہے جیسے کہتے ہیں کہ اے شخص تیری بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی یعنی یہ بات قابل توجہ نہیں ہے۔ و انا لنراک فینا
ضعیفا۔ اور ہم تو تجھے اپنے درمیان ضعیف دیکھتے ہیں کہ تجھے کچھ قوت نہیں ہے کہ اگر ہم تجکو برائی پہونچانا چاہیں تو تو روک نہیں سکتا
یا ضعیف سے یہ مراد کہ تو ہم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں ہے۔ و لولا رهطک لرجمناک۔ اور اگر تیرا گروہ نہ ہوتا جو تیرے
گھر والے ہیں تو ہم تجکو رجم کر ڈالتے یعنی پتھروں سے مار کر ہلاک کر دیتے یا کوڑوں وغیرہ سے یا تجھے قید کرتے۔ رہط کا لفظ تین سے سات
تک یا دس تک کیلئے بولا جاتا ہے تو اسقدر آدمی اتنی قوت والے تو نہیں ہو سکتے کہ ہزاروں کا مقابلہ کریں بلکہ یہ غرض کہ ہم کو تیرے
خاندان والوں کی عزت و حرمت کا پاس ہے کیونکہ وہ ہمارے دین پر ہیں تیرے ساتھی نہیں ہیں باوجود اسکے اگر تیری آبروریزی ہو
تو انکی بھی ذلت ہوگی جیسا دنیاوی لوگوں کے خیالات ہیں پس رہط کے لحاظ سے رجم نہیں کرتے۔ و ما انت علینا بعزیز۔ اور تو
ہماری نظروں میں کچھ عزت والا نہیں ہے تاکہ تیری عزت سے ہم تجھے رجم نہ کریں قولہ لنراک فینا ضعیفا علی بن عیسیٰ نے کہا کہ مقصود
ضعیف البدن و نحیف الجسم ہے۔ نحاس نے کہا کہ قبیلہ حمیر کی زبان میں ضعیف اندھے کو کہتے ہیں اور یہی زجاج نے ذکر کیا ہے اسی طرح سفیان
ثوری سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ شعیبؑ اندھے تھے اور اسوجہ سے اندھے ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت رویا کرتے تھے شداد
بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں شعیب یہاں تک روئے کہ اندھا ہو گیا اخرجہ
ابن عساکر والواحدی۔ یہ بات اگرچہ واقع ہو لیکن ضعیف کی تفسیر اندھے کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے چنانچہ بیضاوی رحمہ نے کہا کہ خود لفظ

فیناسے یہ قول دہوتا ہو اسلئے کہ جو اندھا ہوتا ہے وہ ہر ایک کے نزدیک ہر جگہ اندھا ہو پھر یہ کہا کہ تو ہم میں اندھا ہو اور سدی نے کہا کہ اسکے یہی معنی ہیں کہ تو اکیلا تنہا ہو یعنی تیرے یار و مددگار لوگ نہیں ہیں اور ایسے شخص کو کمزور کہا کرتے ہیں اور یہ قول اقرب ہے کیونکہ ذلیل و غیرت ہونے کو لقولہم وما انت علینا بعزیز نے صرح کر دیا ہے پس حاصل یہ کہ قوم مردود نے اول تو یہ کہا کہ تیری باتیں الیعنی ہیں ہم اکثر نہیں سمجھتے اور دوسرے آنکہ تو ہم میں تنہا کمزور ہو کیونکہ تیرے کنبہ والے تیرے ساتھ شریک نہیں ہیں اگرچہ تیری ذلت انکی ذلت ہوگی لہذا اگر یہ نہ ہوتے تو ہم تجھ کو بہت جلد رجم کر دیتے ہم کو صرف انکی آبرو و عزت کا خیال ہو اور تو ہمارے نزدیک کچھ بھی عزت والا نہیں ہو۔ علی رض نے فرمایا کہ قسم اس ذات پاک کی جسکے سوائے کوئی معبود نہیں ہو کہ اس قوم نے جلال الٰہی سے خوف نہ کیا بلکہ فقط پیغمبر کے کنبہ والوں سے خوف کیا۔ بیضاوی رح نے کہا کہ قوم نے حضرت شعیب کے جواب میں بیہودہ گوئی و مارپیٹ کی دھمکی دی اور یہ قرآن کا بیان مستور ہوتا ہو کہ نور ایمان سے بے بہرہ ہو کر جہالت کی تاریکی میں پڑے ہوئے روشن آیات و کھلے دلائل کے مقابلہ میں ایسی ہی شیطانی حرکات کیا کرتے ہیں۔ حضرت شعیب ع کو اپنی طرف خیال نہ ہوا بلکہ بمقابلہ الٰہی عزوجل جو انھوں نے کنبہ والوں کی عزت کی اس سے غمناک ہوئے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فرمایا کہ اے میری قوم کیا میرا کنبہ تمھاری نظروں پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ٹھہرا کہ تم نے کنبہ کی عزت سے مجھے اپنے نزدیک چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کی جلال و عظمت کے خوف سے نہیں چھوڑا۔ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۔ اور کر لیا ہو تم نے اس کو اودھر اپنی پیٹھ پیچھے یعنی حضرت ذوالجلال والاکرام کو ایسے بھولے ہو جیسے کوئی بھولی چیز کو پیٹھ پیچھے ڈال دیتا ہو چنانچہ تم نے بلا تردد اسکی جناب میں شرک کیا اور اسکے رسول کی اہانت کرتے جاتے ہو جو تم کو برابر نرمی سے عمدہ طور پر نصیحت کر رہا ہو تو تم نے تمام حق الٰہی عزوجل کو بھلا دیا ہے مگر یاد رکھو کہ تمھاری حرکتوں سے تم کو کچھ فائدہ نہیں ہو۔ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔ بیشک میرا پروردگار سب کو جو تم کرتے ہو محیط ہو یعنی یعنی وہ سب جانتا ہو اسپر ذرہ برابر پوشیدہ نہیں ہو وہ ضرور تم کو تمھاری حرکتوں کا بدلا دیگا۔ ظہری بکسر اول منسوب بظہر بفتح الظاء یعنی پشت ہو و لیکن عرب اکثر نسبت میں ایسا تغیر کر دیتے ہیں جیسے بصرہ کی طرف نسبت میں بصری بالکسر بولتے ہیں۔ ف۔ فی العرائس قولہ وانا لنراک فینا ضعیفا۔ یہ خطاب جبکہ قوم کی طرف سے ہو تو اسکی تفسیر گذر چکی اور جبکہ خطاب بطریق اشارات ہو تو بحر اسکے اشارہ میں کے ضعیف سے اشارہ ہو کہ جس حال میں اہل الکفر تھے اس سے پیغمبر علیہ السلام کو تو نفرت تھا اور جس حال میں خود تھے اس سے مانوس تھے اور نیز ضعیف اس دعوی رسالت و معجزہ میں و دعوی قربت و مشاہدہ میں بدیں معنی کہ جلال احدیت عز سلطانہ سے جسقدر معرفت حاصل ہو وہ بذات خود اگرچہ یعنی قربت ہیں لیکن بذات تعالیٰ و تقدس محض پیچ ہے عقول خلائق کو وہاں رسائی نہیں ہو۔ حکیم ترمذی رح نے کہا کہ ضعیفا سے انکی یہ مراد تھی کہ ہمارے درمیان سے نکالا ہوا ہو ہم میں بیچ جلسہ برادری کے معاملہ میں شرکت حاصل نہیں ہو اور بعض نے کہا کہ مراد انکی قلیل العقل ہو واللہ اعلم پھر جب حضرت علیہ السلام اس قوم کی ہدایت سے مایوس ہوئے تو بواسطہ علم نبوت کے ان کو ڈرانے سے بڑھکر انتظار عذاب کا وعدہ دیا۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

اور اے قوم کام کیے جاؤ اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کروگے کس پر آتا ہے عذاب

يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا

کہ اسکو رسوا کرے اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو میں بھی تمھارے ساتھ ہوں تاکتا اور جب پہونچا ہمارا حکم

نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو یقین لائے تھے اسکے ساتھ اپنی مہر سے اور پکڑا اُن ظالموں کو

الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا

چنگھاڑ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے جیسے کبھی نہ بستے تھے اُنمیں سن لو پھٹکار ہے

لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ

مدین پر جیسے پھٹکار پائی ثمود نے

جب آنحضرت علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ یہ قوم اپنے باپ دادون کے دین پر اور اپنے قبیح اعمال پر ہٹ کیے رہیں گے اور نصیحت ان میں کارگر نہ ہوگی تو ایسے کہا۔ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اور اے قوم تم کام کیے جاؤ اپنی حالت پر۔ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ میں بھی اپنے حال پر کام کیے جاتا ہوں اگر وہم ہو کہ قوم تو شرک و کفر و تطفیف کا کام کرتی تھی انکو انکے حال پر کام کرنے کا کیونکر حکم دیا اسلیے کہ شرع میں مسئلہ یہ ہے کہ کسی طرح سے کسی کے کفر پر راضی ہونا کفر ہے نہ کہ اس سے بڑھکر کسی کو کفر کے موافق عمل کرنے کا حکم دینا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ شرک کرنیکا حکم نہیں ہے بلکہ باوجود اس قوم کے ازلی مردود ہونے کو وحی وغیرہ سے جان لینے کے انکو اس طریقہ پر چلنے سے خوف دلایا جیسے اگر کسی کو سمجھا کر آدمی تھک گیا اور جانا کہ یہ ضرور وہی کریگا تو اس سے کہتا ہے کہ اچھا تو یہ کام کر دیکھ تو ابھی تجھے معلوم ہوا جاتا ہے جو تجھ پر پڑیگا پس یہ کہنا گویا بہت سخت منع کرنا ہوتا ہے ایسا ہی یہاں ہے چنانچہ آگے پر دلالت صریح ہے قولہ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ عنقریب تم جان لوگے کہ ہم میں اور تم میں کون نیک راہ اور کون گمراہ ہے یا جان لوگے آنکھوں دیکھکر۔ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ کس پر آئیگا ایسا سخت عذاب جو اسکو دین و دنیا میں ذلیل و خوار کریگا۔ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ اور کون جھوٹا ہے۔ واضح ہو کہ قولہ علی مکانتکم بعض نے کہا کہ یعنی علی حالتکم جس حال پر تم ہو کہ شرک و گناہ پر ہٹ کیے جاتے ہو چنانچہ اسی معنی پر تفسیر مذکور ہوئی اور بعض نے کہا کہ مکانت منزلت و قدرت ہے تو مراد یہ ہے کہ جہان تک تم کو قدرت و طاقت ہو وہاں تک شرک و کفر و گناہ کے اعمال کرو جن کو تم اچھا سمجھتے ہو اور میں بھی اپنی استطاعت پر جسکو اچھا سمجھتا ہوں عمل کرتا ہوں پھر دونوں کے اعمال کا حال عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ کس کو ثواب ملا اور کس کو عذاب پس جو بدکار و جھوٹا ہوگا اسی پر عذاب آویگا۔ زمخشری رحمہ نے کشاف میں ذکر کیا کہ قولہ سوف تعلمون بطریق استیناف گویا یہان سے نیا جملہ شروع کیا حالانکہ وہ اپنے اوپر سے مربوط ہے اور کبھی فا سے وصل کرکے فسوف تعلمون کہتے ہیں لیکن استیناف میں زیادہ بلاغت ہے کیونکہ اسمیں ہول طاری ہونا زیادہ ہو جاتا ہے اور یہی اصلی مقصود ہے اقول یعنی بدون فا کے استینافی بیانی زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس صورت میں گویا پوچھنے والے کافر نے پوچھا کہ اچھا جب سب کفار اپنے حال پر اور آپ اپنے طریقہ پر عمل کرینگے تو کیا ہوگا جواب دیا کہ سوف تعلمون الی آخرہ تو سوال سمایا کہ اسطرح اس بحث کا خاتمہ تو بہت سخت ہے کہ آئندہ بدکار کا فیصلہ ہو جائیگا واضح ہو کہ کافرون نے کہا تھا کہ ما نفقہ کثیرا مما تقول۔ تیری بہتیری باتیں ہم سمجھتے نہیں یعنی تیری اکثر باتیں ہم کو جھوٹ معلوم ہوتی ہیں مثلاً مرکر عذاب پانا و بعث و نشر و حشر و جزا و سزا وغیرہ اکثر باتوں میں جھوٹا ٹھہرایا اور کہا تھا کہ ما انت علینا بعزیز یعنی تو ہمارے نزدیک ذلیل و خوار ہے تو آنحضرت علیہ السلام نے رہط کی عزت بمقابلہ حضرت ذوالعظمت والکبریا کے منکر جانکر فوراً قوم پر رد کر دی پھر علم وحی وغیرہ سے آگاہ ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ اچھا نہیں مانتے ہو تو خیر اپنے طور پر خوب برتاؤ کر دیکھو انجام کو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ جھوٹا کون ہے

اور کھل جائیگا کہ ذلیل و خوار کون ہوا - اور یہ وعدہ ایسا قریب ہے کہ اسکی طرف ٹکٹکی لگاؤ - وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ - اور انتظار
کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے بیچ میں کیا حکم و فیصلہ جاری فرماتا ہے پھر حسب وعدہ عنقریب ہی قوم
پر عذاب آگیا - وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا - اور جب آگیا ہمارا حکم یعنی عذاب مقدر یا عذاب کا حکم
تو ہم نے دونوں فریق میں سے نجات دی شعیب کو اور ان بندوں کو جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت
کے ساتھ یعنی ان بندوں کو ہمارا نجات دینا ہماری طرف سے انپر خاصہ رحمت تھی اسی کا اثر تھا کہ یہ لوگ ایمان لائے اور نیکوکار تھے اور
قوم مردود سے دل سے بیزار و علیحدہ تھے پھر انکو خواری و عذاب آخرت کے مکانات میں بھی قوم سے الگ کر دیا گیا - وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ
ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ - اور گرفتار کر لیا اس قوم کو جنھوں نے خود اپنی جانوں پر آپ شرک و عصیان سے ظلم کر رکھا تھا ایک کرخت آواز نے -
روایت ہے کہ جبرئیل نے انکو سخت ہولناک آواز سے ڈانٹا جبکہ وے اللہ تعالیٰ خالق کی نافرمانی میں اسکے پیغمبر و مومنوں کو آزار دیتے تھے
پس دہشت سے ان کے دل پھٹ گئے - فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ - پس یہ لوگ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے یعنی اس
ہیأت پر مرے کہ گھٹنے زمین پر ٹیکے تھے اور دونوں ہاتھ کے بل اوندھے پڑے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ زمین کو زلزلہ سخت آیا تھا تو لڑکھڑا کر
اسی ہیأت پر رہ گئے تھے چنانچہ سورہ اعراف و عنکبوت میں زلزلہ مذکور ہے بقولہ فاخذتھم الرجفة - اور یہ زلزلہ بھی ان پر عذاب تھا
اور واضح ہو کہ اس امر میں گفتگو ہے کہ اصحاب الایکہ قوم شعیب تھے حالانکہ وہ عذاب ظلّہ سے ہلاک ہوئے تو کہا گیا کہ خاص وہ شہر مدین جسمیں
حضرت شعیب تھے وہ تو زلزلہ و کرخت آواز سے مرے اور ایکہ والوں پر آسمان سے آگ اتری جس سے ہلاک ہوئے اور سوائے غریب
مومنوں کے اس قوم مالدار مغرور بدکردار میں سے کوئی نہیں بچا سب مال و دولت و مکان و ثروت جسکی محبت میں اترائے اور ایمان کھوئے
ہوئے حضرت پیغمبر علیہ السلام کو ذلیل و خوار سمجھتے و انکی طاعت سے عار کرتے تھے سب چھوڑ کر عذاب دائمی میں گرفتار ہوئے اللہ تعالیٰ
نے فرمایا - كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا - گویا کبھی ان گھروں میں نہیں بستے تھے پھر فرمایا - اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ - آگاہ رہو کہ ہلاکت ہو مدین کے لئے
كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ - جیسے ثمود ہلاک ہوئے اور تشبیہ اس بات میں ہے کہ مدین قوم شعیب بھی اسی عذاب صیحہ سے ہلاک ہوئی جس سے
ثمود قوم صالح مری تھی صرف فرق اسقدر رہا کہ قوم ثمود کو صیحہ نے نیچے سے ہلاک کیا اور مدین کو صیحہ اوپر سے پہونچا تھا اور روایت ہے
کہ کسی دو قوم کو اللہ تعالیٰ نے ایک عذاب سے نہیں مارا سوائے مدین و ثمود کے کہ دونوں صیحہ سے مرے اور شیخ حافظ رحمہ نے کہا کہ دونوں کی
تشبیہ معنوی یہ ہے کہ دونوں قومیں کفر اور سرکشی میں یکساں تھیں اور دونوں عرب میں سے تھے - واضح ہو کہ البعد مصدر ہے بمعنی دوری
اور فعل اسکا کرم بضم العین آتا ہے اور بمعنی ہلاکت اور فعل اسکا بروزن سمع بکسر العین آتا ہے اور ابن الانباری نے کہا کہ بعض عرب ہلاک و
دوری میں فرق نہیں کرتے ہیں - مہدوی نے کہا کہ بَعُدَ بضم العین کا استعمال بھلائی و برائی دونوں میں ہوتا ہے اور بکسر العین کا
استعمال خاص کر برائی سے مخصوص ہے اور یہاں بعدت بکسر العین جمہور کی قرأت ہے اور مراد اس سے لعنت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ
مدین پر لعنت ہے جیسے ثمود ملعون ہوئے اور بعدت صیغہ تانیث باعتبار قبیلہ کے ہے - واضح ہو کہ تطفیف جو مدین کا فعل تھا کبیرہ
گناہ ہے اور اسکا عذاب علاوہ تذکرہ مدین کے قولہ تعالیٰ ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا الآیہ میں منصوص ہے اور حدیث سنن میں
یہ مضمون آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے موالی کو فرمایا کہ تم نے ناپ تول کا پیشہ وہ اختیار کیا ہے جسمیں امتوں میں سے بعض ہلاک ہوئے تو
احتیاط رکھو یعنی پورا دو اور عذاب سے ڈرو - واضح ہو کہ جب بدفعلی کا عذاب دنیا میں کسی قوم کو ملا چنانچہ اس امت میں بسبب برکت

آنحضرت صلعم کے دنیا مین عذاب عام نہ دیا جائے گا تو اس سے آخرت کے عذاب سے چھٹکارا نہ ہوگا بلکہ مرتے ہی آثار عذاب طاری ہونگے اور عذاب القبر شروع ہو جائیگا نعوذ باللہ من عذاب اللہ تعالیٰ ومن سیئات الاعمال۔ پھر حق تعالیٰ نے ساتوان تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بادشاہ فرعون کا بیان فرمایا بقولہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا

اور بھیج چکے ہین ہم موسیٰ کو اپنی نشانیون سے اور واضح سند سے فرعون اور اسکے سردارون پاس پھر چلے گئے ہین

اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

فرعون کے اور نہین بات فرعون کی کچھ نیک چال رکھتی آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن

فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ

پھر پہونچا دیگا اُن کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہونچے اور پیچھے سے ملی اس جہان مین لعنت اور دن

الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝

قیامت کے برا انعام ہے جو ملا

اس تذکرہ کو بلفظ لقد ارسلنا۔ شروع فرمایا جسکے معنی تاکید و تحقیق کے ہین اور عرب اگرچہ اس قصہ قدیمہ سے معروف تھے بخصوص عرب کے یہود اور دیگر مقامات کے نصاریٰ سے متواتر اخبار موصول ہوئے لیکن پھر بھی یہ عرب کی سرزمین کا واقعہ نہ تھا تو ان کو بحرف تاکید سنایا اور دوسرے سننے کیلئے تاکید و تنبیہ ہو کہ اس سے کمال عبرت حاصل کرو کیونکہ اصلی مقصود ان تذکرون سے یہی ہو کہ اہل عقل ان سے اپنے خالق کی قدرت و اسکا طریقہ عبودیت پہچانین اور اہل حال ان سے اسرار کے مقامات جو انھین عبارات کلام مین عجیب لطافت سے مندرج ہین ادراک کرین اور اہل توحید و اسرار کو اعلیٰ مقامات فنا تک وصول حاصل ہو اور یہ سب بخاوند ہدایت الٰہی عزوجل ہو مگر ابتدا اسکی یہی ہو کہ نفس کے فریب شیطان کے وساوس اور زندگی دنیا کے شہوات سے مقابلہ کرکے نفرت کی نظر آلودہ کرین اور حضرت خالق عزوجل کی عظمت اور اپنے بندہ ہونے کو دیکھین اسکے ساتھ اس کلام کو غور سے سنین پس تاکید فرمایا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى۔ اور بیشک بھیجا تھا ہم نے موسیٰؑ کو ازلی علم مین اسکو رسول مقرر کر دیا تھا کہ فلان وقت دنیا مین پیدا ہو اور اسطرح زندہ رہے اور اسطرح فرعون اسکو پالے پھر دشمن ہو پھر وہ یکایک ہماری تعلیم خاص و تنویر قلبی سے فیضیاب ہو ہمارا ایلچی ہو کر جاوے بِاٰيٰتِنَا ہماری آیتون کو ساتھ لئے۔ وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ اور کھلے ہوئے غلبہ کے ساتھ یعنی موسیٰؑ کے ساتھ دو باتین ہمنے عطا فرمائین ایک آیات اور دوم سلطنت واضحہ۔ اور مفسرین نے باہم گفتگو کی کہ یہان ان دونون سے کیا مراد ہی پس بعض نے کہا کہ آیات سے مراد توریت کتاب آسمانی ہو لیکن یہ قول صحیح نہین اسواسطے کہ آگے فرمایا۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فرعون و اسکے سردارون کی طرف۔ حالانکہ جسوقت حضرت موسیٰؑ رسول ہو کر فرعون کی طرف گئے اسوقت توریت انکو نہین ملی تھی بلکہ یہ تو فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد ملی تھی اور صاحب فتح البیان سے عجیب ہو کہ اُنھنے لکھا قوله بآياتنا اسمها بالتوراة وما کان مثلها بما پھر آگے جا کر لکھا وقيل المراد بالآيات هی التسع المذكورة فی غير هذا الموضع الی قوله وليس من الآيات المرادة ههنا التوراة لانها انزلت بعد اغراق فرعون وقومه انتهى حالانکہ یہی بات صحیح ہو تو پہلے برعکس معاملہ کیا چاہیئے تھا کہ آیات کی تفسیر یہان کی

مراد ہے کرتا پھر ایک قول کر کے لکھ دیتا کہ بعض نے توریت سے تفسیر لکھی ہو واللہ اعلم اور یہ جواب کہ متلبس بالتوراۃ تھا پس یہ حال مقدرہ ہے تو یہ جواب کچھ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے انوار قلبی و موارد باطنی کا اثر فرعون کے حق میں نفس رسالت کی راہ سے کچھ نہ تھا غالباً ملا و بیضاوی رح نے بھی آیات کی تفسیر میں توریت لکھی و لیکن کہا کہ مراد توریت ہے یا معجزات ہیں اور سراج میں اسی کی پیروی کی ہے اور شیخ حافظ ابن کثیر رح نے آیات سے نشانیاں مراد لیں جیسا کہ ظاہر کلام شیخ اسپر دلیل ہے اور حاصل اُسکا یہی معجزات باہرہ تھے پس سیاق کلام گویا اس امر کو مفید ہوا کہ اولاد آدم اگرچہ خالق کو بالکل فراموش کر بیٹھے تو نوحؑ و ہودؑ و صالحؑ و ابراہیمؑ و لوطؑ و شعیبؑ انبیاء و عظام اُنکی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول گئے اور سمجھایا مگر اُنھوں نے سب کو جھٹلایا اور محسوس چیزوں کے سامنے غیب کی باتوں پر ایمان نہ لائے آخر عذاب سے تباہ و ہلاک ہوئے پھر ہم نے موسیٰؑ کو بلاشبہ بہت سے آیات و معجزات کے ساتھ بھیجا کہ ان کے سامنے جھٹلانے اور رسول نہ ماننے کا موقع نہ تھا اور ایسے معجزات دیے کہ جو بالکل واضح تھے کہ عذر آدمی محسوسات سے تجاوز کر کے غیب پر ایمان لاوے. خلاصہ یہ ہوا کہ انبیاء سابقین کیساتھ اگر کثرت سے معجزات نہ تھے اور کوئی سمجھے کہ قوم نے اپنی عادت کے موافق محسوس چیز سے تجاوز نہ کیا اور ان کو جھٹلایا اور بہت معجزے ہوتے تو شاید مان لیتے تو بتاکید فرمایا کہ ہم نے موسیٰؑ کو فرعون کی طرف بہت سے معجزات کیساتھ بھیجا تب بھی اسکا حکم نہ مانے اب اگر کہا جائے کہ آیات سے اگر معجزات مراد ہیں تو سلطان مبین سے کیا مراد ہے تو بیضاوی وغیرہ نے کہا کہ دونوں سے معجزات ہی مراد ہو سکتے ہیں اور فائدہ یہ ہے کہ معلوم ہو جاوے کہ یہ معجزات ہماری قدرت و عظمت و الوہیت پر نشانی تھے اور موسیٰ کیلئے اسکی نبوت پر سلطان مبین تھے کیونکہ معجزہ کے معنی عاجز کرنیوالا تو سب ان معجزات سے موسیٰؑ نے منکروں کو عاجز کیا اور وے کچھ مقابلہ نہ کر سکے تو موسیٰ کو سلطنت یعنی غلبہ ان پر حاصل ہوا اور مراد غلبہ سے یہی حجت و دلیل سے غلبہ ہے نہ زبردستی وغیرہ عوام کے معنی مراد نہیں ہیں اور چونکہ سلطان بروزن مصدر ہے تو مفرد و جمع اور مذکر و مؤنث اسکا یکساں ہے اور لکھا کہ آیت تو ایسی چیز کو بھی کہتے ہیں کہ جو نشانی ہو خواہ یقینی قطعی ہو یا نہو اور سلطان ہر ایسی آیت ہے جو قطعی ہو اور امام رازی نے کبیر میں اور سراج وغیرہ میں ہیں سے نقل کیا کہ قطعی حجت کو سلطان اسلئے کہتے ہیں کہ اسکو ہر دون حجت والے پر غلبہ ہوتا ہے کہ اسکو مقہور کر لیتا ہے جیسے سلطان اپنے محکوم پر غالب ہوتا ہے اور علماء اپنی قوت علمیہ کے کمال سے سلاطین ہیں جیسے بادشاہ اپنی فوج وغیرہ سے سلطان ہے لیکن علماء کی سلطنت اُنسے دو وجہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے کیونکہ بادشاہ تو تخت سے معزول ہو سکتا ہے اور عالم اپنے علم سے معزول نہیں ہو سکتا اور عالموں کی سلطنت انبیاء کی سلطنت کے جنس سے ہے تو ملوک انکے تابع ہیں اور بادشاہوں کی سلطنت فرعون کی سلطنت کی جنس سے ہے حالانکہ موسیٰ وہاں بھیجے گئے تھے کہ وہ اُنکا تابع ہو کر رہے اگرچہ دنیاوی تمام ثروت میں سے موسیٰؑ کو کچھ حصہ نہ تھا بیضاوی رح نے لکھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلطان مبین سے مراد عصا کا معجزہ ہو اگرچہ وہ آیات میں داخل ہے چنانچہ نو آیات میں آٹھ سورہ اعراف میں مع عصا اور نوین سورہ یونس میں مذکور ہے لیکن اسکو الگ کر کے سلطان مبین اسوجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہایت زبردست معجزہ تھا اور بعض نے لکھا کہ سلطان مبین سے مراد وہ غلبہ ہے جو موسیٰؑ نے فرعون کے ساتھ سوال و جواب میں پایا. اقول یہ بہت ضعیف قول ہے اسوجہ سے کہ ہر پیغمبر کو قطعاً یہ سلطنت حاصل تھی بلکہ جو شخص دنیا میں سچا ہے وہ اپنے مقابل جاہل پر سلطان مبین رکھتا ہے اور ایسے قول سے تو میرے نزدیک یہ اچھا تھا کہ یوں کہا جاتا کہ فرعون ایک سرکش ظالم تھا جو الوہیت کا مدعی تھا اور کثرت اموال و افواج و قہر و غلبہ پر مغرور اور اسنے تمام بنی اسرائیل کو خوار و ذلیل کر رکھا تھا پھر اُسپر

پیغمبر کرکے تنہا حضرت موسیٰ کو بھیجا اور اسکو ہرگز قوت نہوئی کہ ان کو قتل کرے یا کوئی آزار پہونچاوے بلکہ وہ خوفناک رہتا تھا اور بیس برس تک برابر حضرت موسیٰ دین حق کی دعوت فرماتے رہے تو کیسی سلطان مبین تھی کہ اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت وسلطنت پر دلیل واضح ہے اور کھلی دلیل ہے کہ دنیا میں وہی واقع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کسی تدبیر سے یا کسی کی قدرت سے کچھ نہیں ہوسکتا ہے پھر واضح رہے کہ اس تفسیر میں الملیٔے حقائق صرف اسیقدر کلام کرتے ہیں جو عقل والوں کی عقل کے اندازہ پر ہو حالانکہ احوال واسرار بہت کچھ مندرج ہوتے ہیں لیکن انسے بالکل سکوت اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ کمالات ہیں بیانات نہیں ہیں تو بعض مقامات میں ظاہری تفسیر سے اسرار اعلیٰ ہوتے ہیں اہل بیان خاص توفیق تک جناب باری تعالیٰ میں امیدوار رہیں اور یہ بات اس مقام پر ظاہر ہے کہ خواہ آیات وسلطان مبین کی مراد معلوم ہو یا نہو اصلی مقصود ضرور ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے موسیٰ اولوالعزم پیغمبر کو آیات وسلطان مبین کے ساتھ فرعون و اسکے گروہ کی طرف ایلچی کرکے بھیجا اور باوجود اسقدر معجزات ظاہرہ درجہ قاہرہ کے ان سرکشوں نے پیغمبر الٰہی عزوجل کی بات نہ مانی۔ فَاتَّبَعُوٓا اَمۡرَ فِرۡعَوۡنَ۔ اور یہ نتیجہ ہوا کہ اس گروہ نے فرعون کے امر کی پیروی کی۔ اگر امر سے حکم مراد ہے تو یہ معنی ہوئے کہ فرعون نے خود کفر کیا اور اپنے گروہ کو حکم کیا کہ موسیٰ کو جادوگر جانو اسکی بات نہ مانو پس باوجود ایسے معجز دلائل دیکھنے کے ان جاہلوں نے دنیا کے لالچ سے اسی کا حکم مانا اور اگر امر سے طریقہ مراد ہے تو یہ معنی کہ نفس کی خواہش و دنیا کی لالچ و آخرت سے غفلت میں یہ جاہل ایسے پھنسے تھے کہ موسیٰ کو ایسے معجزات حقانی کے ساتھ نہایت ادب بندگی کے طریقہ پر دیکھکر نہ مانے اور اسکے طریقہ پر نہ چلے بلکہ فرعون گمراہ جسکی گمراہی و بدفعلی اور بد قولی ظاہر تھی اسی کے طریقہ پر چلے۔ وَمَآ اَمۡرُ فِرۡعَوۡنَ بِرَشِيۡدٍ ۔ اور نہیں تھا حکم فرعون کا یا طریقہ فرعون کا رشید یعنی سیدھی راہ پر چلانیوالا یا راستی والا نہ تھا بلکہ محض گمراہی و فساد تھا۔ حاصل یہ کہ وے لوگ فرعون کی بات مانے واسکے طریقہ پر چلے حالانکہ اسکا طریقہ راستی پر نہ تھا اگر کہا جاوے کہ وے لوگ اسی سمجھکر چلے تو سراج میں لکھا کہ طریقہ وامر فرعون کا راستی سے خالی ہونا ظاہر تھا اسکا عذر نہیں ہوسکتا اول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت معجزات سے ظاہر ہونیکے بعد جو کچھ امر یا طریقہ ہو سب باطل ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ سراج کی تقریر پر یہ امر ظاہر ہوا کہ اس کلام میں اشارہ ہے کہ حسن وقبح عقلی ہوتا ہے اور یہ بحث علم کلام واصول سے متعلق ہے پھر فرعون کا انجام دنیا کے برعکس آخرت کا بیان فرمایا۔ يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۔ اور فرعون پیشوا ہوگا اپنی قوم کا قیامت کے دن۔ فَاَوۡرَدَهُمُ النَّارَ۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سب کو آگ میں داخل کریگا یہ دنیا کے برعکس نتیجہ ہے کیونکہ دنیا میں انکا پیشوا تھا تو انکو مال ومنال و تمام خواہش کی چیزوں میں داخل کرتا تھا یعنی اسکی پیروی میں انکو تمام شہوات حاصل ہوتی تھیں اور آخرت میں اسکی پیشوائی سے یہ نتیجہ ہوگا کہ اسکے پیچھے پیچھے آگ میں جا پہونچینگے حدیث میں ہے کہ مجمع قیامت میں حکم الٰہی ہوگا کہ جو جسکی پرستش کرتا تھا اسکے نشان کیساتھ پیچھے چلے حتی کہ سوائے اہل توحید کے سب گمراہ اپنے پیشواؤنکے پیچھے جاوینگے یہانتک کہ دوزخ میں گرینگے اور حدیث صحیح میں ہے کہ حفت النار بالشہوات یعنی نفس کی خواہشوں سے دوزخ گھری ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے جی چاہتی چیزوں کے پیچھے دنیا کی ہوا پر ہوا و حرام و شہوت و شراب میں اپنی شہوات پوری کرے تو جب شہوات طے ہونگے تو جہنم تک پہونچ جاویگا اور اگر بیچ میں ہوشیار ہوکر توبہ و استغفار سے واپس آیا اور نیک کام کئے تو جنت نصیب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اگرچہ نیک کام جو حقیقت میں نہایت آسان ہیں نفس پر بہت شاق گزرتے ہیں اسواسطے حدیث میں ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ جنت ایسی چیزوں سے گھری ہے جو آدمی کے جی پر گراں اور شاق گذرتی ہیں تو دیکھو کہ فرعون والوں نے باوجود ظہور نبوت موسیٰ

وکثرت معجزات باہرات وخوبی وراستی طریقہ کے صرف دنیاوی خواہشون کی لالچ مین فرعون کی پیروی کی اور شہوات کو پورا کرلیا
آخر اُسنے اپنی پیروی مین انکو جہنم مین ڈالا اور دنیا مین جب سے بحر قلزم مین غرق ہوے دوزخ کی آنچ پر پیش کیے جاتے ہین کما
قال تعالیٰ النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا الآیۃ - اور دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنیوالے دنیا مین فرعون کے ہاتھون
مصیبت اُٹھاتے اور طرح طرح کی تکلیفین سہتے تھے مگر دین آلٰہی پر ثابت قدم تھے تو آخرت مین جنت دائمی مین آرام پاوینگے انشاء اللہ تعالیٰ
اگر کہا جاوے کہ فرعون خوار و ذلیل کیلیے جھنڈا کیسا ہوگا تو جواب یہ ہو کہ یہ خواری وذلت کا جھنڈا ہوگا چنانچہ جہنم مین جاوے گا
اور کچھ اسی پر موقوف نہین ہو جو کوئی کسی گمراہی کا پیشوا بنا ہو آخر رسوائی کا جھنڈا اُٹھاویگا چنانچہ ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ آنحضرت
صلعم نے فرمایا کہ جاہلیت کے شاعرون کا جھنڈا اُٹھانیوالا امراء القیس ہوگا - رواہ الامام احمد - اگر کہا جاوے کہ قولہ اوردہم النار - مین
ایراد اور ورود کا استعمال عرب مین پانی کے ساتھ مستعمل ہو مثلاً اوردالبعیر الحوض - اور جیسے قولہ تعالیٰ ورد ماء مدین یس بجاے اوردہم
النار کے اوردہم - جو پانی کے واسطے ہو کیون فرمایا ہو تو سراج وخفاجی وغیرہ مین ربانی بلاغت کی توجیہ کی کہ نار کو ان کے حق مین بمنزلہ
پانی کے استعارہ کرکے ورود کے لفظ سے استعمال کیا اور بلاغت کی اصطلاح مین اسکا نام استعارہ مکنیہ تہکمیہ ہو - حاصل یہ ہو کہ جیسے پانی سے
آدمی سیراب وخوش ہوتا ہے جب وہان وارد ہو تو ان کے حق مین آگ ایسی ہی قرار دی جیسے قولہ ذق انک انت العزیز الکریم مین ہے
اگر کہا جاوے کہ اوردہم ماضی فرمایا حالانکہ مراد یوردہم ہے یعنی وارد کریگا - جواب دیا گیا کہ منجملہ قواعد بلاغت کے ہو کہ جب کوئی واقعہ
قطعی ہونیوالا ہو تو اسکو ماضی سے بولتے ہین تاکہ اشارہ ہو کہ گویا واقع ہوچکا - بعض علماء نے کہا کہ آگ کے ساتھ پانی کا لفظ ان کے حق مین اور
مضارع کی جگہ ماضی اس نکتہ کی وجہ سے ہو کہ ظاہر مین تو فرعون مع قوم کے بحر قلزم مین ڈوبا مگر وہ آگ پر پہونچا ہے لقولہ تعالیٰ - النار
یعرضون علیہا غدوا وعشیا - دونون وقت آگ پر پیش ہوتے ہین اگرچہ قیامت مین اسمین داخل ہوجاوینگے تو وقوع اسکا شروع ہوچکا ہے
چنانچہ حدیث مین ہو من مات فقد قامت قیامتہ - جو مرا اسکی قیامت قائم ہوچکی بعض متصوفین نے کہا کہ رحمت آلٰہی اسکے غضب پر سبقت
لے گئی ہو چنانچہ آیت سے وصریح حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہوچکی ہو تو فرعونیون کے حق مین باوجودیکہ آگ مین ڈالے جاوینگے
اسکے ساتھ ورود کا لفظ جو پانی کے ساتھ مستعمل ہو اشارہ ہو کہ اس آگ مین بھی ایک طرح کی رحمت خفی ہوگی واللہ اعلم - ظاہر توجیہ تو
وہی ہو جو مذکور ہوئی کہ جیسے مجرم کو کہتے ہین کہ لو اب جوتے کھاؤ یا کوڑے کھانے کا مزہ چکھو اس سے زیادہ بلاغت لطیفہ کیساتھ انکے
حق مین کہا کہ سیر ہونیکو آگ پر وارد ہوں گے پھر تصریح کردی بقولہ وبئس الورد المورود - اے بئس مکان الورد المورود
لہ یعنی کتنا برا ٹھکانا سیرابی کا یہ گھاٹ ہو جسمین اُترے ہین کیونکہ گھاٹ پر آدمی کو پوری اُمید ہوتی ہو کہ پیاس کی جلن اور دھوپ
کی گرمی سے یہان سیراب ہوکر آرام وآسائش مین ٹھنڈا ہوگا اور یہان اسکے برعکس ہوگا کہ پیاس کے مارے وہان چھاتی پر لٹک پڑیگی
اور ہونٹ سوجکر کھال جلکر اُدھڑ پڑیگی پھر جیسے وجلیگی اور پیپ وپیچ لوہو پئین گے اللہم اعوذ بک من عذاب النار واُتبعوا فی ہٰذہٖ لعنۃ
اور اس دنیا مین اس قوم کے پیچھے لعنت لگادی گئی یعنی جب دولت فانی وسلطنت وخواہش نفسانی کے پیچھے تکبر کرتے اور اپنے خالق عزوجل
کے رسول سے انکار وتمسخر کرتے تھے اسی دنیا مین ان پر لعنت کی جاتی ہو ویوم القیٰمۃ - اور قیامت کے روز بھی لعنت اُن کے پیچھے
لگادی گئی کہ وہان تمام اہل محشر حتیٰ کہ کافر بھی اُن پر لعنت کرین گے اور یہ بات اکثر منکرون کی سمجھ مین نہین آتی ہو تو وہ یون سمجھین کہ
حق عزوجل جسنے سب چیز پیدا کی ہو اس نے لعنت اُنکے پیچھے لگادی بئس الرفد المرفود - یہ کتنا برا عطیہ ہو جو انکو انعام

میں ملاہے۔ کسائی نے کہا کہ رفد نام ہے عطیہ کا پس لعنت کو بطریق تہکم کے ان کے حق میں عطیہ قرار دیا۔ اور رفد کے معنی عون یعنی مدد
بھی ہیں تو دنیا کی لعنت پر قیامت کی لعنت انکے لئے ایک عون قرار دی گئی کہ جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں اس مدد سے جگہ پائی۔
ماوردی نے اصمعی سے نقل کیا کہ رفد وہ قدح جسمیں شراب ہو تو اس معنی پر جو انکو دوزخ میں پینے کو ملیگا اسکی مذمت ہے پس ورد مورود
سے اسکو زیادہ مناسبت ہوئی۔ ابو السعود نے عطیہ کے معنی کو کہا کہ وہ چنداں مناسب اس مقام کے نہیں ہیں۔ کلبی وغیرہ نے کہا
کہ رفد کے معنی زیادت کے ہیں یعنی لعنت پر لعنت کی زیادتی بڑی مذموم زیادتی ہے۔ شیخ حافظ رح نے اسی معنی کو ذکر کیا اور کہا کہ مراد
یہ ہے کہ ہم نے عذاب جہنم پر انکے حق میں یہ مزید کیا کہ دنیا میں اُن پر لعنت باقی رہے اور قیامت میں اُنپر لعنت ہو۔ مجاہد رح نے کہا
کہ قیامت کے روز انکے لیے ایک لعنت بڑھائی گئی تو دو لعنتیں ہو گئیں۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے رفد مرفود کے معنی روایت
کئے کہ لعنت دنیا و آخرت کی اور یہی ضحاک و قتادہ کا قول ہے اور لکھا کہ یہ بمانند قولہ تعالی وجعلنا ہم ائمۃ یدعون الی النار الآیتین
یعنی امام تو ایک کرامت کا لفظ ہے جو پیشوا کیلیے بولتے ہیں اور حضرت موسی علیہ السلام کے متبعین میں اللہ تعالی نے ائمہ و پیشوا فرمائے تھے
تو انکے مقابلے میں فرعون و انکے اشراف کی نسبت بطریق تہکم کے فرمایا کہ ہم نے انکو جہنم کی طرف دعوت کرنیوالے پیشوا بنائے یعنی جنھوں نے
انکی پیروی کی انکو جہنم کو لیگئے حالانکہ یہ اُن کے حق میں کمال مذمت ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو کتنی بری پیشوائی ہے اللہ تعالی اپنے
پیشوا ہونے سے محفوظ رکھے۔ ف۔ فی العرائس قولہ ولقد ارسلنا موسی بآیاتنا الآیۃ۔ آیات میں سے تھا کہ حضرت موسیٰ کو قدرت ہوئی کہ
جو انوار جلال و جمال و حقائق و معارف پائے انسے صالح بندوں کو آگاہ فرمادیں اور معارف و صفات کو اہل الخیر والصدق میں پھیلادیں
اور سلطان مبین وہ آثار ہیں جو نور ازلیت اور برق محبت سے ظاہر ہوتے تھے کما فی قولہ والقیت علیک محبۃ منی۔ ابن عطا رح نے کہا کہ
آیات میں وہ قوت تامہ بھی تھی جو کلام الٰہی سننے کے وقت فنا ہونے سے ظاہر ہے اور سلطان وہ انبساط تھا جس سے دیدار کا سوال کیا
جعفر رح نے کہا کہ آیات میں سے ہے کہ اللہ تعالی کے بندوں میں سے اولیا کے ساتھ متواضع اور اعدا کے ساتھ متکبر ہو بعض نے کہا
کہ آیات میں سے خلق کو انکی محبت ہے اور سلطان اس محبت میں ہیبت ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ اس سورت شریفہ میں سات تذکرہ
اس اُمت سے اگلوں کے واسطے ذکر فرمائے کہ تمام بنی آدم یکساں اللہ تعالی کی مخلوق ہیں وہ اُن پر ہر حال میں ہر طرح قادر ہے
تو اس اُمت والے ان واقعات سے عبرت حاصل کریں کہ اس دنیا سے فنا ہونا مثل اُنکے ضرور ہے پھر سعادت پر مرنا بیشک بدبختی پر
مرنے سے اچھا ہے اور سعادت ظاہر ہے کہ اگلوں کو اُنکے انبیاء کی پیروی میں تھے ورنہ اپنی رائے سے اُنھوں نے دنیا کی بہت کچھ ثروت
حاصل کر رکھی تھی اور نبوت کا اُن میں طریقہ برابر چلا آیا پھر نبوت کے انکار سے بدبخت ہوئے اور آخر کس حد تک اگلوں نے تجاوز کیا جب
مدار ایسی زندگی سے شروع ہو گیا اور سبب انکار و سرکشی کا یہی ہوا کہ فنا ہونا جو ہر شخص کے نزدیک یقینی ہے اُس سے غفلت کر گئے
اور باعث غفلت کا یہی دنیا کی لذتیں و مال و منال و آل و اولاد و مکان و جائداد اور فخر و ناموری وغیرہ آخرت سے غافل کرنیوالی باتیں
واقع ہوئیں اور اپنے جی کی خواہش پر تکیہ لگا کر جھگڑا و بکرا اُلٹی سمجھنے لگے تو ضرر اُسکا خود اُنھیں پر واقع ہوا کیونکہ پیدا کرنیوالا تو پہلے دیکھ
پیدا کرنے پر ہزار بار قادر ہے اور جس نے یہ عجائب کارخانہ دنیا پیدا کیا وہ اس سے افضل و اعلی اور ہزار پیدا کر سکتا ہے تو خواہشیں و لذت کی
چیزیں اسی پر مقصور نہیں ہیں لہذا عبرت حاصل کر کے فنا کو پیش نظر کر کے نبوت کا اعلی نعمت جانکر پیروی کر کے نعمت باقیہ حاصل کریں ورنہ
عذاب دیں کہ جسطرح اگلوں کے ساتھ ہوا انکے ساتھ ہو۔ لہذا اللہ تعالی جل سلطانہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو خطاب شروع فرمایا۔

ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

یہ تھوڑے احوال ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھکو کوئی اُنمین قائم ہے اور کوئی کٹ گیا اور ہم نے اُن پر ظلم نہ کیا

وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ فَمَآ أَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے اُن کے ٹھاکر جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے

مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ أَخْذُ

کسی چیز میں جب پہونچا حکم تیرے رب کا اور کچھ نہ بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنا اور ایسی ہی ہے پکڑ

رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهٗٓ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کر رہی ہیں بیشک اُسکی پکڑ دُکھ دینی ہے زور کی اس بات میں

لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝

نشانی ہے اُسکو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے وہ دن ہے جس دن میں جمع ہونگے سب لوگ اور وہ دن ہے دیکھنے کا

ذٰلِكَ ـ یہ سب ہولناک عبرتناک قصص جو اس سورہ میں اوپر مذکور ہوئے مِنْ اَنْبَآءِ الْقُرٰى ـ چند قریہ کے اخبار دن میں سے ہیں نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ ـ ہم اسکو تجھے سنواتے ہیں تاکہ تو اپنی قوم کو سنا دے کہ وے عبرت حاصل کریں اور عذاب کے لئے نشانہ نہوں اسمیں اشارہ ہو کہ اگلی اُمتوں میں صرف اسی قدر وقائع نہیں ہیں بلکہ یہ صرف چند قریہ کے حالات ہیں جن سے عرب واقف تھے اور اُنکے حالات بھی سب نہیں ہیں چنانچہ جن سے عبرت کی غرض نہ تھی اُنکو ذکر نہیں فرمایا اسی واسطے علمائے حقانی ان قصوں میں سے صرف اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اور زائد حالات سے کچھ تعرض نہیں کرتے ہیں پھر گویا عبرت حاصل کرنیوالے کو خیال ہوا کہ یہ قریہ کیا ہوئے تو فرمایا مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ـ ان میں سے بعضے قائم ہیں جیسے کھیتی کے درخت کھڑے ہوتے ہیں اور بعضے حصید ہیں جیسے کھیتی کٹی ہوئی ہوتی ہے ـ قال الشیخ منہا قائم یعنی معمور آباد ہیں و حصید تباہ ہیں اور دون نے کہا کہ یہی ابن عباس رض سے مروی ہو ـ قتادہ رح نے کہا کہ قائم جنکا ٹوٹکا نا پہچان پڑتا ہو اور حصید جنکا اثر بھی نہیں ہو ـ اقول حدیث صحیح میں مروی ہو کہ تبوک کو جہاد کیلئے جاتے ہوئے لشکر کا گذر قوم ثمود کے قریہ سے ہوا اور عرب اُنکو خوب جانتے تھے تو آنحضرت صلعم نے اُنکو وہ کنواں بتلایا جو ثمود کا تھا اور ناقہ کے آنے کا نالہ اور لوٹتے وقت دوسرے نالہ سے جانے کا پتہ بتلایا اور قوم میں سے جس نے اس کنوئیں سے پانی لیا تھا اُنکی ہانڈی تک اُنڈھوادی اور حکم دیا کہ دوسرے کنوئیں پر اُترے جو شہر سے باہر تھا اور بعض لوگ اس قریہ میں نشانات دیکھنے گئے تھے اُنکو بلوایا اور کہا کہ معذب قوم میں مت جاؤ اور یہاں سے روتے ہوئے گذرو ـ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا یعنی جو اُن پر واقع ہوا عذاب ہلاک تو یہ ہماری طرف سے اُن پر ظلم نہ تھا ـ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ـ ولیکن انھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کیونکہ خالق عزوجل سے کفر و اسکی رضا کے برخلاف قبیح اعمال کئے اور بتوں کو اپنا معبود بنایا اور یہ سب موجب عذاب کے ہے فَمَآ أَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ ـ اُنکو نفع نہ دیا عذاب الٰہی اُن پر سے دور کرنے میں اُنکے معبودوں نے ـ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ـ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے پوجتے تھے ـ مِنْ شَيْءٍ ـ کچھ بھی لَّمَّا جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ـ جس گاہ کہ اُن پر تیرے پروردگار کا عذاب آیا یعنی ان لوگوں نے اپنے خالق سے کفر کر کے بتوں وغیرہ کو اپنا معبود بنایا تھا اور اُنکو قدرت والا جانتے کہ مصیبت ٹال دیتے اور بھلائی دیتے ہیں یعنی اُنکو ہر طرح نفع و ضرر دینے والا جانتے تھے

تو جب اُن پر عذاب الٰہی آیا تو اُن پر سے عذاب کو اُنکے یہ معبود کچھ بھی دور نہ کر سکے اور کچھ بھی نفع نہ دے سکے اور کچھ بھی کام نہ آئے وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ۔ اور نہ بڑھایا اُن کے معبودون نے اُن کے حق مین سوائے ہلاک کے یعنی انھین معبودون کی بدولت یہ لوگ ہلاک ہوئے اور کچھ بھی اُنکو فائدہ نہ دیا۔ اولیاء کرام نے فرمایا کہ جو کوئی چیز تجکو اللہ تعالیٰ سے غافل کرکے اپنی طرف متوجہ کرے وہی تیرے حق مین طاغوت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کی ہوائے نفس کو اُسکا معبود بتلایا لقولہ فرأیت من اتخذ الٰہہ ہواہ۔ اور سوائے اللہ تعالیٰ کے غیر کی پرستش کرنا بڑا سخت ظلم ہے پھر بھی حق تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب گرفتار فرماتا ہے تو رہائی نہیں ہوتی پھر ممکن ہے کہ دنیاوی زندگی بھر مہلت ہو اور موت کے وقت عذاب مین گرفتار ہو پھر رہائی نہیں ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ۔ اور ایسے ہی ہوتا ہے گرفتار کرنا تیرے پروردگار کا۔ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى۔ جب اُسنے کسی بستی والون کو پکڑا یعنی عذاب مین گرفتار کیا۔ وَهِيَ ظَالِمَةٌ درحالیکہ یہ قریہ ظالم ہے یعنی کثرت گناہ و نافرمانیون سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوتے ہین تو اسی طرح عذاب مین پکڑتا ہے کہ کوئی اُن کو رہا کرنے کی مجال نہیں رکھتا۔ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔ بیشک اُسکا عذاب کافرون کے حق مین سخت دردناک ہے تو لوگ ڈرتے رہین کہ اسی چند روزہ زندگی مین نیکی و رضائے الٰہی کو بتوفیق الٰہی استدعا کرین۔ ورنہ عذاب مین گرفتار ہون گے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ظالم کو ڈھیل دیدیتا ہے حتیٰ کہ جب اُسکو گرفتار کر لیتا ہے تو پھر اسکو رہائی نہیں دیتا ہے پھر یہی آیت پڑھی۔ کما فی صحیح البخاری و مسلم۔ واضح ہو کہ ظالم کا حال زمانہ مہلت مین نہایت خوفناک ہوتا ہے کیونکہ کمال جہالت سے وہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ مجھکو اسقدر مال و دولت دیدی اور کبھی تکلیف و بیماری بھی نہیں ہوتی ہے اور جان لینا چاہیئے کہ جسکو عاقبت کی بھلائی نہیں ہوتی اسکو یہان اسکی خواہشین مال و دولت و آل و اولاد بہت کچھ دیدی جاتی ہین جیسا کہ دوسرے مقام کی آیات سے ظاہر ہے تو اس سے وہ اپنے کو اچھا سمجھتا ہے آخرکار یکایک عذاب مین پڑ جاتا ہے اسیواسطے بعض مشائخ کرام نے کہا کہ امن کی حالت زیادہ خوفناک ہوتی ہے کیونکہ مشتبہ رہتا ہے کہ یہ ظالم کی مہلت ہے یا فضل الٰہی ہے اور جس نے یہ سمجھا کہ آیت شریف کا حکم اگلی امتون کے ظالمون کیواسطے مخصوص تھا تو اُسنے آیت کے معنی نہ سمجھے اور حدیث موصوفہ بالا کو بھول گیا صرف اپنے نفس و شیطان کے وسوسہ پر تکیہ لگا کر بیٹھ رہا اب کلام الٰہی سے عبرت حاصل نہیں کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ۔ بیشک اس گرفت مین یا ان قصص مین عبرت ہے ہر ایسے شخص کیلئے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے یعنی ایمان لایا کیونکہ جو نہیں ڈرا اور آخرت پر ایمان نہ لایا اُسکا تو وہ حال ہے جو اگلی امتون کا ہوا اور نصیحت و عبرت اُسی کو ہوگی جو آخرت پر ایمان لاوے اور اُس سے ڈرے تو ویسی حرکتین نہ کریگا کہ عذاب پاوے بعض اہل الفہم نے بتوفیق الٰہی کہا کہ اس کلام مین ایک لطیف اشارہ ہے کہ اس اُمت کے ظالم لوگ اسطرح عذاب مین ماخوذ نہ ہونگے جیسے اگلی قومین ماخوذ ہوئین کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ عبرت ہے اُسکے لیے جو عذاب الٰہی سے ڈرے بلکہ عذاب الآخرة فرمایا یعنی عذاب الحیوة الآخرة یا عذاب النشأة الآخرة۔ تو معلوم ہوا کہ عذاب الحیوة الدنیا کی عبرت اب ایک خاص رحمت کیوجہ سے نہ ہوگی اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے درگاہ الٰہی مین دعا فرمائی تھی کہ حیات دنیا کے عذاب سے اس امت کو عفو فرمایا جاوے اور اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی ہے اسیواسطے تو دیکھتا ہے کہ اس امت مین اگلون سے زیادہ ظالم ہین لیکن عذاب ظاہری مین گرفتار نہیں ہوتے ہین اور یہ بڑا معجزہ تمام مومنون کیلئے ظاہر ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ آخرت مین عذاب نہ ہو بلکہ آیات و احادیث صریح متواتر ہین کہ مرتے ہی عذاب القبر شروع ہو جاتا ہے لہذا عبرت یہ ہے کہ اسی زندگی

مین عذاب سے خوفناک ہوکر توبہ و استغفار کرے کیونکہ یہی عام رحمت و خاص رحمت ہے کہ کوئی بندہ کیسا ہی گنہگار حتی کہ کافر و مشرک ہو پھر وہ آخرت پر ایمان لاکر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اسکو پاک بخشدیتا ہے گویا آج اپنی مان کے پیٹ سے پیدا ہوا اور کافر نے حالت کفر مین اگر خون بھی کیا ہو وہ بھی معاف ہوجاتا ہے کیونکہ سچے ایمان و بندگی کے بعد کافر کو نورانی علم حاصل ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ مین حالت کفر مین اگرچہ خوش خوراک و خوش پوشاک اور بڑا باقولی اور بڑی عمدہ تدبیر والا اور بہت عقلمند تاجر تھا لیکن بلاشبہہ مین جانور کے مثل تھا تو جانور اگر خون کرے معاف ہونے کے قابل ہے اور اگر ایمان نہ لایا تو ہرگز معاف نہو کیونکہ جانور وہ خود بنا تھا پیدائشی جانور نہین ہے اور جسکو ذرہ برابر سمجھ ہو وہ دنیا کے لوگون و پیدائشی حالتون مین ذرا انصاف کی نظر سے دیکھکر جان جائیگا کہ سب کے لیئے ایک اور پیدائش دوسرا گھر ضرور ہے پھر جب ابتداے خلقت سے لیکر حضرت خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین تمام سب پیغمبرون نے متواتر آگاہ فرمایا کہ اے لوگو تمھاری جزا و سزا کیلئے دوسرا جہان ہے تو یقین قطعی ہوگیا کہ یہ دنیا اور یہ زندگانی خوب نیکی و بندگی کیلئے ہے جنکا اکرام و انعام و ثواب دوسرے جہان مین غیر متناہی اور آدمی کی ہوس سے بڑھکر ہے اور جس نے بدکاری کی اسپر عذاب بھی وہم و گمان سے باہر ہے چنانچہ بعضی قومون کو جن کی نافرمانی پر غضب آیا اسی جہان مین طاری ہوگیا جس سے نیک بندون نے عبرت حاصل کی اور عذاب الآخرۃ سے ڈرے پھر روز آخرت کا حال فرمایا ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ - یہ روز آخرت ایسا دن ہے کہ اسمین سب لوگ جمع کیے جاوینگے اور یہ ایسا دن ہے کہ مشہود ہوگا یعنی سب اہل محشر اسمین شاہد و حاضر ہونگے یا بہ اخلائق جن و انسان و چرند و پرند وغیرہ یا سب آسمانی و زمینی حاضر ہونگے یا اسمین شہادت ادا ہوگی ف بعض اشارات اس مقام سے عرائس البیان مین ہین قولہ تعالیٰ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری وہی ظالمۃ اسمین ایسے لوگون کے حق مین دھمکی ہے جو دنیاوی نعمتون مین پڑکر ایسے غافل ہوگئے کہ نعمت کی محبت مین نعمت دینے والے سے انقطاع کرلیا۔ شیخ ابوبکر الوراق نے کہا کہ جب حق تعالیٰ کسی پر خشم فرماتا ہے تو اسکو دنیا کی نعمت بہت دیدیتا ہے اور اسکا شکر کرنے سے غفلت نصیب ہوتی ہے اور اسکے دل سے توفیق جاتی رہتی ہے اور آخرت سے منقطع ہوکر مہمل ہوجاتا ہے اور اسی دنیاوی نعمت پر مغرور ہوکر ایسے گناہون کا مرتکب ہوتا ہے جو مستوجب گرفتاری عذاب ہین تو وہ ناگاہ غفلت ہی مین بدون توبہ و استغفار کے عذاب مین گرفتار ہوجاتا ہے اقول شیخ ابوبکر الوراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے حق مین یہ حال بیان فرمایا جسنے دنیاوی نعمت کو شرعی حلال طریقہ سے حاصل کیا ولیکن اسکی محبت مین آخرت سے غافل ہوگیا پھر واے برحال ان لوگون کے جو بدون مال کے صرف ہوس پر دل مین اسکی محبت ایسی بھر لیتے ہین کہ حالت افلاس ہی مین آخرت سے غافل رہتے ہین اور مال تو مثال ہے کوئی چیز دنیاوی ہو یکسان ہے پھر کبھی ایمان سلب ہوجانیکے بعد اسکو آخرت کے عوض حرام و حلال کسی طریقہ سے یہ چیز حاصل ہوجاتی ہے اور کبھی یون ہی محروم مرجاتا ہے پس خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوجاتا ہے حالانکہ مقدر سے زائد ملنا ممکن نہین ہے اور جب خود فانی ہے تو یہ اموال و اسباب بدرجۂ اولیٰ فانی ہین تو بہتر تھا کہ دار آخرت باقی کا ذخیرہ وہان جمع کرتا بعد یقین واثق و ایمان کامل کے کیونکہ روز قیامت برحق ہے۔ قولہ تعالیٰ ذٰلک یوم مجموع لہ الناس الآیۃ۔ اس دن عارفین تو دیدار جلال و مشاہدۂ عظمت و کبریا رکیلیئے حاضر ہونگے اور محبین جمال و جمال و لقاء باقی کے واسطے یکجا ہونگے اور موحدین جن کو سواے واحد کے کچھ بھی یہان مشاہدہ نہین ہے وہ سب دیدار قدم و شہود ازل کیلئے مجتمع ہونگے اور یہی لوگ اہل البصر ہین کہ برابر دنیا مین طوارق تقدیر و سطوات عظمت پر صابر ہوکر رہین اہل الجمع و شہود تھے ابو سعید الخراز رح نے فرمایا کہ جس نے حقیقت مین الجمع سے معاینہ کیا اسکو جمع قیامت مین ہول نہوگا اور جو کشف المشاہدہ مین تھے اسکو شہود قیامت سے تعجب ہوگا کیونکہ انکشاف کشفی مطابق حقیقی اسکو حصول تھا

یحییٰ بن معاذ رازی رحنے کہا کہ ایام تین ہیں ایک یوم مفقود ہے دوم یوم مشہود اور سوم یوم مورود اور چہارم یوم موعود و پنجم یوم ممدود پس یوم مفقود جو گذرا تو استغفار و توبہ سے مکافات ممکن نہیں اسکو حسرت سے یاد رکھ کہ میں نے اسمیں کیسی تقصیر کی ہے یوم مشہود یہ روز ہے جسمیں تو حاضر ہے تو جسقدر تجھ سے ممکن ہے زاد راہ جمع کرے ۔ یوم مورود وہ ہے کہ ابھی تجھکو معلوم نہیں کہ وہ تیرے لیے ہے یا تو اسکے لیے ہے یعنی شاید یہ تیرے زمانہ کا ہو اور وہ کل کا روز ہے تو اسکے بھروسہ پر مت بیٹھ اور اسکے اہتمام میں مشغول مت ہو ۔ یوم موعود اپنے دل میں یاد رکھ کبھی کسی حال میں اسکو مت بھول اور اسکے واسطے سامان جمع کر کہ وہی تیرا آخری مدت ہے اگرچہ ابھی تجھکو معلوم نہیں کہ وہ کون دن ہوگا مگر آخر ایک روز موت کا قطعی موعود ہے ۔ یوم ممدود وہ دن ہے کہ تمام مخلوق محشر میں رب العالمین کے لیے عاجز قائم ہوں گے تو ہر روز اپنے نفس سے اس روز کے سوال و جواب کے لیے حساب کر لیا کر کہ آخر تجھکو یہ کرنا ضروری ہے پھر تو افراط و تفریط کیلیے کیا جواب رکھتا ہے اور اگر کسی کا فر کو شبہہ ہو کہ آخر وہ دن کب ہوگا ابھی قائم کیوں نہیں ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ

اور اسکو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کی گنتی تک جس دن وہ آویگا نہ بولیگا کوئی جاندار مگر اسکے حکم سے سو اُن میں کوئی بدبخت ہے اور

سَعِيْدٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ لا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

کوئی نیکبخت سو وہ لوگ جو بدبخت ہیں سو آگ میں ہیں اُن کو وہاں چلانا ہے اور دھاڑنا رہا کریں اُس میں

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝

جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

اور وہ جو نیکبخت ہیں سو جنت میں ہیں رہا کریں اُسمیں جب تک رہے آسمان اور زمین

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝

مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۔ اور نہیں تاخیر دیتے ہم اس دن کو مگر واسطے ایک مدت معدود کے یعنی ہم نے ایک قلیل مدت مقرر کر دی ہے جسکو کوئی مخلوق سوائے ہمارے نہیں جانتی ہے جب وہ پوری ہوگی اُسوقت اچانک قیامت قائم ہو جائیگی ۔ اس مدت کی قلت اسوجہ سے ہے کہ بقاء آخرت غیر متناہی ہے تو دنیا کی مدت کسی قدر ہو محدود ہوگی اور وہ غیر محدود کے مقابلہ میں محض قلیل ہے حالانکہ آدمی سخت احمق ہے جو کمی و بیشی پر نظر کرے اسکے لیے تو دنیا ہی چند روز حیات تک ہے اور قیامت کیلیے اگرچہ آثار بہت مروی ہیں جنکو اس زمانہ میں مشاہدہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ بالکل آثار ظاہر ہیں سوائے چند آثار کے جنکی تعداد چار پانچ تک پہنچتی ہے ان چار پانچ کیلیے جو آثار مروی ہیں وہ بھی ظاہر ہوتے جاتے ہیں مثلاً مروی ہے کہ اُسوقت امت اسلامیہ کے اخلاق و عادات بگڑ جاوینگے اور نصرانی تمام روئے زمین کے لوگوں سے زیادہ شمار میں اور زیادہ ثروت و قوت میں ہوں گے اور جو آثار ابھی ظاہر نہیں ہوئے از انجملہ یہ ہے کہ تمام دنیا میں بہت صرف جیرہ و ایک صوبہ مصر میں اور قریب چند قطعہ معدود مسلمانوں کے قبضہ میں رہ جاوینگے اس امر کیلیے بھی آثار ظاہر ہوتے جاتے ہیں از انجملہ ظہور امام مہدی علیہ السلام ہے ۔ از انجملہ خروج دجال ہے از انجملہ فتح قسطنطنیہ ہے پھر اسکے آثار بھی قریب ہیں اور رہے

آثار صغری مثل کثرت زنا و شراب خواری و فساد علماء و کثرت دروغگوئی و مسجد مین دنیاوی باتین و توحید کے نام سے شرک کرنا اور جاہلون کا جاہل کو پیشوا بنا کر گمراہ ہونا اور مانند اسکے جو بکثرت مذکور ہین وہ غالبا سب ہی پائے جاتے ہین اور رہا قیامت کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر کو بھی نہین تو یہ قرآن مجید و صحاح احادیث مین صریح مذکور ہے اور علماء سب متفق ہین اور اچانک قائم ہونا تو حدیث صحیح مین یہ مضمون ہے کہ آدمی بازار مین کپڑا خرید کر ہاتھ مین لئے ہوگا اور عربی آدمی اپنے اونٹ کے پانی پلانے کا حوض درست کرتا ہوگا کہ ناگاہ صور کی آواز سے وہین ہاتھ جیسے ہوگا ویسا ہی رہ جائیگا پھر حشر و حساب الخ وقت ہولناک عظیم ہے سوائے کافر و جاہل کے کوئی اس ہولناک واقعہ کیلئے آمادہ نہین ہے الغرض قیامت ہولناک کی تاخیر اسوجہ سے ہے کہ علم الٰہی مین دنیا کی انتہا کیلئے ایک مدت قلیل بنسبت آخرت کے مقدر ہے اسوقت تک نسل آدم جنکا ظہور مقدر ہوا ہے ظاہر ہو جائیگی اور حکمت بالغہ الٰہیہ اسکی مقتضی ہے یَوْمَ یَأْتِ یاتی یوم القیامۃ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ جس دن وہ آجائے گی قیامت تو نہ بول سکے گا کوئی نفس اِلَّا بِاِذْنِهٖ مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے یعنی کسی کو اس دن بولنے کی مجال نہوگی بسبب ہول وقائع اور ظہور جلال و غضب الٰہی کے مگر وہی بول سکے گا جسکو اجازت ہوگی اور وہ بھی قول صواب کہیگا صحیحین کی حدیث شفاعت مین مذکور ہے کہ اسدن کوئی شخص بات نکر سکے گا سوائے رسولون کے اور رسول بھی یہی کہین گے یا رب سلم سلم یعنی اے رب ہمارے سلامتی سلامتی۔ اگر کہا جاوے کہ دیگر آیات مین تو مذکور ہے کہ کفار جھگڑا کرینگے اور اپنی طرف سے جھوٹ بولینگے کقولہ تعالیٰ یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسہا۔ اور مثل قولہ تعالیٰ ربنا ما کنا مشرکین اور عدم کلام کی دوسری آیت ہے قولہ یوم لا ینطقون ولا یؤذن لہم فیعتذرون تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ جواب مروی ہے کہ اس روز دن مین مواقف متعدد ہونگے مثلاً اول مین بسبب ہیبت کے زبان سے بول نہ چھوٹے گا پھر بقدرت الٰہیہ نہ بول سکینگے بلکہ ان کے اعضاء و جوارح انکی بداعمالیون کی گواہی دینگے پھر حق تعالیٰ کی بخشش و انبیاء و مومنین یعنی صادقین و شہداء و صالحین کی شفاعت سے نجات دیکھکر کفار بکمال مکر منکر ہونے لگین گے کہ ہم بھی مشرک نہ تھے اور اس مقام پر دیگر اقوال بھی ہین اور ظاہر ہے کہ آخرت کے معاملات سے جسقدر فہم ہے کچھ سمجھ مین آسکتا ہے اور نہ سمجھا جانا ہے کہ اکثر امور آخرت دنیا کے قیاسات پر موافق نہین ہو سکتے ہین و شبہہ آدمی بڑا احمق ہے کہ جب اسکو دنیا مین اپنی روح و نفس کا علم جو اسکے اندر موجود ہے نہین ہو سکتا تو وہ آخرت مین کیا اشتباہ کرتا ہے جب اسکو رسول کی رسالت حقہ کی تصدیق ہو گئی تو جو کچھ رسول علیہ السلام نے فرمایا ضرور صحیح درست ہے یعنی جو کچھ قرآن کلام الٰہی مین مذکور ہے بالکل صحیح ہے۔ واضح ہو کہ اس آیت مین بلاغت بدیع کے تین نوع جمع ہین اول تو اجتماع بقولہ لا تکلم نفس پھر افتراق بقولہ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ پھر انکی قسمین تقسیم ہین سے یعنی بعضے شقی ہونگے اور بعضے سعید ہونگے پھر تیسری نوع تقسیم اور وہ آگے آتی ہے پس شقی بدبخت بداعمال وہ ہین جنکے حق مین شقاوت ازلی مقدر ہو چکی ہے اور سعید نیک بخت نیکوکار وہ ہین جو ازلی برگزیدہ محبوب بندے ہین اور ازلی تقدیر کے یہ معنی ہین کہ خالق تمام مخلوقات جل شانہ کا علیم و خبیر ہے اسکی شان مین جہل و نادانی کا لفظ جائز نہین ہے تو اب یہان یہ سوال ہے کہ جسوقت اسنے مثلاً زید کو پیدا کیا تو اسکا یہ علم تھا کہ یہ بندہ ایسے ایسے کام کریگا یا نہ۔ تھا اگر نہ تھا تو نادانی ثابت ہوئی اور یہ جہالت کا اعتقاد بالکل کفر و محض حماقت و جہالت ہے بلکہ خالق علیم ضرور جانتا تھا اور اسکے علم کے برخلاف دنیا مین ذرہ سے ذرہ واقع نہوگا بلکہ وہی واقع ہوگا جو علم الٰہی مین تھا پس یہی ازلی سعادت یا شقاوت ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فمنہم شقی و سعید تو مین نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ جو عمل کرتے ہین وہ کس طرح پر ہے آیا ایسی وجہ پر ہے کہ اس سے فراغت ہو چکی یا فراغت نہین ہوئی ہے تو فرمایا کہ اے عمر اس سے فراغت ہو چکی اور قلم اسکو لکھ چکے ولیکن

ہر شخص کو وہی کام میسر آویگا جسکے واسطے وہ مخلوق ہوا ہی۔ اس حدیث کو ترمذی وابویعلی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ
وابن مردویہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن ہی اور یہ مضمون تو صحیحین میں ثابت ہی پھر جاننا چاہیے کہ یہان دو قسم مذکور ہین
ایک شقی دوم سعید اور بعض لوگون نے زعم کیا کہ تیسری قسم اور باقی رہی وہ یہ وہ لوگ ہین جنکی بدی ونیکی مساوی ہون یا نیکی وبدی کچھ نہ ہون
جیسے اطفال ومجنون اور لکھا کہ یہ قسم مشیت الٰہی مین ہی جو چاہے حکم کرے۔ واقول یہ غلط محض ہی اور تحقیق یہ ہی کہ تقسیم بندون کی اگر باعتبار
اعمال کے ہو مثلاً کہا جاوے کہ مومن یا کافر پھر مومن مین اقسام ہین تو مومن کے اقسام مین البتہ کئی صورتین نکلتی ہین پھر بالکل سب سعید ہین
کیونکہ عدم خلود ان کے حق مین ثابت ہی ولیکن یہان اللہ تعالیٰ نے بندون کی تقسیم باعتبار اپنے علم ازلی کے فرمائی ہی لیس وہ دو ہی قسم ہین
سعید یا شقی اور اُن کے سوا تیسری قسم نہین ہی یا کہا جاوے کہ مومن کا فرتو تیسری قسم نہین ہے البتہ معتزلہ ایک منزل دونون کے
بیچ مین قائم کرتے ہین اور وہ قول مردود ہی اور جہنم مین فی الجملہ عذاب ہونا جیسے مومن ہونے سے خارج نہین کرتا ویسے ہی سعادت سے
خارج نہین کرتا اور اطفال کو اللہ تعالیٰ جانتا ہی کہ وہ شقی ہین یا سعید ہین ہان بندون مین سے اہل علم پر یہ مسئلہ مشکل ہوا اور جمہور اسطرف
ہین کہ سعید بہشتی ہونگے اور مومنون کے اطفال کی نسبت گویا اتفاق ہی کہ وہ سعید ہین جیسا کہ کلام امام نووی رح وغیرہ دلالت کرتا ہے
واللہ تعالیٰ اعلم اور سابق مین یہ بحث قولہ تعالیٰ ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس الآیۃ کی تفسیر مین گذر چکی ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ شقی وہ ہین جو
ہمیشہ دوزخ مین رہینگے اور سعید وہ ہین جو ہمیشہ جنت مین رہینگے اگرچہ گنہگار مومن جب ہمیشہ دوزخ مین نہ رہے تو وے سعید ہین کیونکہ
جنت مین جسوقت سے داخل کئے جاوینگے پھر اسمین ہمیشہ رہینگے تو تیسری قسم کوئی خارج از علم الٰہی نہین ہی غایت یہ ہی کہ ہم کو نہین معلوم کہ اطفال
ومجنون مین کون سعید وکون شقی ہی اور یہ تو درحقیقت عاقل بالغ مین بھی مشتبہ ہی۔ یہان ایک نکتہ اور ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قولہ منہم شقی وسعید
مین پہلے شقی کو کیون ذکر فرمایا تو اہل البیان نے کہا کہ مقام چونکہ ڈرانے وعبرت دلانے کا ہی لہٰذا اسکو مقدم کیا اور مین کہتا ہون کہ پہلے
شقی کو بیان کرکے اسکی تفصیل کردی کہ وہ ایسے لوگ ہین جو جسوقت سے دوزخ مین داخل ہونگے ہمیشہ اسی مین رہینگے تو معلوم ہوا کہ سعید
وہ ہین جو جنت مین جسوقت سے داخل ہونگے ہمیشہ اسمین رہینگے اور اس سے نکل گیا کہ گنہگار مومنون پر شقی صادق نہین آیا اسلیئے کہ ان کو
دوزخ مین خلود نہین ہی پس ضرور سعید صادق آیا اور یہی یہ ہونے کہ جب یہ جنت مین جائینگے اگرچہ عذاب دوزخ اٹھاکر ایک زمانہ کے بعد
جاوین تب یہ ہمیشہ جنت مین رہینگے چنانچہ تفصیل بھی دونون قسم مین فرمایا۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا یعنی جو لوگ کہ شقی ہوئے ہین یعنی علم الٰہی مین
انکی شقاوت مقدر ہوئی ہی فَفِی النَّارِ۔ تو وے دوزخ مین ہین۔ یہان کوئی فعل نہین ذکر کیا کیونکہ جملہ فعلیہ ہمیشگی پر دلالت نہین کرتا اور فعلیہ جملہ
ہمیشگی پر دلالت نہین کرتا بلکہ اسکو جملہ اسمیہ فرمایا جس سے عرب اپنی زبان مین ہمیشگی کے معنی سمجھتے ہین تو اس سے نکلا کہ وے ہمیشہ دوزخ
مین ہین۔ لَہُمْ فِیْہَا زَفِیْرٌ وَّشَہِیْقٌ اُن کے لیے دوزخ مین زفیر وشہیق ہی یعنی اس حالت پر کہ وے غم والم مین رہینگے۔ زجاج
نے کہا کہ بصری وکوفی زباندان لوگ کہتے ہین کہ زفیر تو گدھے کی شروع آواز کے مانند ہی اور شہیق اسکی آخری بلند آواز کے مثل ہی۔ اسکی بنا
یہ ہی کہ جیسے کسی کے دل پر آگ کی طپش پہونچی اور اسکی روح گھٹ گئی تو یکایک اسکی آواز بایک کھنچی ہوئی نکلی پھر آخر مین گدھے کی طرح ہیہایا
اور زجاج کے مانند لیث کی تفسیر بھی ہی اور مراد اس سے یہ ہی کہ اہل دوزخ آگ کی جلن وقالب کی طپش سے نہایت غم والم مین ہونگے
پہلے زفیر نکالینگے پھر انکی آواز شہیق ہوگی۔ پھر حضرت خالق قادر مختار مطلق نے تصریح فرمائی کہ اس حالت پر وے لوگ ہمیشہ رہینگے
بقولہ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ہمیشہ اسمین اسی حال پر رہینگے جب سے داخل کئے جاوینگے جبتک

برابر قائم رہین آسمان و زمین - تا مصدر ہے دوامت بمعنی قامت و بقیت یعنی تا دوام آسمان و زمین ۔ اگر کہا جاوے کہ آسمان و زمین تو
برابر قائم نہین رہین گے بلکہ مدت دنیا پوری ہونے کے بعد آخرت کے روز یہ بھی زائل ہون گے جیسا کہ آیات و احادیث مین مصرح ہے
تو کفار کا عذاب جہنم صرف اسی وقت تک منتہی ہوا حالانکہ دیگر آیات و احادیث سے ثبوت ہے کہ عذاب کفار دائمی ہوگا کبھی اس کا
انقطاع نہین ہے تو جواب دیا گیا کہ آسمان و زمین سے یہ آسمان و زمین دنیاوی مراد نہین ہے اسوجہ سے کہ دنیا کے وجود تک کفار
داخل جہنم نہونگے بلکہ بعد قیامت کے جاوین گے اور اُسوقت یہ آسمان و زمین نہ ہوگا بلکہ مراد آخرت کا آسمان و زمین ہے کیونکہ قولہ تعالیٰ
یوم تبدل الارض غیر الارض الآیۃ سے ثابت ہے کہ دوسرا آسمان و زمین بدلا جاویگا جو ہمیشہ باقی رہیگا تو کفار کا عذاب بھی ہمیشہ رہیگا - اور
بعض نے جواب دیا کہ یہ عرب کے محاورہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے عرب سے انکے محاورہ پر کلام فرمایا ہے چنانچہ عرب جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے
ہین تو یہ کہتے ہین ہو دائم مادامت السموات والارض - یہ ہمیشہ رہیگا بدوام آسمان و زمین اور کہتے ہین کہ ابق ما اختلف اللیل والنہار جبتک
رات دن آگے پیچھے باری باری آتے ہین تب تک زندہ رہ یعنی ہمیشہ تو قولہ مادامت السموات والارض سے صرف یہ معنی مراد ہین کہ ہمیشہ جسکا
انقطاع نہین ہے اور یہ معنی لفظ سے ماخوذ نہین بلکہ انکے محاورہ سے مستنبط ہین اور بعض نے جواب دیا کہ اس سے مراد یہی آسمان و زمین دنیاوی ہے
اور کلام سے مقصود اس آسمان و زمین کے باقی رہنے کی مدت ہے تو عوام جو محسوسات کے پابند ہین ان دونون کے باقی رہنے کی مدت بہت
دراز جانتے ہین پس خوفناک و ہولناک ہونگے کہ زفیر و شہیق کی تکلیف کے ساتھ اسقدر دراز مدت تک عذاب سہنا ہوگا پھر اس عذاب کا
دوام بتلا دیا بقولہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ - الا اسقدر کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی یہ مدت دراز جس سے خوفناک ہوئے یہ تو تمہارے
خیال مین آئی اور اُسپر اور زیادہ مشیت الٰہی مین ہے جسکی مقدار نہین بتلائی و لیکن دیگر آیات و احادیث سے معلوم ہے کہ وہ بے انتہا ہے -
چنانچہ صحیح حدیث مین یہ مضمون وارد ہے کہ جب جنتی جنت مین اور دوزخی دوزخ مین داخل ہو جاوینگے یعنی گنہگار مومن اور رائی برابر ایمان
والے بھی بشفاعت و خاصہ رحمت الٰہی جہنم سے نکالکر جنت مین داخل کر دیئے جاوین گے اور دوزخ مین کوئی بھلائی والا نہین رہے گا
سوائے ایسی قوم کے جنپر عذاب قطعی ہے تو اسوقت موت ایک مینڈھے کی صورت لاکر جنت و دوزخ کے بیچ مین ذبح کر دیجاوے گی
اور پکار دیا جاویگا کہ اے اہل جنت ہمیشگی ہے اور کبھی موت نہ آویگی اور اے دوزخیو ہمیشگی ہے اور کبھی موت نہ آویگی - واضح ہو کہ اس تقریر
پر یہ مشکل ضرور پیش آویگی کہ الا حرف استثنا اپنے معنی پر نہین ہے کیونکہ اس تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ جہنم والے جب اسمین داخل ہون گے تو مدت
بقاء آسمان و زمین تک مع اور زیادہ بے انتہا مدت کے وہین رہین گے اور الا حرف استثنا ہے چاہیئے تھا کہ دوام بقاء آسمان و زمین
سے کچھ مستثنیٰ کیا جاتا اور کم کیا جاتا - تو جواب یہ ہے کہ استثنا منقطع ہے اور معنی مین صرف الا بمعنی حرف عطف ہے یعنی الا بمعنی لکن و سوائے
وغیرہ ہے یعنی جہنمی اسمین ہمیشہ رہین گے جبتک آسمان و زمین ہین لیکن اس سے زیادہ جبتک اللہ تعالیٰ چاہے یا سوائے اس مدت کے جبتک
اللہ تعالیٰ چاہے اور معلوم ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ بے انتہا مدت تک چاہا ہے - ایسا ہی شیخ مفسر سیوطی نے تاویل کو پسند کیا اور جمل
نے اسکی توضیح کی - واضح ہو کہ اس آیت کو مفسرین نے مانند متشابہات کے قرار دیا اور طرح طرح کی تاویلین کی ازانجملہ شیخ سیوطی نے
اسی تاویل مذکورہ کو اظہر قرار دیا اور یہ اس بنا پر ہے کہ استثنا مذکور خلود سے ہے یعنی تا بقاء آسمان و زمین خلود ہوگا سوائے زائد مدت
کے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور دیگر اہل علم نے استثنا مین متعدد اقوال پر اختلاف کیا ہے اور مترجم کو پسندیدہ معلوم ہوا کہ نایاب کتب عربیہ
کی تلاش سے عموماً کلفت دور کرکے جہان تک علماء نے لکھا ہے آسان تفسیر مین ترجمہ کر دون کہ متوسط درجہ کے اہل علم و ایمان محروم

نہ رہین کیونکہ مقصود علم ہی خواہ کسی عبارت مین ہو پس مین کہتا ہون کہ شیخ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر مین لکھا کہ قولہ فاما الذین شقوا ففی النار الآیۃ۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سینہ مین گھٹی ہوئی سانس توزفیر ہے اور زور سے نکر وہ آواز سے (مثل گدھے کے) باہر نکالنا وہ شہیق ہی۔ قولہ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض۔ ابن جریرؒ نے کہا کہ عرب کی عادت ہی کہ جب کسی چیز کا دوام ہمیشہ ہونا بیان کرتے ہین تو کہتے ہین کہ ہذا دائم بدوام السموات والارض یعنی آسمان وزمین کے دوام کی طرح یہ دائم ہی پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ان سے ان کے عرف کے موافق خطاب فرمایا یعنی اس محاورے سے وہ ضرور سمجھ لین گے کہ دوزخیون کے لیئے عذاب مین دوام مراد ہی اور حافظؒ نے کہا کہ مین کہتا ہون کہ آسمان و زمین سے اس موجودہ کے سوائے دوسرا مراد ہوسکتا ہی جو کبھی زائل نہو اور ایسا آسمان و زمین آخرت مین ہونا ضرور ہی چنانچہ مجاہدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ ہر جنت کیواسطے علیحدہ آسمان و زمین ہی رواہ ابن ابی حاتم یعنی تو دوزخ کیلیئے بھی علیحدہ ہوگا اور قولہ الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید یہ قول ایسا ہی جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ النار مثواکم خالدین فیہا الا ما شاء اللہ۔ یعنی اُنکے واسطے خلود ہوگا لیکن اس استثناء مین علماء کے کئی اقوال مختلف ہین جنکو شیخ ابن الجوزی نے زاد المسیر مین نقل کیا ہی و ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر مین کہا کہ میرے نزدیک مختار وہ قول ہی جو خالد بن معدانؒ و ضحاک و قتادہ و ابن سنان سے منقول ہی کہ یہ استثناء گنہگار مومنون کی طرف راجع ہے۔ قال المترجم یعنی استثناء اہل جہنم سے ہے اور معنی یہ ہین کہ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض ہمیشہ جہنم مین رہین گے یہ اشقیاء سب کے سب۔ الا ما شاء ربک۔ سوائے ان بندون کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ہمیشہ نہ رہین گے بلکہ خارج کرکے جنت مین داخل کیئے جاوینگے اور متواتر اخبار سے صحیح ہوا کہ وہ گنہگار مومنین ہین پس اضح ہو کہ اس صورت مین الا ما شاء بمعنی الا من شاء ہوگا کیونکہ من ذوی العقول کے لیئے آتا ہی اور ما بمعنی من دوسری جگہ مانند قولہ الا ما قد سلف وغیرہ مین بھی آیا ہی اور لکھا کہ بعض سلف سے اسکی تفسیر مین اقوال غریبہ بھی آئے ہین اور قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے استثناء سے خوب آگاہ ہے پھر اہل الجنۃ کی آیت مین جو استثناء ہے یعنی قولہ الا ما شاء ربک عطاء غیر مجذوذ مین کہا کہ مراد یہ ہی کہ اہل جنت کا دوام کچھ بذات خود دائم و واجب نہین ہی بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہی اور ضحاک و حسن بصری نے کہا کہ یہ گنہگار مومنون کے حق مین ہی یعنی وہ ہمیشہ جنت مین نہین تھے کیونکہ پہلے دوزخ مین تھے پھر نکال کر جنت مین آئے اقول خالدین فیہا کو جمہور مفسرین نے حال مقدرہ قرار دیا یعنی ان کے حق مین خلود مقدر ہے جب داخل ہوں گے اسوقت سے خلود ہی فلیتامل فیہ۔ پھر لکھا کہ اہل جنت کیساتھ قولہ عطاء غیر مجذوذ سے وہم دور کر دیا کہ یہ دوام کبھی منقطع نہ ہوگا جیسے دوزخیون کا دوام اپنی مشیت پر رکھا ہی اور ظاہر کیا کہ عذاب اہل جہنم کا عدل و حکمت پر ہی لہذا فرمایا ان ربک فعال لما یرید۔ بیشبہہ تیرا رب جو چاہے اسکو کرنے پر خوب قادر ہے پھر صحیحین کی حدیث دوام خلود اور ذبح موت کی ذکر فرمائی اور تلخیص کلام بیضاوی و معالم و سراج و جلالین و کبیر وغیرہ اس مقام پر یہ ہی کہ قولہ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض۔ قید ما دامت السموات کی اسواسطے نہین ہی کہ اہل دوزخ کا دوام عذاب ان دونون کے دوام سے مربوط ہی کیونکہ نصوص قرآن و حدیث سے صاف ظاہر ہی کہ انکے عذاب کا دوام ہی اور ان دونون کا دوام منقطع ہوگا بلکہ یہ عبارت اُنکے دوام عذاب سے ہی اور یہ کثرت درازی عذاب کا بیان ہی اس عبارت کیساتھ جو عرب ایسے موقع پر بولا کرتے تھے بر سبیل تمثیل۔ اور اگر یہ قید انکی دوام عذاب کے ارتباط کیلیئے بھی ہوتی تب بھی یہ لازم نہین آتا کہ ان دونون کے زوال سے ان کے عذاب کا زوال

ہو جاوے یا عذاب کے دوام سے ان دونون کا دوام لازم آوے ہان مفہوم ہو سکتا ہے کیونکہ دوام عذاب کیلئے ان دونون کا دوام گویا ملزوم ہے ولیکن یہ محقق ہو چکا ہے کہ جہان صریح نص سے کوئی امر ثابت ہو جاوے تو کوئی مفہوم اسکے برخلاف اثبات کیلئے مقابل نہین ہو سکتا کیونکہ منصوص صریح مقدم ہے اسکے سامنے مفہوم کا اعتبار نہین ہے۔ اقول اگر ما دامت السموات والارض کو انکے عذاب سے مرتبط کہا جاوے تب بھی دونون کے زوال سے عذاب کا زوال لازم نہین ہے اسلیئے کہ یہ قید کچھ انکی مقدار عذاب یا نفس عذاب کیلئے شرط نہین اور نہ ملزوم ہے کہ فوات شرط یا زوال ملزوم سے مشروط و لازم کا وجود نہ رہے بلکہ صرف اسقدر ظاہر ہوا کہ عذاب اسوقت تک ممتد رہیگا کہ جبتک دوام آسمان و زمین ہے اور مفہوم یہ ہے کہ شاید ان دونون کا بھی دوام ہو لیکن نصوص صریح سے دوام عذاب ہمیشہ کیلئے ثابت اور زوال دوام ان دونون کا ثابت ہے تو یہی ثبوت مقدم ہوگا اور یعنی یہ مفہوم ہوے کہ ان دونون کے برابر باقی رہنے تک عذاب رہیگا مگر انحصار نہین کہ پھر نہ ہوگا کیونکہ جائز ہے کہ ان کے بعد باقی رہے فافہم ولیکن مترجم کہتا ہے کہ ارتباط کیلئے ہونا منظور فیہ ہے کیونکہ جہنم مین داخل ہونیکے وقت ان دونون کا دوام تو درکنار نفس وجود ہی باقی نہ ہوگا فلیتامل فیہ پھر بیضاوی وغیرہ نے ذکر کیا کہ بعض نے کہا کہ آخرت کے سموات والارض مراد ہین بدلیل قولہ یوم تبدل الارض غیر الارض الآیۃ اور انکا وجود ہمیشہ کیلئے ہے۔ پھر لکھا کہ یہ قول قابل نظر ہے اسلیئے کہ اس صورت مین ایسی چیز سے تشبیہ ہوئی جسکو اکثر مخلوق نہین پہچانتے ہین نہ انکا وجود اور نہ دوام اور جو پہچانتا ہے وہ انکا دوام اسیوجہ سے پہچانتا ہے کہ ثواب جنت و عقاب دوزخ دائمی ہے تو تشبیہ سے فائدہ نہ ہوگا۔ قولہ الا ما شاء ربک۔ خلود سے استثناء ہے کیونکہ گنہگار موحدین دوزخ مین ہمیشہ نہین رہین گے بلکہ نکالے جاوینگے اور استثنا صحیح ہونے کیلئے اسقدر کافی ہے کیونکہ کل سے جو حکم زائل کرنا مقصود ہے وہ اگر اسکے بعض سے زائل ہو جاوے تو کافی ہے کیونکہ یہ صحیح ہو گیا کہ سب خلود فی النار مین نہین رہے اور اما الذین سعدوا مین جو استثنا ہے وہان بھی یہی گنہگار موحدین مراد ہین کیونکہ جنت مین اسوقت تک ہونگے جبتک عذاب کیلئے دوزخ مین رہین اور یہ لوگ اگرچہ بوجہ گناہ کے شقی ہین لیکن ایمان کی وجہ سے سعید ہین اگر اسپر اعتراض ہو کہ شقی و سعید دو قسمون مین تقسیم اب صحیح نہ ہوئی کیونکہ ایک قسم کی صفت دوسری قسم مین نہ ہونا شرط ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ بات اسوقت ملحوظ ہوتی ہے کہ جب تقسیم اس راہ سے ہو کہ دونون قسمون مین ہر طرح بالکل جدائی ہو یا جمع نہ ہو سکین اور یہان تو یہ مراد ہے کہ جمیع حشر کے لوگ سعادت و شقاوت کی حالت سے باہر نہ ہونگے اور ایسی صورت مین ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص مین یہ دونون صفتین دو لحاظ سے مجتمع ہون مثلاً ایمان کی راہ سے سعید ہو اور گناہون کے اعمال سے شقی ہو۔ یا یہان استثنا سے یہ معنی ہے کہ اہل جہنم کبھی زمہریر وغیرہ کی طرف عذاب کیلئے باہر نکالے جاوینگے اور اسیطرح اہل جنت کبھی زیادہ انعام مانند دیدار الٰہی سبحانہ کے اعلیٰ درجہ پر جاوینگے اور احتمال ہے کہ استثنا اصل حکم سے ہو اسقدر مدت کہ حساب کیلئے خارج رہین یا دنیا کی زندگی بھر یا برزخ کی مدت تک بشرطیکہ حکم کو اسی وقت قیامت کیساتھ مقید نہ ہو بلکہ مطلقاً لیا جاوے اور اس تاویل پر خلود سے بھی استثنا ممکن ہے اور بعض نے کہا کہ زفیر و شہیق سے استثنا ہے اور بعض نے کہا کہ الا حرف استثنا بمعنی لکن و سواے ہے اور معنی یہ کہ سواے اس مدت کے جو تیرا رب اس سے زیادہ چاہے جسکی کوئی حد مقرر نہین ہے اقول پہلے مذکور ہوا کہ اسی نہج سے تاویل کے قریب ہے شیخ مفسر سیوطی رح نے مختار قرار دیا ہے چونکہ اس مقام کے اقوال کو مؤلف فتح البیان نے زیادہ کوشش سے جمع کر دیا ہے لہذا مین انکا ترجمہ پر اکتفا کرتا ہون اور جسقدر مین نے ذکر کیے ہین انہین اختصار کرونگا اور جو کچھ لکھنا ہوگا بلفظ اقول علیحدہ کرونگا پس مؤلف رحمہ اللہ نے لکھا کہ اس استثنا مین اہل العلم کے چند اختلافی اقوال ہین۔ الاول یہ استثنا قولہ ففی النار سے ہے یعنی اشقیا تو دوزخ مین

ہون گے باستثنار مشیت آلہی کے کسی قوم سے دوزخ مین داخل کرنے مین تاخیر فرماوے کسی مدت تک ۔ یہ تاویل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اقول یہ جبھی ہوگا کہ اصل حکم مقید بروز قیامت ہو تو موقف حساب یا مدت دنیا یا برزخ تک مشیت آلہی تاخیر ہوگی ۔ الثانی خالدین مستثنی منہ اور ما شار بمعنی من شار اور مراد گنہگار موحد ہین یہ قتادہ وضحاک و ابوسنان وغیرہم سے مروی ہے ۔ اقول یہی ابن الجوزی و ابن جریر نے اختیار کیا کیونکہ متواتر احادیث سے قطعاً ثابت ہوا کہ اہل التوحید ہمیشہ دوزخ مین نہ رہینگے اگرچہ عاصی ہون ۔ الثالث استثنار از زفیر و شہیق ہے یعنی سوائے اسکے جو نوع عذاب انکے لیے اللہ تعالی چاہے اسکو ابن الانباری نے کہا ہے الرابع معنی یہ ہین کہ تا دوام آسمان و زمین مرینگے مگر مشیت آلہی کہ ان کو آگ کھا جاوے پھر نئے سرے سے پیدا ہون ۔ یہ ابن مسعود رضہ سے روایت کیا جاتا ہے اقول یہ تقدیر موت کی زیادت ہے جو بغیر قطعی حجت کے قبول نہ ہوگی حالانکہ بیان اسکے برخلاف منصوص ہے مثلاً حدیث ذبح الموت جو اوپر گذری اور صریح آیات جنمین عدم موت مذکور ہے ۔ الخامس الا بمعنی لکن و سوائے ہے و استثنار منقطع ہے گویا عرب زمانہ کو بہ نہایت دراز سمجھتے کہ اس سے بڑھکر نہین جانتے تھے وہ خلود کے واسطے ذکر کرکے پھر غیر متناہی کو اپنی مشیت پر زیادہ کیا یہ قول زجاج نے حکایت کیا اقول یہی شیخ مفسر سیوطی نے ظاہر اختیار کیا ہے ۔ السادس قرار ابن الانباری و ابن قتیبہ سے مروی ہے کہ آیت مین صرف استثنار مشیت پر ہے اور ممکن ہے مشیت نہ ہو تو دوام خلود رہوا ۔ اس قول کو زجاج نے بھی نقل کیا اقول یہ بعض سلف سے بھی منقول ہے کہ مدینہ مین دوسری آیات سے عدم مشیت ظاہر ہو گئی السابع ما شار ربک یعنی مقدار موقف حساب برزخ وغیرہ حکاہ الزجاج ایضا ۔ اقول یہ وہی اصل حکم سے استثنار بنا بر مذہب اول ہے اسکو مستقل قول قرار دینا وہم ہے ۔ الثامن الا ما شار ربک گروہ کہ جو چاہے تیرا پروردگار یعنی زیادتی عذاب کی اہل جہنم کے لیے اور ایسی ہی زیادتی نعمت کی اہل جنت کیلئے حکاہ الزجاج اور اسی کو حکیم ترمذی نے اختیار کیا ۔ اقول عمدہ وجہ ہے مگر تاویل الا بمعنی لکن و سوائے و حرف عطف تو یہ مستقل قول نہ ہوا ۔ التاسع الا بمعنی واو ہے بقول فرار اور مکی نے کہا کہ یہ قول بصریون کے نزدیک بعید ہے اقول حرف الا بمعنی حرف عطف کے تحت مین یہ قول بھی ہے ۔ العاشر حرف الا بمعنی کاف ہے جیسے قولہ تعالی الا ما قد سلف ۔ اسے کما قد سلف مین ہے یعنی کما شار ربک ہوئے اقول اس صورت مین آسمان و زمین کا دوام بھی ہوگا کہ اخروی آسمان و زمین لیا جاوے لیکن اس صورت مین یہ وارد ہوگا جو بیضاوی نے کہا کہ اخروی آسمان و زمین سے تشبیہ قلیل النفع ہے جبکہ اکثر لوگ اسکو جانتے نہین مین کہتا ہون کہ جواب یہ ہو سکتا ہے کہ دوام آسمان و زمین محسوس سے عرب قائل تھے یا ان کے عرف مین یہ محاورہ مقید دوام ہوتا تھا تو دوام اس سے مراد ہوا لیکن ہر چند واقع مین انکا دوام نہ تھا اسواسطے کما شار ربک بڑھا دیا جس سے دوام تحقیقی ہو گیا فافہم فانہ [illegible] واللہ تعالی اعلم الحادی عشر ابن عطیہ نے کہا کہ یہ استثنار بمنزلہ اپنے استثنار کے ہے جو [illegible] تاکید فرمائی [illegible] یہ کلام [illegible] قولہ تعالی لتدخلن المسجد الحرام ان شار اللہ آمنین الآیۃ ۔ اور [illegible] مروی ہے اور اس صورت مین استثنا [illegible] متصل یا منقطع [illegible] باقی نہین اقول یہ کلام [illegible] نزدیک ایک قوت رکھتا ہے واللہ تعالی اعلم ۔ مولف نے لکھا کہ شیخ [illegible] ان اقوال کو [illegible] مع سوال و جواب [illegible] ایک مستقل رسالہ مین جمع کیا ہے پھر شیخ مفسر سیوطی رحمہ اللہ کا قول [illegible] نقل کیا اور مجمل [illegible] بیان کیا جو اوپر مذکور ہو چکا ہے اور مجمل سے اشارہ کیا کہ یہاں مفسرین نے تیرہ وجوہ بیان کئے ہین اور لکھا کہ ابن جریر [illegible] مین لکھا کہ آیات و احادیث دلیل صریح ہین کہ [illegible] کافرون کا عذاب ابدی [illegible] کلام [illegible] کا شبہ پیدا کیا ہے

اسکی تاویل واجب ہو ازانجملہ قولہ تعالی خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ماشاء ربک ان ربک فعال لما یرید چنانچہ اس سے ظاہر یہ ہو کہ اہل شقاوت کے عذاب کی مدت بقائے آسمان و زمین کے برابر ہو الا اسقدر مدت کہ اللہ تعالی چاہے کہ اسمین اُنکو اسقدر مدت خلود نہ ہوگا اور علمار نے اسکو قریب بیس وجہ سے تاویل فرمایا ہو منجملہ ان وجوہ کے بعض اس جانب راجع ہین کہ دوام آسمان و زمین کی مدت سے مقید کرنے مین کیا فائدہ ہو۔ اور بعض کا مرجع حکمت استثنار ہو پس قسم اول مین سے یہ تاویل ہو کہ آسمان سے آسمان جنت و زمین سے جنت کی زمین مراد ہو کیونکہ سمار ہر وہ چیز جو تیرے اوپر سائبان ہو اور زمین وہ جسپر تیرا استقرار ہو اور بدین معنی جنت و دوزخ کا آسمان و زمین ہونا امر قطعی ہو کسی پر پوشیدہ نہین ہو پس ہماری اس تقریر سے جو بعض نے اسمین اعتراض کیا تھا کہ اُخروی آسمان و زمین پر محمول کرنا آیت کے سموات وارض کا اس وجہ سے نہین جائز ہو کہ مخاطبین کو اسکا علم نہین ہو وہ دفع ہو گیا۔ قال المترجم اعتراض مین نے بیضاوی سے اوپر نقل کیا ہو اور ابن حجر کا یہ زعم کہ اعتراض دفع ہو گیا مجرد ادعا ہو میرے نزدیک اعتراض دفع نہین ہوتا کیونکہ مخاطبین اگر جنت و دوزخ کے بوجہ مذکور قائل ہون تو اخبار غیب پر ایمان کے طور پر ہوگا حالانکہ وے آخرت کے منکر ہین۔ فلیتامل فیہ پھر شیخ ابن حجر نے اس لفظ سے دوام ابدی بطریق محاورہ عرب کے تاویل ذکر فرمائی پھر لکھا کہ ابن عباس رض سے روایت ہو کہ تمام مخلوقات کی اصل نور عرش سے ہو اور آسمان و زمین آخرت مین اُسی نور کی طرف پھیر دیے جاوینگے جس سے دونون مخلوق ہوئے تھے اور وہ دونون نور عرش سے دائمی ابدی رہون گے۔ پھر لکھا کہ اس جواب کی ضرورت اس بنا پر ہو کہ دوام سموات وارض کی قید سے یہ مفہوم ہوتا ہو کہ دوزخی دوزخ مین انھین دونون کے دوام تک باقی رہین گے اور بعض نے اسکو منع کیا لے آخر ما ذکر اقول مانع اس سے شیخ مفسر بیضاوی ؒ ہین اور مین نے انکی تقریر اوپر لکھدی ہو پھر ابن حجر نے لکھا کہ اگر کہا جاوے کہ جب انکا عذاب دائمی ہوگا خواہ دونون باقی رہین یا زائل ہو جاوین تو پھر اس تقلید سے کیا فائدہ ہو تو جواب یہ کہ نہین بلکہ اسمین بہت بڑے فوائد ہین ازانجملہ یہ ہو کہ مخاطبین کو دوام آسمان و زمین تک بقائے عذاب سے ہول ہوگا کہ ایک زمانہ طویل دراز ہو کہ وہم کو احاطہ کرنا دشوار ہو اقول بلکہ جبکہ یہ لوگ دوام آسمان و زمین سے ابدی قیام سمجھتے تھے تو تعبیر مفتا ہی زمانہ تک خلود عذاب سے تہویل کا مقصود حاصل ہو اور لکھا کہ باقی رہی یہ بات کہ آیا اس عذاب کی کوئی حد مقرر ہو کہ وہان منقطع ہو جائیگا یا نہین تو یہ بات دوسری دلیلون سے حاصل ہوتی ہو یعنی اُن آیات سے جنمین مذکور ہو کہ کبھی جہنم سے نہ چھوٹین گے ہمیشہ اسی مین رہین گے اور قسم دوم تاویلات سے ایک وجہ یہ ہو کہ فیہا سے استثنا ہو یعنی برابر اسی مین رہین گے سوائے ان مقامات کے جہان مشیت الٰہی انواع عذاب کے لیے نکالے جاوین جیسے زمہریر و شرب حمیم وغیرہ پھر اسی مین واپس کر دیے جائین گے اور لکھا کہ یا لفظ ما بمعنی من ذوی العقل کے واسطے لیا جاوے مثل قولہ انکحوا ما طاب لکم من النسار اے من طاب پس یہ گنہگار مومنون کا استثنار ہوگا خواہ متصل قرار دیا جاوے جبکہ شقوا مین یہ لوگ بھی شامل ہون یعنی گنہگار مومنین کو بھی شقیار کا لفظ شامل ہووے جو الذین شقوا سے معلوم ہے یا استثنا منقطع ہو جبکہ اہل شقاوت مین اُنکا شمول نہ لیا جاوے اور یہی اظہر ہو یا حرف الا بمعنی سوائے لیا جاوے اور یہان کچھ اور تاویلین بھی باقی رہین جن کے بیان سے مین اعراض کرتا ہون کیونکہ تاویلات بعیدہ ہین اگر کہا جاوے کہ یہ طریقہ تاویل کا اسی یقین پر ہو کہ جہنم سے کبھی انکو نکلنا میسر نہ ہوگا حالانکہ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہو کہ لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد و ذلک بعد ما یلبثون فیہا احقابا۔ رواہ الامام احمد۔ جہنم پر ایسا زمانہ آویگا کہ اسکے دروازے مصفوق کر لیے جاوین گے اسمین کوئی آدمی نہ ہوگا اور یہ کئی احقاب ان کے جہنم مین پڑے رہنے کے بعد

۱۲ منہ

ہوگا۔ اسکو امام احمد نے مسند مین روایت کیا ہو۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہو کہ جہنم مین اشقیار کو دوام خلود نہ ہوگا پھر قولہ الا ما شاء ربک۔ کی
تاویل کی ضرورت نہین ہو تو جواب یہ ہو کہ اس روایت مین بعض راوی ثقہ نہین ہو اور اسکی نسبت ثابت ہوا کہ وہ بہت جھوٹ بولا ہے
توجب اسکا ثبوت نہ ہوا تو کالعدم ہوا لہذا تاویل واجب ہوئی۔ ہان یہ بات البتہ ہو کہ جو قول عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے
مروی ہوا وہی کسی علمانے حضرت ابن مسعود وابو ہریرہ سے نقل کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا کہ یہی قول عمر بن الخطاب و
ابن عباس وابن مسعود وابو ہریرہ وانس بن مالک رضی اللہ عنہم کا ہو اور اسی طرف حسن بصری وحماد بن سلمہ گئے ہین اور یہی قول علی بن ابی طلحہ
الوالبی وایک جماعت تابعین مفسرین کا ہو انتہی کلامہ ولیکن حسن بصری سے جو نقل کیا وہ دیگر علمار کی نقل سے رد ہوا جاتا ہو کیونکہ ثابت رح نے
کہا کہ مین نے حسن رح سے انکا مقولہ پوچھا تو انھون نے اس سے انکار کیا اور ظاہر یہ ہو کہ جن علمار و صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مقولہ نقل کیا ہو
اُن سے درحقیقت کچھ روایت صحیح نہین ہو اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں تو اسکے معنی وہ ہون گے جو علمار نے بیان کیے کہ اسمین کوئی جہنمی نہوگا
یعنی گنہگار مومنون مین سے کوئی نہ ہوگا اور رہے کافرون کے ٹھکانے تو وہ خوب بھرے ہون گے وے اسمین سے کبھی خارج نہ ہونگے
جیسا کہ بہت سی آیات مین مذکور ہے۔ اقول حاصل طریقہ تاویل یہان یہ ہو کہ قولہ لیس فیہا احد۔ عام ہو اسکو نصوص قطعیہ خلود کفار سے
مخصوص کیا تو معنی یہ ہوے کہ لیس فیہا احد من عصاۃ المومنین۔ اسمین گنہگار مومنون سے کوئی نہ ہوگا۔ اور صفق الابواب کا فائدہ یہ ہے
کہ جبتک گنہگار موحد کوئی رہیگا اسوقت تک ابواب مسدود نہ ہونگے اور یہ تاویل قریب اسکے ہو جو طویل حدیث شفاعت مرویہ صحیحین وغیرہ
مین آخر مین مذکور ہو کہ جب جنت مین ذرہ برابر خیر والا بھی کوئی نہین رہیگا تو اللہ تعالیٰ ایک مٹھی یا دو مٹھی اپنی قدرت وشان کے لائق
مٹھی سے اہل دوزخ سے نکال لیگا جو عتقار الرحمن کہلاوین گے تو علمار نے کہا کہ خیر سے ایمان مراد نہیں بلکہ عمل مراد ہے یعنی ایسے
ہون گے جنھون نے کوئی نیکی نہین کی ہے مگر نفس ایمان ان مین تھا اور مترجم نے اسکو تاویل اس وجہ سے قرار دیا کہ
سیاق مین ذرہ برابر ایمان والے کے نکال لینے کا حکم بدون شفاعت کے محض فضل سے ہو چکا ہے تو شبہہ یہ ہوتا تھا کہ اب کوئی ایسا
نہین ہو جسمین ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو محض کافر کی نجات ظاہر ہوتی ہو حالانکہ کفر پر نجات نہ ہونا قطعی آیات سے ثابت ہو لہذا
کہا گیا کہ مراد ایمان سے عمل خیر ہے کما فی قولہ تعالیٰ ما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اور مراد نماز بجانب غیر القبلہ ہو۔ فافہم پھر ابن جریر رح نے کہا کہ
رازی کی تفسیر کبیر مین ہو کہ ایک قوم کا قول ہو کہ کافرون کے عذاب کی ایک انتہا رہی جہان منقطع ہو جائے گا اور استدلال انکا اسی آیت
سے ہو اور قولہ تعالیٰ لابثین فیہا احقاباً۔ سے ہو اور بدین دلیل کہ ظالم کی معصیت متناہی ہو تو اسپر غیر متناہی عذاب ہونا ظلم ہوگا
انتہی اور اسکا جواب ابن حجر نے یہ دیا کہ احقاباً سے استدلال اسکے متناہی ہونے پر صحیح نہین اور نہ اس آیت سے صحیح ہو کیونکہ پہلے
معلوم ہو چکا کہ عرب ایسے استعمال مین دوام ابدی مراد لیتے ہین اقول ہان لیکن استثنار الا ما شار ربک سے استدلال ہو نہ بقولہ مادامت
السموات والارض۔ لیکن چونکہ اسمین احتمالات پیدا ہو گئے ہین اس سے البتہ استدلال کسی قطعی بات کیلئے صحیح نہ رہا۔ پھر دلیل عقلی ظلم کا جواب
دیا کہ ظلم کچھ نہین ہو اسواسطے کہ کافر کو دوام زندگی بھر یہی عزم تھا کہ کفر پر جما رہے تو اسکے عوض اُخروی زندگی بھر عذاب دیا جائیگا حالانکہ
وہ زندگی دائمی ہو پس عذاب الیم ہوا تو دائمی ظلم کے موافق دائمی عذاب ہوا باوجودیکہ اسکو اُخروی زندگی دائمی وعذاب سے آگاہ کر دیا گیا تھا
وہذا ما حررہ المترجم۔ ولیکن اسمین تردد ہنوز مثل عقلی دلیلون کے باقی ہو اور وہ یہ ہو کہ ظلم کافر کا اسکی زندگی بھر تھا اور یہ مقدار متناہی ہو۔
اور ابن حجر نے کہا تھا کہ کافر کو کفر پر عزم تھا ما دامیکہ زندہ ہو تو جزا و سزا ایک دوسرے کے متوافق دائمی ہوئی اور اسپر تردد مذکور زیادہ جاری ہے

اور جسطرح مترجم نے تقریر مین تغیر کر دیا اسکے موافق رفع تردد ہوسکتا ہو کہ جب ایک شخص کے واسطے موت کی دونون طرف دو زندگی مقرر ہوئین اور بتلایا گیا کہ دنیا وی فانی ہو اور اُخروی باقی ہے تو اُسنے خود باقی زندگی بھر عذاب کو اختیار کیا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا یعنی جبتک رسول کے واسطہ سے کسی قوم کو آگاہ نہین کیا گیا ان پر عذاب نہوگا اگر آگاہ نہ ہوے ہون اور شبہہ جو زمانہ فترت کا ہے یعنی ایک رسول کے بعد دوسرے رسول تک شریعت ایسے متغیر ہوئے کہ اس سے آگاہی واطمینان نہین ہوسکتا جیسے حضرت موسیٰ سے پہلے یا حضرت عیسیٰ اور حضرت خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بیچ مین تھا لہذا جب فرعون نے موسیٰ سے پوچھا کہ مابال القرون الاولی - تو اُسکا جواب نہین دیا بلکہ فرمایا علمها عند ربی فی کتاب پس جہان تک نصوص وارد ہین بندہ وہان تک اعتقاد رکھتا ہو اور ماورائے اسکے علم الٰہی محیط ہو وہی اپنی مخلوق کا دانا ہو لہذا بعض سلف نے کہا کہ کوئی کسی مخلوق کو جنت یا دوزخ مین نہین اُتار سکتا اور خود اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا دانا ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ خالدین فیہا الا ما شاء اللہ - کی تفسیر مین سابق مین مذکور ہوا ہو پھر شیخ ابن حجرؒ نے لکھا کہ واضح ہو کہ اہل جنت کیواسطے دوسری آیت مین ایسا ہی استثنا مذکور ہو اور وہان بالاجماع یہ مراد نہین ہو کہ اُن کے خلود مین دوام نہوگا بلکہ کبھی استثنا رہے گا اور خود اللہ تعالیٰ نے دوام کی تنصیص فرمائی بقولہ عطاءً غیر مجذوذ یعنی ایسی عطا کہ کبھی منقطع نہوگی تو جیسی تاویل یہان مذکور ہوئی اسی نظیر پر وہان تاویل ہوگی اور جبکہ تا بمعنی من ہو تو مراد گنہگار مومنین اہل اعراف ہون گے جو ہنوز جنت مین داخل نہین ہوئے ولیکن داخل ہونے کی طمع رکھتے ہین - اقول دوسری آیت جو اہل جنت کے حق مین ہو جبکہ اسمین بالاجماع استثنا سے ظاہر مراد نہین ہو تو یہی مؤید ہو کہ اس آیت مین جو دوزخیون کے حکم مین ہو یہ ظاہر جو عموماً سمجھ مین آتا ہو خلاف دیگر نصوص قطعیہ ہو مراد نہ ہوئے پس جب ظاہر معنی مقصود نہ ہونا معلوم ہو گیا تو جملہ نصوص کے موافق و متعاضد معنی پر بقاعدہ زبان عربی محمول کیا جائے گا اور یہ وہی ہی تاویل ہین جو اوپر مذکور ہوئین - پھر شیخ نے لکھا کہ ابن زید نے فرمایا کہ اہل جنت کی آیت مین الا ما شاء ربک فرمایا اور اس مشیت سے ہم کو آگاہ کر دیا کہ جو کچھ مراد ہو خلود و دوام سے استثنا نہین ہو چنانچہ صریح فرما دیا عطاءً غیر مجذوذ یعنی غیر مقطوع لہ یعنی اس نعمت کا انقطاع نہوگا اور جو اہل دوزخ کے حق مین ایسا ہی استثنا کیا تو اس مشیت سے ہم کو آگاہ نہین فرمایا کہ اُن کے حق مین کیا چاہا ہے انتہی کلامہ - مؤلف نے کہا کہ شیخ ابن تیمیہ نے جو آثار نقل کیے ہین اُنکا ثبوت ہو اور اسکو شیخ ابن القیم نے حادی الارواح الی بلاد الافراح مین بتوضیح بیان کیا ہے ابوالشیخ نے قتادہ سے روایت کی کہ اُنھون نے یہ آیت پڑھکر کہا کہ ہم سے حضرت انس بن مالکؓ نے حدیث بیان فرمائی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک قوم دوزخ سے نکالی جاوے گی اور کہا کہ ہمارا وہ قول نہین ہے جو اہل حرورا یعنی خارجی کہتے ہین کہ جو کوئی جہنم مین گیا پھر وہان سے نہین نکلے گا اقول یہی کبائر مین معتزلہ کا قول ہو - حضرت جابرؓ سے روایت ہو کہ آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھکر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ ان لوگون مین سے جو شقی ہوئے ہین انکو دوزخ سے نکالے تو کر سکتا ہے رواہ ابن مردویہ اقول یہ کلام ایسا واقع ہونے کیلئے دلیل نہین ہو بلکہ قولہ تعالیٰ ان ربک فعال لما یرید - کی تفسیر ہے خالد بن معدان نے آیت کی تفسیر مین کہا کہ یہ اہل توحید اہل القبلہ کیواسطے ہو یعنی گنہگار مومنین بمشیت الٰہی جہنم سے نکالے جاوین گے جبکہ مشرک نہون - جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ یہ آیت تمام قرآن مین جہان خالدین فیہا آیا ہو فیصلہ کرتی ہے یعنی ہر خلود پر وارد ہے ابن عباس سے مروی ہے کہ قولہ تعالیٰ الا ما شاء ربک مین کہا کہ پھر پروردگار کی مشیت معلوم ہوئی کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ مین رہین اور جنتی ہمیشہ جنت مین اور ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہو کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے النار سے استثنا کیا کہ ان کو بالکل نہ کھا لے

سدی رح نے آیت مین کہا کہ پھر اسکے بعد مشیت آلٰہی کا علم آیا جس سے معلوم ہوگیا چنانچہ مدینہ مین نازل ہوا قولہ ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفر لہم ولا لیہدیہم طریقا الآیۃ پس دوزخیون کی نجات کی اُمید جاتی رہی اور اُنکے لیے ہمیشہ کی خلود کا حکم واجب ہوگیا اور قولہ اما الذین سعدوا الآیۃ مین مشیت آلٰہی کا علم مدینہ مین نازل ہوا بقولہ والذین آمنوا وعملوا الصالحات سندخلہم الی قولہ ظلا ظلیلا پس انکے لیے ہمیشہ خلود واجب ہوگیا۔ اور ابو نضرہ رح سے روایت ہے کہ پورا قرآن اس آیت پر منتہی ہوتا ہے یعنی قولہ ان ربک فعال لما یرید۔ تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے اور مناوی کبیر علی الجامع الصغیر مین لکھا کہ یہ جو ہم نے ذکر کیا کہ جہنم مین کفار کا عذاب دائمی ابدی ہے اسی پر آیات و اخبار و آثار دلالت کرتے ہین اور جمہور اُمت سلف و خلف اسی پر یقین کیے ہوے ہے۔ اور اسکے سوائے بھی کچھ اقوال منقول ہین جنکی تاویل واجب ہے ازانجملہ شیخ محی الدین بن العربی کا قول ہے کہ دوزخی مدت تک دوزخ مین عذاب پاوینگے پھر ان پر انقلاب ہوگا اور اُنکے لیے ایک آتشی طبیعت رہجائیگی جس سے اُن کو ایک طرح کی لذت حاصل ہوگی کیونکہ وہ انکی طبیعت کیواسطے موافق ہوگی اور خلف وعید کا شبہہ وارد نہین ہوتا کیونکہ ثنا تو وعدہ کی سچائی مین ہے جو وعدہ انعام کا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسکو پورا کرے مین اسکی شان کیواسطے حمد و ثنا ہے اور وعید یعنی عذاب و سزا کا وعدہ پورا کر دینا ثنا نہین بلکہ سزا سے تجاوز کرنا ثنا ہے چنانچہ فرمایا فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ۔ اور یہ نہین فرمایا مخلف وعیدہ۔ بلکہ فرمایا ہے ونتجاوز عن سیئاتہم۔ باوجودیکہ ان کو اس فعل پر وعید فرمائی تھی اور حضرت اسمٰعیل کو فرمایا۔ انہ کان صادق الوعد یعنی وعید کے صدق مین تعریف نہین فرمائی اور دوسرے مقام پر شیخ نے لکھا کہ دوزخی جب انہین داخل کیے جاوینگے تو برابر خوفناک منتظر رہینگے کہ شاید اسمین سے نکالے جاوین پھر جب جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاوینگے تو مطمئن ہوجاوینگے کیونکہ جہنم انکی طبیعتون کے موافق پیدا کی گئی ہے قال المترجم حضرت ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اثر مین اس تاویل کو دخل ہے کہ جبتک کوئی موحد عاصی ہے کہ جس نے کوئی نیکی کبھی نہین کی ہے جہنم مین ہوگا اسوقت تک اس کے دروازے مسدود نہ ہونگے پس مسدود اسوقت ہون گے کہ اس مین کوئی نہ ہو یعنی موحد کوئی نہ ہو۔ اور واضح ہو کہ تفسیر ابن العربی اسوقت موجود ہے اسمین یہ عبارت جو مناوی مین ہے مذکور نہین ہے۔ ظاہرا شیخ کی دوسری کتابون سے نقل کی گئی ہے اور مناسب مقام ہے کہ شیخ کا قول اُنکی تفسیر سے بھی اس مقام پر ترجمہ کر دون۔ قولہ تعالیٰ فمنہم شقی وسعید۔ جب شقی و سعید منکر نبوت و تعظیم کا ذکر کیا تو ازلی ابدی سعید و شقی کو بیان فرمایا اور جب تقسیم تفصیلی مین انکا حال بیان کیا یعنی بقولہ فاما الذین شقوا۔ تو اسمین سے شقی کے ہمیشہ دوزخ مین رہنے سے اور سعید کے جنت مین رہنے سے استثنا کیا بقولہ الا ما شاء ربک۔ کیونکہ جنت و دوزخ سے مقصود سے محروم ہو کر رنج و الم پانا اور حصول مراد سے لذت اُٹھانا پس دونون مین استثنا کرنے سے غرض یہ ہے کہ جہنمی تو اس رنج و الم سے بڑھکر غم مین پڑیگا یعنی صفات کے حجاب مین ہو کر قلب کی آگ سے جلیگا اور افعال کے حجاب سے خشم و مطرود ہونے اور ذلت و اہانت مین پڑیگا اور روح کی سوزش سے پردہ و لعنت و قہر مین گرفتار ہوگا اور جنتی اس لذت سے بڑھکر اکرام مین پہونچیگا مثلاً تجلیات صفات سے جنان قلب مین رضوان و لطف اکرام و اعزاز پاویگا اور تجلیات ذات و ظہور سے جنان روح مین مقام شہود و لقاء و ظہور سبحات جلال وہ کچھ پاویگا کہ جسکی نسبت حدیث صحیح مین آیا ہے لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر اور یہ اسوجہ سے کہ سعید بمقابلہ شقی کے ہے اور یہ ہو نہین سکتا کہ سعید نکلکر دوزخ مین جاوے اور نکالے نہ جانے کیلیے یہ کلام دلیل ہے عطاءً غیر مجذوذ یعنی یہ عطا کبھی مقطوع نہ ہوگی پس ایسے ہی سعید کا مقابل شقی بھی زیادہ عذاب رنج و الم مین جاویگا اور یہ نہین ہو سکتا کہ سعید ہو جاوے علاوہ ازین قولہ ان ربک فعال لما یرید۔ اسکو مقرر ہے کیونکہ یہ ایک سخت وعید ہے یہ جو لکھا گیا برعایت ادب ہے اور بواطن کی تحقیق مین ظواہر کا لحاظ رہا اور رہا بیان حقیقت تو جاننا چاہیئے کہ شقی جب دوزخ مین ان مراتب مذکورہ پر تھا تو اس سے کبھی خارج نہ ہوگا بلکہ ایک طبقہ سے

دوسرے طبقہ کو منتقل ہوتا رہیگا اور ایک درک سے دوسرے درک کو جاویگا تو وہ ہمیشہ اسی عذاب مین رہا بلکہ عذاب سے بڑھکر عذاب ہوتا گیا اور مراد استثنا سے اس خلود کے علاوہ ہے اور وہ یہ ہو کہ دوزخی اور اہ احدیت کے اپنے رب کے ساتھ ہو وہ اسکی پیشانی کے بال پکڑے یعنی اپنا مسخر کیے ہوئے خود راہ راست پر ہے اور بدبختی کی ہوا یعنی خواہش نفس کی پیروی اسکو جہنم کی طرف ہانکے اور اڑائے لئے جاتی ہو پس وہ دوان رب کے ساتھ عین القرب مین ہو پس اپنے موافق سے متلذذ ہوتا رہیگا جو اسکے حق مین عین نعمت ہو جائیگا تو آگ کے معنی اسکے حق مین زائل ہو گئے اور وہ مقام اسکے لیے جنت کے حکم مین ہو گیا اگرچہ فی الحقیقت جو جنت کہ سعید کیلیے ہے اس سے وہ بعد المشرقین بہت دور پڑا ہے چنانچہ حدیث مین آیا ہو کہ تھوڑی مدت مین جہنم مین جرجیر اُگیگا اور آیا ہے کہ جہنم پر ایک زمانہ آویگا کہ اسکے دروازے بند کیے جاوینگے اسمین کوئی نہ ہوگا۔ ایسی ہی سعید کی جانب سے کہ جنت مین اسکا مراتب پر منتقل ہونا دوام خلود کے حکم مین ہو اور استثنا سے اس خلود کے علاوہ مراد ہو اور وہ یہ ہو کہ احدیت ذات مین فانی اور سبحات جمال سے عشق مین فنا ہوگا جہان کہ حق عین شاہد و مشہود ہو اور یہ بطریق مشاہدہ روحی نہین بلکہ شہود ذاتی احدی کے ساتھ جہان غیر کا کچھ اثر بھی نہوگا اور یہ کمال نعمت ہو جیسا کہ حدیث مین اشارت ہو کہ نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کانون نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر اُسکا خطور ہوا۔ اور اگر شقی و سعید مین تنوین نوعیت کیلیے ہو نہ تعظیم کے لیے تو یہان دنیا مین نیک کام سے بد کار بمشیت الٰہی نیکوکار ہو سکتا ہو ولیکن اس صورت مین یہ شقی ازلی کا بیان نہوگا۔ انتہی کلامہ مترجما۔ اس کلام سے جیسا تو دیکھتا ہو طریقت کی توجیہ موافق جمہور امت کے ہو اور تاویل موافق تاویل مختار شیخ سیوطی رح ہے یعنی شقی کو دائمی شقی رکھا جو کبھی سعید نہوگا اور استثنا سے مزید عذاب مراد لیا اگرچہ حقیقت کے معنی مین باطنی الم کو ایک خاص انتقال حالت پر قرار دیا اور اس سے انکار کیا کہ کبھی دوزخ سے نکلے اگرچہ بعض آثار کو تاویلی تائید مین نقل کیا ہو بس اللہ تعالیٰ دانا ہو کہ جہان سے منادی مین منقول ہو وہان آیا یہی مقصود ہو یا کیا مراد ہے فلیتدبر۔ پھر منادی مین لکھا کہ حافظ ابن القیم نے کہا کہ یہ قول ایک طرف ہو یعنی ابن العربی کا قول کہ دوزخ فنا ہو کر ان کیلیے جنت ہو جائے گی ایک طرف ہو اور معتزلہ کا قول کہ جو جہنم مین گیا وہ کبھی نہ نکلیگا دوسری طرف ہو اور ہر دو قول ان نصوص کے خلاف ہین جو بالضرور رسول اللہ صلعم کی احادیث اور آپ پر نازل ہوئے قرآن سے معلوم ہوئے ہین اور کہا کہ جیسے ایک جماعت کا قول کہ دوزخ فنا ہو جائے گی کیونکہ اللہ نے اسکے لیے ایک انتہا مقرر فرمائی ہو پھر ان لوگون سے اسکا عذاب بھی زائل ہو جائیگا اور استدلال ایک اس آیت سے فرمایا اور ایک قولہ تعالیٰ لابثین فیہا احقابا۔ یعنی کئی احقاب اسمین پڑے رہین گے۔ تو معلوم ہوا کہ کئی احقاب کے بعد پھر نجات ہو گی۔ اور ان لوگون کا یہ بھی قول ہو کہ قرآن مین دوزخ کے دوام بقا پر کوئی دلالت نہین ہو بلکہ قرآن مین تو فقط اسیقدر ہو کہ کفار اسمین ہمیشہ رہین گے اور وے اسمین سے کبھی نہین نکلین گے۔ اور اُن سے اُسکا عذاب فتور نہ کریگا اور وے کبھی نہین مرین گے اور اُن پر عذاب اسمین مقیم و غرام و لازم ہوگا۔ اور یہ بات وہ ہو کہ جسمین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ مین کچھ اختلاف نہین ہو بلکہ اختلاف ایک اور بات مین ہو اور وہ یہ ہو کہ دوزخ دائمی ابدی چیز ہو یا اسپر بھی فنا لکھی گئی ہو اور یہ بات کہ کفار اسمین سے کبھی نہین نکلین گے اور جنت مین کبھی نہین داخل ہون گے تو اس بات مین اہل السنۃ مین سے کسی نے اختلاف نہین کیا ہو۔ الحاصل اگر کچھ اختلاف ہو تو اس بات مین کہ آیا دوزخ پر بھی فنا لکھی گئی ہو جیسے کل چیزون پر یا نہین تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے دوزخ کے فانی ہونے کا قول ایک جماعت صحابہ و تابعین سے نقل کیا اور شیخ ابن القیم نے مثل اپنے استاد ابن تیمیہ کے اسی قول کو نصرت دی اور اسی کو محقق کیا لیکن جمہور نے اسکو ترک کیا یہ قول متروک مہجور ہو اسکا قائل نہونا چاہیے اور نہ اسپر اعتماد کرنا چاہیے کیونکہ جمہور نے ان اقوال کی تاویل کر دی اسطرح کہ صحابہ رض کی مراد یہ ہو کہ اسمین کوئی گنہگار مومن نہ ہوگا اور رہے کفار تو وہ اسمین

بھرے ہون گے کبھی اسمین سے نہین نکلین گے جیسا کہ بہت سی آیات مین اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور دونون آیتون کو قریب بیس وجہ سے
تاویل کر دیا ہے انتہی کلام المناوی ۔ مؤلف نے کہا کہ ابن المنذر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ کہا کہ لو لبث اہل النار فی النار کقدر
رمل عالج لکان لہم علی ذلک یوم یخرجون فیہ ۔ اگر پڑے رہین دوزخ والے دوزخ مین شمار ریگ تو دہ کے تو البتہ اُن کے لئے اسپر ایک دن
ہوگا کہ اسدن نکلین ۔ قال المترجم مبہم ہے معلوم نہین کہ اہل النار سے کفار دوزخی مراد ہین یا گنہگار موحد جو دوزخ مین داخل ہوئے ہین ۔
ولیکن دوم کی تائید دیگر احادیث مرفوعہ صحیحہ سے ظاہر ہے اور اول مخالف آیات و احادیث ہوگا پھر لکھا کہ عبد بن حمید نے بھی ثقات راویون
سے حضرت عمر رضؓ سے اسی قول کے مانند روایت کیا اور ابن راہویہ نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کیا کہ کہا کہ سیاتی علی جہنم یوم لا یبقی فیہا احد
وقرأ فاما الذین شقوا الآیۃ ۔ البتہ جہنم پر ایسا روز آویگا کہ اسمین کوئی شخص باقی نہین رہیگا اور پڑھی یہ آیت فاما الذین شقوا ففی النار خالدین فیہا
الآیۃ مترجم نے کہا کہ اسمین بھی وہی تردد ہے کہ اسمین کوئی شخص باقی نہ رہیگا اس لفظ سے کون مراد ہے آیا کوئی شخص کافر ہو یا موحد ہو باقی
نہ رہیگا یا گنہگار موحد باقی نہ رہیگا ۔ اگر اول مراد ہے تو خلاف آیات و احادیث ہے اور اگر دوم مراد ہے تو موافق احادیث صحیحہ ہے اگر کہا جاوے کہ
فاما الذین شقوا کے پڑھنے سے تو یہی ظاہر ہے کہ شقی کافر مراد ہین تو کہا جائیگا کہ گنہگار موحد بھی بسبب بداعمالی کے شقی یعنی بدبخت ہو سکتا ہے
اگرچہ وہ بوجہ نفس اعتقاد توحید کے سعید ہو ولیکن واضح ہو کہ یہ اسی صورت مین ہے کہ قولہ فمنہم شقی وسعید سے باعتبار اعمال کے دو قسم کی گئی ہون
تو ضرور ہوگا کہ سوائے دو کے دیگر اقسام بھی نکلین اور نہ ازلی شقاوت و سعادت کی راہ سے تو دو ہی قسم مین انحصار ہوگا مگر فاما الذین شقوا سے
حالی ازلی کافر دائمی دوزخی مراد ہون گے ۔ ان مین گنہگار موحد داخل نہین ہو سکتے تو قول حضرت ابوہریرہ مین تاویل مذکور مین تردد ہوگا ۔ اگر کہا جاوے
کہ قولہ لا یبقی فیہا احد ۔ یا لیس فیہا احد مین نکرہ تحت نفی مفید عموم ہے تو یہی معنی ہوئے کہ کوئی نہ ہوگا خواہ کافر ہو یا مومن ہو ۔ کہا جائیگا کہ ہان عموم تو ہے لیکن
آیا یہ عام اپنے معنی عموم پر لیا گیا یا نہین چنانچہ شرع مین بہت الفاظ عموم اپنے عموم پر نہین مراد ہین جیسے بلقیس کو کہا کہ اوتیت من کل شیٔ ۔ اسکو ہر چیز
دی گئی حالانکہ اسکو آسمان یا ستارہ یا روس کے سلطنت نہین دی گئی تھی لہذا جب ہم نے دوسری آیات و احادیث کو دیکھا تو اس سے معلوم ہوا کہ
عموم مراد نہین بلکہ مخصوص گنہگار موحد مراد ہین فافہم ۔ پھر مؤلف نے لکھا کہ ابن المنذر و ابوالشیخ نے ابراہیم رحمہ اللہ یعنی تابعی نخعی سے روایت کی کہ کہا کہ ما فی
القرآن ارجی آیۃ لاہل النار من ہذہ الآیۃ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید یعنی کہا کہ اہل دوزخ کیلئے قرآن
مین اس آیت سے بڑھکر کوئی آیت امید کی نہین ہے یعنی خالدین فیہا ما دامت الآیۃ ۔ قال المترجم اسمین بھی اہل النار سے شاید گنہگار موحد
مراد ہین جیسے دیگر اقوال ہین ۔ اور اسی قول ابراہیم مین ہے کہ کہا کہ ابن مسعود رضؓ نے فرمایا لیاتین علیہا زمان تصفق ابوابہا کہ جہنم پر ایک زمانہ آویگا کہ اسکے
دروازے بند کئے جاوینگے ۔ اقول شاید یہ مراد ہے کہ موحدین گنہگار کے نکالے جانیکے بعد جب اسمین کوئی ان مین سے نہ رہیگا تو کفار پر سد و د کر دیئے
جاوین گے واللہ اعلم ۔ امام احمد نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی کہ قال لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد ۔ اور اس
قول کو محی السنۃ بغوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ وغیرہ سے حکایت کیا اور ابن جریر رحمہ نے اپنی اسناد سے شعبی تابعی رحمہ اللہ سے روایت کی کہ
قال جہنم اسرع الدارین عمرانا واسرعہما خرابا یعنی دوزخ و جنت دونون گھرون مین سے دوزخ زیادہ جلد آباد ہو جائیگی اور زیادہ جلد خراب یعنی
ویران و کھنڈل ہوگی اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید ۔ تو وہی جانتا ہے کہ یہ استثناء
کس پر واقع ہوا اور جاننا چاہیئے کہ جیسا حضرت ابن مسعود و حضرت عمر و ابوہریرہ و عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہوا ویسا ہی ایک
جماعت سلف سے مروی ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم مین سے ابن عباس و ابن عمر و جابر و ابوسعید خدری سے اور تابعین مین سے ابو مجلز و

عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ سے روایت کیا گیا اور اسمین ایک حدیث بھی طبرانی کے معجم کبیر مین ابو امامہ صدی بن عجلان الباہلی سے مرفوع
روایت ہو لیکن اسکی اسناد بعض راویون کی وجہ سے ضعیف ہو۔ مؤلف نے کہا کہ اس بیان سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ
نے جو کچھ ان بزرگون سے نقل کیا وہ صحیح ثابت ہو اور حافظ ابن القیم نے جو اسکا انتصار کیا وہ بجا ہے اور ابن حجر مکی و مناوی کا قول سست
ہے اگرچہ بیشک ارجح رہی جمہور کا مذہب ہے۔ قال المترجم مناوی مین یہ نہین کہا تھا کہ شیخ الاسلام کی نقل مین فتور ہو بلکہ اُسنے یہی کہا تھا کہ یہ مذہب
مہجور و متروک ہو ہان ابن حجر نے البتہ عدم ثبوت کا احتمال پیدا کیا تھا تو ان اسانید سے ثبوت ہو جاتا ہو و لیکن اصل کلام انکے معنی مین ہو مترجم
کہتا ہو کہ عذاب جہنم ایک نہایت سخت چیز ہو نعوذ باللہ من عذاب جہنم و عذاب القبر۔ چنانچہ صحیح حدیث مین ہو کہ بسبب برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے ابو طالب آپکی پرورش کرنے والے جان نثار چچا پر جو کافر مرے عذاب مین بالکل تخفیف ہوئی اسپر بھی آپنے فرمایا کہ اسکے پاؤن مین آگ
کی دو جوتیان ہین جن سے اُسکا دماغ اُبلتا ہے۔ اعوذ باللہ اعوذ باللہ۔ لہذا مترجم کہتا ہو کہ تمام برادران اسلام ہر وقت اپنے آپ کو مع
اہل و عیال و دوست و احباب کے نافرمانی الٰہی سے روکین اور شرع پر جو نہایت آسان راستہ ہو چلے چلین اور ضرور بالضرور اپنے ایمان و یقین کو
ہر دم تازہ رکھین ورنہ جسوقت غفلت ہو گی شیطان اُن کو کافر بنا دیگا کہ جس سے اُنکو خود خبر نہ ہو گی اور شرک سے بالکل ڈرین اور اس کے بعد
مین کہتا ہون کہ یہان جو بحث مذکور ہوئی اس مین خود خوض نکرین اسکو علمار پر چھوڑین ہان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کرنا ضرور ہو جیسے اسکے
عذاب سے ڈرنا ضرور ہو۔ پھر واضح ہو کہ مؤلف نے لکھا کہ یہان جار اللہ محمود زمخشری نے کشاف مین اپنا معتزلہ ہونا خوب ظاہر کیا اور اُس سے آگے
بڑھکر خندق مین گرا اور اُسکا مذہب مانند دیگر معتزلہ کے یہ ہو کہ کبیرہ گناہ کرنے والے موحد دوزخ سے نہین نکالے جاوینگے چنانچہ اُن کے
نزدیک جو دوزخ مین گیا وہ ہمیشہ اُسی مین رہیگا بنا برین اُس نے لکھا کہ تو اہل السنۃ کے اس قول سے دھوکا نہ کھانا کہ استثنار سے یہ مراد
ہے کہ کبیرہ گناہ والے دوزخ سے نکالے جاوینگے کیونکہ اہل سعادت کے حکم مین بھی استثنار ہو وہ صاف ان لوگون کا جھوٹ و افترا پکارکر
ظاہر کرتا ہو اور تو ان لوگون سے بھلا کیا بھلائی کی اُمید رکھتا ہو جو قرآن کو چھوڑ دیتے ہین اپنے تو اسود کی روایت پر کہ اُسنے عبداللہ بن عمرو
بن العاص سے روایت کی کہ لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد۔ اور مین تو کہتا ہون کہ عبداللہ بن عمرو کو اپنی دونون تلوارین لیکر
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقاتلہ کرنے سے اتنی فرصت کیون ملی جو اُنھون نے تمام زمانہ مین یہ حدیث پھیلائی۔ انتہی کلامہ مترجما۔ شیخ شوکانی رحمہ اللہ
نے اس قول کو نقل کرکے کہا کہ اے مسکین تو نے جو ہم پر طعن کیا کہ کبیرہ گناہ والے کے دوزخ سے نجات پانے کے قائل ہین تو یہ خود رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو اور آپ کے آپکے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہم لوگون کو پہونچایا اور سنت مطہرہ
کی کتابون مین جو ایمان و اسلام کیواسطے خزائن جواہر بے بہا و بمثل ہین ایک جماعت سے بدرجہ تواتر بطریق متواترہ نقل ہوا ہو پس تیری
لیاقت کیا ہو جو تو ایسی قوم پر طعن کرتا ہے جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عارف ہین اور طریقہ رسول و صحابہ کو اس قدر جانتے
ہین کہ تو اس سے جاہل ہو اور ایسی پیروی اُن کی راہ کی کرتے ہین کہ جس سے تو کوسون دور پڑا ہے اور یہ جو تو نے وہم کیا کہ آیت مین دوسرا
استثنا اہل سنت کی تکذیب کرتا ہو تو یہ تیرا وہم ہے اور دونون جگہ گنہگار مومنون کی مراد لینے مین کوئی نقصان و کچھ مانع نہین ہو پس دوسری
استثنا مین یہ معنی ہین کہ بعضون کے خلود مین اسقدر دیر ہو گی کہ جبتک اُن کے گناہون کبیرہ وغیرہ کی وجہ سے اُن کو دوزخ مین عذاب
اُٹھانا پڑے۔ اور یہ قول تو ایک جماعت علمار سلف کا ہو جنکا ذکر ہم نے اوپر بیان کر دیا اور یہی حبرالامۃ حضرت ابن عباس کا قول ہو
اور رہا وہ جو تو نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص پر طعن کیا حالانکہ وہ صحابہ مین بڑے عابد و زاہد اور سنت کے حافظ تھے تو اے بیچارے

محمود تجھے کچھ بھی شعور ہوا کہ تو کیا کرتا ہے اور کس جنگل مین بھٹکا چلا جاتا ہے اور کس کنوین مین گرا پڑتا ہے اور بھلا تو اور تیری یہ لنگڑی ٹانگین اور لولے ہاتھ اور تیرا یہ اُچکنا کہ صحابہ رسول اللہ صلعم کہ بحکم صحابی کالنجوم الحدیث کے آسمان کے ستارے ہین وہان تک تو ہاتھ بڑھاتا ہے افسوس کہ تیری نحو ولغت کے طالبعلمون مین بھی کوئی نہ تھا جو تجھکو روکتا کہ جن علوم پاکیزہ و سنت مطہرہ مین تجھکو دخل ہی نہین ہے آمین تو کیون کلام کرتا ہے فیا للہ العجب اس علم الروایۃ و معرفۃ السنت سے جاہل ہونا بھی کس خراب فضیحت مین ڈالتا ہے بلکہ فضیحت اُٹھانے والا وہ شخص اپنے ہاتھون ہوگا جو اپنی کملی جھوپڑی سے بڑھکر بادشاہی تخت و تاج کا خواب بیان کرے ۔ انتہی کلام الحافظ الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ مترجما ۔ مترجم کہتا ہے کہ مین نے اس مقام کو اس تفسیر مین کافی وضاحت سے نقل کیا تاکہ اہل اسلام اپنے علوم دینی کی طرف توجہ کرکے ضائع نہ کرین والتوفیق من اللہ سبحانہ وتعالیٰ اب مین آیت کی تفسیر موافق مختار شیخ سیوطی رح کے اول و موافق اکثر کے دوم اور موافق ایک جماعت کے جنکا مذہب مجبور ہے سوم نقل کرتا ہون اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ فاما الذین شقوا ففی النار لہم فیہا زفیر وشہیق خالدین فیہا ما دامت السموات والارض ۔ پس جو لوگ شقی ہوئے یعنی ازلی کافر ہوئے (بقول سیوطی) یا انکے اعمال بد ہوئے جو مستوجب عذاب دوزخ ہین (بقول جمہور) تو وے آگ جہنم مین ہونگے انکے لئے اسمین زفیر و شہیق ہے درحالیکہ خلود دائمی رہین گے جب تک آسمان و زمین دنیا کا دوام ہے (بقول سیوطی) یا ہمیشہ اسی مین رہین گے ابد تک ۔ (بقول جمہور) الا ماشاء ربک سوائے اسقدر مدت کے جو تیرا رب چاہے یعنی بے انتہا جسکی کوئی حد نہین کیونکہ اس آسمان و زمین کو دوام ابدی نہین اور کفار کو خلود ابدی ہے (بقول سیوطی) یا باستثناء ان گنہگار موحد لوگون کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ہمیشہ نہ رہین گے بلکہ بعد مقدار عذاب کے نکال کر نہر الحیات مین غسل دیکے جنت مین داخل کئے جاوین گے (بقول جمہور) یا اس مقدار کہ تیرا رب چاہے تو جہنم فنا ہوگی آمین نہ ہون گے اگرچہ عذاب ہے (بقول جمہور) ان ربک فعال لما یرید ۔ بیشک تیرا رب جو چاہے کرے ۔ اسکو کوئی مانع نہین اور کوئی بات اسپر فرض و واجب نہین اور کسی کا اُسپر حق نہین آتا ہے بلکہ وہ سب کا خالق مالک خود مختار ہے لیکن فضل و الاہی تو اہل دوزخ جو اس سے نجات چاہین گے اگر چاہے انکی امید پوری کرے یا ان کو عذاب بڑھاوے جو چاہے کرے ۔ پھر اہل سعادت کا حال بیان فرمایا بقولہ ۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا ۔ اور جو لوگ کہ مسعود ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم مین اور یہ وہ لوگ ہین جو ایمان پر مرے اگرچہ پہلے اُن سے کفر وغیرہ گناہ صادر ہوئے ہون یعنی ابتدا مین اگر کوئی آدمی کافر ہو یا کسی گناہ مین مبتلا ہو لیکن ایک وقت سچے طور پر توبہ کرکے ایمان لاوے اور اسی ایمان پر مرے تو وہ سعید ہے ۔ یہان قرأت مین اختلاف ہے سمین نے کہا کہ حمزہ وکسائی وحفص نے بضم سین اور باقیون نے بالفتح پڑھا پس قرأۃ اولیٰ تو عرب کے اس محاورہ پر ہے کہ سعدہ اللہ اے اسعدہ ۔ فراء رح نے ہذیل سے حکایت کی کہ وے لوگ یون ہی بولتے ہین ولیکن سیبویہ نے کہا کہ سعد بضم سین نہین بولتے جیسے شقی مجہول نہین بولتے کیونکہ فعل متعدی نہین ہے ۔ نحاس نے کہا کہ مین نے علی بن سلیمان سے سُنا کہ وہ بضم سین قرأت پر تعجب کرتے اور کہتے کہ کسائی سے تعجب ہے کہ باوجود زبان عربی سے ماہر ہونے کے اسنے بالضم پڑھا حالانکہ یہ لحن غیر جائز ہے ۔ ازہری نے کہا کہ دونون صحیح ہین سعد بالفتح کا فاعل سعید ہوتا ہے اور سعد بالضم کا مسعود آتا ہے ۔ اقول لہذا انکار مسعود معروف ہے اور یہ متولد نہین بلکہ خاص حجاز و عرب ہے پھر سعد بالضم جبکہ مسعود آوے سیبویہ وغیرہ کا انکار کرنا خود عجیب ہے اور واضح ہو کہ سعد وا بالفتح قرأت پر معنی مین بجائے مسعود کے سعید سمجھنا چاہیئے یعنی جو لوگ سعید ہوئے فَفِی الْجَنَّۃِ ۔ وہ جنت مین ہین یعنی ہمیشہ کیونکہ جملہ اسمیہ سے استمرار پایا جاتا ہے پھر ہمیشگی پر تنصیص کردی بقولہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ہمیشہ اسی مین رہین گے مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۔ جبتک آسمان و زمین ہین یا اس لفظ سے بطریق محاورہ یہ معنی ہین کہ دائم ابد تک یا جبتک اُخروی آسمان و زمین ہین جنکے لئے ہمیشہ رہین گے ۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۔ الا اسقدر کہ اللہ تعالیٰ چاہے یا سوائے اسقدر زائد کے جو مشیت الٰہی مین ہے یعنی بے انتہا جسکا کبھی ختم نہین ہے جیسا کہ دوسری

آیات سے صریح معلوم ہوا اور خود یہاں تنصیص فرمائی بقولہ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ - اے اعطوا اعطاء غیر مقطوع لانہایۃ لہ۔ دیئے گئے یہ بندے ایسی نعمت کہ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ بیضاوی رح نے کہا کہ یہ تصریح ہے کہ ثواب کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور تنبیہ ہے کہ ثواب جو استثناء کیا بقولہ الا ماشاء ربک اس سے ظاہر مراد نہیں کہ کبھی دوام میں انقطاع ہوگا کیونکہ آگے عطاء غیر مجذوذ فرما دیا اور اسی وجہ سے ثواب و عقاب کے تابید میں فرق کر دیا۔ خفاجی نے کہا کہ بعض کو وہم ہوا کہ عذاب جہنم کبھی منقطع ہوگا اور ثواب جنت منقطع نہیں ہوگا اور اسمیں ایک حدیث عبداللہ بن عمرو سے وارد کی و ابن الجوزی نے کہا کہ وہ موضوع ہے اور اسی کے قریب زمخشری نے کہا ولیکن زمخشری نے ابن عمرو کے حق میں ایسی بات کہی جسکا ذکر کرنا لائق نہیں ہے مترجم کہتا ہے کہ خفاجی رح سے عجب ہے کہ زمخشری رح کا قول بھی روایات کی تضعیف و توثیق میں سند قرار دیا حالانکہ اسکو اس علم سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے آیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تو صحیح متفق علیہ احادیث سے منکر ہو جاتا ہے اور رہا ابن الجوزی کا موضوع کہنا کچھ مضر نہیں جبکہ مفصل معلوم ہو چکا کہ اسانید صحیح ہیں لیکن یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ خلود کفار کی آیات قطعی ہیں ان کے مقابلہ میں یہ نصوص جو محتمل تاویلات ہیں معارضہ نہیں کر سکتے ہیں لہذا قول جمہور امت کا مختار ہے اور یہ ہم نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت میں کیا ہے کیونکہ وہ فعال لما یرید ہے جو چاہے کرے اور یہی جمیع اہل السنت کا مذہب ہے پھر مشائخ صوفیہ کے اقوال بھی سننا چاہیئے **ف عرائس** میں ہے کہ قولہ تعالیٰ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ماشاء ربک۔ اللہ تعالیٰ کے کرم و لطف سے یہ امید کی جاوے کہ کفار جب حشر میں اٹھائے جاویں تو بلا حساب جہنم میں داخل کر دیئے جاویں پھر مومنوں کا حشر ہو اور میزان کے اعمال محسوب ہوں و زمین تبدیل کی جاوے و آسمان دوسرا بدلا جاوے یا درمیان سے دور کیا جاوے اور مومنوں سے آسان حساب لیا جاوے اور حق تعالیٰ قادر ہے کہ ان سے ایک لحظہ میں حساب کرے پھر جب ان کو جنت میں داخل کرنا چاہے تو کافروں کو جہنم سے نکال کر بحر الحیوان میں داخل کر کے پھر مومنوں کے ساتھ ان کو جنت میں لیجاوے کیونکہ اس نے وعدہ فرمایا کہ کفار جہنم میں اسوقت تک رہیں گے کہ آسمان و زمین ہوں پھر جب دونوں زائل ہوئے تو حجت پوری ہوگئی اور یہ ایک بات ایسی ہے کہ امید کی جاوے ورنہ اہل السنت کا یہ مذہب نہیں ہے ولیکن قولہ الا ماشاء ربک کے معنی یہ ہیں کہ وہ کافر ایسا ہو کہ آخرت معاینہ کرنے سے ایک لمحہ پہلے ایمان لے آیا ہو اور کوئی اسکے ایمان سے مطلع نہ ہوا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو اس صورت میں وہ بحر الحیوان سے نہا کر مومنوں کے ساتھ ہوگا۔ **قال المترجم** یہ دونوں اقوال نہایت عجیب ہیں شاید صوفیہ و غیر صوفیہ بلکہ جمیع امت میں سے کسی کا قول مجھے اسکے موافق نہیں ملا۔ اول قول کہ محشور ہو کر جہنم میں جاویں پھر مومنین محشور ہوں تو واضح ہو کہ آیات سے ثابت ہے کہ کفار بد ہیأت و جمہور و مقتور محشور ہونگے اور جملہ خلائق ایک میدان میں جمع ہوگی اور جنتیں و جنائن و قائع صریح منصوص آیات میں مذکور ہیں پھر اس قول کی کیا ہستی رہی اور دوم یہ کہا کہ کافروں کی نجات کی شرط یہ کہ لمحہ پہلے ایمان لایا ہو جس سے سوائے حق کے کوئی مطلع نہ ہو تو واضح ہو کہ جمہور امت کے نزدیک جو کوئی توبہ کے وقت تک توبہ کرے وہ ایسا ہے کہ جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو اسپر کوئی گناہ نہیں اگرچہ فضائل اعمال سے اسکو درجہ نہ ملے مگر وہ ایک لمحہ بھی دوزخ میں عذاب نہ پاویگا اور رہا خیر یعنی عمل صالح نہ ہونا بلکہ عصیان ہونا تو اہل توحید بھی بعوض گناہ کے عذاب پاکر جہنم سے ایک وقت پر نکالے جائیں گے پھر بحر الحیوان یا نہر الحیات سے غسل دیکر جنت میں جاویں گے جیسا کہ صحاح میں مصرح ہے اور رہا رحمت الٰہی کا بیان تو بیشک وہ ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اسکو کیا بیان کر سکے لیکن احادیث الرسول کے بیان سے جانا ہے حتی کہ شیطان اس رحمت کی تمنا کریگا لیکن وہ قہار بھی ہے تو جامع صفات کمالیہ ہے سب کو خوف و رجا ہے ولیکن شیخ نے بعد اسکے لکھا کہ اللہ تعالیٰ عذاب کافرین سے مستغنی ہے جیسے طاعت مومنین سے مستغنی ہے اور اسکا کچھ نقصان نہیں اگر تمام کافروں کو جنت میں داخل کر دے پس جب کرم فرمایا تو اولین و آخرین و مومنین و کافرین سب اسکے کرم سے فیضیاب ہوں گے مگر جو اسنے

وعدہ رحمت دیا ہے یا عذاب سے ڈرایا ہے اسمین سچا ہے اور سب علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اقول بیشک وہ کفر و طاعت و عذاب و ثواب سب سے مستغنی ہو ولیکن یہ غضب و رضا رہا اور یہ ہر ایک کے اعمال کا عوض ہر ایک کو ملا اسکو دونون سے استغناء ہو جیسا کہ تمام اہل السنت کا قول اور احادیث صحیحہ مین مصرح ہو بحمد اللہ تعالیٰ در رسول و صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم و جمہور اکابر اولیاء و ائمہ مومنین کا قول اسطرح امید و بیم پر انکی مخالفت کر کے نہین چھوڑا جا سکتا ہے اور شیخ محی الدین بن العربی کا یا کسی صوفی کا یہ قول نہین ہو کہ جہنم والے جنتی یا جنت والے جہنمی ہو جاوینگے بلکہ شیخ ابن العربی نے اسکو صریح لکھا ہو جیسا کہ مین نے اوپر انکا قول ترجمہ کر دیا ولیکن شیخ رح نے جو قول لکھا وہ کسی کرام صوفیہ کے قول سے متوافق نہین ہوتا والعلم عند اللہ تعالیٰ پھر لکھا کہ جو کچھ مین نے لکھا اسکی تائید مین ابو مجلز کا قول ہے کہ جہنم کافرون کی سزا ہو لیکن اللہ تعالیٰ چاہے تو عفو کر دے اور جہنم مین داخل نکرے اور ابن مسعود رض نے کہا کہ یاتین علی جہنم زمان الخ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اور ایسے ہی شعبی کا وہی قول نقل کیا جو اوپر مذکور ہو چکا اور کہا کہ تصدیق اسکی قولہ تعالیٰ ان ربک فعال لما یرید۔ وہ جو چاہے کرے اقول ان اقوال کے معنی و تاویلات سب اوپر مذکور ہوئین اور لکھا کہ قولہ تعالیٰ واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجذوذ یعنی جو لوگ ایسے ہین کہ ازل مین سعادت کبریٰ سے سرفراز ہوئے وہ سرادق عرش کے نیچے مقاصیر معرفت مین ہین انکو دوام خلود ہو جبتک جنت کا آسمان و زمین قائم ہو آسمان اسکا عرش عظیم ہو اور زمین اسکی دُر کہ بیضا و مشک اذفر کی ہوگی یعنی جیسا کہ حدیث مین زمین کی نسبت وارد ہو الا ما شاء ربک یعنی عارفین و محبین و مشتاقین کیلئے خاص مشیت کہ انوار جمال مین تا ابد داخل ہون اور قولہ عطاء غیر مجذوذ یعنی کبھی منقطع نہوگی اور اہل جنت کے فواکہ کی نسبت بھی فرمایا کہ لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ۔ اقول تفسیر باشارت متوافق ظاہر ہو پھر شیخ نے اکابر مشائخ صوفیہ سے اقوال موافق جمہور امت کے نقل کیے اور خود شیخ کا قول ان سب سے مخالف صریح ہو چنانچہ لکھا کہ ابن عطاء نے کہا کہ قولہ الا ما شاء ربک جو اہل جنت کیلئے ہو اسکے معنی یہ کہ سوائے خلود نعمت کے اور جو تیرا پروردگار چاہے زائد نعمت کہ اسکی انتہا نہین اور وہ ادراک بشری سے باہر ہے اور اہل جہنم کے حق مین جو الا ما شاء ربک فرمایا اسکے یہ معنی کہ سوائے خلود جہنم کے جو تیرا رب چاہے مزید عذاب سے جو طرح طرح کے انواع ہین۔ اقول دیکھو شیخ ابن عطاء رح کا قول بالکل علماء کے اقوال مین سے شیخ سیوطی کے اعتقاد کے موافق ہو۔ فافہم۔ شیخ جنید رح نے کہا کہ شقی وہ ہے جو رحمت سے محروم ہوا اور سعید وہ ہے جسکو رحمت نصیب ہوا۔ اقول یہ تو صحیح ہو ولیکن شیخ مولف رح نے شطح کے طور پر سب کو اہل سعادت کر دیا کیونکہ کوئی رحمت سے محروم نہین رہا اور شاید کہ شیخ جنید رحمہ اللہ کی مراد خاص رحمت ہو۔ فافہم واللہ اعلم۔ ابراہیم خواص رح نے فرمایا کہ شقی وہ ہے جس نے اپنی تدبیر پر اعتماد کیا اور قوت کا بھروسہ سمجھا اور سعید وہ شخص ہو جس نے اپنے کام کو اپنے رب کے سپرد کیا اور سعید وہ ہو جو مقامات و طاعات چاہتا ہے اسمین توفیق ازلی اسکی مساعدت کرے اور اسپر سہل کر دے اور شقی وہ مردہ دل ہو کہ تجلی رب سے محروم ہو جب قیامت تک کے لوگون کیلئے تمثیلا اور عبرت کے لئے خصوصاً اگلی قومون کے عبرت آمیز احوال بیان کیے جس سے رسول اللہ صلعم نے انذار فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ایک اشارہ حکمت ازلیہ کیساتھ تسلی فرمائی اور اسکے ضمن مین استرا و شکایت سے منع فرمایا اگرچہ رسول کریم افضل المرسلین کو اس مین کچھ شک نہ تھا۔

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ

سو تو نہ رہ دھوکے مین ان چیزون سے جنکو پوجتے ہین یہ لوگ کچھ نہین پوجتے مگر ویسا ہی جیسا پوجتے تھے اُن کے باپ دادے

مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

اس سے پہلے اور ہم دینے والے ہین انکو اُنکا حصہ بن گھٹایا اور ہم نے دی تھی

مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

موسیٰ کو کتاب پھر اُس میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا تیرے رب سے

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ

تو فیصلہ ہو جاتا اُن میں اور اُن کو اس میں شبہہ ہے کہ جی نہیں ٹھہرا اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا دیگا رب تیرا اُن کو

اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا

اُن کے کیے اسکو سب خبر ہے جو وہ کر رہے ہیں سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھکو حکم ہوا اور جنے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

وہ دیکھتا ہے جو تم کر رہے ہو

فلا تک۔ یعنی تکن۔ حذف نون بسبب کثرت استعمال کے ہو اور کرخی نے کہا کہ جب نون کنارے پڑتا ہو تو تلفظ میں اس سے فقط ایک غنہ باقی رہتا ہے اسواسطے انھوں نے ایسے نون کو ساقط ہی کر دیا۔ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ۔ اس چیز کی طرف سے جسکو یہ لوگ پوجتے ہیں تو کچھ شک میں مت ہو جیو۔ ہؤلاء سے اشارہ کفار قریش کیطرف ہے یا ادنیٰ اور قیامت تک سب کی طرف جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کی بندگی کرتے ہیں اور بندگی خواہ اسطرح کہ صریح سجدہ کرتے ہوں یا اور وجہوں سے جو شرک ہیں جیسے کسی کو قادر مختار جاننا یا مثل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بیچون و چرا کسی کا کہنا مان لینا کما فی قولہ تعالیٰ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا الآیۃ۔ اور قادر مختار جاننے کی یہ مثال کہ کسی کو سمجھنا کہ وہ اولاد یا روزی چاہے خوش ہو کر دیدے یا ناراض ہو کر بند کر دے اور واضح ہو کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام ہونیوالا ہو اور شیطان کو استراق السمع سے معلوم ہو گیا تو اُسنے اپنے ماننے والونکو وسوسہ دیا کہ فلان بت یا میت سے مراد مانو شاید وہ راضی ہو تو تمہیں ملے تو اُسنے یونہی کیا اور وہ کام تو ہونیوالا تھا ہو گیا تو اُسکے اعتقاد میں یہی شرک جم گیا۔ اب حاصل معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت صلعم کو خطاب فرما کر دوسرونکو نصیحت کی کہ کبھی شک نہ لانا اس چیز کی طرف سے جسکو یہ لوگ قریش وغیرہ پوجتے ہیں یا قیامت تک کافر پوجنے والے ہیں اور شک اس بات کا کہ شاید یہ نفع یا ضرر انکو اسی باطل معبود سے پہونچا ہو ہرگز نہیں بلکہ وہ مقدر ہو گا اور یہ شک کرنا کہ ان لوگوں کی عاقلانہ تحقیق ہے جو معبود بناتے ہیں بلکہ محض جہالت و گمراہی ہے ان چیزونکو کچھ بھی قدرت و تاثیر نہیں ہے بعض نے کہا کہ اُنکے معبودوں کے باطل ہونے میں کچھ شک نہ کرنا بعض نے کہا کہ ان لوگونکے ایسے شرک و کفر کر کے شقی و بدانجام ہونے میں کچھ شک کرنا۔ حق یہ کہ ایسے سب معنی کو کلام شامل ہے اور محصول یہ کہ ان لوگونکی عبادت ان باطل معبودونکی کسی تحقیق و تاثیر نفع و ضرر واقعی پر نہیں بلکہ محض جہالت و تقلید آبائی پر ہے۔ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ مترجم نے لکھا یعنی ان لوگونکے پاس کوئی قطعی حجت ان بتونکی عبادت میں نہیں ہے مگر یہ جہالت کہ ہم تو وہی کرینگے جو ہمارے اگلے باپ دادے کرتے چلے آئے یا یہ معنی کہ اُن کا پوجنا بتون وغیرہ کو ویسا ہی ہے جیسے اُن کے اگلے باپ دادے پوجتے تھے۔ قال الحافظ رح یعنی تجھکو کچھ شک مت ہو کہ جو شرک پوجتے ہیں محض باطل ہے کیونکہ ان کے پاس کوئی حجت ان کے خالق کی طرف سے نہیں ہے سوائے اس جہالت کے کہ اپنے باپ دادوں کی پیروی کیے جاتے ہیں وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ۔ اور ہم ان کو پوری جزا دینگے اس بدلے میں کچھ کمی نہ کرینگے اور اگر کوئی نیکی ہوگی تو اسکو دنیا ہی میں دیدینگے۔ الثوری عن جابر عن مجاہد عن ابن عباس کہا کہ جو کچھ ان کو بھلائی و برائی کا وعدہ دیا ہے ہم پورا بغیر کمی کے دیدینگے۔ ابن زید رح نے کہا کہ پورا عذاب دینگے اور بعض نے کہا کہ جو اُنکا حصہ ازل میں مقدر ہو چکا ہے ہم ان کو پورا دیدینگے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مشرک کافر خالی اپنی بداعتقادی سے یہ سمجھتا ہے کہ بت یا میت نے ایسا کر دیا ورنہ جو مقدر نہیں وہ ہرگز نہیں ملتا ہے ورنہ ہر مشرک بادشاہ

ہوجاتا اور جو مقدر ہے ضرور ہو پہنچتا ہے یہ جہالت سے شرک پر اعتقاد کرتا ہے۔ پھر جو لوگ حکم خالق سے خلاف کر کے دوسرے احکام پر چلے
خواہ اپنی رائے پر یا کسی دوسری مخلوق کی رائے پر اور مشرک ہو کر مستوجب عذاب ہوئے اُنکا حال فرمایا بقولہ۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
اور بیشک ہم نے عطا فرمائی یعنی کمال فضل سے اُس نہ ماننے والون کی ہدایت وسعادت کیلئے کتاب یعنی توریت۔ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ۔ پس
اسمین پھوٹ ڈالی گئی بعضے اسپر ایمان لائے اور بعضے کثرت معجزات اور رشد کامل دیکھکر ایمان نہ لائے۔ اور بعضون نے تھوڑے احکام مانے
اور تھوڑے نہ مانے اور کسی کے معنی بگاڑے اور آخر مین پڑھے لکھے خود حاکم بن گئے۔ جو چاہا حکم دیا اور جس سے چاہا منع کیا اور جب چاہا منع کیا
اور جب چاہا جائز کیا اور عوام لوگ ایمان سے جاہل ہو کر اُنھین کی گویا بندگی کرنے لگے پس اسمین آنحضرت صلعم کو بھی تسلی ہے کہ اگر قرآن پاک
کے ساتھ یہی برتاؤ ہو تو پہلے توریت کیساتھ ہو چکا اور اسمین اشارات قیامت تک قائم رہے ہین اور اسلام مین ایک فرقہ نے اسی واسطے نہایت
کوشش کی کہ وہی طور وطریقہ مضبوط پکڑے رہین بعد کامل تلاش کے جسپر آنحضرت صلعم وصحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم قائم تھے تاکہ کوئی خلاف
نہو کیونکہ یہ غضب الٰہی ہی لہذا فرمایا۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ ابن جریرؒ نے کہا یعنی اگر حکم ازلی مین یہ نہوتا
کہ اللہ تعالیٰ نے عام کرم سے بندون کیلئے ایک میعاد مقرر کر دی ہے کہ اس مدت تک تاخیر ہو تو ابھی ان مین فیصلہ کر دیا جاتا۔ مراد
یہ کہ رحمت سابقہ سے ایک وقت تک باقی ہوئی ورنہ ابھی شرارت کرنے والے ماخوذ ہوتے۔ اور بعض نے کہا کہ قوم موسیٰ پر توریت مین
قرآن پر ایمان کا حکم تھا بعض نے مانا اور بعض نے اختلاف کیا تو اگر میعاد مہلت نہ ہوتی تو ابھی فیصلہ کیا جاتا۔ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
مُرِيْبٍ۔ اور وے اس کتاب کی طرف سے یعنی توریت سے یا قرآن سے ایسے شک مین پڑے ہین جو انکو ریب مین ڈالنے والا ہے۔ فائدہ تاکید
یہ ہے کہ وسوسہ قبول کرنا شیطان کی طرف سے ان کے شک کا موجب ہے جو عذر مقبول نہین کیونکہ حق تعالیٰ کی یاد سے قلب کو منور کرنا اور اوہام
وظنون شیطانی سے محفوظ رکھنا واجب تھا پھر اس شک کا فرون نے کفر کیا اور ظنون مین پھنسکر ہلاک ہوئے یعنی خالی وہم پر بتون وغیرہ کو پوجنا
اختیار کیا۔ کما قال تعالیٰ وان ہم الا یظنون۔ اور منافقون نے اپنا مال خرچ کرنا اور طاعت کی مشقت سے جھٹ کیا کہ شاید دین کے پیرایہ
مین برباد ہو اور دنیا ہاتھ سے جائے اور اللہ تعالیٰ نے بقولہ ام یخافون ان یحیف اللہ علیہم الآیۃ سے انکو تنبیہ کی الغرض بیشمار اقسام متوہمین
ومشکوکین کی برآمد ہوئے جو تنبیہ سے بھاگے اور کیچڑ مین پھنسے صرف ایک فرقہ اہل صدق وایمان کا باقی رہا پس وہ ہر وقت اپنے قلب کو
شکوک ووساوس شیطانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جملہ فرقون کو ایک جملہ مین گھیر دیا بقولہ۔ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ۔
تفسیر بیضاوی مین ہے کہ قراء سبعہ مین سے ابن کثیر ونافع وابوبکر نے حرف ان کو تخفیف پڑھا یعنی نون کو تشدید نہین دی مگر باوجود
اسکے کلا کو اسکے عمل سے نصب دیا حالانکہ انَّ بتشدید تو اسم مین نصب کرتا ہے اور جب اسکو مخففہ کرتے ہین تو عمل نہین کرتا اسکی وجہ یہ ہے
کہ ان مخففہ کو اصل تشدید کے اعتبار سے عامل ٹھہرایا اور حاصل یہ کہ زبان کے لحاظ سے وہ اِنَّ مشدد ہے لیکن پڑھنے مین آسانی وسلامت
کی راہ سے مخفف کر لیا اور باقیون نے اسکو اپنی اصل پر مشدد پڑھا بالجملہ کلا سب کی قرأۃ مین منصوب ہے اور حرف ان ہر سہ ائمہ قرأۃ کے
نزدیک مخفف اور باقیون کے نزدیک مشدد ہے اور معنی بالاتفاق ایک ہین اور کہا کہ کلاً کی تنوین بعوض مضاف الیہ کے ہے یعنی ان کل الذین
اختلفوا من المومنین والکافرین یا ان کل الفریقین۔ یا۔ ان کل المختلفین الکافرین والمومنین یعنی بیشک ہر دو فرقہ اختلاف کرنے والے مومنین
وکافرین۔ اور رکھا کہ لما کو ابن عامر وعاصم وحمزہ نے بتشدید میم پڑھا اور باقیون نے بتخفیف پڑھا تو اس صورت مین اس حرف کے معنی
مین فرق ہوا اگرچہ مجموعہ کلام کے معنی مین حاصل واحد ہے پس جبکہ لما بتخفیف لیا جاوے تو یہ حرف لام وما سے مرکب ہے اور لام تو قسم کا موطئہ

وما زائدہ ہے اور لیوفینہم کا لام واسطے تاکید کے ہے یا قسم کا لام لیوفینہم کا ہے اور لما کا لام تاکید ہے اور ما کا زائد کرنا اسی فائدہ کیلئے ہے کہ دو نون
لامون مین فصل ہوجاوے پس معنی یہ ہوئے کہ بالتحقیق ہر ایک کو دونون فریق مین سے البتہ بھرپور دیدیگا انکو تیرا رب انکے اعمال یعنی انکے
اعمال کا ثواب یا عذاب۔ اور حاصل یہ کہ ہر آدمی کو جیسے وہ اعمال کرتا رہے پروردگار اسکے اعمال کا پورا بدلا دیدیگا۔ اب دوسری
قراۃ لمّا بتشدید کو لکھا کہ وہ اصل مین لَمِن ما تھا تو نون کو میم سے بدل کر میم مین ادغام کر دیا ولیکن تین میم جمع ہوگئے تو پہلا میم حذف کر دیا
پس لمّا ہوگیا اور اس صورت مین موصولہ ہے اور معنی اسکے لمن الذین لیوفینہم ربک جزاء اعمالہم یعنی بالتحقیق ہر گروہ البتہ ان مین سے ہے
کہ جن کو انکا پروردگار انکے کامون کا بدلا پورا دیدیگا حاصل یہ کہ اختلاف وپھوٹ ڈالنے والے لوگ اور توحید و طاعت پر قائم رہنے
والے لوگ ہر ایک کو پروردگار انکے کامون کا ثواب یا عذاب جس لائق ہون گے پورا دیدیگا کچھ کمی نہ کی جائے گی یعنی ایسے طور پر ان کو عوض
نہ دیا جائیگا جسمین انکا نقصان و خسارہ ہو۔ شیخ اور بیضاوی نے لکھا کہ شاذ قراۃ مین لمّاً بتنوین پڑھا گیا تو لمّ کے معنی جمیع ہین جیسے قولہ تعالٰی
وتاکلون التراث اکلا لمّا۔ اور اس صورت مین لمّاً تاکید کلاً ہے یعنی کلہم اجمعین پس خلاصہ معنی یہ کہ بیشک کل سب کو الٰی آخرہ اور لکھا کہ دوسری شاذ
قراۃ مین ان کل لمّا۔ آیا یعنی ان بجزم نون بمعنی نفی اور کل مبتدا اور لمّا بتشدید میم بمعنی الا ہے اور معنی یہ کہ نہین کوئی فریق مگر البتہ بھرپور دیدیگا
انکا رب انکے کامونکا بدلا۔ انتہی مترجما موضحا۔ اور مؤلف فتح البیان نے لکھا کہ یہان لفظ ان وکلا ولما مین اقوال متخالفہ ہین مترجم کہتا ہے بلکہ یون
کہو کہ قراۃ متعدد ہین پھر مؤلف نے یہ قراتین بیان کر کے لکھا کہ لما خفیفہ یا ثقیلہ آیا بمعنی الا یعنی حرف استثناء ہے یا بمعنی لا یعنی حرف نفی ہے
اور لکھا کہ ان اقوال مین سب سے بہتر یہ ہے کہ لما بمعنی الا حرف استثناء ہے اور ایسا ہی خلیل و سیبویہ سے روایت ہے اور اسی کو زجاج نے ترجیح
دی ہے اور حضرت ابی بن کعب کی قراۃ مین بھی ان کلا الا لیوفینہم آیا ہے مترجم کہتا ہے کہ مؤلف مذکور نے یہ نہین لکھا کہ لما بمعنی الا
کس قراۃ پر مرجح ہے کیونکہ ان حرف تحقیق کی صورت مین الا کے معنی ظاہر نہین ہوتے تو ترجیح کا کیا ذکر ہے اور اگر ان نافیہ کی صورت مین کہا
تو بیضاوی رح نے اسی معنی پر جزم کیا ہے کیونکہ لا نافیہ کے معنی نہین بنتے ہین ترجیح کیونکر مقصود ہو علاوہ ازین یہ قراۃ شاذہ ہے اور مجھے ظاہر
نہ ہوا کہ لما بمعنی لا نافیہ ۱۲ کے تفسیر کس نے لکھی ہے پھر جو حضرت ابی رض کی قراۃ لکھی اسمین ان حرف تحقیق اور کلا منصوب نقل کیا اور مترجم کو اسکے
معنی کے ظہور مین تامل ہے تو راجح ہونے کا کیا ذکر ہے اور میرے نزدیک یہ سہو ہے اور صحیح ان نافیہ و کل برفع ہے جیسا کہ بیضاوی و سمین
وغیرہ کے کلام سے ظاہر ہے چنانچہ سمین رح نے کہا کہ بعض نے ان و لما دونون کو مخففا پڑھا اور بعض نے ان مخففا اور لما مثقلہ پڑھا اور بعض نے
دونون کو مشدد پڑھا اور بعض نے ان مشددہ اور لما مخففہ پڑھا پس یہ چار قراتین ہوئین اور چارون سبعیہ متواترہ ہین اور کہا کہ ان مین سے چوتھی قرات
تو خوب واضح المعنی ہے اور لکھا کہ شاذ قرات مین ان کلٌّ لمّا یعنی آن کا نون بجزم اور کل کو رفع اور لما کو تشدید اور یہی حسن بصری کی قراۃ ہے پس ان
نافیہ ہے اور لما بمعنی الا ہے انتہی مترجما ملخصا۔ اور بیضاوی رح نے کہا کہ شاذ قراۃ مین ان کل الا لیوفینہم آیا ہے اقول یہی حضرت ابی رض کی قراۃ ہے
اور میرا خیال ہے کہ یہی حضرت حسن بصری کی قراۃ ہے یعنی بحرف الا استثنائیہ نہ بحرف لما جیسا کہ سمین رح نے زعم کیا واللہ تعالٰی اعلم مترجم
کہتا ہے کہ قراۃ قرآنیہ ثواب ہین اسواسطے مین نے منفصل لکھا اور تاکہ طلبہ واقفان زبان کو آسانی ہو ورنہ محصول سب قراتون متواترہ بلکہ
شاذہ کا بھی واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کوئی جیسے اعمال کریگا وہ شیطانی وسوسہ پر یہ شک نہ کرے کہ اسکی نیکیان ضائع ہونگی کیونکہ مراد بھرپور
سے یہی ہے کہ اسکا خسارہ نہ کیا جائیگا اور یہ نہین ہے کہ عذاب اسکو خواہ مخواہ ضرور دیا جائیگا اور یہ بھی شک نہ کرے کہ کون جانتا ہے کہ
عمر بھر مین خفیہ و ظاہر کیا ہوا کیونکہ جسنے مخلوق فرمایا اسکا علم ہر رگ و ریشہ کو محیط ہے لہذا فرمایا۔ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ بیشک اللہ تعالٰی

خوب آگاہ ہے اُس سے جو تم کیا کرتے ہو یعنی ایمان وطاعت والوں میں نیت کے خالص و سچے سب کو جانتا ہے اور کافر و مشرک
ومنافق سب کے حال سے واقف ہے تو ہر ایک کو اُسکا پورا بدلا ملیگا واضح ہو کہ اول کلام میں آنحضرت صلعم کو خطاب فرمایا تھا کیونکہ وہ
آپ ہی کے لائق مضمون تھا اور یہاں خود عمل کرنیوالوں کو خطاب کر دیا جس سے بدکار سخت خوف کریں اور نیکوکار اپنے رب کے حضور میں
جان نثاری میں سرگرم ہوں پھر آنحضرت صلعم کو خطاب کر کے امت مرحومہ کو تاکید فرمائی بقولہ۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ یعنی تو استقامت کر
جیسا تجھے حکم دیا گیا یعنی جس چیز کا تجھے جسطرح حکم ہوا ہے تو اسی طرح اسپر ٹھیک مستقیم رہ۔ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ اور ہر وہ بندہ بھی مستقیم
رہے جسنے تیرے ساتھ توبہ کی یعنی مخالفت الٰہی تعالیٰ سے توبہ کر کے اسی کی طرف رجوع کیا ہے بعض نے کہا کہ اسمیں لطیف اشارت ہے کہ جیسا
حکم ہوا اس سے آنحضرت صلعم کا علم لدنی ہر طرح کی سمجھ کے ساتھ تھا اور مومنین کو یہ فہم آنحضرت صلعم کی اتباع میں ٹھیک حاصل ہوئی لہٰذا
اہل السنت نے تمام فہم حق کہ کتاب الٰہی کی سمجھ بالکل آنحضرت صلعم کے طریقہ شریف سے حاصل کر کے اپنی نجات کا وسیلہ ڈھونڈھا بخلاف
معتزلہ وغیرہ بدعتی فرقہائے اسلام کے کہ وے طریقہ سنت سے منحرف ہو گئے اور گمراہ ہوئے اور جو اشارہ بیان ہوا وہ اسطرح ظاہر
ہے کہ یوں نہیں فرمایا کہ فاستقم انت ومن تاب معک کما امرتم حالانکہ طاعات وغیرہ احکام مومنوں پر بھی بحکم الٰہی لازم ہیں۔
شیخ امام عماد ابن کثیر رح نے کہا کہ اس آیت میں اپنے رسول علیہ السلام و مومنوں کو حکم دیا کہ استقامت پر ثابت قدم رہیں۔ سراج میں لکھا
کہ یہ بطور تاکید کے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر استقامت پر قائم تھے تو تاکید کی کہ ہمیشہ قائم رہنا یعنی جیسے نماز میں دعا کے
اہدنا الصراط المستقیم کے یہی معنی کہ ہم کو صراط مستقیم پر قائم و ثابت رکھ جیسے فرمایا۔ یومنون بالغیب یعنی ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں اور
جیسے کہتے ہیں کہ قم حتی آتی۔ کھڑا ہو جب تک میں آؤں یعنی کھڑا رہ کیونکہ وہ تو کھڑا تھا اور یہ تمہید ہے من تاب یعنی مومنوں کیلئے استقامت
کے حکم کی یعنی جو تیرے ساتھ ایمان لایا ہر ایک دین الٰہی و طاعت پر اسطرح مستقیم رہے جیسا تجھے حکم دیا گیا یعنی تجھ سے انھوں نے سیکھا
اقوال یہی معنی ہیں کہ رسول صلعم کی اطاعت کرنا عین اطاعت الٰہی ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا صلوا کما رایتمونی اصلی یعنی ویسی ہی نماز
پڑھا کرو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اور لکھا کہ حضرت امیر المومنین عمر ابن الخطاب رض نے فرمایا کہ استقامت حقیقت میں یہ ہے کہ تو ٹھیک
جم جاوے ایسے کام کرنے پر جسکا تجھے حکم دیا گیا اور ایسی بدی نہ کرنے پر جس سے تجھکو منع کیا گیا اور تیری یہ حالت نہو کہ لومڑی کی طرح حیلہ
ڈھونڈھے اقول جب دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کو برحق جانتا ہے اور نفس اُسکا نماز بے وسواس سے محبت الٰہی میں منور اور روزہ خالص
سے مطمئن ہو جاتا اور فانی خواہشوں سے بے رغبت ہو جاتا ہے تو پھر کوئی حیلہ نہیں کرتا اور مستقیم ہو جاتا ہے تو حضرت امیر المومنین نے
خالص نیت سے سنت کی پیروی کاملہ کا اشارہ کیا ہے۔ اور یہ استقامت جبکہ پہلے نفس و شیطان کی مخالفت کرنے اور نماز جیسی چیزیں درستی
کے بعد حاصل ہوتی ہے لہٰذا آدمی پر شاق ہوتی ہے اگرچہ پیچھے اسکو استقامت کی نعمت سے وہ کچھ حاصل ہو جو کبھی کسی کے خیال میں نہیں
آسکتا ہے والله تعالیٰ اعلم۔ چونکہ اس آیت میں امت پر استقامت کا حکم ہے اور یہ امر دشوار ہے الا ضعیفوں سے اسکی امید کم ہے سوائے
مردان حق و شیران الٰہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وان کے تابعین کے تو باقیوں کی حالت پر آنحضرت صلعم نے شفقت فرمائی اور
کمال رحمت سے انکی حالت گراں گزری چنانچہ ابن عباس رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم پر اس آیت سے زیادہ سخت و شاق کوئی آیت نہیں اُتری
اور سراج میں لکھا کہ بعض اکابر سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ میرے ماں باپ فدا ان
آپ سے حدیث روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا شیبتنی ہود یعنی مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا تو فرمایا کہ ہاں صحیح ہے میں نے عرض کیا کہ

کس آیت سے آپنے ایسا فرمایا ہو تو فرمایا کہ قولہ تعالیٰ فاستقم کما اُمرت سے۔ واضح ہو کہ یہ حدیث صحاح وسنن مین صحیح الاسناد مروی ہو حسن بصری رح سے مروی ہو کہ جب یہ آیت اُتری تو آپنے لوگون کو فرمایا کہ شمروا شمروا۔ یعنی دامن سمیٹ کر کمر باندھکر مضبوط آمادہ ہو جاؤ پھر اسکے بعد آپکو کبھی ہنستے نہین دیکھا گیا۔ ابو السعودؒ نے کہا کہ یہ حکم تمام اصلی و فرعی احکام و اعتقادی و عملی کمالات کو جامع ہے اور اسکو پورا ادا کرنا بہت دشوار ہو یعنی جیسا حکم فرمایا ہو اسی استقامت کو البتہ پاکیزہ نفوس مثل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادا کر سکتے ہین اسیواسطے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ شیبتنی ہود۔ و سفیان بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ مین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام مین ایسی بات بتلا دیجیے کہ آپکے بعد کسی سے مجھے پوچھنے کی حاجت نہو تو فرمایا۔ قل آمنت باللہ ثم استقم یعنی کہہ ایمان لایا مین اللہ تعالیٰ پر پھر استقامت اختیار کر رواہ مسلم فی صحیحہ۔ البتہ نہایت جامع کلام فرمادیا بیضاوی مین ہے کہ استقامت عقائد و اعمال دونون کو شامل ہو چنانچہ عقیدہ مین تشبیہ نہ کرے یعنی ایسا اعتقاد نہ رکھے کہ حضرت خالق عزوجل کی مشابہت کسی مخلوق سے لازم آوے اور نہ تعطیل کا قائل ہو یعنی فلاسفہ وغیرہ کے مانند یہ اعتقاد نہین صحیح ہو کہ اللہ تعالیٰ بالکل معطل ہو نعوذ باللہ منہ اور اعمال مین افراط و تفریط نہ کرے اسیواسطے فرمایا۔ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ۔ اور جو حد مقرر کر دی گئی اُس سے تجاوز مت کرو۔ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ بیشک جو تم کرتے ہو وہ خوب دیکھتا ہے یعنی پوری استقامت کروگے تو ثواب پورا اور اس سے کہین زیادہ اپنے فضل سے عطا فرمائیگا اور اگر سرکشی کروگے تو تم کو چھپانا مفید نہ ہوگا بلکہ ہر ذرہ ذرہ اسکو معلوم ہے سب کا بدلا ہو مگر آنکہ استغفار کرو۔ واضح ہو کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر گویا تمام اعتقادات و اعمال کی پوری شرح ہو جسکے بیان کی گنجائش نہین لیکن ایسی تلخیص سے چند ضروری باتین سمجھو کو واجب معلوم ہوئین ہین کہ جانے بغیر آدمی اس مقام کی تفسیر سے فائدہ مند نہ ہوگا بلکہ برعکس خیال مین پڑیگا اور اگر سمجھکر ان فوائد سے ہوشیار ہو تو امید ہو کہ دین مین بصارت حاصل ہوگی وانما التوفیق من اللہ عزوجل

واضح ہو کہ بالاتفاق علما کے نزدیک صحیح ہو کہ ایمان کا اعتقاد ہر شخص پر اپنے یقین کے ساتھ فرض ہو مثلاً خوب یقین کر لے کہ ہمارا خالق و معبود جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اور اسی کی بندگی ہم پر فرض ہو وہ وحدہ لاشریک ہو اور جو کچھ اسکے سوائے موجود ہو یا خیال مین آوے سب اسکی مخلوق ہو وہ اپنی مخلوق سے نرالا ہو اسکے مثل کوئی چیز نہین ہو اور اہل حق سب کا اجماع ہو کہ وہ سمیع سننے والا بصیر دیکھنے والا خبیر آگاہ علیم رزاق و ارادہ کرنے والا اور ایسی بہت صفات ہین ان سب سے موصوف ہو لیکن یہ نہین کہ جیسے مخلوق دیکھتی ہو ویسے ہی دیکھتا ہو مثلاً سمجھو کہ ہم اس آنکھ سے دیکھتے ہین کہ اگر اسپر ایک تل رکھدو یا اندھیرا کر دو تو کچھ نظر نہ آوے پھر ہم کو اس کا غلاف تہ نظر نہین آتی نہ دوسرا رُخ اور نہ اسکے ریزہ اور اللہ تعالیٰ سب کو یکسان دیکھتا اور زمین کی تہ اور ذرہ ذرہ چیونٹی سے بھی حقیر چیز ذرات دن سب اسکے نزدیک یکسان ہین اسکو سمجھو تو جانوگے کہ ہمارے دیکھنے کو اُس سے کچھ مشابہت نہین ہو ایسے ہی اسکی ذات و صفات سب پر خود یقین کرے اور یہ نہین کہ فلان عالم کہتا تھا ہم بھی وہی کہتے ہین اور دل مین کچھ یقین نہین آیا تو یہ ایمان نہین ہو اسی طرح جب یقین کر لیا کہ وہی جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے تو کبھی اسکو شک ہوگا کہ اگر فلان شخص میری مدد کرتا تو یہ کام پورا ہو جاتا افسوس مجھسے یہ تدبیر رہ گئی بلکہ جان لیگا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو مجھسے یہ بھی ہوتا الغرض جب یہ یقین کریگا تو استقامت پر ہو جائیگا اور کسی دوسری مخلوق کو قدرت والا نہین جانیگا اگرچہ اس دنیا مین بندگی پوری ہونے کو اسباب ایسے پیدا فرما دیے ہین کہ آدمی تدبیر و مدد وغیرہ کو دیکھکر پھسل جاتا ہو اور اسکو استقامت نہین رہتی حالانکہ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم سب کام تدبیر کے ساتھ کرتے تھے پھر بھی اُن کی نظر کو استقامت تھی اور حدیث مین صریح منع فرمایا کہ کاش و اگر کا دروازہ کھولکر شیطان کو قابو مت دو۔ یعنی مت کہو کہ کاش اس کام کے لیے یون کرتے تو ہو جاتا یا اگر ایسا ہوتا

توہم کو مقصد حاصل ہوجاتا کیونکہ یہ تو تب ہوتا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو استقامت اعتقاد میں اسی طرح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کرے جسطرح اہل السنت کا عقیدہ ہو اور خالق، رازق وغیرہ جسقدر صفات آلہی ہیں سب کا یقین کر لے پھر اسپر مستقیم رہے اور ظاہری تدبیر و اسباب کو دیکھکر نظر کو لغزش نہ ہونے دے اور اُسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی تدبیر نہ کرے کیونکہ یہ جان چکا کہ یہاں امتحان کیلئے اسی طرح خالق عزوجل نے پیدا فرمایا ہے تو اُسنے حکمت الٰہیہ سے مخالفت کر کے اپنے آپکو سخت امتحان میں ڈالا مثلاً جاہلوں کی طرح زعم کیا کہ میں اس عالم میں امتحانی طریقہ الٰہی پر نہیں چلتا اور ضروری روزینہ کیلئے کمائی نہ کرونگا بلکہ جو میرا رزق مقدر ہی مجھے حسب وعدہ ملجائیگا تو اس جاہل نے اپنے آپ کو ایک اور امتحان میں پھنسایا کہ وہ مذکورہ بالا سے بھی زیادہ سخت ہو کیونکہ اسکو یہ کیا معلوم ہے کہ میرے واسطے کیا مقدر ہوا ہے پھر اُسنے یہ کہاں سے جانا کہ مجھے خواہ مخواہ رزق ہی پہونچے گا شاید یہ مقدر ہو کہ فلاں شخص جب کمائی نہ کرے تو اتنے دن بھوکا رہ کر مرجاوے یا یہ مقدر ہو کہ اسکو ہر قسم میں ایک مسئلہ کرے اور ایسی صورت میں نفس و شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ یہ بات کیونکر ہے اگر رزق مقدر ہوتا تو مجھے ملتا اور آخر کار کافر ہوکر دونوں جہان سے خوار ہوا اور پہلے تو یہی تھا کہ کام کر دے جسکے لئے اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ملتا اور اب اُسنے جہالت اختیار کی ولیکن ہر کمائی کو شرع نے بتلا دیا ہے اگر حرام طریقہ اختیار کیا یا ظالموں کے یہاں کفر و شرک و ظلم وغیرہ کی باتوں میں ہاں ہاں کرتا رہا تو یہ کمائی گناہ و معصیت ہو۔ بالجملہ یہاں مقصود یہ ہو کہ اعتقاد میں یہی متوسط طریقہ اختیار کرے جو اہل السنت کا مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو صفات اپنی پاک ذات کیواسطے فرمائے ہیں سب پر ایمان لاوے اور گمراہوں کی طرح اسمیں قیاس نہ دوڑاوے کہ بصیر کیسے ہو سکتا ہے اسکی آنکھیں کہاں ہیں یا ہوگا تو اسکی آنکھیں ضرور ہونگی نعوذ باللہ تعالیٰ کیونکہ اسکی شان کو مخلوق پر قیاس کرنا کبھی جائز نہیں ہو وہ ہر خیال و قیاس و گمان و وہم سے پاک ہو اسیواسطے بیضاوی رحمہ اللہ نے اسی آیت سے استدلال کیا کہ جہاں نص موجود ہو وہاں کوئی قیاس و استحسان نہیں جائز ہو یعنی کما امرت فرمایا تو وہی کیا جائیگا جو حکم ہو وہاں اپنے قیاس کو دخل دینا حرام و کفر ہے ایسے ہی تمام اعمال میں ٹھیک سیدھی طریقہ اختیار کیا جاوے جو منصوص ہو یا شرع نے اسکا طریقہ بتلایا ہو کوئی نئی بات نہیں نکالی جاوے گی اگرچہ اسکو اپنے قیاس پر اچھا سمجھے اور علی ہذا نفس کشی کا ایسا طریقہ نہیں نکالا جائیگا جس سے نماز روزے سے بیکار ہو جاوے جیسے چلہ میں بیٹھکر بعضے آدمی مثل مردہ کے باہر نکالے جاتے ہیں کیونکہ یہ طغیان ہی اور صریح فرمایا کہ لا تطغوا الخ۔ اسمیں حد سے بڑھنا نہیں جائز ہے اسیواسطے رہبانیت کو اسلام میں حرام فرمایا اور کہا کہ میری اُمت کیلئے رہبانیت جہاد ہے کیونکہ سچی نیت سے جہاد والا اپنی جان سے منقطع ہوجاتا ہے تو کسی چیز کی محبت اسکو کب ہوگی اور دیگر احادیث صحیحہ میں نفس کا حق اور جورو کا حق اور مہمان کا حق وغیرہ واجب فرمائے تو ایسی عبادت کرنا کہ جورو کی بالکل خواہش نہ رہے طغیان ہے اسیواسطے ایک جماعت صحابہ کو جنھوں نے ہمیشہ روزہ رکھنا و کبھی نہ سونا وغیرہ باتیں بخوف عذاب جہنم و بحصول رضائے الٰہی کرنی چاہی تھیں سخت منع کیا اور کہا کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہوں اور اس سے خوف رکھتا ہوں پھر میں یہ سب باتیں کرتا ہوں تو کیا تمکو میری پیروی نہیں کرنی ہے اور یہ خوفناک دھمکی ہے کیونکہ بغیر آپکی پیروی کے دین کی سمجھ نہیں آسکتی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طریقہ اختیار کریگا ضرور جہنمی ہے۔ سراج میں کہا کہ افراط اسی واسطے منع ہو کہ شرع میں جو امر و نہی وارد ہیں وہ بندوں کی تہذیب کے لئے ہو کہ آخرت میں جنت کے لائق عالم منور ہوں ورنہ اُس کو کچھ حاجت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کے لائق عبادت ادا ہونا ممکن نہیں ہو تو دین کو اپنے اوپر سخت نہ کرنا چاہیئے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ

وشیٔ من الدلجۃ تبلغوا - دین بہت آسان ہے اور جس کسی نے اسکو اپنے اوپر سخت کر لیا تو دین ہی اسپر غالب ہو جاتا ہے تو قصد رکھو کہ تمہارے کام شرع پر ٹھیک ہوں اور مقاربت رکھو یعنی درمیانی حالت رکھو نہ بڑھ چلو اور نہ کمی کرو اور مدد لو غدوہ و روحہ سے یعنی جہاد سے اور مدد لو کچھ تھوڑی رات کی عبادت سے فلاح پاؤگے مترجم کہتا ہے ایسے ہی دین میں افراط کرنے سے اکثر ممانعت ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے اوپر لازم کیا کہ ہر روز ہزار رکعت پڑھیگا یا رات بھر ہمیشہ نہ سوئے گا تو فرمایا کہ آخر یہ شخص تھک کر چھوڑ بیٹھے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خراب حرکت ہے اور حدیث میں تعریف آئی کہ جو عمل آدمی ہمیشہ کیا کرے کبھی اسکو ملال آگین ہو کر نہ چھوڑ دے وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اگرچہ تھوڑا ہو۔ واضح رہے کہ دین کسی قدر آسان ہو لیکن شیطان جو دشمن ہے کبھی آدمی کو اسکی آسانی سمجھنے نہیں دیتا اور خود اسکا نفس اسکے وسوسہ قبول کرتا ہے تو اسی واسطے شرع پر چلنا خصوصاً استقامت کے ساتھ بہت دشوار ہو گیا اور شک نہیں ہے کہ یہ مرتبہ انہیں شیران الٰہی کا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کیواسطے ازل سے برگزیدہ ہو کر اسوقت آپکے ساتھ موجود ہوئے اور توریت وغیرہ میں انکی تعریفیں بہت خوب مذکور تھیں تو انہیں سے استقامت کرنا و طغیان نہ کرنا اور خلوص کے ساتھ جان و مال راہ الٰہی میں فدا کرنا اور آنحضرت صلعم پر پروانہ کی طرح نثار ہونا ظاہر ہوا حتیٰ کہ حق عز و جل ان سے راضی ہوا بقولہ رضی اللہ عنہم اور اس آخر وقت کے لوگ ایک ایسی حالت میں ہیں کہ انکو ایسی استقامت کا مرتبہ ممکن نہیں الا ما شاء اللہ تعالیٰ اور یہیں سے مجھکو ظاہر ہوا کہ قولہ من تاب معک میں لطیف اشارہ ہے یعنی ادنیٰ حکم استقامت کا تیرے ساتھ والوں پر ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے حدیث میں ثابت ہے کہ تابعین کو بعض مکروہ تنزیہی فعل دیکھکر فرماتے کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں ہم اس فعل کو بڑا حرج جانتے تھے جسکی تم پروا نہیں کرتے ہو اور اکثر ایسے امور پر انکار کرنا مرادی ہے جو اعلیٰ مرتبہ تقویٰ میں ایک طرح کی کراہت یا خلاف اولیٰ کے حکم میں ہیں۔ اب یہاں دو باتیں سننا چاہیئے ایک یہ کہ اس استقامت کا درجہ و منزلت بہت اعلیٰ ہے چنانچہ حق عز و جل نے فرمایا۔ ان الذین آمنوا ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا الآیۃ۔ یہ بڑا مرتبہ ہے کہ ملائکہ انکے پاس نازل ہو کر ان کو اللہ تعالیٰ کی رضوان کی بشارت دیتے ہیں پھر تمام نعمتیں جنت وغیرہ سب اسکے پیچھے ہیں اور حدیث میں ہے کہ ملائکہ تم سے تمہارے بچھونوں پر مصافحہ کریں اور دوسری بات یہ ہے کہ استقامت جب یہاں ختم ہوئی تو ہمارے اعمال ہر حال میں حکم سے خارج ہوئے تو انجام کیا ہوگا جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ عز و جل نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو منزلت و مرتبہ عطا کیا اسکو ہر شخص قیاس نہیں کر سکتا ایک کامل نعمت انکو آنحضرت صلعم کا دیدار تھا اسی واسطے اُن کے نصف مُد ستو کا صدقہ اور کسی کا آسمان و زمین بھر سونا خیرات کرنا برابر نہیں کیا مگر کمال رحمت سے ثواب میں اسوقت زیادتی کر دی چنانچہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو اسوقت ادنیٰ عمل کرے اسکو شہداء کے برابر ثواب ہے لہذا اسوقت آدمی پر لازم ہے کہ سب سے بڑھکر اپنے ایمان یعنی یقین کو مضبوط رکھے اور شیطانی وسوسہ اور شیطان کے متبع لوگوں کی باتوں سے اپنے دل میں شبہہ نہ آنے دے کیونکہ یہ شیطانی لوگ جو وسواس دلاتے ہیں اُنکا جواب صاف صحیح معقول کتاب الٰہی و سنت رسول میں موجود ہے پھر اس یقین کیساتھ موت کو یاد رکھے اور آخرت پر قطعی یقین رکھے اور فرائض و واجبات ادا کرے اور اُنکے سوائے جو نیکی ممکن ہو بہت ثواب کا اُمیدوار رہے اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ف۔ فی العرائس قولہ فاستقم کما اُمرت عہد ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کی روح پاک کو علوم قدیمہ و امانت الٰہیہ برداشت کرنے کا حکم دیا تھا کہ ازل سے ابد تک اسکا امین ہو حالانکہ پہلے اسکو لباس ربوبیت اور قدرت ازلیہ سے آراستہ کر دیا تھا تو اب بنیادی وجود کے بعد جبکہ آنحضرت صلعم ادائے حقوق رسالت و کمال طاعت پر قائم تھے اس عہد کو یاد دلایا

کیونکہ مقام امتحان ہی اور دنیا اپنی تمام زینت سے آراستہ دنیا کیطرف رغبت کرنیوالی چیز یعنی طبیعت اس پاکیزہ روح کے ساتھ ساتھ ہی قولہ ومن تاب معک یعنی تیری امت مین سے جو ازل سے سرفراز ہوئے ہین انکو بھی خبر دیدے کہ عہد پر مستقیم رہین کیونکہ اسرار امانت وہ ہین کہ آسمان و زمین انکو برداشت کرنے سے عاجز ہوئے اور استقامت علیحدہ کرنیکا سبب یہ ہی کہ ہر آدمی اپنے مقام کے لائق استقامت کرے پس حاصل یہ ہوا کہ تیری رسالت و منزلت کے لائق جو استقامت ہی وہ تو پوری کردے اور تیری امت والے اپنے مرتبہ پر استقامت کرین کیونکہ استقامت نبوت اپنے مراتب پر علیحدہ علیحدہ اور استقامت ولایت کے مراتب بے انتہا ہین تو اسکی کوئی حد نہین ہی کیونکہ استقامت در حصول مقامات و حالات و معارف و کواشف و توحید و یقین و صدق و اخلاص و آداب خطاب ہین پس ہر مقام کی استقامت ایک صف مین ہے جسکے جو موارد ات لطف اسپر وارد ہون یا امتحانات و بلیات طاری ہون بمضبوط رہے تب وہ استقامت سے موصوف ہوتا ہے لیکن وہ کون ہی جو ان چیزون کے مقابلہ مین ثابت قدم رہے اور کب آثار قدم پر عدم کا استقلال ہو سکتا ہے مگر جسکو اللہ تعالیٰ نے مستقیم فرمایا وہ مستقیم ہی اور خاص اس لطف سے اول مخصوص حضرت سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہین اسیواسطے فرمایا کہ مستقیم رہو اور شمار نہ کر سکوگے اور جب آپ پر تجلیات کشوف ازلیات و ابدیات سے استقامت گران ہوئی تو فرمایا شیبتنی ہود۔ قال المترجم اوپر مذکور ہوا کہ آنحضرت صلعم کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ پچھلے لوگون کا خیال تھا کہ وے امتی کس طرح مستقیم رہین گے تو اس معنی مین اس حکم کو بلحاظ امتیون کے شاق جانا اور غالباً ایسے ہی احکام سے بذات شریف محزون رہتے چنانچہ مروی ہوا کہ اسکے بعد ہنستے نہین دیکھا گیا اور صحیح ابن حبان وغیرہ مین صحیح ہوا کہ سید الملائکہ جبرئیل ع نے حاضر ہو کر حضرت باری تعالیٰ عز سلطانہ کا سلام دیا اور سبب غمگینی پوچھا آپنے رو کر جناب باری تعالیٰ مین عرض کیا کہ اے رب میرے میری امت پس جبرئیل علیہ السلام یہ سنکر گئے اور دوبارہ واپس حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت رب العزۃ ذو العظمۃ والکبریاء بعد سلام کے فرماتا ہے کہ اے حبیب محزون مت ہو ہم تجھکو تیری امت کی طرف سے محزون نہین فرماوینگے الحدیث۔ بالجملہ حدیث شریف شیبتنی ہود کے اسرار سے وقوف دشوار ہے ہان ظاہری چند امور جو معلوم ہوئے انمین سے ایک یہ ہی جو مترجم نے زعم کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اور دوم نکتہ جو شیخ نے لکھا کہ استقامت کے مدارج بحسب کمالات متفاوت ہین اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق جمیعاً تھے تو مقام آپکا سب سے بالا اور اقرب ہے اور جب آپکو استقامت کا حکم ہوا تو کمال عبودیت پر استقامت بیشبہ شان ہے اگرچہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح مین ثابت ہوا کہ قرآن مجید آپکا خلق عظیم تھا اسی واسطے اکابر علماء نے جزم کیا کہ خلقت مطہرہ و جبلت پاکیزہ پر کوئی امر گران نہ تھا اور آپ ہمیشہ استقامت پر تھے پس حکم کا مرجع آپکی امت ہی واللہ تعالیٰ اعلم پھر شیخ نے لکھا کہ ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جسقدر نور باطن عطا ہوا اسی کے موافق آدمی کو استقامت ہوئی ہی اقول واضح ہو کہ مخلوق ادنیٰ و اعلیٰ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے حتی کہ شیطان مع ذریات بھی لیکن دنیا مین جو حالت اختلافی شاہد ہی اس سے خواہ مخواہ کوئی فرد اس امر کا قائل نہین ہو سکتا کہ سب کے سب اپنے خالق کے پسندیدہ ہین کیونکہ بالضرور ہر فریق دوسرے کو ناپسندیدہ قرار دیگا اور قرآن و حدیث سے صحیح ہوا کہ ان مخلوقات مین سے بعضے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کیلئے پسند فرمالئے تو وے عبد بندے ہین چنانچہ شیطان کو فرمایا۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الآیۃ۔ پس اصل پسندیدگی یہی عبودیت ہی اسی واسطے آنحضرت صلعم جو سب سے افضل و اشرف ہین انکی رسالت پر ایمان کا کلمہ یہ ہی اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ پہلے عبد سے کمال بزرگی کا اقرار کیا تو خود ہی ثابت ہو گیا کہ آپ ہی رسول ہین کیونکہ جسقدر عبودیت مین کامل اسیقدر منزلت قرب درجہ کمال پر فائز ہے اب جاننا چاہیئے کہ شیخ ابن عطار رح کی مراد یہ ہی کہ عباد اللہ الصالحین جسقدر بندے ہین انکی پیدائشی حالت مین گمراہ مخلوق سے فرق ہی پھر ان سب مین بھی آپس مین اگرچہ اصلی جبلت کا فرق نہین لیکن مرتبہ کا فرق ہی پس جسکی جبلت مرتبہ کاملہ عبودیت مین جس درجہ پر ہی وہ اسی قدر استقامت رکھتا ہی فافہم واللہ تعالیٰ اعلم

بعض مشائخ نے کہا کہ استقامت کا حکم ایسے ہی شخص کے اٹھانے کے لائق ہے جسکو مشاہدہ قویہ انوار ظاہرہ و آثار صادقہ سے تائید فرمائی گئی ہو
پھر بھی اسکو مضبوط جمے رہنے کی توفیق دی گئی ہو بقولہ تعالیٰ لولا ان ثبتناک الآیہ پھر اسکو مشاہدہ کے وقت بھی محفوظ فرمایا گیا ہو اور یہ مرتبہ کاملہ
صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا لہذا حکم ہوا کہ فاستقم کما امرت ۔ اور اگر پہلے یہ باتیں کرامت نہ ہون تو امر خطاب کی تفصیل
مین متزلزل ہوگا چنانچہ دیکھو کہ امت کو فرمایا کہ استقیموا ولن تحصوا یعنی استقامت اختیار کرو مگر تم کو اس استقامت کی طاقت نہین ہے جس کا تجھ
حکم ہوا ہے اقول یہان سے یہ نکتہ ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلعم کو بقولہ فاستقم کما امرت ۔ فرمایا یعنی جیسا حکم ہوا تو ویسی استقامت کر اور امت کو بقولہ
ومن تاب معک ۔ فرمایا یعنی وے تیری تبعیت مین بسبب توفیق و طاقت کے استقامت رکھین لیکن ان کو کما امرتم نہین فرمایا اور یہ صحابہ رضی اللہ
عنہم مین بہی معک کے ساتھ پچھلون پر کمال رحم فرمایا کیونکہ وے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مین موجود نہ تھے ولیکن اے لوگو جب تم نے
آپ کی رسالت سے آگاہی پائی اور کتاب الٰہی و سنت رسول اللہ صلعم کے ساتھ ایمان کی بزرگی پائی تو تم ساتھ ہو چنانچہ مشکوٰۃ کے باب ثواب
ہذہ الامۃ اور دیگر صحاح سے ثابت ہے کہ آنسرور عالم دو عالمیان سید الرسل و الملائکہ خیر الخلق کلھم نے پچھلے ایمان والون کو اپنا مصاحب
فرمایا ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اس ترحم پر امت کی جانین قربان ہون اور ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ پیچھے ایمان پر ان لوگون کو [illegible]
پر بہت زیادہ ثواب عطا کیا جائیگا پس اے بھائیو تم اس بات کا بہت بڑا لحاظ رکھو کہ تمھارا تقویٰ و ایمان اللہ تعالیٰ جل شانہ و اسکے رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت ٹھیک ہو کسی طرح شرک و کفر کے لگاؤ مین نہ پڑو کیونکہ ایمان جاتا رہا نعوذ باللہ من ذلک تو پھر تم کیونکر یہ فضیلت
پاؤ گے اللھم احفظنا من الفتن المضلۃ واحینا مومنین مسلمین و توفنا مومنین و انت علی کل شئ قدیر السید امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ وعلی آبائہ
السلام نے کہا کہ قولہ فاستقم کما امرت یعنی سچے عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی درگاہ مین جدوجہد کرکے امیدوار ہو ۔ شیخ ابو عبد الرحمن السلمی نے کہا کہ مین نے
شیخ ابو علی الشبوی سے سنا کہ کہتے تھے کہ مین نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھکر عرض کیا کہ میرے مان باپ فدا ہون آپ سے حدیث
روایت کی جاتی ہے شیبتنی ہود یعنی حضور نے ارشاد کیا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا آپنے فرمایا کہ ہان صحیح ہے مین نے عرض کیا کہ کیا انبیاء کے
قصص و انکی امتون کی ہلاکت کے سبب سے ہے آپنے فرمایا کہ نہین بلکہ قولہ تعالیٰ فاستقم کما امرت ۔ کے سبب سے امام جعفر الصادق نے کہا کہ امت والون
کی استقامت علی قدر مراتب ہے بعض نے توحید پر استقامت کی اور بعض نے ایمان پر ۔ اور بعض نے اسلام اور بعض نے معرفت الٰہی و بعض نے عظمت
و بعض نے حمد و ثنا اور بعض نے کرم و وفا اور بعض نے خوف و رجا پر اور بعض نے اللہ تعالیٰ پر کہ سوائے اسکے کوئی چیز نہین ہے اور بعض نے حق پر
کہ کبھی نہ ہوگی استقامت اختیار کی اور جس نے کسی فاسد خیال پر استقامت کی وہ درحقیقت غیر مستقیم ہے اسلئے کہ استقامت حق پر ہوتی ہے اقول ظاہرا
مراد یہ کہ استقامت کا اللہ تعالیٰ کے واسطے قصد کیا لیکن ایسے طور پر کہ وہ شرع مین وارد نہین ہے بلکہ خود اسکی رائے ہے مثلاً یہ عزم کیا کہ مسجد کے دروازہ
پر پڑا رہیگا کہ لوگ اسکو پھاندکر جایا کرین اور قصد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنے نفس کی ذلت ہے یا ہر طعام مین مٹی و پانی ملاکر کھاویگا کہ نفس کو
لذت نہ ملے اور مانند اسکے رہبانیت وغیرہ کے خیالات جو صرف اپنے زعم باطل پر مبنی ہون اسی قسم کے ہین ان پر استقامت بھی باطل ہے
واللہ اعلم ۔ اور بعض نے کہا کہ استقامت نہین ہوتی مگر اسی طریقہ پر کہ سنت نبوی کی اتباع کرے ۔ جریری رح نے کہا کہ نعمت مین استقامت کرنا
عوام کا طریقہ ہے اور بلا مین استقامت کرنا خواص کی استقامت ہے ۔ جنید رح نے کہا کہ خوف و رجا کے ساتھ استقامت کرنا عابدون کا حال ہے اقول
یعنی باعث استقامت عذاب کا خوف اور جنت کی امید ہووے تو یہ عابدون کا حال ہے اور ہیبت و حیا کے ساتھ استقامت کرنا مقربین کا
حال ہے اور اسطرح استقامت کرنا کہ باوجود استقامت کے استقامت کو نہ دیکھے یعنی اسطرف نظر ہی نہ دیا برعکس نظر ہو تو یہ عارفون کا حال ہے

شیخ استاد نے قولہ فاستقم میں کہا کہ استقامت از باب استفعال ہے اور اسکے معنی طلب کے بھی ہیں تو شاید یہ معنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی
درخواست کرو۔ قال المترجم قولہ لا تطغوا فیہ میں یہ تاویل مناسب نہیں ہے خلاصہ یہ کہ فاستقم میں جمہور کے نزدیک مراد ہے کہ اپنے نفس سے استقامت
کا فعل صادر کر جسطرح اسکا وجود ہوتا ہے اور لا تطغوا سے یہ مراد کہ طغیان سرزد نہ ہو اور شیخ استاد نے یہ احتمال پیدا کیا کہ فاستقم سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ
سے استقامت مانگو تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے درخواست کریگا کہ مجھے استقامت نصیب ہو اگرچہ اسکا حصول نہو۔ اور شاید کہ شیخ استاد
کی غرض یہ ہو کہ استقامت با خدا طلب کرو یعنی عزم کرو کہ خدا کے ساتھ استقامت حاصل ہو لیکن ظاہر کلام اس سے موافق نہیں علاوہ اسکے
دونوں معنی میں کچھ فرق نہ ہوگا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ کہا جاتا ہے کہ مستقیم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے نہ پھرے یہاں تک کہ واصل ہو جاوے اقول
یہ عبارات کلیہ ہیں ہر جزئیہ طریقہ کو اس سے استخراج کرنا خود ایک مرد عارف کا کام ہے وہ بھی بدشواری لہٰذا اللہ و رسولہ اعلم یہی تفسیر ہے کہ مستقیم وہ ہے جو
جملہ ارکان و افعال و اعتقاد میں سنت کی اتباع کرے اور سنت طریقہ مسلوک احادیث میں ہیں ہر فافہم واستقم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نفوس قدسیہ کو استقامت
کے خلاف دنیا کی عزت و جاہ کیطرف مائل ہونے اور ظالموں کی طرف فاسد اغراض لیا دنیوی میں کسی غرض سے میل کرنے سے منع فرمایا۔ بقولہ
وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ؁
اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمھارا اللہ کے سوائے مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے
مترجم کہتا ہے کہ یہ آیت کریمہ اسوقت کے لوگوں کیلئے خاصہ نصیحت سمجھی جاتی ہے لہٰذا پہلے اسکے ظاہری معنی کی توضیح کر کے تب اسکی مراد و حکم کی تفصیل
کرنا مناسب ہے۔ واضح ہو کہ لا ترکنوا صیغہ نہی از رکون ہے اور کشاف میں زمخشری نے لکھا کہ الرکون ہو المیل الیسیر۔ رکون کے معنی تھوڑا سا جھکنا
یعنی کسی چیز کی طرف ہلکا و خفیف جھکنا اور ایسا ہی بیضاوی و سراج میں اسی کی اتباع کی ہے اور شاید کہ میل کے معنی میں خود ہلکا ہونا داخل ہے کیونکہ
میل و جھکنا پورے طور پر ساتھ ہو جانے کو نہیں کہتے ہیں تو خفیف و ہلکا جو اس سے مفہوم تھا صریح ظاہر کر دیا اگرچہ میل کے ساتھ اسکا ملانا غیر معقول
ہے اور یہ میں نے اسواسطے کہا کہ ثقات ائمہ لغت نے خفیف و یسیر کی قید نہیں لگائی چنانچہ صحاح میں کہا کہ رکون میل و سکون ہے اور شمس العلوم
میں رکون بمعنی سکون لایا اور قاموس میں کہا کہ رکن الیہ نصر و علم و منع رکونا مال الیہ و سکن یعنی رکون کے معنی جھکنا اور کسی چیز کی طرف سکون و
ٹھہراؤ کر لینا۔ اور قاموس سے ظاہر ہوا کہ مانند باب نصر کے رکن یرکن بالضم اور مانند علم کے رکن یرکن بالکسر اور مانند منع کے رکن یرکن بالفتح آیا اور
صاحب الفتح نے نقل کیا کہ مضارع بفتح کاف لغت اہل حجاز ہے اور بالضم لغت قیس و تمیم ہے اور ازہری نے کہا کہ بفتح کاف ماضی و مضارع اصلی لغت
نہیں بلکہ دو لغتوں کا تداخل ہے اور راغب نے لغات قرآن میں کہا کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں کاف مفتوح ہیں بالجملہ ائمہ لغت و محققین مفسرین نے اسکے
معنی میں مطلقاً میل و سکون لکھا اور خفیف کی قید نہیں لگائی اور قرطبی نے کہا کہ رکون درحقیقت یہ ہے کہ کسی کی طرف ٹیک لگا دے و تکیہ کرے
و اسپر اعتماد کرے اور سکون کرے یعنی اسکی طرف استناد و اعتماد کر کے اضطراب و حرکت سے ٹھہر جاوے اور اسکے ساتھ رضامند ہو یعنی پسند کرے
اور مؤلف الفتح نے کہا کہ رکون میں یہ باتیں معتبر ہونا کسی لغت میں مذکور نہیں ہے و اقول ظاہر اقرطبی نے اس مقام کی تفسیر سے جو ائمہ تابعین
و صحابہ رضی سے منقول ہے یہ معنی نکالے ہیں اگرچہ لغت میں مذکور نہوں پس غایت یہ ہے کہ یہ تفسیر بقرائن مقام مجازی ہے اور صحابہ و تابعین و ائمہ سے
اسکی تفسیر اسطرح منقول ہے کہ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ لا ترکنوا سے لا تمیلوا یعنی میل مت کرو اور مت جھکو
حافظ رح نے کہا کہ یہ تفسیر عمدہ ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ ظالموں کی مدد مت کرو کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ گویا تم ان کے کئے پر راضی ہوئے اور لکھا کہ
ابن ابی طلحہ نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ لا تمیلوا سے لا تداہنوا تم مداہنت مت کرو یعنی ظالم کا برا قول و فعل دیکھو مگر فاذکر کے چپ ہو جاؤ یعنی نہ

ابن عباس رضؓ سے روایت کی کہ یعنی شرک کی طرف میل مت کر۔ وقال ھوالرکون الی الشرک یعنی اس سے شرک کی طرف میل سے ممانعت مقصود ہے
ابو العالیہ نے فرمایا کہ لاترکنوا الی الذین ظلموا یعنی ظالمون کے اعمال پر تم مت راضی ہو۔ کذا فی تفسیر الحافظ۔ اور فتح بین ہے کہ قتادہ و عکرمہ سے مروی
ہے کہ لاترکنوا یعنی نہ اُن سے دلی دوستی رکھو اور نہ اُنکی اطاعت کرو اور عبدالرحمن بن زید سے مانند روایت عوفی کے مداہنت کے معنی مذکور ہین۔
یعنی ظالمون کے کفر پر انکار نہ کرے واضح ہو کہ اس تفصیل سے اسکے معنی کی بحث کرنا اس غرض سے ہے کہ آیا ممانعت مطلقاً میل سے ہے جیسا کہ لغات
مشہورہ مین رکون کے معنی لکھے ہین یا خفیف میل سے ہے جیسا کہ کشاف و اسکی اتباع نے معنی لکھے ہین کیونکہ جس حد پر عرب کی زبان مین میل
کہا جائے اگر اس سے کم جھکاؤ ہو تو بھی خفیف میل ہو جائیگا اور معصیت لازم آویگی۔ پھر قولہ الذین ظلموا۔ کے معنی وہ لوگ جنھون نے ظلم کیا اور
اسمین کوئی شک نہین کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے بقولہ تعالی ان الشرک لظلم عظیم۔ اور دیگر معاصی بھی ظلم ہین اگرچہ شرک کے برابر نہ ہون پس جو کوئی مشرک
ہے وہ خود اپنی جان پر بوجہ شرک کے بڑا ظالم ہے تو جسقدر اسکے افعال اس اعتقاد کی بنا پر ہون سب صریح ظلم ہون گے اگرچہ عمومًا لوگون کو ان
افعال سے تکلیف پہونچے یا بعض کو پہونچے بلکہ اگر راحت پہونچے تو بھی وہ افعال ظلم ہونے سے خارج نہ ہون گے لیکن ایذاء خلق البتہ زائد نہوگی
مثلاً کوئی شخص بت یا صلیب پوجتا ہے اور راستہ پر اپنے پرستش خانہ بناکر یہ فعل اختیار کیا کہ جو اس راہ سے گزرے اسکو روپیہ دیگا تو خلق کو نفع پہونچا
لیکن یہ فعل اس نیت پر ظلم رہا کہ عاقبت مین اسکا نفس ثواب سے محروم و عذاب مین گرفتار ہوگا اور اگر اسنے یہ فعل اختیار کیا کہ جو اس راستہ سے بغیر
سلام کیے اور بغیر اسکی تعظیم کیے نکلا اسکو دو کوڑے ماریگا تو دوہرا عذاب ہو گیا بلکہ پہلے شخص کو مخلوق کے نفع پہونچانے کی وجہ سے دنیا مین عوض
دیا جائیگا حتی کہ اگر راہ توحید و ایمان پر کوئی قوم مستقیم نہ ہو تو وہ بادشاہ ہو سکتا ہے کیونکہ خلق کو آرام پہونچاتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص توحید اسلام پر
ہو مگر شراب پیتا ہو تو اسنے اپنی جان کیلئے آخرت کا عذاب مہیا کیا پس اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر مخلوق مین سے کسی پر ظلم کیا تو دونا عذاب لیا اور اگر بادشاہ
ہے اور اس نے اپنی عیش و شہوت پرستی کی تو ایک اپنے اوپر ظلم کیا اور دوسرا خلق پر کہ تمام روپیہ انکا بھی حق تھا وہ چھین کر اپنی عیش مین اُڑایا اور
غفلت سے تمام ملک مین زبردست نے کمزور پر ستم ڈھایا خون ہوئے اور تمام رعایا بے علم و جاہل رہی اور لوگ اسکی دیکھا دیکھی کھاتے و مزے اُڑاتے
و فسق و فجور مین پڑے تو اُسپر ہزارون ظلم ثابت ہوئے حتی کہ وہ بادشاہت سے خوار ہو کر عاقبت مین اپنے عذاب کا مستحق ہوا اگرچہ خالی ایمان
کی وجہ سے اُمید ہے کہ ہمیشہ دوزخ مین نہ پڑے اسی بیان سے سمجھنے والا سمجھ جائیگا کہ بادشاہ پر بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے چنانچہ ادنی سی
بات یہ ہے کہ کسی سے کوئی کوڑی ناحق نہ لیوے اور اسکو جمع کرکے امانت رکھے ہاں اپنی مزدوری لے سکتا ہے اور پھر اسکو جس طرح اللہ تعالے
واس کے رسول صلعم نے شرع بتلائی ہے اسی طرح خرچ کرے بیجا کوئی کوڑی نہ اُٹھاوے اور تمام مخلوق کی تعلیم و تربیت و اصلاح و آرام
و دینداری کا ضامن ہے جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ظلم کچھ شرک و کفر پر منحصر نہین ہے بلکہ جو گناہ ہے ظلم ہے تو آیت مین علماء مفسرین سے دو قول
مروی ہین ایک یہ کہ ظالم سے یہان مشرک مراد ہے اور دوسرا یہ کہ نہین بلکہ کوئی ظالم ہو خواہ ایمان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اب مین آیت کی تفسیر
نقل کرتا ہون قال تعالی وَلَا تَرْكَنُوْا۔ اور مت جھکو یا ذرا بھی مت جھکو اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ ان لوگون کی طرف جنھون نے ظلم کیا خواہ اپنی جانون
پر فقط جیسے نوشیروان کہ آتش پرست تھا مگر خلق کو آرام و آسائش دیتا تھا یا غیرون پر بھی جیسے حجاج ظالم مسلمان تھا مگر شرک سے کم اس نے
اپنے اوپر گناہ کا اور غیرون پر ایذا کا ظلم کیا تھا یا مراد یہ کہ مت جھکو مشرکون کی طرف فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ کہ تم کو بھی آگ چھوئے۔ حاصل یہ کہ اوپر
استقامت کا حکم دیا تھا کہ حکم الٰہی پر ٹھیک مستقیم رہو اب فرمایا کہ دنیا کی ثروت دیکھکر یا زبان کے مزے و پیٹ بھرنے کی غرض سے مشرکون یا
عام ظالمون کی طرف مت جھکو کہ ایسا کرنے سے وہ آگ جو انکو گھیرے ہے تم کو بھی چھو جائے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ظالم سے ملنے مین تو بالکل

آگ مین گھس جانا ہوگا صرف جھکنے مین لپٹ پہونچے گی اور شاید ظالم کو بالکل آگ مبتلا یا اب جانو کہ اگر ظالمین سے مشرکین مراد ہین جیسا کہ عوفی کی روایت
ابن عباس سے سمجھا گیا کہ ہو الرکون الی المشرک یعنی شرک ہی کی طرف جھکنے سے ممانعت ہو اور اسوجہ سے کہ سلطان کی فرمانبرداری کا حکم قطعی پایا گیا ہے
بقولہ تعالیٰ اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ اور حدیث صحیح مین ہو کہ سلطان کی اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام ہو ۔ اور وارد ہو کہ جبتک نماز
ٹھیک قائم رکھین اور اُنسے صاف کھلا کفر ظاہر نہ دیکھو اور تم کو کسی معصیت کا حکم نہ کرین تب تک اُنکی اطاعت کرو تو ظاہر ہو کہ خود اگرچہ
بدفعلی کرین جو ظلم اُنکی جان پر ہے تاہم سب پر اطاعت لازم ہے ۔ وجہ اسکی تو ظاہر ہے کیونکہ گناہ سے کمتر خالی پائے جاوینگے تو انتظام مصالحت
عباد درہم برہم ہوگا اگر طاعت نہ کی جائے خصوص جبکہ قاضی عدالت و انتظام آسایش رعیت و حدود و حقوق چاہین اور جہاد کیواسطے حکم کرین تو
خواہ مخواہ بغیر اطاعت کے چارہ نہین ہو اور بیشک آنحضرت صلعم نے جیسے انکی اطاعت مین مبالغہ فرمایا کہ اگرچہ تیرا مال چھین لے اور مارے اور تیرا حق
نہ دے بہرحال تو اطاعت کر دیسے ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مبالغہ فرمایا کہ جابر بادشاہ کو حق بات کی نصیحت کرنا شہید کا ثواب اور جہادون
مین سے افضل جہاد ہو اور بتاکید حکم دیا کہ ظلم سے اسکا ہاتھ روکو ورنہ عام فتنہ مین پڑ دگے تو حاصل ہوا کہ ظالمین یعنی فقط مشرکین کی طرف مت جھکو
کہ آتش دوزخ مین تم کو بھی عذاب پہونچے گا ۔ شیخ ابو السعودؒ نے اپنی تفسیر مین لکھا کہ دیکھو جب خالی ظالم کی طرف میل کرنے سے یہ عذاب ہو تو
بھلا ایسے لوگونکی نسبت تیرا کیا گمان ہو جو پکے ظالمون بدکارونکے ساتھ دل سے محبت مین گرم ہین اور اُنکے مصاحب بننے پر مرے جاتے ہین اور اپنا دل و جان
انکی محبت اور طریقہ پر فدا کئے دیتے ہین اور انہین کے مانند پوشاک پہننے پر پھولے نہین سماتے اور دنیائے فانی کی رونق و مال و متاع جو اُنکو دیا گیا ہے
اُسکی طرف آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہین قال المترجم شیخ ابو السعود رحمہ اللّٰہ نے ان ظالمونکا ذکر کیا ہو جو اسلام لائے مگر دنیا کی وزارت و امارت یا سلطنت
کے سبب سے عیش و آرام و فسق و فجور مین پڑکر ظلم کیا تو ہمارے وقت مین نواب و امراء اہل دولت بلکہ محض مشرکون کی طرف میل کرنیوالون کا
کیا گمان ہے خصوص جبکہ اُن کے چال و چلن پر دل سے فریفتہ اور اُن کے سلام کا جواب دینے کو دوجہان کا فخر سمجھتے اور اُنکی خدمتگزاری مین ذلت
و خواری کو عین عزت جانتے ہین بلکہ اُنکی چال ڈھال وضع لباس بول چال سب پر دل سے فریفتہ ہین اور اُنکی تعظیم سے اپنے دل بھرے ہوئے
ہین ۔ ایسی مودت و موالات کا انجام کفر و شرک پر خاتمہ ہے نعوذ باللّٰہ من سوء الخاتمہ ۔ اگر پوچھا جاوے کہ دین آلہی کے دریافت مین کچھ شرم
نہین ہے تو شرع مین ایسی صورت مین کیا حکم ہے کہ جب بادشاہ و حاکم ایسا شخص یا ایسی قوم ہو جو اسلام پر نہین ہو جیسے آجکل ہندوستان
مین انگریز حاکم ہین تو ان کے ساتھ کیونکر برتاؤ کیا جاوے اسکا جواب یہ ہو کہ جب تم نے اُنکی رعیت ہو کر یہان سکونت اختیار کی تو تم نے اُن سے
عہد کیا کہ دنیاوی معاملات مین انکو عمداً ضرر نہ پہونچاؤگے اور وے تم کو تمہارے دین کے برتاؤ سے نہین روکین گے اور نہ تم پر ظلم کرینگے پس
عہد پورا کرنا فرض ہو لہذا ان سے بغاوت مت کرو اور ان کو ضرر مت پہونچاؤ اور اُن کے دشمن مت بنو لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ تم
اپنا دین چھوڑ دو کیونکہ جب تم نے اللّٰہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسکو توڑ دیا پورا نہ کیا تو بادشاہ وقت کو بھی تم سے کچھ اُمید نہ ہوگی بلکہ تم اُنکے سامنے
دنیا کو حرام طور پر مت کماؤ اور آخرت کے طالب رہو اگر تم سچے ایمان والے ہو اور رہی دنیا کی بسر اوقات تو جس نوکری مین کوئی طریقہ حرام
نہین جیسے سود کی ڈگری کرنا و شراب فروخت کرنا وغیرہ بلکہ مباح ہو تو اسکو اختیار کرنے مین کچھ مضائقہ نہین ہے ۔ قرطبی رحمہ اللّٰہ نے اپنی تفسیر
مین لکھا کہ اگر کسی کو ناچار ضرورت پڑے کہ ظالم کی مصاحبت کرے تو ضرورات کے احکام آیت سے مستثنیٰ ہین جیسا کہ شرع کا اصول ہے اور
نیشاپوری رحمہ اللّٰہ نے لکھا کہ محققین نے فرمایا ہو کہ جس رکون و میل سے آیت مین ممانعت ہو وہ ایسا رکون ہے کہ جس حال و وضع پر ظالم لوگ
ہون اسکو دل سے پسند کرے اور اُن کے طور کو اچھا سمجھے اور دوسرون کو اسکی خوبی سمجھا دے اور ظالمون کے ساتھ انکے کسی ظلم مین شرکت

کرے اور رہا دنیا کی منفعت ضروری حاصل کرنے کیلیئے یا کوئی مضرت دور کرنے کیلیئے اُن سے ملنے جلنے مین مضائقہ نہین ہے اور لکھا کہ میرے نزدیک
اگرچہ یہ از قسم مباح ہے لیکن تقوی یہی ہے کہ ان سے بالکل اجتناب کرے اقول اس زمانہ مین فتوی قرطبی رحؒ کے قول پر ہونا چاہیئے کہ لوگ
اپنی معیشت کیلیئے اُن سے مخالطت اور میل میل رکھین لیکن دل مین اعتقاد آخرت کے سوائے کسی چیز کی محبت و موانست کو جگہ ندین
تو جیسے انکی محبت کو دل مین جگہ دینا بلکہ تمام دنیا و مافیہا کسی چیز کی محبت کو دل مین جگہ دینا روا نہین ہے ویسے ہی کسی کی عداوت
و ایذا رسانی کو جگہ دینا بھی روا نہین ہے کیونکہ شرع مین شیطان سے بھی دل مین عداوت جمائے رکھنے کا حکم نہین حالانکہ یہ بتلا دیا گیا
کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہی اور کیونکر ایسے امور جائز ہو سکتے ہین جو ترحم کے خلاف ہین اور لوگون کو راہ راست پر آنیکے برخلاف نفرت
مین ڈالین بلکہ مقتضائے ترحم و شفقت یہ ہی کہ جس کسی کو گمراہ دیکھے تو ضرور ہے اعتقاد کی وجہ سے یہ جانے گا کہ افسوس یہ آگ مین گھسا
جاتا ہے تو چاہیئے کہ اسکو نرمی و ملائمت و شفقت سے اس گمراہی آگ سے بچا دے نہ آنکہ برعکس اس سے عداوت کرکے اس کو آگ
مین ڈھکیل دے اور کچھ بھی شک نہین ہی کہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہی کہ اسلام کے ساتھ وہ آراستہ ہی جسکے ہاتھ و زبان سے
لوگ بیخوف ہون۔ لہذا مسلمان وہ ہی جو زبان سے سچ بولے جھوٹا وعدہ نہ کرے اور نیک نصیحت کرے اور کسی کو برا نہ کہے اور خرید و فروخت
وغیرہ جملہ معاملات مین فریب دے اور ہاتھ سے ہمیشہ انصاف پر مدد کرے اور نیک کام کرے چوری و بدکاری و زبردستی وغیرہ بد افعال
سے باز رہے اور ہاتھ سے کسی کو ایذا نہ دے حتی کہ شرع مین قطعاً منع ہی کہ کسی جانور کو بھی ہاتھ سے ایذا کی مار نہ دے اور قطعاً لکھا ہے
کہ دودھ والے جانور جو لوگ پالتے ہین انکو حکم دیا جاوے کہ اسکو بقدر کفایت دانہ چارہ دیوے اگر نہ مانے تو اسکو کوئی سزا دینا اسپر
ظلم ہوگا لیکن قطعی حکم دیا جائیگا کہ اسکو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے اور دودھ اُسکا مثل عوام گھوسیون کے بالکل نہ دوہے بلکہ لکھا کہ
ایک مہینہ تک بالکل بچہ کو دیا جائے ورنہ ضرور پندرہ روز تک جبتک وہ کچھ چارہ نہ کھاوے بالکل بچہ کو پلاوے پھر آدھا پلا دے پھر اسکو
تھوڑا حصہ چھوڑے تو جب جانورون کے احکام و قواعد مین ترحم ہے تو آدمیون کے ساتھ تیرا کیا گمان ہی اور حدیث صحیح سے ثابت ہی
کہ تم مین سے اچھے وہ ہین جنکے اخلاق اچھے ہین یعنی ترحم و شفقت و عدل و دیانت و امانت و سخاوت و شجاعت و جوانمردی وغیرہ
اخلاق جسقدر اچھے ہون اسی قدر اچھا ہے پھر جب شرع مین ممانعت ہی کہ جانور بیچا جاوے تو اُسکا چھوٹا بچہ جبتک کہ جانور کو
اُس سے محبت رہتی ہے جدا نہ کیا جاوے اور قصاب اسکو دوسرے جانور کے روبرو ذبح نہ کرے اور نہ اُسکے سامنے چھری تیز کرے اور مانند
اسکے بکثرت امور شفقت و ترحم کے مخلوق الٰہی عزوجل کیساتھ مذکور ہین اگر کہا جاوے کہ جہاد تو مین کہونگا کہ پھانسی و سولی و بید مارنا
اور قتل کرنا اور دونون طرف کی فوجون کی باڑھون سے ہزارون جانین تلف کرنا۔ الغرض دنیا مین عقلا متفق الکلمہ سب کہتے و جانتے
ہین کہ انسانی طبائع تین قسم کے ہین۔ اول محض نیک۔ دوم محض شریر۔ سوم جنمین بدی و نیکی دونون طرح کی استعداد ہی۔ پھر جو گروہ
محض شریر ہی اسکے شر و فتنہ سے عام مخلوق کو بچانا بھی نیکی ہی ورنہ عام فساد پھیل جائیگا تو جہاد عدل اور ملکی لڑائی شرارت ہی اور کوئی
شبہہ نہین کہ جہاد ظلم مٹانے کیلیئے ہی دیکھو پہلے فرض ہی کہ دعوت اسلام کی جاوے پھر مکرر سہ کرر انکو سمجھایا جاوے اور اگر عالمانہ گفتگو
کے ذریعہ سے سمجھنا چاہین تو انکو امن کے ساتھ خوب سمجھایا جاوے پھر اگر نہ مانین تو اُن سے کہا جاوے کہ اچھا صلح کرکے آباد رہو اور تم
اپنی جان و مال کے مختار رہو لیکن جو باتین دنیا مین فساد و ظلم ہین اور اللہ تعالی کی عبادت سے لوگون کو مجبوری پریشان کرتی ہین ان
باتون سے ہاتھ روکو پھر اگر یہ بھی نہ مانین تو یہان دو باتین رہ گئین ایک یہ کہ ان کو انکی مستی و اترانے مین چھوڑ دیا جاوے کہ تمام مخلوق کو

پریشان کرین اور اپنی نفسانی خواہشون سے خلق کو آزار پہونچاوین تو ان چند آدمیون پر بیجا رحم کھایا اور تمام خلق کو ان کی بدولت ایذا و آزار کے ساتھ آگ مین جلنے دیا۔ دوم یہ کہ ان لوگون کو مجبور کر دیا جاوے کہ فساد نہ کرین تو یہ بھی اپنے ظلم کے بدولت خود برباد نہ ہون اور تمام خلق بھی ان کے آزار سے چھوٹے اور ظاہر ہے کہ یہی دوسری بات بلا شبہہ واجب ہے اور بعضے لوگ بہتان باندھتے ہین کہ اسلام مین جہاد سے فتح پا کر سب کافرون کو قتل کرتے ہین یہ بالکل جھوٹ ہے اسلام مین یہ حکم نہین ہے ہان شریعت توریت مین حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برابر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک البتہ فتح پا کر کافرون کو قتل کر دیتے تھے تو تعجب ہے کہ نصرانی توریت کے قائل ہو کر اسلام کو جھوٹی بات سے بدنام کرتے ہین اور کبھی یہ بہتان باندھتے ہین کہ اسلام مین تلوار کے زور سے زبردستی ایمان قبول کرایا جاتا ہے یہ بھی بالکل دروغ ہے بھلا تلوار کے زور سے کسی کو یقین کیونکر دلایا جائیگا۔ صحیح وہی ہے جو ہم نے لکھدیا کہ بالاجماع صلح سے وہ لوگ اپنے دین پر چھوڑے جاوین اور بعد فتح کے تابع رکھے جاوین ہان اگر وے خود مسلمان ہو جاوین تو برابر ان کے ساتھ ہر مسلمان وہی برتاؤ کرے جو دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ کرتا ہے واضح ہو کہ اس زمانہ مین جو مسلمان نام کے ہین انکا ایک خراب طریقہ یہ پھیلا ہے کہ اگر کسی قوم مین سے کوئی آدمی اسلام لایا تو اسکو برادری مین نہین لیتے بلکہ حقیر سمجھتے اور نومسلم وغیرہ کا طعنہ دیتے ہین جس سے لوگ گھبرا کر اسلام مین نہین آتے تو ایسے مسلمان خود گمراہ و شیطان سے زیادہ گمراہی پر مددگار اور بڑے ظالم ہین اور ان پر فرض تھا کہ جو مسلمان ہو اسکو مثل بھائی کے اپنا عزیز سمجھین اور آگاہ ہونا چاہیئے کہ ظلم کا شیوہ اسلام مین اسوقت سے شروع ہوا جب سے یہ لوگ آخرت سے منہ موڑ کر دنیا کی طرف راغب ہوئے تو اسکی محبت مین سب اعتقاد بھول گئے اور یہان کی لذت پر قناعت کر کے راہ الٰہی مین جانبازی نہ کر سکے ان کو یہ زندگی پیاری ہوئی اور موت سے ڈر کر نامرد بن گئے شجاعت جاتی رہی حالانکہ جہاد تو شجاعت پر تھا اور کوئی بے موت نہین مرا اور آخر سب فنا ہونے کیلئے ہے اور یہ سب باتین اپنے اوپر اور عزیزون پر ظلم ہے اسیواسطے اس آیت کریمہ مین یہی قول راجح کہا گیا ہے کہ ظالم سے مراد فقط مشرک نہین بلکہ عام ہے خواہ مشرک ہو یا مسلم ہو جبکہ ظلم کرے تو ظالم ہے اگرچہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے تو مشرک سب سے بڑا ظالم ہوا لیکن مسلم بھی جب ظلم کرے ظالم ہے اور اکابر علماء سلف تو اپنے عہد کے سلطان و اُمراء و وزراء کو قطعاً ظالم جانتے تھے اس جہت سے کہ صریح وہ لوگ بیت المال و خراج وغیرہ کو بیجا صرف کرتے اور حقوق ادا نہین کرتے تھے اسیواسطے فقہ مین مسئلہ مذکور ہے کہ سلطان اگر کسی کو عطیہ دیوے تو اسکا لینا حلال ہے یا حرام ہے۔ اور سراج مین نقل کیا کہ موفق خلیفہ بغداد نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام نے نماز مین یہی آیت پڑھی یعنی ولا ترکنوا الی الذین ظلموا الآیہ پس موفق سلطان کو غش آگیا جب افاقہ ہوا اور وہ رونے سے خاموش ہوا تو اسکے ارکان سلطنت نے اس سے پوچھا کہ نصیب اعدا یہ کیا حال ہوا اسنے جواب دیا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے آیت مین جو حکم دیا وہ عذاب ایسے نیک بندون پر ہے جو ظالمون کی طرف جھکین تو بھلا جو خود ظالم ہو اسکا کیا حال ہوگا قال المترجم دیکھو اس بیچارے نے اقرار کیا درگاہ الٰہی عزوجل مین اور یقین کیا کہ مین ظالم ہون پھر دیکھو کہ اسکا یقین کیسا اچھا تھا کہ باوجود اس سلطنت عظیم کے آخرت پر مضبوط تھا اور ایمان اسی یقین کا نام ہے زبانی اقرار خالی کچھ مفید نہین ہے پس اسکو آخرت کا عذاب سامنے نظر آیا اور ظالم کا گرفتار ہونا دیکھکر خوف الٰہی و ہول عذاب سے غش آگیا تو افسوس اس زمانہ کے لوگ اپنے آپکو نمازی پرہیزگار متقی جانتے ہین حالانکہ انکا یقین اتنا بھی نہین ہے اللہم اہدنا واجعلنا مومنین وتوفنا مومنین اور لکھا کہ جب شیخ زہری رحمہ اللہ نے سلاطین سے خلط ملط اختیار کیا تو ان کے دینی بھائی نے انکو لکھا کہ اے برادر زہری ہم کو تم کو اللہ تعالیٰ فتنہ سے سلامت بچا دے تم نے وہ حالت اختیار کی ہے کہ آپکے دوست آشنا کو لازم ہے کہ آپکے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر دعا مانگین اور آپ پر ترس کھاوین کیونکہ

آپ کو دین مین اُسنے شیخ امام کبیر بنایا مگر آپ پر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتین گران گزرین کہ اُس نے اپنی کتاب عزیز کی سمجھ دی اور آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تعلیم کی اور آیا یہ نہین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد لیا کہ ہر کسی کو خواہ سلطان ہو یا غیر ہو سنا دُ بتلادو کما قال تعالیٰ لتبیننہ للناس ولاتکتمونہ - اور تم آگاہ رہو کہ ادنیٰ حرکت جو تم نے آخرت کیواسطے اُٹھائی یہ ہو کہ تم نے ظالم کی مصاحبت مین انس حاصل کیا اور گمراہون کیساتھ بیٹھنا آسان سمجھا اور تم نے بدکاری کی راہ اس شخص پر آسان کردی جس نے کوئی حق ادا نہین کیا اور کوئی باطل بات نہ چھوڑی ہو کیونکہ تم نے اسکا تقرب اختیار کیا تو وہ اپنے کو ٹھیک راہ پر سمجھا اور انھون نے تو تم کو کیلی بنالیا جس پر اُن کے باطل کی چکی گھومتی ہو اور تم کو پل بنا لیا کہ اس سے عبور کرتے ہین اور گمراہیون کی طرف چڑھنے کی سیڑھی بنائی تمھارے باعث سے علماء کی طرف شک پیدا ہوتا جاتا ہو اور نادانون کے دل تمھاری اقتدا کرکے ان ظالمون کی طرف رجوع لاتے ہین تو سمجھو کہ ان ظالمون نے جو کچھ تمھارا اُگاڑ اُسکے مقابلہ مین یہ نہایت ہی خفیف ہے جو تمھارا بنایا اور جو تم کو دیا وہ بمقابلہ اُسکے جو چھین لیا نہایت حقیر ہے کیونکہ تمھارا دین لیکر برباد کر دیا اور حقیر دنیا مین سے بھی نہایت حقیر تم کو دیدیا بس تم کس وجہ سے نہین ڈرتے و نڈر ہوگئے ہو کہ تم انھین لوگون مین داخل ہو جن کے حق مین اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فخلف من بعدہم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشہوات فسوف یلقون غیا - کیونکہ تمھارا معاملہ ایسی ذات کے ساتھ ہے جو نادان نہین اور ایسا محفوظ رکھتا ہو کہ کبھی بھولتا نہین یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ یا اُسکے ملائکہ کرام کاتبین تمھارے حافظ ہین پس تم اپنے دین کی دوا کرو وہ بیمار ہوگیا ہے اور اپنا زاد راہ مہیا کرو کہ بہت دراز سفر پیش آیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین مین سے کوئی چیز پوشیدہ نہین ہو والسلام سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جہنم مین ایک جنگل ہے جسمین کوئی نہین بسایا جائیگا سوائے ان قاریون کے جو بادشاہ کی زیارت کو جاتے ہین قال المترجم علماء سلف قاری اسکو کہتے تھے جو قرآن مجید کے معنی سے آگاہ ہوا اور اسکو علم حاصل ہوا اور زیارت سے مراد ملاقات ہو - اور جمہور علمائے محققین کے نزدیک بادشاہ کی ملاقات ممنوع اسوقت ہو کہ کسی مصلحت یا نصیحت یا دفع مضرت کی غرض سے نہ ہو جبکہ شرعًا مباح ہے واللہ تعالیٰ اعلم - امام اوزاعی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز زیادہ مبغوض نہین ایسے عالم سے جو عامل یعنی ظالم بادشاہ یا امیر و وزیر کی ملاقات کرے - اقول ظالم کے معنی معلوم ہوچکے کہ شرع پر مستقیم نہ ہو - محمد بن مسلمہ کا قول مروی ہے کہ ظالمون کے دروازے پر قاری کا ہونا پائخانہ پر مکھی سے زیادہ بدتر ہے اور حدیث مین مروی ہو کہ جس نے ظالم کیلیے دیر تک زندہ رہنے کی دعا کی اُس نے یہ پسند کیا کہ دنیا مین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی زیادہ پھیلے - یہ سب سراج سے منقول ہوا - خلاصہ تفسیر کلام الٰہی یہ ہو کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو تکریمًا خطاب کرکے حکم امت کو دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ظاہر و باطن مستقیم رہو کسی افراط و تفریط کی طرف مت جھکو پھر پہلے فتنہ اور جڑ وسواس شیطانی کی کاٹ دی اور منع فرمایا کہ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا - اور مت جھکو ان لوگون کی طرف جنھون نے ظلم کیا ہے یعنی مشرکون کی طرف خواہ اپنی جانون پر ظلم کرین یا غیرون پر انکی طرف ظاہر یا باطن مین مائل مت ہو یا کسی ظالم کی طرف خواہ مشرک ہو یا ظاہر مین مسلمان معلوم ہو جبکہ ظالم ہو یعنی موافق شرع الٰہی کے حقوق ادا نہ کرتا ہو تو ظاہر و باطن مین اسکی طرف مت مائل ہو - علمائے محققین نے دوسری احادیث سے یہان تخصیص بیان کی کہ نوکری جائز اور مزدوری مباح یا کسی اور نفع لینے یا ضرر دور کرنے کیلیے جو مباح ہے اُن کے پاس جانا اور حسن تدبیر سے یہ کام پورا کرنا روا ہے اور حاکم سے بغاوت کرنا جائز نہین ہو اور جب کسی ظلم کے روکنے پر قادر نہ ہو تو دل سے ضرور بُرا جانے ورنہ اس حکم مین داخل ہوگا اور اُسکا عذاب یہ ہو - فتمسکم النار - کہ تم کو دوزخ کی آگ لگے - اس سے خود معلوم ہوا کہ جو ظالم ہے وہ بالکل دوزخ مین پڑکر آگ ہی بھر دوستی و محبت کا خیال جو اکثر ظالمون و مشرکون سے

ہوتا ہے تو دین و دل سے قطعی کاٹ دیا اور فرمایا ۔ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۔ اور تمہارے لئے تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی
دوست و محبتی نہین ہی ۔ یہان سے ظاہر ہوا کہ ظالمون کی طرف جھکنے سے مراد دلی دل پسندیدگی و الفت و دوستی ہے یعنی جب
تم کو دوزخ کی آگ لگے درصورت اُنکی طرف میل کے تو حالت یہ ہوگی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی تمہارا بچانیوالا نہ ہوگا یا یہ کہ دوستی
کا خیال مت کرو کہ تمہارا مولیٰ سوائے تمہارے خالق عزوجل کے اور کوئی نہین ہی جو تم کو عذاب آلہی سے بچائے ۔ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۔ پھر
تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے عذاب سے بچنے مین نصرت و مدد نہ دیے جاؤگے ف فی العرائس قولہ تعالیٰ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم
النار ۔ اس آیت کریمہ کے اشارہ سے ثابت ہی کہ جو لوگ دکھلانے سنانے کو عابد زاہد و فقیر بنتے ہین اُنکی پیروی سے بالکل پرہیز کرنا واجب ہے
بلکہ انکی طرف میل بھی نہ کرے اور جو جاہل آدمی فقیری کا دعوی کرے یا عالم بن بیٹھے اسکی طرف بالکل میل نہ کرے اور جو عالم کہ مخلوق کے
حق مین بہت مضر ہین یعنی دنیا کمانے کی فکر مین رہتے ہین اور امراء و رؤسا کی صحبت اختیار کرتے ہین وہ خود گم ہین بلکہ بڑے خراب ہین انسے
پرہیز واجب ہو ورنہ بحکم اس آیت کے عذاب دوزخ مین گرفتاری ہوگی اور اشارہ ہے کہ انکی مصاحبت سے اللہ تعالیٰ سے دوری اور دنیا
کی ریاست اور جاہ و منزلت کی محبت سے مردود ہونا حاصل ہوتا ہے اور آدمی بدعت و ضلالت مین گرفتار ہو جاتا ہے اور اس سے
یہ بھی اشارہ ہو کہ جو لوگ حقوق آلہی سے جاہل ہین اور شریع کے اسرار سے غافل ہین اُن کے ساتھ دل کو تسکین دینا محبت و مؤانست
سے جائز نہین ہے ۔ کتانی رحمہ اللہ نے کہا کہ جو شخص کسی امام یا ولی سے ادب حاصل نہ کرے وہ ہمیشہ بیہودگی کے ساتھ ناکارہ رہیگا سہل
رحمہ اللہ نے اسی آیت سے یہ حکم نکالا کہ اپنے دین و تقوی کے لئے آدمی پر فرض ہے کہ کسی شخص کے طور و طریقہ پر اعتماد نہ کرے سوائے ایسے
بزرگ عالم کے جو طریقہ سنت پر خلوص سے عامل ہو ۔ حمدون القصار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بدکارون کی صحبت اختیار مت کرو ورنہ
نیکون کی صحبت سے محروم کردیئے جاؤگے ۔ علی بن موسیٰ الرضا عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام نے اس آیت کے اشارہ مین کہا کہ آدمی کا
نفس جبتک اللہ تعالیٰ کے ذکر و محبت سے و آخرت کی طرف ہمہ تن ظاہر و باطن توجہ سے مطمئن نہو جاوے تب تک اُسکا نفس
دنیائے فانی شہوات کی طرف اُسکو مائل کرکے عذاب مین گرفتار کرنا چاہتا ہے تو وہ بڑا ظالم ہے پس خود ظاہر ہوا کہ اپنے نفس
کی باتون و خواہشون کی طرف جبکہ خلاف سنت ہون ہرگز میل نکرے ۔ قال المترجم لطیفہ نفیس و عجیب ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۔ سہل
رحمہ اللہ نے کہا کہ اہل بدعت جنھون نے طریقہ رسول اللہ صلعم ترک کر دیا اُن کی مصاحبت مت اختیار کرو اقول بیشک ایسے لوگ بھی
ظالم ہین ہذہ نفائس فی العرائس ۔ پھر واضح ہو کہ سوائے رسول اللہ صلعم و صحابہ کے عموماً استقامت امر دشوار تھا خصوص صغیرہ

گناہون سے عموما تو محض فضل و کرم سے رحمت نازل فرمائی بقولہ

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ
اور کھڑی کر نماز دونون سرے دن کے اور کچھ ٹکڑون مین رات کے البتہ نیکیان دور کرتی ہین
السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ
برائیون کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والون کو اور ٹھہرا رہ البتہ اللہ ضائع نہین کرتا
أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝
ثواب نیکی والون کا

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ - اور اچھی طرح ادا کر نماز کو دونوں طرف دن کے۔ الصلوۃ سے مراد مفروضہ نمازیں ہیں اور بعض نے کہا کہ نفل وغیرہ سب شامل ہیں ولیکن اصح وہی قول اول ہے کیونکہ ادا کرنے نوافل سے گناہوں کا کفارہ ہونا مردی نہیں لیکن فرائض کے عمدہ طور پر ادا کرنے سے جب گناہوں کا کفارہ ہو گیا تو نوافل زائد فضیلت و کفارہ کے لئے زیادہ امید کی چیز ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مراد پانچوں فریضہ نمازیں ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بڑھایا کہ اور باقیات صالحات ہیں اور قرطبی رح نے لکھا کہ ابن المسیب و ضحاک کی جماعت کا یہی قول ہے اور میں کہتا ہوں کہ احادیث صحیحہ و تفاسیر ائمہ تابعین بالکل اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اب تفاسیر معلوم کرنا چاہیئے تو شیخ حافظ رح نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ طرفی النہار کی نماز دن سے مراد نماز صبح و مغرب ہے اور یہی حسن رح و ابن زید کا قول ہے اور دوسری روایت میں حسن نے اور قتادہ و ضحاک وغیرہم نے کہا کہ صبح اول طرف کی اور ظہر و عصر دوسری طرف کی ہے اور یہی محمد بن کعب کا قول ہے۔ قال المترجم اور بعض نے کہا کہ ابن جریر رح نے قول اول کو ترجیح دی کیونکہ سب کا اتفاق ہے کہ دن کی اول طرف صبح ہے اور دوسری طرف مغرب ہے و اقول فخر رازی نے کبیر میں قول دوم کو ترجیح دی اور کہا کہ دوسری طرف میں نماز مغرب نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ زلفا من اللیل کی تحت میں داخل ہے تو ضرور نماز عصر مراد ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہمارے شرعی نہار مراد ہو تو طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور اگر نہار عرفی مراد ہو تو طلوع شمس سے ہوتا ہے ولیکن اسمیں خلاف نہیں کہ اول نماز صبح ہے اور دوم میں ظاہر قول ابن جریر رح ہے کیونکہ بالاتفاق شرعًا و عرفًا طرف دوم غروب ہے اگرچہ نماز عصر کی فضیلت بقولہ و الصلوۃ الوسطی الآیۃ وغیرہ سے ثابت ہے اور ان حجۃ پنجگانہ سبب نزول وارد ہوئی اور آگے آتی ہے تو ظہر و عصر مراد لینے پر انسب ہے وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ - زلف وہ ساعتیں کہ ایک دوسرے سے قریب ہوں اسی وجہ سے عرفہ کے بعد مکہ سے قریب منزل کو مزدلفہ کہتے ہیں قاموس میں ہے کہ زلفہ رات کا ٹکڑا یعنی یہ کہ اور نماز قائم کر رات کے ایک ٹکڑے میں۔ قال الحافظ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے فرمایا کہ نماز عشاء مراد ہے۔ مبارک بن فضالہ نے کہا کہ مغرب و عشاء مراد ہے اور یہی مجاہد وغیرہم نے فرمایا۔ اقول جن کا یہ مذہب ہے دن کی دوسری طرف کو مغرب کہا ان کے نزدیک یہاں نماز عشاء ہوگی اور جنہوں نے عصر کہا ان کے نزدیک مغرب و عشا ہیں اور زلف کے معنی بھی مناسب ہیں اور ارجح قول واللہ اعلم یہ ہے کہ اول طرف نہار سے صبح اور دوم طرف دن سے ظہر و عصر دونوں اور زلف اللیل سے مغرب و عشاء مراد ہیں کیونکہ جمہور مفسرین نے پانچوں نماز سے تفسیر کی تو اسی قول پر آگئے اور چونکہ مقصود یہاں استقامت سے صغائر گناہ معاف ہونا اور احادیث صحیحہ سے جملہ فرائض نماز دن کا مکفرات ہونا معلوم ہوتا تو سب یہاں مراد ہیں کیونکہ جملہ حسنات سے سیآت زائل ہو جاتے ہیں بقولہ تعالیٰ - اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ - ضرور نیکیاں بہا دیتی ہیں برائیوں کو۔ قال الحافظ یعنی نیک کام کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسطرح کہ گویا ان کا وجود ہی نہ تھا چنانچہ حدیث صحیح میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے سنا کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے من مسلم یذنب ذنبا فیتوضأ ویصلی رکعتین الا غفر لہ یعنی نہیں کوئی مسلمان کہ کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے مگر آنکہ اس کا گناہ بخشدیا جائے گا۔ اقول اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں حسنات سے مراد عام ہے خواہ فریضہ نماز ہو یا نفل ہو تو ابتدا آیت میں الصلوۃ سے عام نماز مراد ہوگی لیکن حدیث اگر تو بہ پر محمول کی جاوے یعنی دو رکعت پڑھکر توبہ کرے تو بخشدیا جائے گا تو ایسا نہ ہوگا اور وجہ حمل یہ ہے کہ حدیث میں یذنب ذنبا سے گناہ عام ہونے کی تاکید ہے خواہ

صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو اور آیت میں علمار کے نزدیک صغیرہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ آگے آویگا۔ **قال الحافظ** اور صحیحین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے آنحضرت صلعم کے مثل وضو کیا اور کہا کہ میں نے یوں ہی رسول اللہ صلعم کو وضو کرتے دیکھا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو میرا ایسا وضو کرے پھر دو رکعتیں نماز پڑھے ان میں اپنے جی سے باتیں نہ کرے (یعنی وسواس و خیالات سے بچا رہے) تو اُسکے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور امام احمد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آخر مضمون یوں روایت کیا کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرا ایسا وضو کرے اور کھڑا ہو کر ظہر پڑھے تو صبح سے ظہر تک درمیان کے گناہ معاف ہوں گے پھر جب عصر پڑھے تو ظہر و عصر کے بیچ کے معاف ہوں گے پھر مغرب پڑھے تو عصر و مغرب کے بیچ کے گناہ معاف ہوں گے پھر عشار پڑھے تو مغرب و عشا کے بیچ کے گناہ معاف ہوں گے پھر شاید وہ رات کو لیٹے تو رات بھر پڑا لوٹا کرے پھر جب اُٹھکر ایسا وضو کرکے نماز صبح پڑھے تو نماز عشار و صبح کے بیچ کے گناہ معاف ہوں گے اور یہی حسنات ہیں جو برائیوں و گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں اور صحیح میں روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا او رأیتم لو ان الحدیث یعنی بتلاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو کہ اس میں وہ روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو بھلا اُس کے بدن پر کچھ میل رہ جائیگا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کچھ نہیں، تو فرمایا کہ ایسی ہی پانچوں نمازیں ہیں کہ انکے واسطے سے اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں و چوک کی حرکتوں کو محو کر دیتا ہے۔ امام احمد نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی کہ ہر نماز اپنے روبرو کے گناہ و بھول چوک کو مٹا دیتی ہے۔ سراج میں لایا کہ علمار نے فرمایا کہ نیک کاموں مثل نماز و روزہ و صدقہ و ذکر و تسبیح و استغفار وغیرہ سے صغیرہ گناہ محو ہو جاتے ہیں اور رہے کبیرہ گناہ تو وہ فقط توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور اسکی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ اب اس گناہ سے بالکل دور رہا دوم یہ کہ جو ہو گیا اس پر شرمندہ ہوا سوم یہ کہ پکا مضبوط ارادہ ہو کہ آیندہ اب کبھی نہیں کرونگا۔ جب یہ باتیں پائی جاویں تو اسکی توبہ صحیح ہے انشاء اللہ تعالیٰ مقبول ہوگی انتہی ما فی السراج و قال الحافظ اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان گناہوں کی مٹانے والی ہیں جو ان کے درمیان میں واقع ہوں جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے اقول اور قولہ تعالیٰ ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم الآیۃ۔ سے بھی ایسا ہی ثابت ہوا چنانچہ اسکی تفسیر میں گذر چکا اور بعضے علمار نے کہا کہ بعضے کبیرہ معاف ہونے کی بھی اُمید ہے اور شاید وجہ اختلاف یہ ہے کہ اول قول پر کبیرہ مانند فعل شرک و قتل ناحق و عقوق والدین وغیرہ ہیں تو بدون توبہ معاف نہ ہوں گے اور قول دوم پر کبیرہ بہت ایسے حرام افعال کو شامل ہے جن کے کرنے والے کو عذاب کا خوف دلایا گیا ہے۔ فی السراج۔ اور اس آیت کا سبب نزول وہ ہے جو ترمذی نے ابو الیسر بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میرے پاس ایک عورت آئی جسکے شوہر کو آنحضرت صلعم نے کسی لشکر میں مقرر کرکے جہاد کو بھیجا تھا اُسنے مجھ سے کہا کہ مجھے ایک درہم کے چھوہارے دیدو مجکو اسوقت وہ عورت بھلی معلوم ہوئی تو میں نے کہا کہ اس کوٹھری میں اس سے اچھے چھوہارے ہیں وہ میرے ساتھ اندر آئی تو میں نے اسکی طرف جھککر لپٹا کر اسکا بوسہ لیلیا لیکن مجھے خوف الٰہی آگیا تو الگ ہو کر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اُنسے یہ حال کہکر اپنے گناہ کی معافی کی راہ ڈھونڈی اُنھوں نے مجھسے فرمایا کہ اپنا پردہ رکھ اور توبہ کر اور کسی کو خبر مت کر پھر میں پریشان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انھوں نے بھی یہی فرمایا تو نا چار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میں نے عرض کر دیا کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا آپ نے فرمایا کہ تو نے ایک مرد کی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کو گیا اسکے پیچھے ایسی خیانت کی تو مجھے سخت خوف ہوا اور گھبرا کر مجھے تمنا ہوئی کہ

ف حضرت ابو ایوب

ف حضرت ابو الیسر

اش ہیں اسی وقت مسلمان ہوتا اور مجھے یقین ہوگیا کہ میں دوزخی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور بہت دیر ہوگئی یہان تک کہ آپ پر وحی نازل ہوئی جب وہ حالت رفع ہوئی تو مجھے بلایا اور یہ آیت پڑھی واقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذہبن السیئات ۔ ذلک ذکری للذاکرین ۔ یعنی اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور رات کے ٹکڑے میں ضرور نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو یہ نصیحت ہے منتقیوں کیلئے تو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ خاص اسی کے لئے ہے یا سب لوگوں کیلئے فرمایا کہ نہیں بلکہ سب لوگوں کیلئے ہے ۔ **قال الترمذی** ہذا حدیث حسن غریب ۔ وفی تفسیر الحافظ اور بخاری رح نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک مرد اجنبی نے ایک عورت کا بوسہ لیکر گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور حاضر ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گناہ سے آگاہ کیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ ۔ اسنے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ میرے ہی لیئے خاص ہے یا عام فرمایا کہ میری تمام امت کیواسطے ہے ۔ اور مسلم رح نے اپنی صحیح میں روایت کیا کہ اسنے حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے چار دیواری کے باغ میں ایک اجنبیہ عورت کو پاکر اس سے سب کچھ حرکت کی بوسہ لیا اور چپٹایا مگر میں نے اس سے جماع نہیں کیا تو میں اللہ تعالی کے حکم پر اپنی جان سے حاضر ہوں جو آپ چاہیں وہ میرے حق میں حکم کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا وہ شخص چلا گیا اور عمر رض نے کہا کہ اللہ تعالی نے اس شخص کی پردہ پوشی فرمائی تھی اگر یہ اپنا فعل خود چھپائے رہتا اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر اٹھائی اور فرمایا کہ اس شخص کو پھیر لاؤ لوگ اسکو واپس لائے تو آپنے اسکو یہ آیت پڑھ سنائی اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا اکیلے اسی کے لئے ہے فرمایا کہ نہیں بلکہ سب امت کے لیئے ہے ۔ پھر شیخ نے مسند احمد و ابن جریر کی تفسیر سے مانند روایت ترمذی مذکورہ سابق کے نقل کیا ولیکن اسمیں حضرت ابو بکر رض کے پاس جانا مذکور نہیں ہے اور لکھا کہ ابن جریر نے اپنے اسناد سے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم کے حضور میں ایک مرد نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ میری جان پر وہ سزا پوری کیجئے جو اللہ تعالی نے فرمائی ہے (یعنی میں نے ایک عورت سے سوائے جماع کے ساتھ بوسہ سب کیا ہے تو مجھے سزا دیکر گناہ سے پاک کیجئے) اسنے ایک یا دو بار عرض کیا مگر آپنے منھ پھیر لیا پھر مضطرب ٹھہرا پھر نماز کا وقت آیا اور نماز پڑھی گئی جب نماز سے فراغت ہوئی تو آپنے فرمایا کہ وہ آدمی کہاں ہے اسنے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں فرمایا کہ تونے پورا وضو کیا تھا اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی اسنے کہا ہاں فرمایا کہ تو اب تو اپنے گناہ سے ایسا پاک ہے جیسے تیری ماں نے تجھے جنی تھی مگر اب ایسا نہ کرنا اور اللہ تعالی نے نازل فرمایا تو اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ اور شیخ رحمہ اللہ نے یہاں مسند احمد سے یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رض سے نقل کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم الحدیث یعنی جسطرح اللہ تعالی نے تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم فرمائے یعنی نصیبے میں مقدر کیے ہیں ایسے ہی تم میں تمہارے اخلاق تقسیم فرمائے ہیں (یعنی ہر شخص اپنی قسمت کے موافق اخلاق نیک یا بد کا عامل ہو جاتا ہے) اور اللہ تعالی دنیا کو تو ایسے شخص کو بھی دیتا ہے جسکو محبوب رکھتا ہے اور ایسے کو بھی جسکو محبوب نہیں رکھتا ہے (جیسے کافروں و مشرکوں کو دنیا کی ثروت بہت ہوتی ہے) اور دین نہیں دیتا مگر اسکو جسے محبوب رکھتا ہے پس جسکو اللہ تعالی نے دین دیا اسکو محبوب کیا اللہ قسم اس پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی مسلمان نہیں جبتک اسکا قلب و زبان مسلم نہ ہو اور کوئی مومن نہ ہوگا جبتک کہ اسکا پڑوسی اسکے بوائق سے امن میں نہ ہو ہم نے پوچھا کہ کیا بوائق آپنے فرمایا کہ اسکے فریب مکر و دھوکے سے اور اسکے ظلم سے خوف ہو اور کوئی بندہ مال حرام نہ کمائیگا کہ اسمیں سے خرچ کرے تو پھر برکت ہو اور صدقہ دیگا کہ نہ قبول ہو اور مرکر چھوڑ نہ جائیگا مگر جہنم کی طرف اسکا زاد راہ ہوگا (یعنی مال حرام کی کمائی میں بھی برکت

نہ ہوگی اور اُسمین سے صدقہ ہرگز قبول نہوگا اور اگر ترکہ چھوڑیگا تو یہ اُسکا جہنم کی منزل کا توشہ ہوگا) اور اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہین
مٹاتا ہے بلکہ بدی کو نیکی کرنے سے محو کر دیتا ہے اقول یعنی بدلیل قولہ ان الحسنات یذہبن السیآت۔ شیخ ابو عثمان النہدی سے روایت
ہے کہ ہم حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھے اُنھون نے اسکی سوکھی شاخ پکڑکر ہلائی کہ پتے کھڑ کھڑا کر گر پڑے
پھر کہا اے ابو عثمان تو پوچھتا نہین کہ آپ کیون ایسا کرتے ہین مین نے پوچھا تو فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے بھی میرے ساتھ ایسا ہی
کیا تھا پھر فرمایا کہ مسلمان نے جب اچھی طرح وضو کیا پھر پانچون نمازین پڑھین تو اسکے گناہ اسطرح گر پڑتے ہین جیسے اس شاخ کے
پتے گر پڑے اور یہ آیت پڑھی اقم الصلوۃ طرفی النہار الآیۃ - رواہ احمد - اور معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ آنحضرت صلعم نے
فرمایا کہ کوئی خطا صادر ہو جاوے تو اُسکے پیچھے نیکی کر جس سے وہ محو ہو جائیگی اور لوگون کے ساتھ اچھی خصلت سے برتاؤ کر - رواہ احمد -
اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ اگر کوئی خطا سرزد ہو جاوے تو اُسکے پیچھے نیکی کر جو اسکو محو کر دے گی
مین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا نیکیون مین سے ہی کلمہ پڑھنا لا الٰہ الا اللہ تو فرمایا کہ یہ تو سب نیکیون سے افضل ہی - رواہ احمد - اور
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہی کہ جس بندہ نے رات یا دن مین کسی وقت لا الٰہ الا اللہ کہا تو ضرور اسکے نامۂ اعمال مین سے برائیان
محو کر دی جاوینگی اور اُسکی جگہ بھلائیان برابر قائم ہونگی - رواہ ابو یعلی - اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ ایک مرد نے عرض کیا
کہ یا رسول اللہ مین نے کوئی خواہش دما دوف چیز نہین چھوڑی بغیر کئے ہوئے تو فرمایا کہ بھلا تو گواہی دیتا ہی کہ لا الٰہ الا اللہ و
محمد رسول اللہ اُسنے عرض کیا کہ مین دل سے یقین جانتا ہون فرمایا کہ تو یہ کلمہ ان سب پر حاوی ہوگا - رواہ البزار - مترجم کہتا ہے کہ
لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا یہ طریقہ ہی کہ دل اسوقت اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے تسکین پاوے اور سب چیز کی خواہش و اچھائی نکل جاوے
اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و کمال صفات کا اثر دل پر پیدا ہو اور جو اچھے لوگ ہین وہ تو اس پاک کلمہ کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے
تمام مخلوقات کو دل سے محو کر دیتے ہین پھر اسکی عظمت و جلال کے سوائے خود اپنے آپ کو بھی نہین دیکھتے ہین خلاصہ یہ کہ پڑھنے سے
دو باتین ہین ایک یہ کہ زبان سے اچھی قرأت ان الفاظ کے ادا کرنے مین پیدا ہو جسکو کان خوشی سے سنین تو یہ جہالت کا خیال ہی اور دوسری
بات یہ ہی کہ اسکے مضمون سے دل کے کان کھلین اور جب یقین بھر جاوے کہ بس معبود وہی اللہ عز و جل ہے ماسوائے اسکے سب مخلوق
مجبور ہی کوئی بھی معبود نہین بس جو صفات اللہ تعالیٰ مین ہین ان مین سے کوئی بھی کسی مین نہوگی اور جو حمد و ثنا و تعظیم اسکی شان عالی
و جل کیواسطے ہی وہ ذرہ برابر بھی کسی کیلئے نہین ہے پھر یقین قلبی ہوگا کہ اسکے جلال و عظمت کو آسمان و زمین و پہاڑ نہین اُٹھا سکتے تو کون
اُٹھا سکتا ہے پھر خود اپنے آپ کو فانی اور ہیچ و ناچیز جان جائیگا پس جب اسطرح یہ کلمہ طیبہ پڑھے تو بڑی نیکی ہے ضرور بحکم حدیث اس کے
گناہ مٹ جاوینگے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم - پھر چونکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ملائکہ کی طرح انسان کو بے روک ٹوک کے میسر نہین ہی
کیونکہ انسان ایسی جگہ مین پیدا ہوا ہی جو طرح طرح رنج و موذی چیزون سے بھری ہے اور اسطرح پیدا ہوا کہ اسکا پیٹ کھانے پینے کی خواہش
کو اور آنکھین سونے کو و بدن آرام طلبی کو متقاضی و ہر عضو اپنی خواہش کا طالب ہی اور نفس جبتک پاکیزہ نہ ہو طرح طرح کی خراب خواہشون پر
آمادہ کرتا ہے اور سب سے بڑھکر شیطان دشمن ہے جو دماغی قوی سے تخیلات و اوہام و بزدلی وغیرہ کے وسواس دلاتا ہی اور دل سے ذرہ
برابر غفلت ہونے پر یقین مٹاتا رہتا ہے اور آدمی دوسرون کو دیکھکر ہل جاتا اور عجائب دیکھکر جھک پڑتا ہی خصوص جبکہ شیطانی راہ سے
اسکی مطیع قوم کو ایسی ایسی صنعتین و کاریگری سوجھتی ہین جس سے دنیا مین خوب تجمل و آرائش میسر ہو اور تمام دنیا انھین کی سلطنت اور

کیلیے بہشت ہو جاوے تو جبتک آدمی خوب یقین کے ساتھ آراستہ آخرت ہی کو جنت ونعمت واپنا گھر نہ سمجھتا ہو تب تک ممکن نہین کہ قوم کی طرف رجوع نہ ہو جاوے اور اگر یقین کامل سے اسکو دین ملا اور اللہ تعالی کا محبوب ہوا تو اسپر اپنے اعضا رکی خواہشین وشہوات لب ہون گی اور حدیث صحیح مین مضمون وارد ہے کہ اگر آدمی سے منع کیا جاوے کہ ساہی کے بھٹ مین نہ گھسنا تو منع کرنے سے خواہ مخواہ سکا دل لگا رہیگا کہ کسی طرح گھسکر دیکھون تو کیا بات ہے اسوجہ سے دین ہر چند بہت آسان ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ نماز مین مشقت کیا ہے لیکن پھر بھی اسپر بہت گران ہو جاتی ہے جب تک مرتبہ احسان کو نہ پہونچے کیونکہ اس مرتبہ پر نماز نہایت ہی خوب ہے چنانچہ آنحضرت فرماتے کہ رۃ عینی فی الصلوۃ میری دونون آنکھین نماز مین ٹھنڈی ہوتی ہین لہذا ابتدا مین آدمی ضرور اپنے نفس پر مشقت سمجھکر گوارا کرے اور شرع پر ستقیم ہو یقین کے ساتھ آخر مرنا برحق ہے اور اسیواسطے اللہ تعالی نے آنحضرت صلعم کو خطاب فرماکر امت کو نصیحت فرمائی بقولہ - وَاصْبِرْ اور تو صبر کر یعنی استقامت پر قائم رہنے کی مشقت مین صبر کر اور طغیان سے زدہ نہ ہونے پر اور ظالمون کی طرف مائل نہ ہونے سے نفس کی شکستگی پر صبر کر - بعض نے کہا کہ جس کام کے کرنیکا حکم ہے اسی کی مشقت پر صبر مراد ہے کیونکہ جس سے ممانعت ہے اس سے باز رہنے مین کچھ مشقت نہین ہے اقول یہ بالکل وہم ہے کیونکہ بسا اوقات ممنوعات سے باز رہنا نفس کو نماز ادا کرنے سے زیادہ شاق ہوتا ہے خصوص جبکہ ایسے سامان موجود ہون جنکے ذریعہ سے فسق وفجور کا اسباب بہ آسانی ممکن ہو یا زیادہ تر سامان مہیا ہون تو جو کوئی شہوت آتی ہے نفس کو مضمحل وبیصبر کرسکتا ہے اور یہ مامور کے ادا کرنے سے زیادہ شاق ہے اور ظاہرا قائل مذکور نے اعمال قلب باطن کو دین نہین سمجھا صرف ہاتھ پاؤن وغیرہ جوارح ظاہرہ پر مدار رکھا اور یہی منشا غلطی کا واقع ہوا حالانکہ دین کا بڑا جزو اعمال قلبی سے متعلق ہے از انجملہ نیت تو ہر فعل کے ساتھ لازمی ہے جیسے خلوص وغیرہ لطمت قائل - اور یہ خطاب بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مقصود امت ہی ہے بطور دلیل کہ اس صبر کے حسن وثواب کو فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ - کیونکہ اللہ تعالی مرتبہ احسان پر عبادت کرنے والون کا اجر ضائع نہین فرماتا یا نیکوکارون کا ثواب نہین کھوتا اور مراد اس سے واقعی نیکی ہے حتی کہ جو شخص دل سے بد اعتقاد ہو تو اسکی نماز واقعی کچھ نہین اور جو دکھلانے کو پڑھے وہ بھی باطل اور جو حرام کھانے وکپڑے کے ساتھ یا بغیر وضو یا بدون نیت وغیرہ پڑھے وہ بھی واقعی نہین ہے اقول کبھی مسلمانون کے ساتھ نماز کے شریک ہوتے ہین ایسے جنکو دنیا کا لالچ ہے انکو اسکا عوض دنیا مین ملجاتا ہے لیکن آخرت کے اجر والون کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہین ہے ف

فی العرائس قولہ تعالی وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ الآیۃ - اسکے اشارات سے یہ بات ثابت ہے کہ اہل مشاہدہ اپنی اوقات کو ان پانچ وقتون مین فریضہ طور پر محفوظ رکھین تاکہ مراقبہ سے اعلی درجات وقربات پر واصل ہون پس ان کے دونون طرف مجلس ذکر ومراقبہ مین بیٹھنے سے سر باطن سے مشاہدہ ہوگا اسلیئے کہ درمیان مین کثرت سے دن مین فتور وغفلت واقع ہوتی ہے تو دونون طرف دن مین عبادت سے یہ سب میل جاتا رہیگا اور صفائی حاصل ہوگی اور یہ سب بمقتضائے رحمت ہے اور رات مین سے اس کا پہلا حصہ لیا تاکہ ذکر کی حلاوت وصفائی و ولولہ عشق ومحبت کا اثر دن تک باقی رہے اور آدمی غافل نہ ہو اگرچہ نیند مین سوجاوے پس جب ان کے اوقات رات سے اور رات کے دن سے مل گئے اسطرح کہ وسواس کی مجال بیچ مین نہ رہی تو دل سے خطرات واسکی تاریکی وخواہش فانیہ وغیرہ سب دور ہوئے بقولہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ پس مشاہدہ کے نور سے شیطانی معارضہ نہین رہتا اور کشف جمال کے آگے اوہام وخیال کو مجال نہ رہی اور حسنات توحید ومعرفت سے گمان ووہم جسکی مخلوق پابند ہے زائل ہوئے اور یہ امر جو مذکور ہوا اہل ذکر واخلاص ومراقبہ ومعرفت کو خوب روشن ہے کیونکہ وہ ہی یاد والے ہین غافل نہین ہین قد قال تعالی ذٰلِکَ ذِکْرٰی

للذاکرین - شیخ ابوعثمان رح نے فرمایا کہ اوقات وساعات اللہ تعالیٰ کی یاد کیلئے علامات ہیں تاکہ غفلت سے بیدار و دنیا سے عبرت حاصل رہے تو جس شخص کے اوقات وساعات غفلت میں گزر جاویں وہ یقین کرے کہ اسکا دل مرگیا کیونکہ ہر وقت اسپر فرض لازم ہے یا سنت یا کوئی نفل وران سب میں اسنے غفلت کی تو کرنیوالا یعنی دل مردہ ہے - واسطی رح نے کہا طاعات کے انوار سے معاصی کی کدورت زائل ہوجاتی ہے اقول یہ اشارہ ہے ورنہ منصوص ہے کہ معاصی خود میٹ دیئے جاتے ہیں اور وجہ اشارت حدیث صحیح ہے کہ معصیت سے دل پہ سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے اور توبہ نکرنے سے یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ تمام دل گھیر لیتا ہے پس روشنی اصلی جاتی رہتی ہے اور نیکی نہیں سماتی اور اگر توبہ کرے تو رفتہ رفتہ سیاہی دور ہوتی جاتی ہے پس معلوم ہوگیا کہ نیکیوں کی روشنی سے گناہوں کی تاریکی زائل ہوجاتی ہے بعض نے کہا کہ جب بندہ اپنے اوپر یہ نعمت کوجتی کہ بندگی کی توفیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل جانتا ہے تو اسکو اپنا فعل کچھ بھی ملحوظ نہیں رہتا ہے - ابوعثمان نے فرمایا کہ مخلوق کے ساتھ نیک گمان کرنیسے کدورت و غیبت جاتی رہتی ہے اور ان پر شفقت نصیحت و ترس آجاتا ہے اور یہ اسکو نصیحت مفید ہوگی جو توفیق سے اس لائق کیا جاوے - یحییٰ بن معاذ رح نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کیلئے گناہ پر راضی نہ ہوا یہانتک کہ اسکو چھپا دیا اور چھپانے پر بھی خوش نہوا یہانتک کہ بخشدیا اور بخشنے پر بھی خوش نہوا یہانتک کہ گناہ کی ماہیت بدل دی اور بدل دینے پر بھی راضی نہوا یہانتک کہ اسپر ثواب دیا چنانچہ مومن تو وہی تھا کہ اسکو نیکی و استغفار کی توفیق دی ہے پھر یہاں فرمایا کہ ان الحسنات یذہبن السیئات - اور حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کا گناہ ایک دفعہ چھپا دیتا ہے اور مغفرت مانگنے پر بخشدیتا ہے اور دوسری آیت میں فرمایا فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات - اور بعض نے فرمایا کہ توبہ کی نیکی سے خطاکاری کا گناہ مٹ جاتا ہے اور کہا گیا کہ عرفان حاصل ہونے سے عصیان کا گناہ مٹ جاتا ہے اور کہا گیا کہ رحمت الٰہی سے جرم بندہ زائل ہوتا ہے - پھر چونکہ حفظ اوقات و پاس انفاس و ہجوم انوار عظمت سے اہل مشاہدہ و مجاہدہ کے نفس پر بار عظیم واقع ہوتا ہے باوجودیکہ اعضا و جوارح کے کام دین حنیفیہ میں نہایت آسان ہیں مگر حق امانات و نعمتہائے مشاہدات کا بار نفس سرکش شہوت پرست پر ایسا شاق ہے جسکا نمونہ آسمان و زمین و پہاڑوں کی امانت اٹھانے کے انکار سے ظاہر ہے لہذا نفس کو صابر رکھنا فرض ہے چنانچہ صریح حکم فرمایا بقولہ واصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اور اسکے اشارات میں سے یہ ہے کہ مجاہدہ و مکاشفہ میں مذموم خطرات ایسے زبردست وارد ہوتے ہیں کہ محض مذموم ہیں انکے دور رکھنے میں نفس کو صابر رکھنا چاہیئے اقول صحیح میں ہے کہ صحابہ رضہ نے عرض کیا تھا کہ ہم کو ایسے خطرات آتے ہیں کہ انکا زبان پر لاکر عرض کرنا ہم کو نہایت گران معلوم ہوتا ہے فرمایا کہ تم انکو برا و مذموم جانتے ہو تو یہی عین ایمان ہے پس معلوم ہوا کہ خیر الخلائق صحابہ ان خطرات سے محفوظ نہ تھے اور عوام تو خود ہی نفس و شیطان کی پیروی میں بسر کرتے ہیں ان پر ایسے خطرات و وساوس لانے کی شیطان کو ضرورت نہیں ہے اور شیخ نے دوسرا اشارہ لکھا کہ تجلی کبریا کی گرانی میں متحمل ہونا چاہیئے کہ بدلے وجود فانی سے حصول دیدار باقی عزوجل اور بقا ببقاء حق ہے بعض نے کہا کہ جو طاعات پر مستقیم ہوا اور نفس کو مضبوط رکھا وہ گناہوں سے بچا رہتا ہے اقول بدلیل قولہ - ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر - اور نیت صادق سے اجر عظیم کا امیدوار ہوگا بعض نے کہا کہ ذکر پر صبر کرنا چاہیئے کیونکہ جو کوئی سچے طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اسکو اللہ تعالیٰ یاد فرماتا ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسکو اسی طرح اپنے ملائکہ سے مخفی یاد فرماتا ہوں اور یہ نعمت عظیم ہے - قال المترجم واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ عزشانہ کی بارگاہ اعلیٰ واجل ہے کہ تمام مخلوق بادشاہ سے فقیر تک اسکے پیدا کیئے ہوئے ذلیل و خوار بندے ہیں تو اسکے

کرنیوالے کو ادب ملحوظ رکھنا فرض ہو اور خود پاکیزہ ظاہر و باطن ہو کر حاضر ہوئے اور دل سے یاد کرے جس کے ساتھ زبان بھی جنبش کرے اور وسواس
دخل نہ دیوے تو اس کرامت عظمیٰ کا مستحق ہوا اور اسطرح تھوڑی دیر بہت اچھی ہو بہ نسبت تسبیح لوٹنے کے۔ اور بعض کابر سے منقول ہو کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ بنی اسرائیل کے فاسقون و بدکارون سے کہدے کہ مجھے یاد نہ کیا کریں اس حالت مین کہ غافل دل سے بدکاری
کے خیال مین ہین ورنہ مین اُن پر لعنت کرتا ہون اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر دنیاوی بادشاہ کے روبرو بیٹھکر ایک شخص اس سے بک بک
کرے اور نظر اپنی اسکے منقش دیوارون کی طرف اور منھ دوسرے کی طرف رکھے تو بادشاہ اس سے نہایت ناخوش بلکہ بے ادبی پر سخت
سزا دیگا تو بھلا حضرت ذوالجلال والاکرام کی شان عظمت و کبریائی کی تو کیونکر تعظیم بجا لاتا ہے جسنے تمام آسمان و زمین پیدا کیئے و یہ بادشاہ
سکے ناچیز مجبور حقیر بندے ہین۔ فافہم واللہ تعالیٰ ہو الموفق والہادی۔ حاصل اس مقام کی آیات کا یہ ہو کہ بندہ جب استقامت پر ہو
اور حق تعالیٰ کے احکام مین طغیان نکرے اور جیسا خود ظلم نہ کرے ویسے ہی ظالمون کی طرف مائل نہوا اور طاعات پر مضبوطی کیساتھ
امید ثواب عظیم قائم رہے کیونکہ یہ اُمیدواری بھی خود طاعت ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال رہتی ہے اور آنحضرت صلعم کو تمام
امت کیلیئے ہادی و مرشد قرار دیا اسکے بعد پھر اگلی اُمتون کا تذکرہ فرمایا کہ ان مین کوئی ایسا نہ رہا کہ آپس مین ایک دوسرے کو ظلم و بدکاری
سے منع کرے جن کا کہنا مانا گیا۔ لہذا اس طرح عذاب سے ہلاک ہوئے بقولہ تعالیٰ۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ
سو کیون نہ ہوئے اُن سنگتون مین تم سے پہلے کوئی لوگ جن مین اثر رہا ہو کہ منع کرتے بگاڑنے سے ملک مین
إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ○
مگر تھوڑے جو ہم نے بچا لیئے اُنمین سے اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے اسی راہ جسمین عیش پایا اور تھے گنہگار
وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ○
اور تیرا رب ایسا نہین کہ ہلاک کرے بستیون کو زبردستی سے اور لوگ وہان کے نیک ہون

واضح ہو کہ نظام عالم دو طرح قائم ہے اول یہ کہ جو لوگ تمام روئے زمین پر آباد ہین قانون عدل کے موافق اپنے اہل عقل و دانائے حکمت
کی رائے پر چلیں حتی کہ جانورون کے ساتھ بھی ترحم رکھیں۔ دوم نظام شریعت آلٰہی ہو بس اعلیٰ طریقہ جو دونون پر عامل ہوا اور اگر فقط اول
پر عمل کرے تو دنیاوی نظام قائم ہوگا اور فقط دوم ہو تو فساد برپا ہوگا پھر افسوس کہ اول و دوم دونون مین فساد ہو خلیل نحوی سے
نقل ہو کہ قرآن مجید مین سوائے سورہ صافات کے جہان کلمہ لولا آیا ہے اسکے معنی ہلّا ہین یعنی کیون نہین۔ اور زمخشری نے کہا کہ یہ حکایت
ٹھیک نہین اُتری کیونکہ صافات کے سوائے دیگر آیات مین مثل قولہ لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ اور قولہ لولا رجال مومنون و نساء مومنات اور
قولہ لولا ان ثبتناک لقد کدت الآیۃ مین لولا معنی ہلّا نہین ہو کذا فی السراج۔ اولو بقیۃ اے صاحبان خیر و فضل و تقویٰ۔ کیونکہ بقیہ بمعنی فضیلت
و خیر ہے اور یہ اسلیئے ہوا کہ آدمی جو کچھ اپنے واسطے رکھ لیتا ہو وہ اچھا و عمدہ رکھکر باقی نکالتا ہو پھر خوبی و عمدگی مین مثل ہو گیا چنانچہ کہنے لگے
کہ فلان بقیۃ القوم ہے یعنی اس قوم کے سب ردی و قابل نکال باہر کرنے کے ہین صرف فلان اچھا و فضل ہو اور شاید بقیہ بمعنی تقوی ہو
جیسے تقیہ بمعنی تقوی تو اولو البقیۃ بمعنی صاحبان بقاء ہوا اور مراد یہ ہو کہ ایسے لوگ جو اپنی جان کو عذاب و غضب آلٰہی سے باقی و بچائے رہین
قولہ تعالیٰ۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ۔ یعنی یہ اُمتین جن کے خبار ہم نے بیان کیئے اور عذاب سے

آخر ہلاک کردی گئین نہین تھے ان امتون مین جو تم سے پہلے ہلاک ہوئین صاحبان فضل و خیریت ایسے کہ ۔ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ
فِي الْأَرْضِ ۔ منع کرتے لوگون کو زمین مین فساد کرنے سے ۔ یعنی یہ اُمتین جو تم سے پہلے عذاب سے ہلاک ہوئین اُن کی یہ حالت تھی
کہ ان مین نیکی کرنیوالے اور علم و عمل والے لوگ ایسے نہ تھے جو ان لوگون کو کفر و شرک و بداعمالی و گناہون کے سبب زمین مین فساد
کرنے سے روکتے ۔ إِلَّا قَلِيلًا ۔ لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو منع کرتے تھے وہ ایسے مغلوب تھے کہ قوم کے لوگ انکو نہ مانتے اور یہ
بڑھکر نافرمانی تھی کہ سیدھی راہ بتلانے والے کو دشمن جانین اور ذلیل و خوار کرین پھر اُن کا پتا بتلا دیا ۔ بقوله مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۔
وہ لوگ ہین کہ ہم نے اس قوم مین سے نجات دیدی وقت عذاب نازل کرنے کے کیونکہ وہ لوگ شرک و عصیان کے فساد سے منع
کرتے تھے تو وہ عذاب سے محفوظ رہے ۔ نظیر اُن کی اصحاب السبت کا قصہ ہی چنانچہ تین فریق مین سے منع کرنیوالے اور الگ ہو جانیوالے
بچ رہے اور نافرمان عذاب مین گرفتار ہوئے اور حاصل یہ ہو کہ اگلی اُمتون پر جو عذاب آیا اسکا سبب دو امر تھے ایک یہ کہ انمین
ایسے لوگ تھے جو شرک و عصیان سے منع کرتے لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو حق پر قائم تھے انکو ہم نے نجات دیدی اور دوسرا سبب
عذاب یہ تھا کہ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ ۔ اور پیروی کرتے رہے وہ لوگ جنھون نے اپنی جانون پر اور غیرون پر ظلم کیا تھا
اُن شہوات کی جو ان کو فراخی سے دی گئی تھین یعنی سب قوم ظالم اپنی خواہش نفس کی پیروی مین دنیاوی نعمتون مین اترانے لگے وَكَانُوا
مُجْرِمِينَ ۔ اور تھے مجرم یعنی دنیاوی چیزون کی خواہش مین موافق شرع کے نہین چلتے تھے یا جو جی چاہتا تھا وہ شرک و معصیت کرتے
اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ رہتے تھے کیونکہ دنیا کی طیبات لذیذہ کھانا پینا وغیرہ شرع مین بالکل منع نہین ہو بلکہ اُسکے استعمال
مین حلت و حرمت کے احکام متعلق ہین پس اُنمین موافق حکم الٰہی تصرف کرے اور اسکی طاعات ادا کرے ولیکن اُنھون نے اپنی خواہشون کے
موافق مجرم و نافرمان ہوکر اتراف کیا اور اترانے لگے تو اُن پر عذاب الٰہی آیا کہ بالکل نعمتون سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئے نعوذ باللہ
من عذابہ ۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ آدمی جہالت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنے آپ کو اچھا جانتا ہے اور نعمتون دنیاوی
کے سبب یہ خیال ہو جاتا ہے کہ ہم لوگ بڑے نیک ہین جبھی ہم کو سلطنت و بادشاہت و مال و متاع و دانائی و عقل دی گئی ہو ولیکن
فی الحقیقت انکو معرفت الٰہی سے خبر نہین اور آخرت سے منکر اور شہوات نفس مین اتراتے ہین اور ہلاک ہوکر ظلم کا وہم کرتے ہین حالانکہ
اللہ تعالیٰ عزوجل کی شان مین ظلم متصور نہین ہو قال تعالیٰ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ ۔ یعنی جس شہر والے شرک و فساد
سے پاک صالح ہون انکو اللہ تعالیٰ ہلاک نہین کرتا ہے کہ ظلم کی صورت سمجھی جاوے بلکہ یہ لوگ درحقیقت بڑے مفسد تھے اور سراج مین
یہ معنی بیان کئے کہ اور نہ تھا تیرا رب کہ تباہ کردے ان شہرون کو ان کے شرک کے سبب سے ۔ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۔ درحالیکہ اُسکے
رہنے والے آپس مین اصلاح پر ہون یعنی کوئی قوم خالی مشرک ہونے کی وجہ سے ہلاک نہین کی جاتی ہو جبکہ وے آپس مین اصلاح
کرتے رہین اور معاملات مین مصلح ہون پس خالی شرک کے اعتقاد رکھنے سے ایسا عذاب نہین آتا کہ بالکل تباہ کردیئے جاوین بلکہ ایسا عذاب
اسوقت نازل ہوتا ہے کہ جب اُنکا برتاؤ آپس مین ظلم و ایذا کا ہو چنانچہ جن قومون کا قصہ عذاب سے ہلاکت کا نقل ہوا اُن سے
اللہ تعالیٰ نے معاملات مین ظلم و ایذا کا معاملہ بیان فرمایا ہے لہٰذا بعض نے کہا کہ حقوق الٰہی کا مبنی چشم پوشی و سہولت پر ہو اور
بندون کے حقوق کا مبنی ضیق و بخل پر ہے اور اثر مین مروی ہے کہ بادشاہت کفر و شرک کے ساتھ باقی رہتی ہے اور ظلم کے ساتھ
نہین رہتی ہے انتہی ۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ غنی ہو اسکو بندون کی طاعت و معصیت سے پرواہ نہین ہو اگرچہ شرک اسکو پسند نہین ہے

تو آخرت اسکو نہ ملیگی اور دنیا بھی اسکے نزدیک محض بے قدر و ناپسندیدہ ہے تو مشرک کو یہ دنیا دیدی گئی۔ بخلاف ظلم و ایذا رسی کہ اسمین
بندون کے حقوق متعلق ہین اور وے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہین تو جو کوئی ان پر ظلم کرے ہلاک ہو جیسے قوم شعیب لوگون کا مال
مارتے اور ظلم کرتے تھے اور قوم لوط والے لوگون کی اولاد کو بے حیا و زنانہ بناتے تھے بالجملہ مشرک قوم جو خلاف رائے کے شہوات مین گرفتار
ہو تو وہ ضرور ظلم کریگی جس سے لوگون کی جان و مال پر سخت خطرہ ہوتا ہے ورنہ جو قوم مشرک کہ ظلم و ایذا رسی سے بچے اور لوگون مین معاملات
مین صلاح رکھے وہ دنیا کی بادشاہت پاویگی چنانچہ اس آیت کریمہ کی تصدیق اسوقت روبرو موجود ہے حتی کہ جو قومین اسلام کا دعویٰ کرتی
ہین ظلم و اتباع شہوات مین گرفتار ہین انکو دنیاوی حکومت مخلوق سے زوال ہے اور بعض مشرک قومین صلاح و انصاف پر آمادہ
ہین انکو روز بروز ترقی ہے حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی
جاتی تھی تو مین نے آپکو فرماتے سنا کہ اہلہا مصلحون کے معنی مین فرمایا کہ وے لوگ آپس مین ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتے
رواہ الطبرانی وابو الشیخ وابن مردویہ والدیلمی۔ حاصل کلام یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ ایسا برتاؤ نہین کرتا جو ظلم کی صورت پر ہو
جس حال مین وے صلاح پر ہون یا کسی قوم کو فقط ظلم یعنی شرک کی وجہ سے بالکل ہلاک و تباہ نہین کر دیتا درحالیکہ دنیاوی برتاؤ مین انصاف
و اتفاق سے رہتے ہون ایذا و آزار خلق انکا شیوہ نہ ہو بلکہ دنیاوی زندگی بھر ان کو اسی حال پر چھوڑتا ہے اگرچہ وے مشرک کافر
ہون تو اگلی قومین جن پر عذاب نازل فرمایا وہ صرف شرک و کفر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ انھون نے اترانا شروع کیا اور شہوات نفس کی
پیروی مین جو چاہا وہ کیا اور ان مین امن و انصاف جاتا رہا لوگ ظلم کرنے لگے اور ان مین کوئی ایسا نہ رہا جو دین حق پر ہو یا ایسے لوگ
نہ تھے جو عوام کو راہ راست پر مصلحت کے موافق اپنی رائے و مشورہ سے چلاوین اور سب کو ایک صلاح پر رکھین مگر تھوڑے لوگ ایسے
تھے جن کا کہنا نہین چلتا تھا تو عذاب آیا اور یہ لوگ بچائے گئے کہ انکو حیات دیدی گئی۔ غرض اسی طرح۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ
کے واسطے فرمایا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الآیۃ یعنی تم مین سے ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی طرف بلاوین اور معروف کا حکم کرین اور منکر
سے روکین تا آخر۔ اور احادیث بکثرت وارد ہین کہ آنحضرت صلعم نے ان امور مین بہت تاکید فرمائی ہے کہ تم لوگ آپس مین نیکیون کے بجا لانے کا حکم
اور ممنوعات سے منع کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلون مین پھوٹ ڈالیگا کہ تمہارے نیکون کی دعا بھی قبول نہ ہوگی اور سب پر عذاب آویگا اور قولہ
واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ الآیۃ۔ اور قولہ اولوا بقیۃ ینہون عن الفساد الآیۃ کی تفسیر مین گذر چکی ہو۔ ف فی العرائس
قولہ تعالیٰ وما کان ربک لیہلک القری بظلم واہلہا مصلحون۔ اس آیت کے اشارت مین شیخ نے لکھا کہ ظاہری تفسیر مصلحون مین کہا گیا کہ بعضہم
بعضا یعنی آپس مین ایک دوسرے سے برتاؤ و معاملات مین انصاف کرتے ہون کوئی کسی پر ظلم نہ کرے جیسا کہ اسکی دلیل طبرانی وغیرہ
کی حدیث جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور خاص اشارہ سے یہان یون لیا گیا کہ قری عارفون کے دل
ہین اور اہل القری ارواح قدسیہ ہین اور معنی یہ ہوئے کہ جب یہ ارواح اپنے نفوس امارہ سے مخالفت کرتے ہین تاکہ یاد الٰہی و طاعات
مین نفس امارہ کچھ خلل نہ ڈال سکے تو یہ قلوب ہلاک و برباد نہین ہوتے یعنی برابر ان پر تجلیات قدسی وارد ہوتے ہین اور انوار
مشاہدہ و قربت سے نورانی رہتے ہین اور ان کو قدرت کے نزول و خطرات و وساوس کے داخل ہونے سے ویران نہین فرماتا ہے اشارہ
دوم یہ کہ جو لوگ پورا یقین رکھتے ہین اور اپنے پروردگار سے محبت صادقہ رکھتے ہین اور عارف بندے ہین اللہ تعالیٰ ان قلوب کو
خراب نہین فرماتا جبکہ انکے نفوس امارہ مطمئن ہون یعنی بحکم قولہ تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب وہ یاد الٰہی مین مطمئن ہون پھر اگر بعض خواطر

تو وساوس کا گزر بھی ہوا تو حق تعالے اُن کے اسرار کو مشاہدہ حال سے محجوب نہیں فرماتا فقولہ ظلم یعنی تھوڑے ظلم و بعض خطرات سے محروم نہیں کرتا ہے
اور تفسیر اشارہ ہے کہ قلوب پر اللہ تعالیٰ کی شان سے ظلم نہیں ہے کیونکہ وہ ظلم سے بالکل پاک ہے اور اگر بفرض محال اسکی طرف سے ظلم متصور بھی
ہوتا تو بندگان مقبول و صالحین پر وہ ظلم نہیں فرماتا کیونکہ ازل میں اسنے انکو اپنی معرفت کیلئے منتخب فرمایا چنانچہ کشف صفات سے اُنکو
ذات کی معرفت عطا فرمائی پس صلاحیت اُن میں برابر باقی رہی بعض نے کہا کہ جو عذاب میں گرفتار ہوا اور اپنے گناہوں ہی کے عوض
پکڑا گیا اور جسنے طاعت الٰہی کو اپنے اوپر لازم کر لیا وہ دونوں جہان کی آفات سے محفوظ کر دیا گیا۔ شیخ ابو سعید القرشی رح نے کہا کہ عاجزی
سے گڑگڑا کر ہر دم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانا یہی صلاحیت ہے۔ انتہی۔ واضح ہو کہ اگر مشرک قومیں اسوجہ سے کہ باہم تصفیہ کر کے
معاملات کو صلاح کی صورت پر رکھتے ہیں دنیا میں دولت و مال بلکہ سلطنت پا دین تو یہ دنیا ایک ملعون چیز ہے جو ان کے اعمال کا عوض
اُن کی خواہش پر انکو دیدی گئی اور دنیا میں عذاب نہ کیا گیا لیکن آخرت میں اُن کے لئے سوائے جہنم کے کوئی ٹھکانا نہیں ہے اسوجہ
سے کہ انھوں نے وہاں کے واسطے توحید و معرفت و طاعات سے کوئی ذخیرہ نہیں جمع کیا۔ پھر اگر تجھکو یہ وہم ہو کہ اُن کو ہدایت کیوں
نہیں دی گئی تو آگاہ ہو کہ اسکا جواب دو باتوں پر موقوف ہے اول یہ کہ تجھکو معلوم ہو کہ صفات الٰہی تقدس و تعالیٰ کی ماہیت و کنہ
کیونکر ہے اور دوم یہ کہ تمام مخلوق کے پیدا کرنے میں اسکی حکمت کیونکر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اسکی ماہیت سے آگاہی مخلوق کو محال ہے
اور جبکہ اسکی صفت ہو تو حکمت سے آگاہی بھی محال ہے چنانچہ کوئی شخص یہ جواب نہیں دیسکتا کہ آسمان سات سے زائد یا ستا سے اس سے
کم یا زائد کیوں نہیں پیدا کئے اور زمین سے اسقدر دور کیوں ہیں ہاں اسقدر ضرور معلوم ہے کہ خالق عز و جل نے جسوقت کسی مخلوق کو
پیدا کیا وہ جاہل نہ تھا کہ یہ کیسے کام کریگا پھر دنیا میں اس مخلوق سے علم الٰہی کے خلاف نہیں واقع ہوسکتا ورنہ نعوذ باللہ لازم آئیگا
کہ وہ عالم دروغ تھا جب یہ یقینی بات ہے تو تجھکو اسی قدر پر اطمینان ہو اور یہی تقدیر اور یہی حکمت الٰہیہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ عز و جل نے اسی سے آگاہ فرمایا فقولہ تعالیٰ

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝
اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں
إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ
مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے اور اسی واسطے اُن کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروں گا
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝
دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک اُمت کر دیتا۔ یعنی
اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ چاہتا تو سب کو ایک ہی راستہ ایمان پر یا ملت کفر پر مجتمع و متفق کر دیتا۔ وفی السراج ایک ہی ملت کر دیتا اور
وہ اسلام ہے اور یہی بنیادی دین ہے اور اس آیت میں صریح دلالت ہے کہ ایمان پر ہونا اللہ تعالیٰ کے چاہنے و کرنے سے ہوتا ہے اور
اُسنے ہر ایک کا مومن ہونا نہیں چاہا اور جب آدمی سمجھ کے ساتھ غور کرے تو دنیا میں یہ عجب حال دیکھے گا کہ کسی تدبیر سے ان سب کا دل
ایک راہ پر ہونا ممکن نہیں اور ہر فریق اپنے کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر جانتا ہے اور آخر اسی ملت پر مر جاتا ہے اور دوسرے
کی بات نہیں مانتا اگرچہ وہ حق کہتا ہو پھر اگر اسکی سمجھ کا قصور ہے تو شاید معتزلہ کے قول پر یہ وہم ہو کہ یہ رحمت کاملہ الٰہی سے دور ہے

کہ اس بیچارے کو دوسرے کی سی سمجھ کیوں نہ دی اور اگر دی تھی اور اس نے اپنے آپ علم نہ پڑھا اور سمجھ بگاڑی تو جس نے اس کی ذات
کو پیدا کیا وہ ضرور قادر تھا کہ اسکی صفت علم کو پورا کر دے اور تدبیر کر سکتے ہیں اگر اسکا قصور ہے تو خالق عزوجل قادر تھا کہ وہ تدبیر
مثل دوسرے کے پوری کرے بیشبہ جب خالق علیم وخبیر نے اسکو پیدا کیا تو اس سے پہلے جانتا تھا کہ یہ کیا فعل و کیسی حرکتیں کریگا
کریگا تو ضرور اسی کے موافق اس سے صادر ہوگا اور یہی مشیت الٰہیہ ہے اسی واسطے فرمایا کہ ولو شاء ربک الخ یعنی اپنی حکمت و مشیت
سے جسکا علم مخلوق کو ممکن نہیں ہے تیرا رب چاہتا تو سب کے سب لوگ ایک ملت پر متفق ہوتے ان میں کچھ اختلاف نہ ہوتا ولیکن
اُسنے نہیں چاہا - وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ - اور برابر ان میں اختلاف و پھوٹ چلی جائیگی یعنی کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی مجوسی
کوئی ہندو کوئی مسلمان کوئی نانک شاہی کوئی آزاد رند اور حال میں نئی قوم نیچری ہوئی اور یہ سب اپنے درمیان مختلف اور ضلع جدا ہو
سے جدا ہوتے گئے جیسے مسلمانوں میں معتزلہ و رافضی و خارجی وغیرہ خلاف سنت پھوٹ نکلے الغرض اسقدر برابر مختلف ہوتے گئے کہ
اُسکا انضباط ممکن نہیں ہے - قال الحافظ عکرمہ رح نے کہا کہ مختلفین یعنی طریقۂ دین میں یا دین حق میں یا اسلام میں - اور حسن نے کہا کہ
رزق میں چنانچہ غنی نے فقیر کو مسخر کر لیا ولیکن صحیح قول اول ہے کہ مراد دین میں اختلاف ہے یعنی برابر دین حق و ہدایت میں مختلف ہوتے
جاوینگے - اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ - باستثناء ان لوگوں کے جن پر تیرے رب نے رحم کیا یعنی رسولوں کے پیرو جو اسی طریقہ پر بغیر
چون و چرا قائم رہے جو رسول نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر فرمائی اور برابر ہر زمانہ میں ہر رسول کے پیرو دین اسلام و توحید پر
متفق و مرحوم رہے یہانتک کہ حضرت خاتم المرسلین شفیع المذنبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے مبعوث فرمایا پس
مرحوم فرقہ نے اسی طرح آپ کی پیروی کی اور جو کچھ آپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمایا اور صحابہ سے تابعین نے پایا وہی پچھلوں نے
مضبوط کر لیا اور کچھ مختلف نہ ہوئے اور یہی وہ فرقہ ہے جسکو عذاب اختلاف و پھٹک سے نجات ہوئی فی الفتح حضرت ابوہریرہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا افترقت الیہود علی احدی و سبعین فرقۃ یعنی یہودی اکہتر فرقہ میں مختلف ہوئے اکہتر میں
اور نصاری بہتر فرقہ میں اور عنقریب میری اُمت تہتر فرقہ میں مختلف ہوگی - رواہ ابوداؤد و نحوہ الترمذی - اور معاویہ رض سے
مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہم میں کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا اور اسمیں ہے کہ آگاہ رہو کہ تم سے پہلے اہل کتاب تو بہتر فرقہ تک
مختلف ہوئے اور یہ امت تہتر فرقہ ہو جاویگی جنمیں سے بہتر دوزخ میں ہیں اور ایک فرقہ جنت میں ہے اور وہ فرقہ جماعت ہے
رواہ ابوداؤد - اور شیخ حافظ رح نے مستدرک سے یہ روایت نقل کی اسمیں یوں ہے کہ یہ امت تہتر فرقہ میں مختلف ہوگی وے سب
سوائے ایک کے جہنم میں ہیں تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کس صفت پر ہوگا فرمایا کہ اسی حال پر جسپر میں اور میرے صحابہ
ہیں حافظ عماد رح نے فرمایا کہ یہ حدیث مسانید و سنن میں ایسی سندوں سے مروی ہے کہ بعض سے بعض کو تقویت حاصل ہوتی
ہے یعنی یہ حدیث آخر قوی ہے اور خطابی رح نے شرح سنن ابوداؤد میں کہا کہ اس حدیث میں یہ دلالت موجود ہے کہ یہ سب
فرقے باوجود اختلاف کے دین اسلام سے خارج نہ ہونگے کیونکہ انکو اپنی امت فرمایا ہے اقول اوپر کی روایت مذکورہ میں تو صرف
اسی قدر ہے کہ یہ اُمت تہتر فرقے ہو جاویگی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایمان پر ہونگے جیسے اگلی امت کے مختلف فرقے
ضرور نہیں کہ راہ موسیٰ پر یا عیسیٰ پر ہوں دیکھو فرقہ نصاری جو حضرت عیسیٰ کے بیٹے ہونے کا قائل ہے یا انکی الوہیت کا قائل ہے بنص قرآنی
یعنی قولہ تعالیٰ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ - اور قولہ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ہو المسیح ابن مریم - صریح کافر و مشرک ہیں اسی طرح

اسلامیہ فرقوں میں سے جنھوں نے توحید کو چھوڑ دیا وے کافر ہیں مثلاً رافضہ میں سے فرقہ نصیریہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے الوہیت کے قائل ہیں صریح کافر ہیں فتامل اور علماء نے کہا کہ مراد ان فرقوں سے مانند معتزلہ و قدریہ و رافضہ و خارجیہ وغیرہ کے ہیں اور فرقہ واحدہ ناجیہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں کیونکہ یہی اس اعتقاد و طریقہ پر ہیں جو آنحضرت ؐ نے صحابہ کو تعلیم فرمایا تھا اور یہ صریح ظاہر ہے اسلیئے کہ مجموعۂ احادیث پر انکین کا عمل ہے اور یہ جو فرقہ شیعہ نے زعم کیا کہ ہماری احادیث کا بھی ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہونا قطعی ہے تو جاہل ہے اسلیئے کہ خود اقرار ہے کہ اہل بیت کی روایات مخفی طریقہ سے ہیں تو انکو اعلان و تواتر کا دعویٰ زیبا نہیں ہے خصوص جبکہ اہل السنت نے انہیں ائمہ رضی اللہ عنہم سے صحیح روایات انکے بالکل خلاف روایت کیں تو معارضہ سے انکا سقوط ہوا اب اہل شیعہ کے پاس کچھ باقی نہ رہا اور اہل السنۃ سب صحابہ کو بحکم صریح قرآن یعنی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے عادل جانتے ہیں تو باقی صحابہ کی روایات انکے پاس بلا معارضہ ہیں بہرحال ہم قطعی جانتے ہیں کہ وہ فرقہ یہی ہے جسنے بالکل آنحضرت صلعم و صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کیا اور بحث یہاں بیکار ہے۔ قال الحافظ اور عطاء نے کہا قولہ لا یزالون مختلفین یعنی یہود و نصاریٰ و مجوس۔ قولہ الا من رحم ربک یعنی فرقہ حنیفیہ اقول یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اگرچہ آخر زمانہ میں بعد تابعین کے اُن کے طریقہ سے بھی لوگ اپنی رائے کی پیروی میں مختلف ہوگئے جیسا کہ حدیث میں گذرا۔ قتادہ ؒ نے کہا کہ الا من رحم ربک وہ جماعت ہیں اگرچہ انکی بستیاں دور ہوں اور ظاہری جسم سے جدا جدا ہوں اور مختلفین وہ ہیں جنھوں نے سنت و جماعت سے اختلاف کیا اگرچہ سب ایک ہی جگہ مجتمع ہوں۔ اقول مختلف فرقوں سے تعجب ہے کہ جب دریافت کیئے جاویں کہ زمانہ رسول اللہ صلعم میں تھے تو سچا اقرار کریں گے کہ نہیں یہ فرقہ پیچھے پیدا ہوا ہے پھر وساوس شیطان سے بخوف ہوکر اپنی ہوس سے ہٹ کیئے جاتے ہیں کہ ہمیں حق پر ہیں جبکہ کسی دلیل سے ظاہر نہ ہوا کہ دے طریقہ رسول اللہ صلعم پر ہیں مگر بیشک سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت خود مختار اور حکمت بالغہ میں انکے حق میں یوں ہی جاری تھا وقد قال تعالیٰ ولذلک خلقھم۔ اور اسی کیلیئے اُن کو پیدا کیا تھا۔ قال الحافظ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ انھوں نے اسکے معنی میں کہا کہ اسیواسطے اُن کو پیدا کیا یعنی اُن کو دو فریق پیدا کیا ایک جنت کیلیئے اور دوسرا دوزخ کیلیئے بمانند قولہ فمنھم شقی و سعید۔ اقول اگر کہا جاوے کہ لذلک اشارہ واحد ہے اسکا مشار الیہ دو چیز کیونکر ہونگی تو جواب یہ ہے کہ اسطرح اشارہ مجموعہ دو چیزوں کی طرف جائز ہے جیسے قولہ تعالیٰ عوان بین ذلک یعنی ان دو رنگوں کے بیچ میں اسکا رنگ ہوگا اور قولہ وابتغ بین ذلک سبیلا۔ یعنی ان دونوں کے بیچ بیچ میں راہ اختیار کر۔ مجاہد ؒ نے کہا کہ قولہ لذلک خلقھم یعنی رحمت کیواسطے انکو پیدا کیا اور عکرمہ سے بھی اسی کے مانند مروی ہے جس پر علماء نے کہا کہ انکو اختلاف ہی کیواسطے پیدا کیا۔ ابن وہب نے اپنے اسناد سے روایت کیا کہ عطاء ؒ کے پاس دو شخص جھگڑتے آئے آخر عطاء ؒ نے کہا کہ تم نے بہت جھگڑا پھیلایا تو ایک بولا کہ ہم اسی کیواسطے پیدا کیئے گئے آپنے کہا کہ تو جھوٹ بولا اسنے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولذلک خلقھم۔ آپنے کہا کہ اسواسطے نہیں پیدا کیا کہ جھگڑیں بلکہ ان کو جماعت و رحمت ہی کیلیئے پیدا کیا۔ عکرمہ ؒ نے ابن عباس سے روایت کی کہ لذلک خلقھم کہا کہ رحمت کیلیئے ان کو پیدا کیا اور ان کو عذاب کیلیئے نہیں پیدا کیا اور یہی قول مجاہد و ضحاک و قتادہ کا ہے بمانند قولہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ حافظ ؒ نے کہا کہ ایک معنی یہ ہیں کہ انکو رحمت و اختلاف کیلیئے پیدا کیا جیسا کہ حسن و عطاء و اعمش سے روایت کی گئی ہے۔ اشہب نے کہا کہ میں نے مالک بن انس سے اس آیت کے معنی پوچھے تو فرمایا کہ ایک فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں اور دوسری روایت میں امام ؒ نے کہا کہ انکو رحمت و اختلاف کے لیئے پیدا کیا۔ قال المترجم میرے نزدیک قولہ خلقھم کی ضمیر کے

مرجع مین اختلاف کے سبب سے یہ اختلاف ہو چنانچہ اگر الا من رحم ربک کے واسطے ضمیر ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ان مرحوم بندون کو اسی رحمت ہی کیواسطے پیدا کیا اور اگر مرجع کل کی طرف ہو تو معنی یہ کہ اسی رحمت و اختلاف کیواسطے ان مجموع کو پیدا کیا اور اسی بنا پر ان اکابر سے روایات تفسیری مختلف مین ورنہ کچھ اختلاف نہین ہی کیونکہ احتمال دونون طرف ہو۔ فی البیضاوی وغیرہ اس آیت مین دلیل ہے کہ ہدایت و ایمان نہین ہوتا جبتک اللہ تعالی پیدا نہ فرماے کیونکہ سمجھ و عقل دینا اور رسول بھیجدینا اور کتاب نازل کر دینا اور عذر دور کر دینا تو سب کے حق مین یکسان ہی چنانچہ کافرون کو بھی یہ دیدیا گیا تھا تو اب یہی رہا کہ اللہ تعالے اپنے فضل سے ہدایت پیدا کر دے اور یہی وہ رحمت ہو جسکو ان بندون متقین کیساتھ خاص کیا۔ بالجملہ دو گروہ فرماے ایک کے حق مین اختلاف کی معصیت قائم ہوئی تو اُن کا انجام جہنم کی طرف ہوا اور دوسرے گروہ پر اتفاق و طاعت کا انعام ہوا اُن کا انجام جنت ہو وقد قال تعالی۔ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ۔ اور پورا ہو گیا کلمہ تیرے رب کا یعنی جیسا ازل مین مقدر فرمایا تھا جسمین تبدل و تغیر نہین ہو سکتا یا یہ کلمہ کہ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ۔ کہ بیشک بھر دونگا مین جہنم کو جنون سے جنت بمعنی جن اور تا مبالغہ کی ہو وَالنَّاسِ اور آدمیون سے أَجْمَعِينَ۔ سب سے یعنی دونون فریق کے کافرون و سرکشون مین سے اس کثرت سے ہونگے کہ ان سے جہنم بھر جائے گی قال الحافظ اللہ تعالی آگاہ فرماتا ہو کہ اسکی قضا و مقدر مین یہ امر جاری ہو چکا کہ اسکے خلق مین سے بعضے مستحق جنت ہون اور بعضے مستحق دوزخ ہون اور وہ پاک معبود ان دونون کو بھر دیگا اور حکمت اسکی پوری ہے اور رحمت اسکی سب مخلوق پر غالب ہے وہی جانتا ہے کہ کن لوگون سے کس منزل کو بھریگا اور اگر چاہتا تو سب کو جنت مین یا سب کو دوزخ مین رکھتا ولیکن اسنے جسطرح چاہا اسطرح واقع ہوا صحیحین مین حضرت ابوہریرہ سے روایت ہو قال تخاصمت الجنة والنار فقالت الجنة مالی لا یدخلنی الا ضعفاء الناس وسقطهم یعنی جنت نے کہا کہ میری کیا حالت ہو کہ مجھ مین نہین داخل ہونگے مگر لوگون مین سے ضعیف و ناکارہ یعنی دنیا مین جو عروج و ثروت والے مغرور و متکبر ہین وہ مجھ مین نہ آوینگے بلکہ جو دنیا مین ضعیف و خوار اور اللہ تعالی کی درگاہ مین امیدوار ہین وہی آوینگے۔ وقالت النار اوثرت بالمتکبرین والمتجبرین یعنی دوزخ نے فخر کیا کہ اہل تکبر و تجبر سے مجھے تخصیص دی گئی ہو فقال اللہ عزوجل للجنة انت رحمتی ارحم بک من اشاء پس اللہ عزوجل نے جنت کو فرمایا کہ تو میری رحمت ہی جسپر رحمت چاہونگا اسکو تجھی سے سرفراز کرونگا کہ وہ تجھ مین داخل ہو۔ وقال للنار انت عذابی انتقم بک من اشاء اور دوزخ کو فرمایا کہ تو میرا عذاب ہی جس کو اسکے گناہون کی سزا و بدلا دونگا وہ تجھ مین آویگا۔ ولکل واحدة منهما ملؤها۔ اور دونون مین سے ہر ایک کیلئے بھرپور ہے فاما الجنة فلا یزال فیها فضل حتی ینشی اللہ خلقا پس جنت مین برابر جگہ خالی رہتی جائیگی یہان تک کہ اللہ تعالی دوسری مخلوق اُسکے لیے پیدا فرما دیگا شاید یہ لوگ اہل جنت کے خدم و حشم ہون یا مستقل ہون واللہ اعلم۔ واما النار فلا یزال تقول هل من مزید حتی یضع علیها رب العزة قدمه فتقول قط قط وعزتک۔ اور رہی دوزخ تو کہہ اٹھتی جائیگی کہ کچھ اور ہو کچھ زیادہ ہو یہانتک کہ اسمین رب العزة صفت خاص رکھیگا تو سمٹ کر کہنے لگیگی کہ اے رب العزة بس بس ف فی العرائس قولہ ولو شاء ربک لجعل الناس امة واحدة یعنی ایک راہ توحید و معرفت و قرب مشاہدہ پر سب کو رکھتا لیکن اسکی حکمت ازلیہ علوم قدیمہ سے طرح طرح کے معارف مین متفرق کیا اقول اس اشارہ مین ظاہر عبارت سے تعرض یہ ہو کہ الناس سے مراد آدمی ہو اور درحقیقت آدمی وہی ہین جو کان ناک آنکھ و دل رکھتے ہین تو وہی ایمان لاسکتے ہین اور برخلاف انکے جو صورت کے آدمی ہین تو انکی نسبت فرمایا لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم اعین لا یبصرون بها الآیة یہان تک کہ فرمایا اولئک کالانعام بل هم اضل الآیة۔ تو جب یہ لوگ آدمی کی صفات سے خارج ہین

تو اُن کو الگ کر دیا اور صرف اہل الحق سے اشارہ یہ لیا کہ جملہ اولیاء معرفت کی راہ میں ایک ہی منزل پر نہیں ہیں بلکہ باعتبار صورت ظاہری کے اختلاف کے راہ معرفت میں بھی اسی طرح متمیز ہیں چنانچہ جنید رحمہ کا قول مذکور ہوا کہ ہر ایک کی معرفت خاص ہے اور حضرت شہاب الدین سہروردی سے عوارف میں ہے کہ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق کلہا مسدودة لا یصل الیہا الا من قفی اثر الرسول یعنی صراط مستقیم میں ہر جان مثل اپنے تشخص کے اختلاف کے اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کی دوسرے سے جداگانہ راہ رکھتی ہے اور سب راہیں مسدود ہیں کوئی پہونچ نہیں سکتا مگر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں صادق ہے پس اختلاف کے یہی معنی ہیں ورنہ اُن میں بالکل اتفاق ہے۔ فافہم۔ شیخ نے کہا کہ اور اُسنے ہر ایک کو اپنی ذات کی معرفت وصفات کی معرفت میں علیحدہ علیحدہ راہ دی ہے پس ہر ایک اپنے مذاق ومشرب کے موافق اپنی راہ میں چلتا ہے اور یہ ہر ایک کیلئے ازلی توفیق وتقدیر ہے چنانچہ بعضے معرفت میں اور بعضے توحید میں اور بعضے محبت میں اور بعضے عشق میں اور بعضے شوق میں اور بعضے ارادت میں اور بعضے حالات میں اور بعضے معاملات میں وان ہیں اور ابتدائی مریدوں کا حال درمیانی درجہ والوں سے نہیں ملتا ہے اور درمیانی والوں کا حال عارفوں سے نہیں ملتا ہے اور عارفوں کا حال انبیاء ومرسلین سے نہیں ملتا ہے۔ اقول انبیاء ومرسلین کا حال سید المرسلین وخاتم النبیین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتا ہے بقولہ تعالیٰ تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض۔ اور شیخ ابن العربی نے کہا کہ اس امت مرحومہ پر جو معارف منکشف فرمائے وہ سابق میں مطلقاً مسدود تھے اور وجہ انسداد یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نہیں کیا تھا اور اسی واسطے جو انبیاء کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب گذرے انکو سابقین سے اولوالعزمی ہے سوائے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے کہ ملت حنیفیہ کے سردار ہیں اور یہ حال بجز ذات پاک باری تعالیٰ جل سلطانہ کے مخلوق نہیں جانتی اور مترجم ان مقامات میں کلام نہیں کر سکتا اسکو تو اپنی مغفرت کے لالے ہیں اللہم اغفرلی بلطفہم علیہم السلام۔ شیخ نے لکھا کہ ان سب کے علوم ومعارف مقدر ہیں اور اختلاف مرتفع نہیں ہے قولہ تعالیٰ ولا یزالون مختلفین یعنی احوال ومقامات وافعال میں مختلف رہیں گے۔ الا من رحم ربک سوائے اسکے جس پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا یعنی اسکو مقام غیبت وفناء میں داخل کر لیا تو وہ انوار قدم وسطوات ازل میں سرفراز ہے یا جسکو مقام سکر وتلوین سے نکالکر مقام ہوشیاری وتمکین میں داخل کر لیا تو وہ سب پر مطلع ہو جاتا ہے تو اس سے کسی کو مخالفت نہیں ہو سکتی ہے اقول جملہ انبیاء اس شان سے موصوف ہیں خصوصاً آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی واسطے اکثر انبیاء کے احوال آپنے بیان فرمائے اور بسا اوقات حضرت یونس کو ترجیح دی اور کبھی لوط کو الغرض یہ اطلاع کامل کا سبب تھا اور شاید کہ یہ مرتبہ کسی دوسرے نبی کو حاصل ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ نے لکھا کہ قولہ تعالیٰ ولذلک خلقہم یعنی اُن کے جوہر اصلی اسی طرح پیدا فرمائے ہیں کہ مقامات ودرجات میں اسطرح مختلف ترقی کریں اور یہ طریقہ آلہیہ سب اہل الحق میں برابر جاری ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ قد علم کل اناس مشربہم الآیۃ کی اشارت سے ظاہر ہے اور شاید ایسا ہو کہ ابتداء میں سب کو مختلف اوضاع سے ترقی کرنے کے لیئے مخلوق فرمایا اگرچہ آخر وانتہاء میں سب متفق ہیں چنانچہ ان مقامات ودرجات میں انکو رسوخ ہے اقول فیہ نظر کیونکہ کوئی اس حد تک نہیں پہونچا جس حد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصل ہیں اور علی ہذا کسی نبی کا صدیق اس حد تک نہیں پہونچا کہ جس حد تک آنحضرت صلعم کی صدیق حضرت ابوبکر کو وصول ہوا کیا تو نہیں دیکھتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امتی ہونے کی تمنا فرمائی اور یہ نہ تھا مگر قرب منزلت واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ نے کہا کہ ممکن ہے کہ سب کے سب رحمت کیلئے پیدا ہوئے ہوں یعنی بعد عبور احوال واعمال کے انتہار میں موافقت ہوگی۔ شیخ نے اسکے معنی یہ بیان کئے کہ جب

مشاہدہ تک وصول ہوا تو وہاں اونچے نیچے درجہ کا امتیاز نہیں رہتا ہے کیونکہ وہ منزل شرف وقربت ہے اور حق تعالیٰ ان سب پر رؤف رحیم ہے بقول ع اذا طلع الصباح لنجم راح ؛ تساوی فیہ سکران وصاحی یعنی صبح جب طلوع ہوئی تو مدہوش وہوشیار سب پر یکسان طلوع ہوتی ہے۔ شیخ جنید رحمہ اللہ نے ظاہر کے موافق یوں تفسیر کے اشارہ میں کہا کہ سب کو اختلاف کیلئے پیدا کیا کیونکہ اگر موافقت کے لیے پیدا کیا ہوتا تو اسکے سوائے غیر کی طرف رجوع نہ کرتے باستثنا ان لوگوں کے جن پر رحمت فرمائی تو انکو انوار موافقت سے تائید فرمائی پس انھوں نے اتباع رسول میں خوب استقامت ومضبوطی کی اور غیروں کی طرف کچھ التفات نہیں کیا پھر حق تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو ان قصص کے فوائد سے آگاہ فرمایا بقولہ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِي
اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے ثابت کریں تیرا دل اور آئی تجھکو

هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝
اس صورت میں تحقیق بات اور نصیحت اور سمجھوتی ایمان والوں کو

وَكُلًّا ۔ اسے دکل بنا اور ہر قصہ کہ نَقُصُّ عَلَيْكَ جو تجھ پر ہم سناتے ہیں مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ ۔ رسولوں کے اخبار سے یعنی رسولوں کے حالات جو ادائے رسالت وقوم کی سرکشی وایذا کے اور رسول ومومنوں کی نصیحت نہ ماننے اور ان کو ہاتھ وزبان سے ایذا دینے اور آخر رسول ومومنوں کے غالب ہونے وقوم کافر کے ہلاک ہونے کے گذرے ہیں ہم تجھکو ان میں سے سناتے ہیں دو فائدہ کیلئے۔ اول مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۔ وہ قصہ کہ جس سے ہم تیرے فواد کو مستقل وثابت رکھیں یعنی تجھکو اپنی قوم کے کفر کرنے اور دوزخ کیلئے ایذا دہی ہونے سے رنج وغم محن نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو اسی واسطے پیدا کیا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ سب تجھ پر ایمان لاویں اور تجھکو ادائے رسالت پر طمانیت وصبر حاصل ہو اور قوم جاہل کی اذیتیں برداشت کرے کیونکہ اگلی قومیں بھی گمراہی کرتی رہیں آخر ہم نے اُن کو ہلاک کیا اور تیرے پروردگار کا کلمہ ٹھیک ہوا پس تو قوم پر رحم کر کے مضطرب مت ہو کیونکہ حکمت الٰہیہ واسکی حجت بالغہ ومشیت تامہ اور چیز ہے جس سے کسی کو ماہیت کی آگاہی نہیں ہے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے جسکو اسنے سعید کیا وہ رسول پر ضرور ایمان لائیگا اور اسکی آنکھوں میں حق آئینہ کی طرح نظر آویگا اور جو شقی ہے وہ اُلٹا دیکھے گا پس تو ان حالات وقصص سے علوم الٰہیہ حاصل کرکے ثابت ومتمکن ہوگا اور دوسرا فائدہ یہ کہ ۔ وَجَآءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ ۔ اور تیرے پاس اسمیں حق آیا۔ قولہ فی ہذہ یعنی اس سورہ میں یہ ابن عباسؓ وجماعت نے کہا ہے۔ کذا فی تفسیر الحافظ اور سراج میں کہا کہ یہی اکثر کا قول ہے۔ قال الحافظ قتادہ نے کہا فی ہذہ اے فی ہذہ الدنیا۔ اس دنیا میں اور سراج میں اسکو حسن رح کا قول بیان کیا اور رازی رح نے کبیر میں کہا کہ یہ بعید ہے مقام کے لائق نہیں ہے کیونکہ دنیا کا ذکر اوپر نہیں آیا جس کی طرف ضمیر راجع ہو اگر کہا جاوے کہ حق تمام قرآن میں آیا ہے اس سورہ کی کیا تخصیص ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں بیشک لیکن سورہ کی بزرگی کے لئے فرمایا ہے۔ اقول میرے نزدیک سوال وجواب دونوں وارد نہیں اسلیئے کہ مقصود نقص علیک سے وحی فرمانا اور وہ تمام قرآن ہے کیونکہ وحی خالص ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ اور انبیاء کو معجزات وآیات دی گئیں اور مجھے وحی خالص دی گئی تو مجھے اُمید ہے کہ قیامت میں میرے تابعین سب سے زیادہ ہوں اقول یہی ظاہر ہوتا جاتا ہے اسلیئے کہ اور اُمتیں تحریف وتبدیل وخودرائی سے بہت قلیل رہیں اور چند روز بعد سے برائے نام یہودی یا عیسائی رہ گئے

ان مین سے کوئی بھی اپنے پیغمبر کی راہ پر نہین رہا بخلاف مسلمین کے کہ ان مین ایسا نہین ہوا اور دوسرے فائدہ کا تتمہ فرمایا ﴿وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ - اور نصیحت و ذکر ہے مومنین کیلئے یعنی اسمین تیرے لیئے حق آیا اور مومنون کے لیئے نصیحت ہے اور برابر اور دن کے حال سے عبرت ہے اس شان مین مومنون کو اسواسطے مخصوص فرمایا کہ شقی و کفار اس سے منتفع نہین ہوتے بلکہ منہ موڑتے ہین - واضح ہو کہ یہ آیت صریح ہے کہ تمام قصص مین جو حالات مندرج ہین اور جن سے اگلی اُمتون کو عذاب ہوا وہ اس اُمت کے لیئے نصائح ہین کہ ویسا نہ کرین چنانچہ نحس و تطفیف جو مدین کا پیشہ تھا اُس سے آنحضرت صلعم نے اُمت کو خوب منع فرمایا پس عوام یا خواص جو ان قصص کو فقط کہانی کی طرح سنتے ہین محض جہالت ہے یا لغو ہے اپنے آپ کو ظاہر و باطن ان قومون کی حرکات سے بچاوین اور ان قومون کے تذکرے جب سنین تو عبرت کرین اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگین کیونکہ آخر وے سب بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق تھے اور وہ پاک غنی و حمید ہے ہماری اسکو کچھ پرواہ نہین ہے اور رؤف رحیم ہے کہ عاجزی کرین تو ہم کو اللہ تعالیٰ مغفرت و نجات عطا فرماوے اللھم اغفر لنا وارحمنا وانت خیر الراحمین ف فی العرائس قولہ تعالیٰ وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک - شیخ نے کہا کہ واضح ہو کہ عارف جب ازل کے مقام پر پہونچا اور وہان اُسنے کشف سے صفات و ذات کے عجائب دیکھے تو اپنی شان سے متعجب ہو کر گمان کرتا ہے کہ یہ منزلت کسی اور کو نصیب نہین ہوئی خصوصًا ابتدائے حال اور یکایک کشف مین متحیر ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مین اس کشف مین فرد ہون بس حق عز و جل نے آنحضرت صلعم کو اول انبیاء کا حال سنایا کہ جس سے معلوم ہو کہ یہ واقعہ عجیب آپ ہی کے ساتھ نہین ہے بلکہ عارفین کے ساتھ معروف ہے اور صدیقین و مرسلین کے ساتھ علی قدر مراتب واقع ہوا حتی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ازل مین اپنے اولیاء کیلئے جاری فرمایا اس سے آپ کو فرحت و سرور حاصل ہوا اور آپ معلوم فرماوین کہ اس قبولیت کو حوادث سے تغیر نہین ہوتا ہے وقد قال تعالیٰ سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا - اور جو چیز علماء و اولیاء کے نزدیک معروف ہے اسمین معارضات و شبہات کو دخل نہین ہوتا ہے اقول شیخ رحمہ اللہ نے یہ نہایت نفیس قاعدہ ذکر کیا کہ اہل علم و متدین متقی لوگون کے نزدیک جو بات معروف ہو اگر کسی وقت مین کوئی جاہل اسکو اپنی رائے کے خلاف سمجھے تو اسکا شبہہ و معارضہ باطل اور وہ خود جاہل ہے اور اسی قاعدہ مین جملہ اہل عقل کا اتفاق ہے اسی واسطے جو امر کہ ہزار برس پہلے واقع ہو چکا اور اُس کی تحریر ہزارون آدمیون کے ہاتھ سے ہاتھون ہاتھ ہم کو پہونچے تو قطعی یقین ہے کہ بیشک یہ خبر صحیح ہے اور یون ہی واقع ہوا اور کسی جاہل کا شبہہ کچھ معارض نہین اور اس مین اسکی ضرورت نہین ہے کہ مین بیان کرون کہ مجھ سے فلان شخص نے بیان کیا اور فلان شخص سے فلان شخص نے بیان کیا اسی طرح ہزار برس تک سلسلہ پہونچاؤن مثلاً قرآن مجید مین کسی قوم کو کلام کرنے کی مجال نہین جبکہ اسکے حافظ آجتک ہزارون موجود ہین اور قاری بے انتہا ہین اور ہر مسلمان اسپر اپنی جان فدا کرتا ہے تو بلا شبہہ یہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور صحابہ و تابعین و پچھلون نے اسی پر عمل کیا اسیواسطے رافضی فرقہ کا دھوکا دینا کہ اسمین کچھ اور بھی تھا محض کفر و جہالت ہے اور ہرگز اس قول کا کچھ اثر بمقابلہ حفاظ و قرار کے نہین ہے پس جب اسمین موجود ہے کہ قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جہنم الآیہ یعنی تو کافرون سے کہدے کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤگے اور حشر کیئے جاؤگے جہنم کی طرف - یہ دائمی معجزہ ہے اور مراد اس سے کفار یہود ہین چنانچہ یون ہی واقع ہوا اور اسمین ہے کہ کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ الآیہ - اس سے قطعی ثابت ہوا کہ یہود سب کے سب منتظر بعثت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور کافرون بت پرستون پر آپکے ظہور کی دعائین مانگتے اور آپکے طفیل و واسطہ سے فتحمندی چاہتے تھے

پھر بعد ظہور آفتاب رسالت کے نہ پہچانا اور کافر ہو گئے اس سے ضرور ثابت ہوا کہ تمام قوم یہود میں توریت کی بشارت سے آنحضرت صلعم کی بزرگی و فضائل کا اشتہار قطعی تھا حتی کہ اپنے پیغمبر کے بجائے آنحضرت صلعم کے نام پاک سے استفتاح کرتے تھے۔ یہ حال ہم کو قطعی معلوم ہو گیا اور یہ واقعہ ان یہودیوں کے منہ پر انکا فعل مارا گیا اور سچ صریح تھا تو سب یہودیوں نے گردن جھکائی۔ پھر اب اگر کوئی قوم ایک کتاب لا دے اور کہے کہ یہ توریت ہے اسمیں کہیں ذکر نہیں ہے تو بالکل اسکا دعوی مسلم نہ ہوگا کیونکہ جو بات قطعی معلوم ہوئے اور اسطرح معروف و مشہور ہے اسکے مقابلہ میں کسی جاہل کا فریب دھوکا کچھ بھی نہیں کر سکتا اسی طرح جو معجزات و واقعات حضرت موسی علیہ السلام یا حضرت عیسی علیہ السلام کے قرآن پاک میں موجود ہیں سب اعلان و اشتہار کے ساتھ قطعی ہیں لہذا اسکے برخلاف اگر کوئی شخص کہتا ہے یا کوئی کتاب دکھلاتا ہے تو اسکا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ ہم قطعی یقینی چیز کو چھوڑ کر کیسے ایک جھوٹے آدمی کی بات جسکا اسوقت وجود بھی نہ تھا مان لیں گے اور ماننے والا کیسا بیوقوف جاہل ہوگا اسی طرح جو معجزات اس حد شہرت تک پہونچے اس زمانہ میں اگر انکو کوئی نہ مانے تو وہ بالکل جاہل ہے جب اسطرح ایک کتاب سچائی میں عرش پر ہے اور نیکوں کے سینہ میں محفوظ ہے تو جو شخص اسکو سچ نہ مانے اور کسی مؤرخ کی تاریخ پوچھ پوچھ کر ڈھونڈھے حالانکہ مؤرخوں کا دروغ و تراش و خراش اور بے پر کی اڑانا خوب معلوم تو اس شخص سے بڑھکر کون اجہل و احمق بیوقوف ہوگا اگرچہ وہ دنیا ملعون کو بغل میں دیو بیچ کر خود بھی ملعون ہو گیا اور دنیا میں بڑا عزت والا ہو کیونکہ محبت دین کی سمجھ میں ہے اور دین کو اللہ تعالی نہیں دیتا مگر ایسے بندہ کو جو اسکو محبوب ہے اور دنیا تو محبوب کو اور مردود کو بہت دیدیتا ہے یہ اصل شریف لطیف یاد رکھو تاکہ تم کو شیطانی آدمی فریب دیں اور اب تم سمجھے کہ شیخ نے کہا کہ جو بات علماء و اولیاء کے نزدیک معروف ہو وہ کسی شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے نہیں ہلتی ہے اور لکھا کہ شیخ ابوبکر الکتانی نے کہا کہ میں نے شیخ جنید رحمہ سے پوچھا کہ سچی حکایات جنکی سچائی یقینی ہے یہ کس حکمت سے دنیا میں جاری ہیں فرمایا کہ وہ ہیں یہ اللہ تعالی کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں جن سے مریدوں اور آخرت کے طلب کرنیوالوں کو عبرت و تقویت حاصل ہوتی ہے میں نے کہا کہ اللہ تعالی کی کتاب پاک سے اسپر دلیل ملتی ہے فرمایا کہ ہاں قولہ تعالی وکلا نقص علیک من انباء الرسل الآیۃ۔ قولہ وجاءک فی ہذہ الحق مترجم نے بزرگوں کے کلام سے سمجھکر جا بجا کہنا یہ کیا ہے کہ جیسے نماز و دیگر اعمال و افعال ظاہر ہیں کوئی جسم نہیں رکھتے ہیں لیکن فی نفسہ حقائق ہیں لہذا روح و جان دقوی سے سوائے جاہل کے کوئی منکر نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت میں موجود ہیں اگرچہ جسم نہیں ہیں اسی طرح الفاظ و معانی میں سمجھو پس لفظ بحسب المعنی اپنے مقام سے متصل ہے حتی کہ جو کلام محض فحش و شہوت ہو وہ اپنی مستقر جہنم سے واصل ہے لیکن جہنمی لوگ ہی اندھے بہرے ہونگے تو ان کو اتصال نہیں سوجھتا بخلاف اہل جنت کے کہ عرش کلام کا اتصال انکو مکشوف ہوتا ہے چنانچہ شیخ رحمہ اللہ نے یہاں قولہ وجاءک فی ہذہ الحق۔ میں تصریح کر دی کہ ان خطابات میں ہر خطاب کے اثر میں جمال حق کا انکشاف تجکو ہوتا ہے اور موافق خطاب کے صفت کا انکشاف ہوتا ہے چنانچہ جہاں خطاب بشان کبریائی ہے یعنی اس خطاب سے شان کبریائی سے خبر دی گئی وہاں تجھے صفت کبریا منکشف ہوتی ہے اور یہی حال ان آیات کا ہے جنمیں عزت و جلال و عظمت و قدم و بقا سے خبر دی گئی ہے اور جہاں ذات پاک سے اخبار ہے وہاں تجھے ذات صرف کا انکشاف ہوتا ہے اقول یہاں اگر وہم ہو کہ یہی مراتب انکشاف کے امت کو بھی ہوتے ہیں چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے تمام جہان سے سوائے اپنی ذات کے محبوب ہیں اور آپنے خطاب فرمایا کہ کوئی مومن نہیں جبتک مجھے اپنی جان سے

بھی زیادہ محبوب رکھے تو اس خطاب کے انکشاف ہوتے ہی فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے میری
جان سے بھی زیادہ محبوب ہین فرمایا کہ ہان اب ایمان کامل ہوا پس جب اُمت کو یہ انکشاف ہو تو شان نبوت مین فرق کیونکر ہو
جواب یہ ہو واللہ اعلم کہ یہان زمین وآسمان کا فرق ہو اور التباس مذکور صرف لفظ کے یکسان ہونے سے پیدا ہوا اور بات یہ ہو
کہ مدارج نبوت کو کوئی شخص نہین پہونچ سکتا کیا تو نہین جانتا کہ نبوت فضل الٰہی ہو اسمین عبادت وطاعت وغیرہ کسی سبب
کو دخل نہین ہے دیکھو بعض صحابہ جنھون نے ہمیشہ عبادت وروزے وغیرہ کا اور کھانے پانی وسونے وعورتون سے الگ رہنے
کا قصد کیا تھا تو یہی کہا گیا تھا کہ آنحضرت صلعم کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اول وآخر سب مغفرت فرمائی ہے ہم لوگ آپکا سا نہین کر سکتے
ہین اور مراد یہ تھی کہ آپ ازلی مغفور تھے اور ازل ہی سے تمام خلق الٰہی سے اشرف ومحبوب تھے اور دوسرون کو یہ مرتبہ حاصل نہین ہو
پس تمام قرب انکشاف وغیرہ مین وہ درجہ خاص ہے جو فضل نبوت ورسالت کا ہوتا ہو کہ کسی نبی کو بھی مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے حاصل نہ تھا اور دوسرون کو اپنی اپنی قدر کے لائق ہے اور ہر اُمت مین سے کوئی کیسا ہی مقرب ہو کسی درجۂ نبوت سے
مشابہ بھی نہین ہوتا اور اگر وہم ہو کہ مثلاً صحیح حدیث مین ہو کہ سچا خواب نبوت کے اجزا مین سے چھیالیسوان جزو ہو تو سمجھو کہ اس سے
مقصود انفتاح اغلاق قلب وسلامتی ہو نہ مشابہت ہان البتہ اُمت مین سے صدیق کا مرتبہ سب اعلیٰ وافضل ہوتا ہے اور ہر نبی
کا صدیق اپنے نبی کے درجہ سے ملحق ہوتا ہے لیکن صدیق کا درجہ انتہائی متصل با بتدائے درجہ نبوت ہو اور اس سے نبی کے
ابتدائی درجہ کا بھی خیالی تصور آدمی کو ہو سکتا ہے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ۔ شیخ نے لکھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی
درجہ پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپکے بھائی دوسرے انبیاء کے احوال ذکر کرنے سے آپکو تقویت فرمائی تا کہ عجائب واردات کے
متحمل ہون پس جب اسمین قوی ہوئے تو کشف جمال وجلال مین ثابت وتمکین فرمایا جس سے بمجرد قدم کے تجلیات سے عبور
کرین اور کرامات وامتحانات سے متغیر نہ ہون اقول اگر کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو انبیاء سابقین کے احوال
سے تثبیت فرمانے کا قول اور آنحضرت صلعم کے سب سے افضل ہونے کا قول ان دونون کی تطبیق کیونکر ہے تو جواب یہ ہو کہ جب
کسی معزز کو یا جسپر شفقت زیادہ منظور ہو احسن الوجہ سے تعلیم کرنا منظور ہو تو کہتے ہین کہ فلان شخص نے ایسا کام کیا تھا اُسکو آخر
عتاب کیا گیا اور فلان مرد نیکوکار نے ایسے طریقہ سے یون انعام حاصل کیا اور فلان شخص نے اسطرح نہ کیا ورنہ اسکو درجہ ملتا چنانچہ
اس امت مرحومہ کو جو نہایت رحمت سے کمال ایمان وکمال قرب عطا فرمایا وہ قرآن پاک کے وقتاً فوقتاً نزول سے خوب ظاہر
ہے چنانچہ مثلاً یہود ونصاریٰ نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب دوست قرار دیا اسکو رد فرمایا تو اس اُمت مین کوئی شخص ایسی گستاخی
نہ کریگا بلکہ ادب سے اپنے کو ہمیشہ قصور وار بندہ سمجھیگا اور یہود نے آخرت کو اپنے لئے خاص کیا تو اُنکو فرمایا کہ قل ان کانت لکم الدار
الآخرۃ عند اللہ الآیۃ پس صلاحیت وحسن یقین پر بھی بندہ اسکی جرأت نہ کریگا ولیکن حتمی وعدہ یا غالب اُمید پر موت کو محبوب رکھنے کا
اشارہ ہو حالانکہ اگر حکم دیا جاوے تو شاید اکثر اسکی کراہیت کی وجہ سے منکر ہو جاوین حاصل کلام یہ ہو کہ اگلی اُمتون کے حسن وقبح
سب اس کمال سے بیان فرمائے کہ نفس وشیطان کو اہل یقین کے دل مین خلاف راہ مستقیم بہکانے کا موقع نہ رہا اور یہ بات
سوائے عالم الغیب خلاق علیم عزوجل کے کوئی نہین جانتا اور کسی کلام مین یہ بات ممکن نہین ہو اگر میرا مقصود کوئی سمجھ جاوے
تو اسکو قرآن پاک کے نہایت عظیم معجزہ ہونے مین شک نہین ہو سکتا اور دوسرے یہ کہ اہل یقین کو عبرت ونصیحت جدید ہر مقام پر

وہان کے مکائد ومکر سے بچنے اور استقامت پر رہنے کے لیے اس طرح ہے کہ عمدہ باتون پر عمل کرین اور ناکارہ ومضر باتون سے
پرہیز رکھین اور رسالت مین تو یہ بھی ضرورت ہو کہ قوم کے ساتھ ایسے برتاؤ سے یہ نتیجہ اور اسطرح معاملت سے وہ نتیجہ ہوتا ہے
اور دونون کا انجام ثواب وغیرہ کا بھی معلوم ہوجاتا ہے پس آنحضرت صلعم کے واسطے اگلے انبیاء کے قصص سے یہ مراد ہے کہ حضرت
یونس علیہ السلام اسطرح مناسب ہوکر مچھلی کے پیٹ مین اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ خود دعا کرکے لیا پھر ایک رہا شدہ
قیدی سے اپنا حال بادشاہ تک پہونچانے کا تذکرہ کیا اور مترجم کو یہ مجال نہین ہے کہ حضرت حق جل شانہ اور اسکے مخلص محبوب
انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کرے اور کچھ سمجھے مجھے اللہ تعالیٰ معاف فرماوے اس سے مراد یہ ہو کہ اسطرح تعلیم وتقویت فرمائی اسیواسطے
آنحضرت صلعم نے یونس علیہ السلام کی تعریف فرمائی اور حکم دیا کہ مجھے یونس بن متی پر تفضیلت مت دو اور فرمایا کہ رحم اللہ لوطا ان کان
لوط پر اللہ رحم کرے وہ آکر
لیاوی الی رکن شدید الحدیث یعنی اگر مین یوسف کے برابر بہت مدت قید خانہ مین پڑا رہتا تو بلانے والے کا کہنا مان لیتا۔ اگرچہ
علماء نے کہا کہ یہ امتحانات اللہ تعالیٰ نے بزرگی بلحاظ عصمت الٰہی عزوجل ظاہر ہونے پر کئے ہین اور خود انبیاء علیہم السلام معصوم ہین پس
یعنی تاکہ امتحان سے بزرگی ظاہر ہو ۱۲
تثبیت نبوت ہو اور اسی طرح امت کو انکی قدر کے موافق اگلی امتون کے ذکر سے مستقیم ومضبوط فرمایا۔ شیخ رحمہ اللہ نے لکھا کہ اگلے
انبیاء کے قصص سے اور ان کے بیچ موادسے آنحضرت صلعم کو تثبیت فرمائی اور امت مرحومہ کو آپکے احوال سے تثبیت فرمایا تو دیکھنا
چاہیے کہ سبحان اللہ تعالیٰ اس امت کا بھی کیا بڑا مرتبہ ہے جسکی تثبیت اسکے پیغمبر کے احوال سے منظور ہوئی اقول اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی وجہ کہ تمام انبیاء کے سردار ہین اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی کبریائی کے صدقہ مین آپکی امت کو آپکے پسندیدہ طریقہ
مسلمون پر فدا کردے کہ آپکی اتباع مین حق سبحانہ تعالیٰ کو جانین ودیعت سپرد کردین اور شیخ نے لکھا کہ اس قول کی تصدیق
کیلیے میرے پاس دلیل یہ کلام پاک ہو کہ فرمایا وموعظۃ وذکری للمؤمنین۔ قرآن مجید کا ظاہر تو عمل کرنے والون اور ان کے
اعمال کی خوبی ونیکی کے لیے موعظت ہو اور قرآن کے حقائق ان لوگون کے لیے نصیحت ہین جنکو معائنہ سے عین الیقین حاصل
ہوا ہے سبحان اللہ تعالیٰ کیسا پاکیزہ کلام ہے کہ ہر شخص اس سے اپنی حالت وسمجھ وادراک کے موافق معرفت حاصل کرتا ہو پس
عام لوگ تو قرآن مجید کے ظاہر سے لپٹے ہوئے ہین اور خواص اسکے باطن پر جان دیتے ہین اور جو لوگ کہ خاص الخاص ہین وہ
اسمین تجلی حق سبحانہ دیکھکر عجب نور مین ہین کہ آفتاب ہزارون وہان ذرہ سے کمتر بلکہ بے مناسبت ہین اور واضح ہو کہ قرآن
کی حقیقت تو صفت ازلیہ ہو تو جب حقیقت قرآن کسی پر منکشف ہوئی تو صفت الحق عزوجل کی تجلی منکشف ہوئی چنانچہ
حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندون کیواسطے قرآن مین تجلی فرماتا ہو شیخ ابویزید رحمہ اللہ
نے کہا کہ بندہ مومن اپنی لیاقت کے اندازہ پر قرآن کے فوائد سے آگاہ ہوتا ہے تو جس نے دوسرے بندہ اپنے مثل سے سنا
تو گویا اسنے علم احکام کو موعظت نبوت سے سنا پس جس نے حکم پر یقین سے سنا اسکا ظاہر منور وباطن نرم وخشوع وخضوع
کے ساتھ محبت مین گرم وسینہ کھل جائیگا اور جس نے اسکو زبان جبرئیل علیہ السلام سے سنا گویا وہ وحی کو حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر ادا کرتے ہین تو وہ غیب کے مطالعہ اور اسکے وعدہ ووعید کے معائنہ سے سرفراز ہوا جبکہ اپنے حواس ظاہرہ
سے بالکل بیخبر ہوگا اور جس نے اسکو حق سبحانہ تعالیٰ عزوجل سے سنا وہ فنا ہوکر تحقیقی صفات کیساتھ باقی ببقاء حق عزوجل
ہوگیا یعنی حق الیقین کے درجات مین علم الیقین وعین الیقین حاصل ہین کذا ترجمۃ مافی العرائس اور سراج مین قولہ وجاءک

فی ہذہ الحق الآیۃ کے تحت مین لکھا کہ حق کے معنی سے اشارہ ہی قرآن مجید کے سچے صاف روشن دلائل کی طرف جو اسمین توحید و عدل و نبوت و دار الآخرت کی تحقیق پر مذکور ہین اور موعظت سے اشارہ ہے اس دنیا سے ضروری سفر کرنے پر اور یہان کے حالات کی قباحت و برائی و رسوائی و خواری پر جس سے آدمی پرہیز کرے جیسے اندھا کسی آنکھون والے کے بتلانے پر یقین کرکے ہاتھ بڑھا کر نجاست کو نہین چھوتا ہے یا سانپ کو رسی سمجھکر نہین پکڑتا ایسے ہی رسول علیہ السلام کی موعظت سے مومنین کا حال ہے کہ آخر مین وے خود رسول رسول اور آنکھون والے ہوجاتے ہین اور ذکری سے ان اعمال کی طرف اشارہ ہی جو دار الآخرۃ مین نافع ہین اور لکھا کہ جب اس حد تک اللہ تعالیٰ نے عذاب سے ڈرسنایا اور ثواب کا وعدہ دیا اور ترغیب و نصیحت کو کامل فرمایا تو آخر مین تہدید کو ختم فرمایا یعنی کلام با بعد اور اسکے ضمن مین دلیل تحقیق وعدہ و وعید فرمائی کہ خالق خود غیب جاننے والا ہی تو سب حق ہے چنانچہ فرمایا۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝

اور کہدے اُن کو جو یقین نہین کرتے کام کیے جاؤ اپنی جسگہ ہم بھی کام کرتے ہین

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہین اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانون اور زمین کی

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ

اور اُسی کی طرف رجوع ہی کام سارا سو اُسکی بندگی کر اور اُسپر بھروسا رکھ اور تیرا رب

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

بیخبر نہین جو کام کرتے ہو

وَ قُلْ - اور کہدے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم - لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ - ان لوگون کو جو ایمان نہین لاتے یعنی قرآن مجید و اسکے احکام پر تیری رسالت کی تصدیق کرکے - اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ - کام کیے جاؤ اپنی حالت پر شعبہ کی قرأۃ مین مکانات بلفظ جمع ہی اور قتادہ رح نے کہا یعنی منازلکم اپنے ٹھکانون پر اور مقصود یہی ہے کہ جس حال پر ہٹ کرتے ہو اسی پر چلے چلو اور یہ حکم دنیا ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا - واستفزز من استطعت منہم بصوتک واجلب علیہم بخیلک الآیۃ - اور مراد اس سے سخت تہدید ہے یعنی نصیحت سے راہ پر آنے سے مایوسی ہے تو عذاب الٰہی کے منتظر ہو - اِنَّا عٰمِلُوْنَ ہم بھی اپنے اعتقاد توحید و طاعت پر کام کرتے ہین جیسا ہمکو پروردگار نے حکم فرمایا ہے وَانْتَظِرُوْا اور انتظار کرو اس سزا کا جو تمکو نافرمانی کرنے کی صورت پر وعید کی گئی ابن جریج نے کہا کہ ان وعدون کا جو دنیا کی زینت دکھلا کر تم کو شیطان وسوسہ دلاتا ہے اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ - ہم بھی منتظر ہین کہ پروردگار نے جو ہم کو نیک وعدہ دیا وہ اسکے فضل سے حاصل ہو اور تم خوار ہو جاؤ جیسے فرمایا قل للذین کفروا ستغلبون و تحشرون الی جہنم الآیۃ یا ہم بھی تمہارے بد انجام و عذاب کے منتظر ہین پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ پاک کا خاتمہ تمام اسرار کا جامع مجموعہ ذکر فرمایا بقولہ - وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہی جو مخلوق سے غائب ہے آسمانون و زمین مین اور مراد اس سے علم ہے یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کیلیے مخصوص ہی از انجملہ مخلوق مین سے ہر ایک کا انجام کہ وہ سعید ہے یا شقی ہے اگرچہ بالفعل کافر و بدکار ہو اسیواسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش و عرب کے حق مین موافق حکم کے انتظار کیا اور بددعا نہین کیا کہ تم بہت

جہنمی ہوا ور دیکھو جب بعض احیار عرب نے بعضے پرہیزگار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بڑی تکلیف کے ساتھ غدر و بدعہدی سے قتل
وشہید کیا تو آپ نے رنجیدہ ہو کر اُنکے حق مین لعنت فرمائی اور بددعا کی کہ ہمیشہ کیلئے رحمت آلہی سے دور ہون اور یہ اسطرح ہو گا
کہ وے کفر و شرک و نفاق پر مرین تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لیس لک من الامر شیء الآیۃ اور وجہ یہی ہو کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو
ہے ابولہب و ابوجہل وغیرہ کو ارشاد و ہدایت کرنیکا حکم پیغمبر صلعم کو دیا ولیکن غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہو اور فائدہ اسمین یہ تھا کہ انپر
حجت پوری ہو اور مومنون کے درجات اس کام مین بلند ہون جو ان کافرون کی ایذا اُٹھاتے تھے اور کبھی اپنے حبیب مصطفےٰ
سید الانبیاء علیہم السلام کو بعض احوال غیبیہ واقف کر دیا اسیواسطے ایک مرتبہ جب ابوجہل نے آنحضرت صلعم سے بیہودگی کے ساتھ
تمسخر کیا اور کہا کہ یہی کہتا ہو کہ جو مجھے نہ مانے وہ جہنمی ہوگا حالانکہ یہ فقیر و ذلیل ہو اور اپنے آپکو اس ملعون نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک
معظم و مکرم سمجھا اس گمان سے کہ وہ سردار و رئیس بنایا گیا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہان اسمین کچھ شک نہین اور
تو بھی ایک جہنمی ہو پس یہ کلمہ آپنے بعد مطلع ہونیکے فرمایا اور اس مقام پر تمام نصیحت و پند و ترغیب ترہیب و تعلیم و ارشاد فرما کر رسول
اکرم صلعم کو انتظار کا حکم دیا اور یہ سخت تخویف ہو پھر علم غیب اپنے واسطے مخصوص فرما دیا جس سے معلوم ہو گیا کہ اس ہدایت
کا مفید ہونا جنکے لیے ہو گا اُسکا علیم خالق عزوجل ہو اور انتظار عذاب ۱۲ جو کچھ واقع ہو گا اس سے حق عزوجل خبیر ہے چنانچہ بڑا
گروہ مسلمان ہو گیا اور کچھ لوگ عذاب مین مبتلا ہوے انتظار کے بعد گرفتار ہوے بحکم قولہ قل للذین کفروا ستغلبون الآیۃ - اگرچہ
شان نزول اسکا یہود کے حق مین بیان ہوا ہے اور اسیواسطے حضرت سید عالم صلعم نے واقعہ بدر کے روز کفار مقتولین ابوجہل وغیرہ کو
فرمایا تھا کہ ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا کیون تم نے وہ عذاب پایا جو تم کو تمہارے رب عزوجل نے فرمان قہر سے وعید فرمایا تھا پس وعید
انتظار مین یہی نہ تھا کہ اُن پر خواہ مخواہ عذاب استیصال آویگا جیسے قوم مدین کے ساتھ واقع ہوا تھا اور یہ بھی سمجھو کہ وعدہ انتظار
سے یہ ضرور نہین ہو کہ دنیا مین ظاہری عذاب ان پر نازل ہو جاوے جو کفر پر جمے رہین بلکہ انتظار کیلئے مہلت قلیل بھی زندگی ہو
اور عمر خفیف ہونیکا حکم حدیث صحیح مین ساٹھ برس تک خود مذکور ہے پس حاصل یہ ہوا کہ پہلے ترغیب و ترہیب فرمائی پھر سخت
خوف دلانا ۱۲
خوفناک قطعی فیصلہ کر دیا کہ اے رسول حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہدے کہ اچھا اگر میری ہدایت پر اپنے خالق عزوجل کی توحید
و اطاعت نہین کرتے اور اللہ تعالیٰ کی وحی قرآن سے تم کو انکار ہے تو اپنی حالت پر کام کیئے جاؤ اور ظاہر ہے کہ اُن کا کام
مستوجب غضب آلہی تھا کہ صریح شرک و ظلم کرتے تھے اور مین اور میرے اتباع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سب اپنے اعتقاد
پر یعنی بوحی و حکم آلہی عمل کرتے ہین اور دونون کے انجام و نتیجہ کا تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہین دیکھو کون سچا ہوتا ہے
اب یہ کہ کہانتک انتظار کرین تو اُسکا وقت قطعی یہی چند روزہ زندگی کے بعد وقت موت ہو اور اللہ تعالیٰ کے غیب مین شاید
بعضون کیلئے درمیان مین دقت ہو اب واضح ہو کہ آیات پاک کا حکم تا قیامت سب کے لیے جاری ہو تو اب اسوقت مین رسول اللہ
صلعم کا نصیحت کرنا عموماً ہر شخص پر ثابت ہو جبکہ قرآن پاک ناطق ہے اور احادیث صحیحہ ظاہر و باہر ہین پس اُسی طرح نرمی و دلجوئی
سے تمام اقوام کو عموماً نصیحت ہو خواہ وہ قوم یہودی ہون یا نصرانی ہون یا اہل ہنود ہون یا اہل اسلام ہون سب پر اللہ تعالیٰ کی
یہ رحمت نازل ہو ذرا تامل سے انصاف کی نگاہ سے انجام پر غور کرین اور پہلے ہی سے نفرت و کراہت کر کے آنکھین بند نہ کرین اور
دل سے جھگڑا ہو جانا چھوڑ دین کیونکہ کیسی کھلی اور سچی بات کو جب دشمنی کی نگاہ سے دیکھو تو آدمی پر خراب خیالات چھا جاتے ہین کیونکہ

اُسنے پہلے ہی سے جھگڑالوپن کی خراب خصلت کو اپنے دل مین جگہ دیدی تھی اور دیکھو خالق عزوجل کی بندگی تو صاف صاف فرض ہو
اور اُسی کی وحدانیت سب کے نزدیک مسلم ہے پھر ایسی بات جسپر سب متفق ہین کیون چھوڑتے ہو اور جب اُسنے پیدا کر دیا تو اسکو ضرور
قدرت ہو کہ پھر جسطرح چاہے زندہ کرے اور آخرت مین بعد موت کے آرام دے یا سزا دے اور یاد رکھو کہ اگر نہ مانوگے اور اسی طرح
ہٹ کر کے اپنے خالق کی نافرمانی کئے جاؤگے تو اچھا ہی چند روز انتظار کر لو دیکھو کیا خراب انجام ہوگا اور خالق عزوجل کا علم
تو محیط ہو سب غیب اسپر اسطرح صاف حاضر روشن ہے کہ مخلوق کا وہم وہان نہین پہونچ سکتا ہے اور خود صحیح فرمایا وَاِلَیْهِ
یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّهٗ - اور امر بالکل اسی کی طرف راجع ہوتا ہے اور فرق درمیان خلق وامر کے قولہ تعالی الا له الخلق والامر
کی تفسیر مین ہو - اور بعض نے لکھا کہ معنی یہ ہین کہ تمام مخلوق کا امر سب بالکل دنیا و آخرت میں اسی کی طرف رجوع ہوتا ہے یہ جمہور کی
قرأت یرجع بصیغہ معروف پر ہو اور امام نافع وحفص کی قرأت بصیغہ مجہول یرجع بضم یا و فتحہ جیم مبنی راجع کیا جاتا ہے اور فاعل
معنا حضرت خالق الخلق والامر ہو اور اشارت یہ ہو کہ مخلوق کو جس حکمت بالغہ سے اسنے اپنے امر سے مخلوق فرمایا اسکا مرجع اسکی
طرف ہو باوجود ان تمام ظاہری اسباب سامان کے وقوع اسی طور پر ہوگا جسکو اسکا علم محیط ہو حتی کہ پیغمبر برحق کی تمام کوشش
کمال شفقت سے اور واضح دلائل وحجت سے کافرون کے حق مین بیکار رہیگی اگرچہ کوشش کا ثواب عظیم پیغمبر کو ضرور ملیگا -
اور ازل مین جو سعید ہے وہ سعادت پر کام کریگا اور انجام اسکا نیک ہوگا اور جو شقی ہو وہ کیسا ہی نیک بنے مگر انجام اُسکا
شقاوت ہو ونعوذ باللہ من الکفر والشقاوۃ - لہذا آنحضرت صلعم کو اسمین تسلی فرمائی کہ کافرون ومشرکون ومنافقون کے انکار
وہٹ سے کمال ترحم وشفقت کی وجہ سے غمناک نہ ہون اور اُنکی ایذا پر بھی صابر رہین اور اگر وعدہ عذاب دنیا مین بظاہر واقع
نہ ہو تو اسکو علم الٰہی پر حوالہ کرین اور خود فرمانبرداری پر قائم رہین لہذا فرمایا - فَاعْبُدْهُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْهِ - یعنی جب غیب
کا جاننے والا وہی تیرا رب ہے اور امر کا مرجع اسی کی طرف ہو جسکے اعتقاد سے انتظام جزا وسزا کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے تو تجکو لازم
ہے کہ اسکی عبادت پر قائم رہ یعنی جسطرح تجکو حکم ہے استقیم رہ اور مخلوق کو اچھی تدبیر وطریقہ سے ہدایت فرما اور اللہ تعالی
پر توکل کر یعنی تمام امور مین اسی پر بھروسا کر کہ وہ تجھے کافی ہو امید ہو کہ تیری ہدایت سے اہل سعادت خالص توحید پر عبادت
کرنے کے واسطے امن پاوین اور اہل شقاوت خوار ہون کہ اہل طاعت کو ایذا نہ دینے پاوین - وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ - قراۃ نافع وابن عامر وحفص مین تعملون صیغہ خطاب بالتا ہے یعنی اور تیرا رب کبھی غافل نہین ہو ان اعمال سے جو
تم کرتے ہو اگر مخاطبین فقط آنحضرت صلعم وآپکے صحابہ مومنین ہین تو انکو انکی استقامت واعمال خیر پر خوشنودی ظاہر فرمائی پس حسن
الثواب کی بڑی امید ہوئی اور اگر مخاطبین عموماً سب لوگ ہین تو مراد یہ کہ اُن مین سے نیکون کو نیک ثواب ملیگا اور بدون کو عذاب
مین گرفتار کریگا باقی ائمہ نے یعملون بیائے تحتیہ صیغہ غائب پڑھا تو ظاہر یہ تہدید اہل کفر کو ہے یعنی اللہ تعالی ورسول صلعم سے منکر ہوکر
کافر لوگ جو کچھ دنیا کی خواہش و اسکی کوشش مین کمال زینت کرتے ہین اور عاقبت واسکے سامان سے اعراض کئے ہوئے بالکل دنیا ہی
پر جھکے ہوئے ہین اللہ تعالی اُن کے اعمال سے غافل نہین ہو تنبیہ حضرت عیسی علیہ السلام کی کیفیت دنیا بسر کرنے مین یہ تھی کہ سوائے
ایک رسی و بدھنی کے اپنے پاس کچھ نہین رکھتے تھے ایک روز ایک شخص کو چلو سے پانی پیتے دیکھا تو اسکو بھی ایک فقیر کو دیدیا کہ کچھ حاجت
نہین ہو اور ایک روز میدان مین ایک پتھر سر کے نیچے تکیہ کرکے سو رہے شیطان نے کہا کہ اے عیسی تم دنیا کی آسائش کی طرف

جھکے تو سر تن سے نکال کر اسکی طرف پھینکا اور فرمایا کہ لے یہ مع دنیا تیرے لیئے ہی بالجملہ عیسائی ہرگز انکار نہین کرسکتے کہ حضرت
مسیح علیہ السلام کے پاس دنیا کی متاع مین سے کچھ نہ تھا اور انکا زہد وتقوی نہایت معروف ومشہور ہی کہ اگر کوئی انکار کرے تو جھوٹا ہی
اب انکا یہ حال اسی وجہ سے تھا کہ دنیا جملہ ملعون ہی انھون نے آخرت چاہی تو جو لوگ آخرت سے منکر اور محض دنیا کی خواہش وآرام
وآسائش مین سرگرم اور اسی کا نام تہذیب رکھتے ہین کیونکر آنحضرت کی راہ پر ہوسکتے ہین اور شیطان نے انکو بہکا دیا کہ وہ
تمھارے لئے کفارہ ہوگئے اور سارا عذاب تمھاری بداعمالیون کا اپنی گردن پر لے لیا لاحول ولا قوۃ اسقدر نا سمجھی کہ ایسا کرکے
دنیا کا مبغوض الہی وملعون ہونا بھی لوٹ دیا پس کچھ بھی شک نہین ہی کہ حقیقت مین حضرت عیسیٰ کے متبعین تو اہل اسلام ہین جو
دنیا سے اسی طرح اعراض کرنے پر کوشش رکھتے ہین اور واضح رہے کہ جن لوگون نے یہ بہتان باندھا کہ اسلام مین تعلیم ہی کہ کوشش
وتدبیر مت کرو اور فقیر ومحتاج ہوجاؤ اور ذلیل بنو - یہ بالکل غلطی ومحض نادانی ہی اسی آیت مین دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توکل
کا حکم ہے تو کیا آپ لوگون کو ہدایت کرنے سے باز رہے یا جہاد نہین کیا یا انتظام نہین کیا بلکہ توکل تو ہر حال مین اللہ تعالی پر بھروسا رکھنے
کا نام ہی اور کیا خلفاء راشدین ہمہ مین اتنی بڑی زبردست سلطنتون کے حاکم نہ تھے پھر کیا وے تجارت نہ کرتے یا انتظام نہین
کرتے تھے ولیکن آخرت پر انکو پورا یقین تھا تو رعایا ومخلوق کو آرام دیتے اور بے کار دوست ومال وجواہرات کو کچھ نہین سمجھتے صرف
بقدر کفاف اسمین سے لیتے اور برابر لشکرون کو آراستہ کرتے تھے لہذا یہ بہتان باندھنے والا محض جاہل ہی سچ یہ ہے کہ آدمی مین
بدن وروح دونون کی صفات الگ الگ ہین بدن کا اقتضاء تو کھانا طرح طرح کا مزے دار ولذیذ خوب پیٹ بھر کے موٹا ہونا
سونا وکھیلنا وجماع کرنا وتصویرین بنانا اور گلاب کا پھول جو اللہ تعالی نے پیدا کیا اسکو چھوڑ کر اپنی اوقات نقش بنانے مین
ضائع کرنا اور اس سے حماقت کیساتھ خوش ہونا یہ سب بیوقوف جانورون کے کام ہین لہذا اسلام تعلیم کرتا ہی کہ بدن سے
جانورون کے کام مت لو بلکہ کھاؤ پیو عبادت کرو اور فنون سپہگری سیکھو اور سمجھ لو کہ یہ بدن بعد چند روز کے ایک گڑھے
مین ایسا سڑیگا کہ اسکی بدبو سے تابش ہوگی اور کیڑون سے دیکھنا دشوار ہوگا رونا آویگا تو اس بدن سے ایسے نیک کام لو کہ
تمھارا ثواب باقی رہے مخلوق کو آرام دو مفلس محتاجون یتیمون اپاہج لوگون کی خدمت کرو جانورون کی طرح کھانے پینے جماع
کرنے مین عمر برباد مت کرو - ایسے ہی روح تو اسکی صفات علم ومعرفت وغیرہ ہین لیکن عام مخلوق تو اسکو ایسے علم سکھلاتے
ہین جس سے اسکو دولت ملے کہ خوب بدن کی ترتیب پرورش ہو اور اسلام سکھلاتا ہی کہ روح کے کمال ایسے صفات علم ومعرفت
سے پیدا کرو کہ باقی ودائم ہو اور روح اشرف ہی اسکو بدن کے تابع مت کرو بلکہ بدن کو روح کے تابع کرو حتی کہ بدن سے
وہ کام لو جس سے روح کو تقویت وصفائی وکمال حاصل ہوتا ہی اور بدن کے نقصانات سے مت ڈرو کہ وہ آخر فنا ہونیوالا ہی
اور اللہ تعالی نے صریح وعدہ فرمادیا کہ وقت موت مقدر ہے اسمین کمی وزیادتی نہین ہوتی ہی - بالجملہ جو کوئی اسلام سے خارج
ہو اس سے بنص الہی عز وجل کچھ قبول نہ ہوگا اگرچہ وہ دنیا مین بڑا عقلمند ہو اور آسمان وزمین بھر سونا وجواہرات خیرات
کیا کرے اب مین اہل ایمان کو فائدہ آیت سے آگاہ کرتا ہون کہ اللہ تعالی کی توحید پر مضبوط ہون اور دنیا کی زندگی پر فریفتہ
نہ ہون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم ہون اور استقامت اختیار کرین اور اسی راہ پر تمام پیغمبر گذرے
خواہ حضرت عیسی علیہ السلام ہون یا کوئی اور ہون سبھون نے اسلام تعلیم کیا اور جب یہ بات واضح ہوگئی کہ روح باقی اصل ہی

اور بدن تابع تو اب اس زمانہ میں مسلمانون نے بسبب ضعف یقین وضعف ایمان کے تمام اوصاف روحی ضائع کردیئے حتی کہ
ادنی اوصاف جو بدن کی شرکت سے ہین جیسے صدق وحیا وعفت وترحم وجوانمردی وشجاعت سب سے محروم ہو کر غیر قومون کے
مقتدی ہوگئے فاتقوا اللہ ۔ ڈرو اللہ تعالی سے اور اپنے آپس مین اصلاح کرو ۔ تنبیہ اسوقت مین کچھ اسباب ایسے جمع ہوگئے ہین
کہ اکثر مسلمانون کی نظر پھسلتی اور انکو وہم پیدا ہوتا ہے اور بہت سے لوگ جو کورباطن ودل سے کافر مگر ظاہر مین دنیا کے
عروج کے ساتھ مسلمانون کے بھیس مین ہو کر اہل اسلام کو بہکاتے ہین تو بدبخت لوگ بالکل ان کے ساتھ بے ایمان ہوتے
جاتے ہین اور اسکا علاج اسوجہ سے دشوار ہوگیا کہ طبیعت سرکش دنیا کی طرف خواہ مخواہ راغب ہوتی ہے اور علم دین مسلمانون
مین سے اٹھتا چلا جاتا ہو اور ایسے ضعف ایمان واس جہالت پر طرہ یہ ہو کہ عوام لوگ دین کی بات سننے سے گویا بہرے ہین اور علماء
اپنی معیشت کی فکر مین انکو صاف توحید سکھلانے سے گویا گونگے ہین پھر ایسی قوم مین یا تحت ہین کہ ان کو دنیا بھرپور دیدی
گئی ہے پس جو سعید کہ نصیحت سنے اور خلجان دور کرنا چاہے اسکو زیادہ خوض کی ضرورت نہین ہو صرف اس امر کو دیکھے کہ جس
قوم پر عقلمند ہونے کا گمان ہو اسنے اپنی عقل سے ایسی دانائی دکھلائی جو باقی وآخرت کیلئے مفید ہے یا فانی اور فقط بدن کی پرورش
مین مفید ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ملک یورپ کی قومین معرفت وتوحید الٰہی وباقیات صالحات مین سے جو روح کے کمالات ہین
کچھ بھی نہین رکھتے ہین اور تجارت وریل وتار برقی وکلین وغیرہ یہ سب فانی بدن کے عیش وتنعم کیلئے ہین تو صاف معلوم ہوگیا
کہ انکو عقل نہین بلکہ حواس بدنی مین تیزی ہے پس آدمی اب خود اپنے نفس کے لئے راہ اختیار کرے اگر اسکو دنیائے فانی اور
بدن کی پرورش جو عنقریب سڑ گلکر مٹ جائیگا منظور ہو تو انکی پیروی کرے اور اگر روح باقی اور دار الآخرۃ باقی ونعمتہا ئے باقی
کی خواہش منظور ہو تو جوانمردی کے ساتھ اللہ تعالی خلاق علیم کے رسولون وانبیاء علیہم السلام کی اتباع کرے اور خود حق تعالی
نے پارہ پانزدہم سورۂ بنی اسرائیل مین صاف یہ مضمون فرمادیا ہے کہ جو کوئی دنیا چاہے ہم اسکو دینگے مگر چند روز کے بعد
مر کر عذاب کے سوائے کچھ نہین پاویگا اور جو آخرت چاہے اور ایمان کے ساتھ نیک کام کرے جیسے کرنے چاہیئے ہین تو اسکی
کوشش کا شکریہ ہوگا اللہم اجعلنا مؤمنین وثبتنا علی الایمان ووفقنا لما تحب وترضی ربنا واللہ تعالی حبیبنا الدائم وہو
ارحم الراحمین فائدہ عبداللہ بن امام احمد وابن الضریس وابن جریر وابو الشیخ نے اپنی اسانید کے ساتھ حضرت کعب احبار
رحمہ اللہ سے روایت کی کہ توریت کا شروع وہ ہے جو سورۂ انعام کا شروع ہے اور توریت کا خاتمہ یہ سورۂ ہود کا خاتمہ یعنی
وللہ غیب السموات والارض آیۃ ہو ۔ واضح رہے کہ کشاف نے اور اسکی تبعیت مین بیضاوی نے یہان ایک حدیث لکھی کہ جو کوئی
سورۂ ہود پڑھے اسکو دس گونہ ثواب ان لوگون کی تعداد پر ملیگا جو نوح پر ایمان لائے وجنہون نے نہ مانا اور اسی طرح
ہود وصالح وشعیب ولوط وابراہیم وموسی پر جو ایمان لائے اور جسکا فرض ہے اور قیامت میں وہ اہل سعادت سے ہوگا
سراج مین کہا ہو کہ یہ علم حدیث سے ناواقفی ہو یہ حدیث نہین ہے بلکہ کسی نے بنا کر اسکو حدیث کہا ہے امام ابن الجوزی نے
کہا کہ موضوع یعنی بنائی وگڑھی ہوئی ہو ۔ فاحفظہ واللہ تعالی اعلم ۔ ف فی العرائس قولہ وللہ غیب السموات والارض ۔
اشارت سے ثابت ہو کہ اللہ تعالی ارواح وابدان کے غیب سے واقف ہے پس وہی خالق علیم ہے کہ اسنے کس طرح روح وبدن
کو اسطرح مرکب کیا کہ روح مین علم ذات کے اسرار وقلب مین علم صفات کے اسرار ازل سے ودیعت فرماۓ کہ جب دنیاوی

ظہور میں اس علم کا طلوع ہوا تو روح قوی و غالب بصیر و دانا ہوئی اور بدن اسکا تابع ہوکر معرفت میں کامل ہوا اور وہی مومن ہوا اور
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و سنت پر مستقیم ہوا اور وہی جانتا ہے کہ کس روح و بدن کو اسطرح مرکب کیا کہ روح تاریکی و جہالت
میں ہو اور بدن قوی و مضبوط و حواس کا تیز دنیا کی زینت میں کامل ہو تو روح مضمحل ہوگئی اور بدن غالب ہوا اور حواس کی
تیزی سے دنیا کی لذتیں و مال و متاع و شوکت و حشمت حاصل کرنے میں قوی ہوا اور روح و عقل بالکل بے نور و آخرت سے کور
و نابینا رہا۔ اور لکھا کہ غیب السموات وہ بھی ہیں جو ملائکہ کے قلوب میں مقادیر کے علوم ہیں کہ قضا و قدر کے نام سے بندوں کے
افعال پر جاری ہوتے ہیں اور غیب الارض وہ علوم و معارف ہیں جو اہل معرفت و صدق و ایمان کے دلوں میں مضمر و پیدا ہوتے
ہیں قولہ والیہ یرجع الامر کلہ۔ امر یا ان ارواح ہیں جو اپنی سعادت کے اندازہ پر صفات و ذات کی طرف راجع ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ
نے اپنی عبادت کی طرف راغب فرمایا بقولہ فاعبدہ۔ کیونکہ جب اسی کا بندہ ہوا تو ہر چیز سے آزاد ہوا اس سے توحید پیدا
ہوگئی جس سے تجرید پیدا ہوئی اور تجرید سے تفرید اور اس سے ذات و صفات میں محو ہوا اور اس مقام سے وہ مخلوق کبھی فنا نہ ہوگا
اور برابر نعمتوں و آرام میں باقی رہیگا قولہ وتوکل علیہ یعنی وہی تجھے کافی ہے اسکے قہر سے اسی کے لطف کی طرف اور اسی سے اسی کی
طرف راجع ہو۔ اسیواسطے آنحضرت صلعم نے فرمایا اعوذ بک منک۔ تجھ سے تیری ہی طرف پناہ لاتا ہوں۔ سہروردی رحمہ نے کہا کہ قولہ
للہ غیب السموات یعنی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے غیب تو جو بندے اپنے مولیٰ کی قبولیت و قرب میں ہیں وہ بھی جہاں تک اللہ تعالیٰ
چاہتا ہے اسرار و مغیبات سے واقف ہوتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے شہوات و خواہش کچھ بھی باقی نہیں رہی اور نہ ان میں
نفس و حواس کا مطالبہ ہے پس بلا وجود کے انکا وجود ہے اور بلا شہود کے انکا شہود ہے بلکہ قبضۂ قدرت الٰہیہ میں انکا انقلاب ہے
باشارۂ حدیث انا سمعہ الذی یسمع بی۔ اور اشارہ آیت تقلبک فی الساجدین پس وہ نہ ہستے ہیں اور نہ وہ نہیں ہیں بلکہ
از راہ وجود کے وہ ممکن ہیں اور از راہ استحادہ کے انکا وجود وے نہیں ہیں۔ اقول یہ مقام بالکل عوام کی فہم سے باہر ہے صرف
اتنا فائدہ یاد رکھیں کہ جو مقولہ صوفیہ فنا فی اللہ کا مشہور ہوا اس سے یہ مراد ہے کہ وصول و قرب انکو خود سننا دیکھنا وغیرہ خود ہوشیار
نہیں ہیں اور وہ عجب نعمت و مشاہدہ میں ہیں کہ گویا تمام مخلوقات آسمان و زمین سب انکے قبضۂ قدرت میں ہیں حالانکہ خود کچھ حرکت
نہیں کر سکتے ہیں بلکہ جو ارادت اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے مگر وے خود وہی بنتے ہیں چنانچہ مولانا بحر العلوم نے شرح مثنوی
میں شیخ اکبر کے نصوص و فتوحات وغیرہ سے یہ مقام مشرح لکھدیا ہے کہ ممکن کبھی قدیم و واجب الوجود نہیں ہو سکتا پس یہاں
انقلاب ماہیت نہیں جیساکہ عوام کا زعم ہے۔ قال الشیخ اور یہی لوگ اہل غیب ہیں کہ جو اپنی ذات سے غائب ہوگئے ہیں نہ ان کو
اپنے نفس کیلئے کوئی حظ ہے اور نہ مخلوق کو انکی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ وے تفرقہ سے نکلکر عین الجمع میں پہونچ گئے ہیں جہاں کسی
عبارت و کلام کو گنجائش بیان نہیں ہے اور نہ اس حال کو زبان ادا کر سکتی ہے اور بعض نے کہا کہ قولہ الیہ یرجع الامر کلہ سب کا
وہی مرجع ہے کیونکہ وہی سب کا مبدا تھا۔ فاعبدہ۔ اپنی خواہش نفس کو اپنی ذات سے ساقط کر اور ادب و طریقہ سنت
کے ساتھ حکم الٰہی بجا لانے پر قائم و ثابت رہ۔ توکل علیہ جسکی کفایت ہماری طرف سے ہی ہیں تو کچھ اہتمام مت کر اور جسکا تجھے حکم
ہے اسکا اہتمام کر وما ربک بغافل عما یعملون کیونکہ اسکو غفلت ہوگی جسنے مقدر کر دیا کہ تو مقدر کا اسطرح کریگا کہ اس سے کم و بیش
آدمی کی مجال نہیں ہے اور تو اس سے اپنی آخری سانس پر ملاقی ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سُورَةُ یُوسُفَ مَکِّیَّةٌ

اس سورۂ شریفہ کی خوبیان وفضائل خود نص قرآنی سے ثابت ہین و مقام نزول وشان نزول کا بیان یہ ہی کہ بعض کے قول
پر ہجرت کے وقت مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیان نازل ہوئی اور اکثرون کے قول پر مکہ معظمہ مین نازل ہوئی اور ابن عباس و قتادہ
سے ایک روایت ہی کہ چار آیات کے سوائے باقی سب مکی ہے اور ارجح واصح یہ ہی کہ پوری سورت مکیہ ہی اور اسی پر سراج وغیرہ
مین بھی جزم ہی اور شیخ امام حافظ نے کہا کہ وہ کہتا ہی کہ قرطبی رح نے علماء سے نقل کیا کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید مین بتکرار انبیاء
و انکی قوم کے وقائع کو مکرر بہ اسلوب و نظم سے بیان فرمایا کہ درجات بلاغت مین عجائبہا ہر جگہ ہو اور سورۂ یوسف کو مکرر نہین فرمایا -
مگر کفار منکرین مین سے کسی نے مکرر و غیر مکرر کسی کے مقابلہ کی قدرت نہین پائی - اس سورہ مین ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات ہین اور
ایک ہزار نو سو چھیانوے (۱۹۹۶) کلمات ہین اور سات ہزار ایک سو چہتر (۷۱۷۶) حروف ہین قال الحافظ رح وروی الثعلبی وغیرہ من طریق سلام
بن سلیم ویقال سلیم المدائنی وہو متروک عن ہارون بن کثیر وقد نص علی جہالتہ ابو حاتم عن زید بن اسلم عن ابیہ عن ابی امامۃ عن
ابی بن کعب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علموا ارقاءکم الحدیث یعنی اپنے مملوکون غلام و باندیون کو سورۂ یوسف سکھلاؤ
کیونکہ جو کوئی مسلمان اسکو پڑھے یا اپنے اہل کو سکھلائے یا اپنی مملوک کو سکھلاوے تو اللہ تعالی اسپر موت کی سکرات کو آسان کردیگا
اور اسکو ایسی قوت عطا فرمادیگا کہ کسی مسلمان پر حسد نہ کریگا اسکے اسناد مین سلام بن سلیم ایسا شخص ہی کہ اسپر اعتماد نہ تھا وہ محدثین نے
اسکی روایت متروک کردی تھی اور ہارون بن کثیر کو شیخ ابو حاتم نے صاف کہا کہ یہ مرد مجہول ہی قال الحافظ اسوجہ سے تو یہ روایت
صحیح نہین ہی کیونکہ اسکی اسناد بالکلیہ ضعیف ہی اقول یعنی ابو امامہ وابی بن کعب تو صحابی ہین انکے سوائے باقی راوی سب ضعیف
ہین اور میرا خیال یہ ہی کہ شاید صحیح نسخہ مین یون ہوگا عن ہارون بن کثیر عن عبد الرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ کیونکہ زید بن اسلم
کے ضعف مین تامل ہی کیونکہ انکی توثیق معروف ہی واللہ اعلم - پھر شیخ نے لکھا کہ حافظ ابن عساکر نے اس اسناد کا متابع ذکر کیا -
کئی وجہ سے اول من طریق القاسم بن الحکم عن ہارون بن کثیر یعنی سلام بن سلیم کی تقویت ہوئی اور یہی تقویت ہارون بن کثیر
تو دوسرا طریق لکھا یعنی شبابہ عن محمد بن عبد الواحد النضری عن علی بن زید عن جدعان - اقول شبابہ یعنی ابن سوار اور قولہ علی
بن زید عن جدعان ایسا ہی اس نسخہ مطبوعہ مصر مین ہی اور میرے نزدیک خطاے کاتب ہے صواب علی بن زید بن جدعان ہی اور یہ شخص
بھی منکر الحدیث ہی پھر تیسرے طریق کو لکھا عن عطاء بن ابی میمونہ عن زر بن حبیش عن ابی بن کعب - اقول مقصود اس سے تقویت زید
بن اسلم یا عبد الرحمن بن زید ہے اور زر بن حبیش اصحاب ابن مسعود رض سے معروف ثقہ ہین اور ابو امامہ رض کی متابعت مقصود نہین ہے
فافہم واللہ تعالی اعلم - شیخ رح نے ان طرق کے بیان کے بعد لکھا کہ یہ روایت جملہ طرق سے منکر ہے اور لکھا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ
مین روایت کیا کہ یہود کے ایک گروہ نے جب آنحضرت صلعم سے سنا کہ یہ سورہ شریفہ آپ اپنی قوم پر تلاوت فرماتے ہین تو سب مسلمان
ہوگئے کیونکہ جس طرح انکے پاس یہ قصہ تھا اسی کے موافق آنحضرت صلعم نے وحی سے سنایا تھا - شیخ نے کہا کہ یہ روایت کلبی عن ابی
صالح عن ابن عباس سے ہے - اقول یعنی کلبی ضعیف الحدیث ہین لیکن میزان مین ذہبی رح کے بیان سے ضعف مین بہت شدت
ظاہر ہوتی ہی واللہ اعلم - شرح مین معالم سے لایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ یہود نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا

کہ آپ ہم سے یعقوبؑ اُنکی اولاد و یوسفؑ کا حال بیان فرمادیں تو یہ سورہ نازل ہوا قول روایت کی توجیہ آتی ہے کیونکہ سورہ کے مکیہ ہونے پر گویا اجماع ہو اور سعید بن جبیرؓ سے روایت ہو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا تو آپ قوم پر تلاوت فرماتے تو قوم نے کہا کہ ہم اُمیدوار ہیں کہ آپ ہم سے حدیث فرماتے تو نازل ہوا قولہ اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی تقشعر منہ (الآیۃ)۔ پھر قوم نے کہا کہ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ آپ ہم کو غفلت سے بیدار کرتے تو نازل ہوا قولہ الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ۔ قوم نے عرض کیا تھا کہ آپ ہم سے مفید حالات سابقین بیان فرمائیے یعنی جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت وایمان کیواسطے نصیحت و عبرت ہو، تو یہ سورہ شریف نازل ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا رحم والا مہربان ہے

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ

یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ہم نے اس کو اُتارا ہے

قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ

قرآن عربی زبان کا شاید تم بوجھو ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہتر بیان

بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ

اسواسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ

الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۳﴾

بیخبروں میں

الٓر ۔ الف لام را ۔ ابو علی فارسی نے کہا کہ ان حروف سے انکی مسمی مراد ہیں یعنی اسم الف اور ل سے لام اور ر سے را مقصود ہے اور ہر ایک پر وقف ہو اور شیخ حافظ رح نے لکھا کہ ان حروف مقطعہ کے معنی میں اول سورہ بقرہ الم میں گفتگو ہو چکی ہو اور حق راجح وعمدہ یہ ہو کہ اہل معنی و مراد کے شیخ سیوطی مفسر رح کا یہ ہو کہ انکی مراد سے اللہ تعالیٰ ہی دانا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ بھید ہے اللہ تعالیٰ و اسکے رسول علیہ السلام کے درمیان کہ سوائے رسول علیہ السلام کے کسی کو یہ مرتبہ نہیں کہ ان اسرار کو سمجھے اور یہ قول بھی اچھا ہے انفصل کلام الم میں گزر چکا اور دونوں قول میں اسطرح توفیق ممکن ہو کہ جیسے قیام جنت و اسکا آرام بالفعل آدمی کو محسوس نہیں اگرچہ ایسا ہونے کا یقین ہو تو اس مراد سے اسکی تاویل کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہو یا جیسے قیامت قائم ہونے کا وقت جیسے اگرچہ ہر مومن وقوع قیامت کا یقین کرتا ہو اور اس راہ سے کہ اسکے اسرار سے انکشاف و علم ہو جیسے قیامت کے آثار تو اسکا علم آنحضرت صلعم کو ہوا اور بعض علماء متقدمین و متاخرین نے زعم کیا کہ اہل بیان کو اسکا علم ہو سکتا ہے مگر دوسری وجہ مذکور کے طور پر چنانچہ شیخ ابن تیمیہ رح نے اسکو مفصل ذکر فرمایا ہو پس ائمہ حنفیہ نے جو کہا کہ انکا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہو تو پہلے معنی کے موافق ہو اور امام شافعی رح نے جو کہا کہ مومنین راسخین کو ہوتا ہے تو دوسرے معنی کے موافق ہے

واللہ اعلم۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو مبین ہے یعنی واضح روشن ہے جو مبہم امور کو صاف روشن
کرتی ہو اور ان کو بیان سے ظاہر کردیتی ہے کذا قال الحافظ۔ مبین از اَبان از باب افعال ہے تو بعض نے اسکو متعدی کہا یعنی دوسرے
امور کو بیان سے صاف جدا کرنیوالی اور شیخ مفسر وغیرہ نے لازمی پر محمول کیا یعنی خود واضح و روشن اور شیخ حافظ نے گویا دونوں
کو جمع کردیا کہ خود بھی واضح ہے اور حق و باطل میں فرق کرنیوالی بھی ہے۔ زجاج نے کہا کہ حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے
جدا ظاہر کرنیوالی ہے اور ایسا ہی ابو عبیدہ سے مروی ہو۔ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ سراج میں کہا
کہ تقدیر کلام یہ ہو۔ انا انزلنا ہذا الکتاب الذی فیہ قصۃ یوسف حال کونہ قرآنا عربیا لکی تعلموا وارادوا ان تفہموا ما فیہ یعنی ہم نے
اس کتاب کو جسمیں حضرت یوسف کا قصہ ہو نازل فرمایا درحالیکہ وہ قرآن عربی ہے تاکہ تم خوب سمجھو اور لکھا کہ قرآن کے ایک سورہ کو
قرآن سو جہ سے کہا کہ قرآن اسم جنس ہو جیسے کل پر بولا جاتا ہے ویسے ہی بعض پر بولا جاتا ہے۔ اقول صحیح یہ ہو کہ قولہ انا انزلنا
لیہ انا انزلنا ہذا الکتاب حال کونہ قرآنا۔ میں اگر کتاب سے تمام قرآن مراد ہے تو اسکا قرآن عربی ہونا ظاہر ہے اور اگر فقط یہ سورہ
مراد ہو تو وہ توجیہ ہو جو سراج میں لایا لیکن سراج کا یہ قول کہ ہذا الکتاب الذی فیہ قصۃ یوسف حال کونہ الخ پھر اسکے بعد توجیہ مذکور
مناسب نہیں ہو۔ حاصل معنی یہ ہیں کہ یہ سورہ قرآن مبین کی آیات ہیں ہم نے قرآن کو عربی نازل فرمایا تاکہ تم خوب سمجھ حاصل کرو بیان
وہم ہوتا تھا کہ شاید آنحضرت صلعم کی رسالت مخصوص بعرب ہے تو شیخ امام حافظ رح نے اسکو دور کردیا اسطرح کہ عربی زبان میں نزول
کچھ عربی آدمیوں پر مخصوص لحاظ نہیں ہو بلکہ اس وجہ سے کہ تمام زبانوں سے عربی زبان بہت فصیح ہو اور بہتیں الفاظ ایسے وسیع ہیں کہ
جو مضمون باریک کہ دل میں آوے اسکے لئے ایسے نفیس الفاظ ملتے ہیں کہ خوب ادا ہو سکتا ہے اور تھوڑے فرق کیلئے دوسرا لفظ موجود ہو
اسواسطے اشرف کتاب کو اشرف زبان میں اشرف الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اشرف الملائکہ جبرئیل علیہ السلام کی سفارت سے
اشرف قطعہ زمین یعنی مکہ معظمہ میں اشرف زمانہ یعنی رمضان میں نازل فرمایا پس بہر وجہ سے اسکی بزرگی بڑھ گئی اول عرب میں نازل
کی وجہ یہ بھی ہو کہ ابتدائی تعلیم و ہدایت اسکی عام لوگوں میں سے اشرف کو فرمائی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم بحکم قولہ کنتم خیر امۃ اخرجت
للناس الآیۃ پس یہ بھی لاحق کرنا چاہئے کہ اشرف لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل فرمایا۔ اور یہ وہم نہ ہو کہ قرآن تو تمام روئے زمین کی
ہدایت کیلئے ہو صحابہ کی ہدایت کیونکر مخصوص ہوئی کیونکہ ابتدائی نزول اشرف لوگوں کیلئے واقع ہوا اگرچہ حکم و خطاب قیامت
تک کیلئے عام روئے زمین کے لوگوں کیلئے ہو اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ قولہ لعلکم تعقلون میں خطاب ان حضرات سے بوجہ انکے اشرف
ہونے کے ہو کیونکہ یہ بات بالیقین معلوم ہو کہ اہل عرب جو اسوقت موجود تھے انکی اولاد آخر تک اسمیں داخل ہیں حالانکہ وہ وقت لعلکم
خطاب کے پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے تو ضمیر خطاب سے انہیں موجودین کا انحصار مقصود نہیں بلکہ انکی اولاد اور تمام روئے زمین کے لوگ
داخل ہیں لیکن اللہ تعالی نے ازلی خلقت سے صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو اشرف و اکمل اس شان ایمان و عبودیت میں
مخلوق فرمایا تھا اسواسطے قرآن مجید میں اکثر خطاب انہیں حضرات کی طرف فرمایا ہو نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ
اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ ہم تجھ پر نازل کرتے ہیں یا بیان کرتے ہیں قصص میں سے احسن و بہتر بوجہ ہمارے وحی فرمانے
کے تیری جانب یہ قرآن یعنی ہم نے جو تجھ پر قرآن بوحی نازل فرمایا تو ہم تجھے قصص میں سے بہتر سناتے ہیں پس تمام قرآن نہایت
بہتر ہے اسواسطے مروی ہو کہ قصص میں سے بہتر یہ قرآن ہو مقصود یہ کہ عوام جنکو معرفت ابتداء و انجام نہیں اور نہ اپنی تہذیب نفس

وانسانی کمالات سے وقوف ہوسے بیہودہ دروغ وباطل یا بیفائدہ وبیحاصل باتون کو سنکر خوش ہوتے اور یہ نہین جانتے ہین کہ نفس
وشیطان کے پھندے مین گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مین بندگان صالحین انبیاء ومرسلین وانکی امتون وقائع کو
ایسے نفیس اسلوب معجز بیان سے وحی فرمایا کہ آدمی قصہ سنے اور اُس سے یہ فائدہ حاصل کرے کہ بُرے افعال جن سے اگلے ہلاک ہوئے ہین
ترک کرے اور اچھے افعال جن سے اگلون کا انجام بخیر ہوا ہو اختیار کرین اور یہ دنیا بالکل بے ثبات ہو اس سے تعلق منقطع بہتر ہے
ورنہ دنیاوی فریب سے بھائی کا بھائی جانی دشمن ہوجاتا ہو حالانکہ خیال وتخیل وحاصل ومحصول سب چند روزہ فانی ہو بعض نے کہا کہ
احسن القصص سے یہی قصہ یوسف علیہ السلام مراد ہو یعنی ہم اپنی وحی سے تجھے احسن القصص قصہ یوسف سناتے ہین۔ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ
اور بیشک تو ہمارے وحی فرمانے سے پہلے لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ البتہ اس قرآن یا اس قصہ سے غافل تھا مقصود یہ کہ قرآن مین ہم پے در پے
احسن قصص وحی فرماتے ہین تاکہ کسی کو شک ممکن نہو کہ اپنی طرف سے بیان کرتے ہین بلکہ یقین ہوجاوے کہ یہ صحیح واقعات ایک اُمی سے
صرف بوحی ہین لہذا واثق یقین کرین کہ آنحضرت صلعم بیشک رسول ہین چنانچہ مروی ہو کہ یہود مدینہ جنھون نے بواسطہ سرداران قریش کے
اس قصے کو دریافت کرایا تھا جب اپنے یہان کے روایات کو اس سورہ کے مطابق صحیح پایا تو ایک گروہ مسلمان ہوگیا قال المترجم آنحضرت
صلعم کے صدق رسالت کیلئے منجملہ دلائل کثیرہ کی یہ دلیل ہو کہ آپنے گذرے ہوئے پیغمبرون وانکی اُمتون کا حال خصوص واقعات
نبوت حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کو صحیح صحیح بیان فرمایا اور باعلان کہ جن قصص سے عرب غافل تھے انکو بیان فرمایا تو ممکن نہین کہ
کسی سے سنکر ایسے اعلان کے ساتھ دعویٰ کیا جاوے خصوص جبکہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ دشمن ہو رہے تھے پس صریح ظاہر ہو کہ محض
وحی الٰہی سے بیان فرماتے تھے اور یہ خصوصیت نہ تھی کہ جو آپ خود بیان فرمادین اسی پر مقصود ہو بلکہ جو پوچھا جاتا اسکو بیان فرماتے تھے اور
چونکہ جملہ انبیاء کی تعلیم خالص توحید تھی جس سے نفس وشیطان سے نجات واپنا کمال حاصل ہوتا ہے تو انہین سے خاصکر حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے حالات کثرت سے بیان فرمائے کیونکہ حضرت موسیٰ کے امتی ہونے کے مدعی یہود بہت عرب مین موجود تھے اور
سب دشمن تھے تو کبھی ممکن نہ تھا کہ کچھ حال ظاہر کرتے بلکہ آپکی وحی سے اپنی کتابون کی روایات صحیح پا کر تصدیق کرتے تھے اگرچہ حسد و
عداوت سے بہتیرے ایمان نہین لاتے تھے چنانچہ یہ بات بھی صاف اُن سے کہدی گئی اور اللہ تعالیٰ نے جا بجا تنصیص فرمائی کہ حقیر دنیا
کے لالچ سے وحی و رسالت کی تصدیق چھپاتے ہین اس بیان سے یہ بھید بھی ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء مین سے حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے حالات کو کیون زیادہ بیان فرمایا ہے۔ سراج وغیرہ مین ہو کہ اگر احسن القصص سے مراد یہی سورہ یوسف ہو تو
اسکا احسن ہونا اس وجہ سے ہو کہ اس قصہ مین دین ودنیا کے فائدے وعبرت واشارات وحکمت بہت ہین اور اسمین بادشاہون
سے غلامون تک کے برتاؤ اور عورتون کے مکر و دشمنون کی ایذا پر صبر اور قدرت کے وقت عفو کرنا وغیرہ اخلاق واوصاف کا بیان ہو
اور بعض نے کہا کہ اسمین حبیب ومحبوب کے حالات واشارات ہین اور جملہ عزائم اخلاق کے اسمین عفت یوسف کا بیان ہو خالد بن معدان نے
کہا کہ جنت مین اہل جنت اس سورہ یوسف سے اور سورہ مریم سے تفکہ کرین گے مترجم کہتا ہے کہ یہ اشارہ لطیف ہے اسکو مرد کامل
سمجھتا ہو۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ جو شخص محزون ہو اگر دل لگا کر سورہ یوسف سُنے تو اسکو استراحت ہوگی۔ شیخ امام حافظ
رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مین اس مقام مین فوائد سے توضیح کے ساتھ جو لکھا اسکا خلاصہ یہ ہو کہ ابن جریر وحاکم نے سعد بن ابی وقاص
اور ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم پر قرآن نازل ہوا تو ایک زمانہ تک آپ لوگون کو سناتے رہے صحابہ رض نے

عرض کیا کہ ہم امیدوار تھے کہ آپ ہم سے اگلون کے حالات بیان فرماتے (یعنی وحی خفی کے ساتھ تاکہ دلیری ہو پس اللہ تعالیٰ نے اس اُمید کو وحی
جلی سے پورا فرمایا ، تو نازل ہوا قولہ الٓر تلک آیات الکتاب المبین الآیات - پھر اُنھون نے آرزو کی کہ آپ ہم سے حدیث فرماتے تو نازل ہوا
قولہ اللہ نزل احسن الحدیث کتابا الآیۃ - اور ابن جریر رح نے اسکو عون بن عبداللہ سے مرسل روایت کیا اور آخر مین ہو کہ اُنھون نے حدیث
چاہی تو اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث کی راہ انکو بتلائی اور اُنھون نے قصہ چاہا تو انکو احسن القصص کی راہ بتلائی - مترجم کہتا ہو کہ اس سے
ظاہر ہے کہ قرآن مجید کتاب عظیم کریم کافی شافی ہو اسکی فہم کے ساتھ کسی دوسری چیز کی ضرورت نہین رہتی اور رہی احادیث تو وے
اسکی فہم کیلئے مستند ہین قال الحافظ الامام رح جب اس آیت سے ظاہر ہوا کہ قرآن مجید دوسری کتابون سے مستغنی کرتا ہے تو اسکی مؤید
احادیث کا ذکر کرنا یہان مفید و مناسب ہے چنانچہ امام احمد رح نے اپنی اسناد سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہود سے ایک کتاب پائی اسکو آنحضرت صلعم کے پاس لائے اور آپکو پڑھ سنائی تو آپ غضب مین ہوگئے اور
فرمایا کہ اے ابن الخطاب کیا تو اسمین متھوک[1] ہے حالانکہ قسم اس پاک کی جسکے قبضۂ قدرت مین میری جان ہو کہ مین اسکو تمھارے پاس
پاکیزہ صاف لایا ہون تم یہود یون سے کچھ مت پوچھو ایسا نہو کہ یہ بیباک لوگ کبھی تم کو سچی بات بتلا دین مگر تم انکو جھوٹا بتلاؤ[2] اور کبھی تم کو باطل
بات بتلا دین مگر تم اسکو سچ ان لو ، قسم اس پاک کی جس کے قبضۂ قدرت مین میری جان ہو کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو اسکو کوئی چارہ نہ ہوتا سواے
اسکے کہ میری پیروی اختیار کرے - امام احمد نے لکھا کہ حدثنا عبدالرزاق قال حدثنا سفیان عن جابر[3] عن الشعبی عن عبداللہ بن ثابت کہ اُنھون نے
کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ قریظہ مین سے ایک بھائی کے پاس میرا گذر ہوا اسنے میرے واسطے
توریت مین سے ایک مجموعہ لکھدیا مجھے اجازت ہو کہ مین اسکو آپکی خدمت مین سناؤن پس آنحضرت صلعم کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا عبداللہ بن
ثابت کہتے ہین کہ مین نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم آنحضرت صلعم کے چہرہ پر آثار نہین دیکھتے ہو پس حضرت عمر رض نے کہنا شروع کیا کہ رضینا
باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا ہم دل سے راضی ہین کہ رب ہمارا اللہ تعالیٰ ہے اور دین ہمارا اسلام ہے اور محمد صلعم ہمارے لیے رسول
ہین عبداللہ کہتے ہین کہ وہ غضب آنحضرت سے جاتا رہا اور فرمایا کہ قسم اس پاک کی جسکے قبضہ مین محمد کی جان ہو اگر موسیٰ تم مین زندہ ہو کر
آوے پھر تم مجھے چھوڑ کر اسکی پیروی کرو تو بے شک گمراہ ہو جاؤ تم مخلوق مین سے میرا حصہ ہو اور نبیون مین سے مین تمھارا حصہ ہون
ابو یعلی الموصلی نے اپنی اسناد کے ساتھ خالد بن عرفطہ سے روایت کی کہ مین حضرت عمر کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے مین قبیلہ عبدالقیس کا ایک
شخص آپکے پاس پہنچا آیا آپنے اسکو فرمایا کہ تو ہی فلان بن فلان العبدی ہے اُسنے کہا کہ ہان آپنے کہا کہ تو ہی مقام سوسن مین رہنے لگا
اُسنے کہا کہ ہان پس خرما کی چھڑیون سے جو آپکے پاس تھین اسکو مارا اُسنے عرض کیا کہ اے مومنون کے سردار میرا کیا قصور ہو آپنے حکم دیا
کہ بیٹھ وہ بیٹھ گیا پس آپنے اسکو پڑھکر سنایا بسم اللہ الرحمن الرحیم - الٓر تلک آیات الکتاب المبین - تا قولہ لمن الغافلین تین بار اُس کو
پڑھکر سنایا اور تین بار اسکو مارا اُسنے کہا کہ امیر المومنین مجھ مین کیا خطا و قصور ہو فرمایا کہ تو ہی ہے جسنے دانیال پیغمبر کی کتاب کو لکھا ہو اُسنے
کہا کہ آپ مجھے دین اسلام کا حکم دین مین اسکی پیروی کرون آپنے کہا کہ جا کر اسکو گرم پانی اور صوف سے مٹا دے پھر مت پڑھ اور کسی کو
مت پڑھا پھر اگر مجھے خبر پہونچی کہ تو نے اسکو کسی آدمی کو پڑھایا تو مین تجکو عبرتناک سزا دونگا پھر فرمایا کہ بیٹھ جا وہ بیٹھا تو
فرمایا کہ مین نے جا کر یہود سے ایک کتاب نقل کی اور چمڑے کے قطعات لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوا آپنے
فرمایا کہ اے عمر یہ تیرے ہاتھ مین کیا ہو مین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مین ایک کتاب نقل کرلایا ہون تاکہ ہم اپنے علم کیساتھ اس کو

ملاکر پڑھا یعنی پس آنحضرت صلعم غضبناک ہوگئے یہان تک کہ آپکے رخسارہ مبارک سرخ ہوگئے پھر نماز کیواسطے آواز دی گئی کہ الصلوٰۃ جامعۃ پس انصار رضی اللہ عنہم نے آپس مین کہا کہ دیکھو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غضبناک کردیا گیا ہے ہتھیار لاؤ ہتھیار لاؤ - پس سب مسلح ہوکر آئے اور آپکے منبر کو سب طرف سے حلقہ کرکے کھڑے ہوگئے اور آنحضرت صلعم نے منبر کے اوپر سے فرمایا کہ اے لوگو مجھے جوامع الکلم وخواتیم عنایت ہوئے ہین اور میرے واسطے نہایت بلیغ اقتصار فرمایا گیا ہے اور قسم ہے کہ مین ان کو تمہارے پاس پاکیزہ صاف لایا ہون پس تم تھوک نہ کرنا اور تھوک کرنے والے تمکو فریب مین نہ ڈالین عمر رضی نے کہا کہ مین خوف زدہ ہوکر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ رضیت باللہ ربا" بالاسلام دینا وبک نبیا پس آنحضرت صلعم منبر سے اُتر آئے - قال الشیخ الحافظ اسکو ابن ابی حاتم نے بھی مختصر روایت کیا ولیکن اسکی اسناد مین عبدالرحمن بن اسحاق ابو شیبہ الواسطی واسکا شیخ خلیفہ بن قیس دونون راوی ضعیف ہین چنانچہ امام بخاری نے کہا کہ اسکی حدیث صحیح نہین ہے - شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ اس روایت کا شاہد دوسرے راویون سے ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی نے جبیر بن نفیر سے روایت کیا ہے پھر اسکو مطول ذکر کیا اور اسمین مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی کی خلافت مین شہر حمص مین دو آدمیون نے یہود سے کچھ کلمات لکھے تھے اور حضرت عمر رضی سے پوچھنے آئے تھے کہ ہم یہان اہل کتاب کے دیس مین ہین وے ہم سے اپنی باتین بیان کرتے ہین جن سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین (یعنی خوف الٰہی سے) تو ہم لیوین یا نہین پس انکو سخت ملامت کی اور فرمایا کیونکر مجھے معلوم ہوا کہ تمنے کچھ لکھا ہے تو مین تم کو اس امت کے لیئے عبرتناک نمونہ عذاب کا بنا دونگا پھر اپنا قصہ نقل کیا اور اسمین ثابت ہے کہ خیبر کے کسی یہودی سے لکھ لائے تھے اور جب سنانے مین آنحضرت صلعم کے چہرہ کو غضبناک سرخ دیکھا تو اسکے ڈر کے زبان بند ہوگئی اور آگے ایک حرف نہ چلا پھر آنحضرت صلعم نے اس تحریر کو مٹا دیا اور فرماتے تھے کہ ارے ان لوگون کی پیروی مت کرو یہ لوگ متھوک ہوئے ایسے یہ لوگ تھوک ہوگئے ہین پس ان دونون نے جاکر جو کچھ لکھا تھا اسکو قد آدم گڑھا کھود کر گاڑ دیا ابوداؤد نے مراسیل مین اسکے مانند روایت کیا - قال المترجم اس زمانہ مین لوگون مین یہ شامت ہے کہ اگر کہا جاتا ہے کہ جو کوئی نماز مین بیباکی کرے نہ پڑھے تو عذاب جہنم مین پڑیگا اگر توبہ نہ کی ہو اور وہ عذاب سخت شدید ہے تو انکو کم اثر ہوتا ہے اور اگر کہا جاوے کہ بے نمازی کو آگ کی زنجیرون مین کسکر اسکے ناخنون مین آگ کی کیلین ٹھونکی جاوینگی اور پیرون مین کیلین کہ دماغ مین پھوٹینگی اور کھال چرپون عذاب ہوگا اللہ بچاوے اسطرح و پیٹ پر اسطرح الغرض ایسی باتین کوئی واعظ کہے تو عوام اسی کیطرف جھکتے و دوڑتے ہین حالانکہ اسنے اپنی طرف سے باتین گڑھ کر وعظ و نصیحت بنائین جیسے یہود کرتے تھے اور یہ خود کبیرہ گناہ ہے اور سچ واقع ہوا جو امام اوزاعی وغیرہم نے قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا ان کثیرا من الاحبار والرہبان الآیۃ سے استفادہ کیا کہ اس امت کا عالم بگڑکر یہودیون سے مشابہ ہوجائیگا اور فقیر درویش بگڑا ہوا نصرانی درویش سے مشابہ ہوگا استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ہو اللہم ثبت اقدامنا علی الاسلام والایمان ف فی العرائس قولہ تعالیٰ الٓر - الف اشارہ بجناب احدیت توحید ہے اور لام اشارہ بجانب نکرت اہل تجرید ہے - اور را اشارت بجانب اہل التفرید ہے اقول تحقیق الٓم مین گذری اور وہ ہین بیان ہوا کہ حقائق مراد سے سوائے حق تعالیٰ کے کوئی آگاہ نہین اور خاصہ اسرار مین سے آنحضرت صلعم مثل اپنے مرتبہ کے اخص علم سے مشرف ہین اور دیگر راسخین فی العلم کو موافق اپنے اپنے مراتب کے وقوف ہے اور شیخ محدث مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی فی الجملہ علم متشابہات کے حصول علم پر بعض کتب مین تصریح کردی ہے اور جو کچھ شیخ نے

ذکر کیا وہ ہماری نسبت کرکے خود بمنزلہ متشابہ کے ہو اور اس سے وہی آگاہ ہوگا جو اس مرتبہ تک واصل ہو فافہم واللہ اعلم۔ قولہ تعالے تلک آیات الکتاب المبین۔ مظنہ اشارات ان تینوں حروف میں علامات معارف ہیں جن سے صفات قدیمہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے حالانکہ ان صفات کے انوار خود صدیقین کے دلوں میں مبین و ظاہر ہیں اور ملک ملکوت میں انکے آثار مشاہدہ ہیں اور ان حروف سے خطاب کرنے میں حکمت یہ ہو کہ اسرار خاصہ ایسے لوگوں سے مخفی رہیں جو ان اسرار کے لائق نہیں ہیں جیسے کفار یا ان میں بالفعل ایسی استعداد نہیں ہو جیسے عوام مسلمین۔ قال المترجم ظاہرا استعداد کا مرتبہ وہ ہے کہ علم ہو اور رسوخ ہو اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہو کہ عالم با عمل کو راسخ فی العلم کہتے ہیں اور بعض آثار میں وارد ہو کہ جو کوئی علم سیکھے اور اس پر عمل کرے تو اسکو اللہ تعالی ایسا علم دیتا ہے جسکو وہ جانتا نہ تھا اور مراد یہ ہو کہ ان علوم ظاہری سے جو سیکھے جاتے ہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ علم فقہ و حدیث و تفسیر ہے اسکے سوائے بھی ایسی چیز کا علم دیتا ہو جو اسطرح معلوم نہ تھی اور یہی علم کشف و عیان ہو اور یہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اس مرتبہ تک نہیں پہونچا اگر اسپر علم کشفی ظاہر کیا جاوے تو وہ ضرور انکار کر جائیگا کیونکہ وہ اس قبیل سے نہیں ہے اور بعض لوگوں نے یہ زعم کیا کہ کشف سے نور بصیرت ہوتا ہے جس سے بعض دلائل و مسائل واضح معلوم ہو جاتے ہیں اور یہ زعم بالکل غلط و وہم ہے اسنے موافق اصطلاح منطقیین کے ایک کیفیت کو تصور کیا جسکو وہ لوگ علم کہتے ہیں اور وجہ اسکی یہ واقع ہوئی کہ اسنے کشف کے لفظ سے ظاہری طور پر بحث کی کیونکہ علم انکے نزدیک انکشاف ہو یا انکشاف اسکو لازم ہے حالانکہ یہ علم کشف دیگر چیز ہے اسکو چاہو کشف و غیرہ کسی لفظ سے تعبیر کرو بدون اس مرتبہ کے حاصل ہونے کے کبھی اس سے آگاہی نہیں ہو سکتی ہے اور یقین کرو کہ بندہ ضروری شرائع و اصلی عقائد سے آگاہ ہوکر عمل میں اخلاص و طاعت میں مجاہدہ سے درجہ قبولیت پاتا ہے اور اسکو علم کشفی حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ اصول فقہ و دلائل و علم روایت وغیرہ سے ویسا ہی رہتا ہے جیسا پہلے تھا اور اکثر آدمی ان علوم ظاہری میں بڑا طاق شہرہ آفاق بحاث جدلی ہوتا ہے مگر علم کشف سے بے خبر محض اور کچھ شک نہیں کہ مقصود و مراد یہی کشف ہو اور اس علم جدلی ظاہری کو اس سے اسقدر نسبت سمجھنا چاہیے جیسے تخت پر آرام و جلوس کیلیے کوئی شخص بخاری سیکھے بلکہ کثرت ایراد و دفع جو ظاہر میں محمود ہو در واقع بقول علامہ جلال دوانی رح کے سخت مذموم و جہالت ہے و تمام البحث فی المقدمہ یہاں مقصود صرف اسی قدر ہے کہ عموما ظاہری تعلیم قرآن پاک کی موافق فہم عوام ہو کیونکہ انھوں نے ہنوز راہ ہی نہیں اختیار کی تو مقصود تک واصل ہونا کیسا پھر جو کوئی راہ اختیار کرنے میں سخت حجت و دلائل کرے کہ ایک قدم بڑھانے کیلیے آمادہ ہو بھلا وہ کیا قدم بڑھاویگا اور کب اس منزل دور دراز کو طے کریگا وہ تو علامہ فہامہ ہو کر ابھی راہ ہی نہیں چلا اور ہر قدم پر اسکو ہزاروں وسوسہ آتے ہیں جنکے دفع کرنے میں عمر برباد کرتا جاتا ہو تو جب علما کا یہ حال ہے تو ابتدائی تعلیم جن کو کی جاتی ہے کیونکر اسرار سے واقف ہونگے تو خطاب میں اسرار کیلیے حروف ہیں جن سے حضرت سید المرسلین افضل النبیین خیر الخلائق اجمعین کو آگاہ فرمایا اور پھر آپکے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو امت امی تھے نہ حساب نہ کتاب کچھ نہیں جانتے تھے واقف ہوے حالانکہ دوسری خیر الامم تھے تو اسرار سے وقوف مخصوص ہونا فہم شیخ نے کہا کہ یہ ایک خاص طریقہ بندوں میں بھی معروف ہو کہ دوستوں کے رموز سے دوست ہی واقف ہوتے ہیں انکو حجاب در پردہ میں اظہار کیا جاتا ہے استاد نے کہا کہ یہاں ایک لطافت ہو کہ ان حروف سے آدمی کبھی اپنے نفس پر منحصر نہ ہوگا

اگر اس نے ان حروف عجائب ملک و ملکوت و اسرار کثیرہ سمجھ لئے تو وہ اسی حد تک پاس عوام سے اتنا امتیاز ہوا اور اگر کچھ نہیں سمجھا اور مناسفت نہوا تو وہ محض جاہل عامی ہے پس وہ ہنوز غائب پڑا ہے حضوری سے اسکو کچھ حصہ نہیں ہی اور یہ بھی کہا کہ یہان کتاب مبین سے آنحضرت صلعم کو اشارت ہی کہ حکم سابق ازلی قدیم یون جاری ہوا ہے کہ ایسے مرتبہ پر پہونچا دئے جاوین کہ کوئی اور اس مرتبہ کو نہین پہونچا۔ قال المترجم ابتدا مین آنحضرت صلعم نے جوش توحید و معرفت مین مقام امتحان کے مشاہدہ سے دیگر انبیاء کو ایک نوع کی تفصیل دی اور آخر مین اپنے مرتبہ پر فائز ہو کر آگاہ فرمایا کہ ایک درجہ مقام محمود ہے وہان ایک ہی بندہ واصل ہوگا اور مجھے امید ہی کہ وہ مین ہی ہون واضح ہو کہ یہ امید کا لفظ رعایت ادب ہے ورنہ حق تعالی نے قولہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً مین منصوص فرما دیا ہی اللہم صل علی سیدنا محمد وابعثہ مقاما محمودا وعلی آلہ واصحابہ وسلم کثیراً۔ ثم قال الشیخ فی قولہ تعالی نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک جب حق سبحانہ تعالی نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام التباس سے تجلی جمال فرمائی اور افعال قدس سے عشق مظاہر سے ظہور دکھا ہر چاہا حالانکہ آنحضرت صلعم کو مشاہدہ ازل کا یہ عہد غیر نظر آیا تو اس قصہ سے تسلی فرمائی کہ عشق مرکب اہل الصدق ہے کیونکہ عشق انسانی آئینہ جمال حقیقی ہوتا ہے قال المترجم شیخ کی ظاہر عبارت طولانی سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم عاشق و بعض ازواج مطہرات معشوق کرکے التباس مین ظاہر ہوا ولیکن مترجم نادان کو اس سے اعراض ہے بلکہ تمام مخلوق و مظاہر کیلئے آنحضرت صلعم محبوب تھے اور عشق آپکا ظاہر نہین اور نہ امتثال سے کسی بزرگ کا مین نے قول دیکھا لہذا میرے نزدیک شیخ کی مراد شاید یہ ہو کہ اس قصہ سے التباس ظہور و امتحان زلیخا بعشق حضرت یوسف علیہ السلام سے وصول زلیخا کا بہ نازل ازل ہونا آپ پر نازل فرمایا جس سے آپ کو تحمل مشتاق عشق حق عزوجل مین تسلی ہوا اور حدیث مین بھی منصوص ہی کہ آپ نے فرمایا ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا یعنی سوائے پاک حق سبحانہ تعالی کے اگر خلت کیلئے جگہ تجھ مین ہوتی تو کسی فرد بشر کیلئے سوائے ابوبکر کے نہ ہوتی اور خلت کو کمال عشق سے ائمہ صوفیہ نے تفسیر فرمایا ہی پس کمال عشق آپکو منحصر بحضرت عظمت حق سبحانہ جل شانہ سے تھا اور خود محبوب بھی تھے اور باقی تمام مخلوق کیلئے سوائے ملائکہ و وحوش کے بغیر استعداد عشق نہین ہی سب اہل استعداد کیلئے آپ محبوب یعنی عشقی تھے اور یہی دیدار خاص تھا جو آپکی دنیاوی حیات مین مخصوص تھا اور وہ بدبخت کافرون کو حاصل نہوا لقولہ تعالی تریٰھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون بلکہ مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم مومنین صادقین کو اس اشرف واعلیٰ کرامت سے مخصوص فرمایا گیا وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم پس حضرت یوسف پر زلیخا نے ہاتھ نہین کاٹا بلکہ زنان مصر نے ایسا کیا تھا اور یہان آنحضرت صلعم پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہاتھ کیسا جان پر بہتر زخم برداشت کرتے اور تلوار و خنجر کھاتے اور آنکھون کے ڈھیلے نکل آتے اور پھر ویسے ہی پروانہ کی طرح فدا ہوتے تھے چنانچہ احادیث و تفاسیر صحاح روایات سے مصرح ہین پس یہ مقام خوب غور سے دیکھنا چاہئے اور شیخ عارف سے مجھے مخالفت نہین اگرچہ شاید مین شیخ کے کلام کو نہ سمجھا ہونگا اسی قدر مین کہہ سکتا ہون و اللہ تعالی اعلم بمراد عبادہ۔ پھر شیخ نے لکھا کہ اس قصہ کا احسن ہونا اسوجہ سے ہی کہ ارواح عاشقہ کے مراتب مین ایک عشق انسانی کا بیان ہی کہ اس مرتبہ پر تھا اور یہان سے عشق الوہیت پر بلند پرواز ہوا اور قصہ عاشق و معشوق کو احسن اسوجہ سے فرمایا کہ اسمین نظارہ اور عبرت کثیر و ذوق شوق و فراق و وصال اور سختی و مصیبت کا بیان ہے اول اور غیرت حسن ازل اور پستی ہمراہ بلندی اور تمامی ظہور حسن کمال کا

اور بقا حسن ازلی لایزال کا اور ارشاد خلائق بحسن ازل از نبوت حضرت یوسف علیہ السلام کہ باوجود اس حسن کمال کے عاشق حسن لایزال و بندہ خاشع و خاضع تھے ہر حال میں مطیع و صابر تھے اور ماسوائے اسکے بہت کثرت سے اشارات ہیں۔ قال الشیخ شان یوسف علیہ السلام ہمہ تن عشق تھی چنانچہ باپ عاشق ہوئے اور جس نے دیکھا عاشق ہوا کیونکہ جمال قدیم کا حسن انکے چہرہ سے عیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں آئینہ تھے۔ اقول اس مقام سے عشق کا اندازہ ظاہری صورت سے ہو سکتا ہے مولوی روم علیہ الرحمۃ نے کہا ؎ عشق من گر زین سر و گر زان سر است ؛ عاقبت ما را بدان سر رہبر است ؛ عوام نے سمجھا کہ عشق حقیقی ہو یا مجازی ہو انجام اسی طرف ہے یہ محض غلط فہمی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ مرید ہو یا مراد ہو یعنی قبولیت حاصل ہونے و وصول کیلئے خواہ بندہ ازل میں مرید ہوا جیسے اکثر اہل ارادت وجد بوجد ہوتے ہیں خواہ مراد ہوا کہ وہ مقصود و اشرف ہوتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام۔ اور مجازی عشق کی نسبت خود کہا ہے ؎ عاشق صنع خدا با فر بود ؛ عاشق مصنوع او کافر بود ؛ عشق آن بگزین کہ جملہ انبیا ؛ یافتند از عشق او کار و کیا ؛ ؎ عشق بر مردہ نباشد پایدار ؛ عشق را بر حی و بر قیوم دار ؛ ؎ عشق آن نبود کہ در مردم بود ؛ این فساد خوردن گندم بود ؛ دیکھو شیخ نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا عشق حضرت یوسف علیہ السلام پر بجہت مشاہدہ حسن ازل تھا جو نقش شہوات کی کیفیات نفسانیہ سے کروڑوں کوس دور ہے ولیکن عشق زلیخا و زنان مصر کا بمقتضائے شہوات تھا اور یہ مقام مشکل ہے امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء میں اور بعض متاخرین نے بھی فی الجملہ تشریح لکھی ہے مترجم کو صرف اسقدر تنبیہ مقصود ہے کہ عوام اپنی سمجھ پر حسب متعارف زمانہ مغرور ہو کر گمراہ نہ ہوں قال الشیخ اور یہ قصہ حسن قدیم کا آئینہ ہے اور احسن القصص ہونا ظاہر ہے کہ ہر حسن کا معدن وہی قدیم ہے اور یہاں لطیف اشارت ہے کہ تمام قصہ میں امر و نہی افعال تکلیفی کا ذکر نہیں فرمایا گویا مرتبہ عشق کا اصل ان تکالیف عامہ سے بالا ہے اقول قال تعالیٰ عن نبیہ یوسف علیہ السلام انی ترکت ملۃ قوم لا یؤمنون باللہ الآیۃ وقال یا صاحبی السجن الآیۃ پس اصل توحید کی طرف اشارت ہے جس سے مقام عشق خالی نہیں ہوتا بلکہ وہی توحید ہے فافہم بعض نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے جو مصیبت پہنچی وہ زیادہ تھی بہ نسبت اسکے جو آنحضرت صلعم کو اپنی قرابتیوں سے پہنچی تو آنحضرت صلعم کو اسمیں تسلی ہے اور ارشاد ہے کہ یوسف نے ان سے انتقام نہ لیا تو آنحضرت صلعم بھی عفو فرماویں کیونکہ یہ موارد قضاء و قدر ہیں اقول مروی ہے کہ حضرت ذی النورین امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ فجر میں کثرت سے اس سورۃ شریف کو پڑھا کرتے تھے اور مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان رض کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اسکی شفاعت سے میری امت سے ستر ہزار یا مخلوق کثیر داخل جنت ہونگے دونوں کے مجموعہ سے اشارت سمجھ لینا چاہیئے علی بن موسیٰ الرضا عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام نے کہا کہ عوام تو قصوں کے سننے میں مشغول ہوتے ہیں اور خواص بندے اُن سے عبرت حاصل کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب بعض نے کہا کہ اس قصہ میں یوں رہنمائی فرمائی ہے کہ مؤمنین کا احوال سچا ہوتا ہے اور متقین کے معنی کیا ہیں چنانچہ باوجود ہر طرح قدرت بلکہ زلیخا کی طرف سے اقتضا و جبر کے بخوف الٰہی تقویٰ فرمایا متوکلوں کی راہ اختیار کرنی چاہیئے ایسے زاہد کی پیروی کی جاتی ہے سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے سختیاں نازل ہونے کے وقت اسی کی طرف التجا ہے مکار کا فریب کھل جاتا ہے اور کذاب ہمیشہ آخر خوار ہے اعلیٰ درجہ پر پہنچنے والے طرح طرح کی محنتوں و مصیبتوں میں پھنستے ہیں لیکن انجام کو اعزاز و اکرام کے ساتھ چھوٹتے ہیں اقول ایک اشارہ ظاہر تھا وہ ذکر نہیں فرمایا یعنی

ایک حسن فانی کیلیے یہ شدائد اٹھائے حالانکہ وہ خود مختار نہ تھا تو حسن ازلی حی القیوم کے مدعی کس قدر محنت اٹھا کر مدعی ہیں اللھم غفرانک غفرانک لا الٰہ الا انت سبحانک - بعض اہل تفسیر نے لکھا کہ حسن قصہ یہ کہ جو اسمیں مذکور ہیں سب کا انجام سعادت ہی ہے قال تعالیٰ

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

جبوقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو اے باپ میں نے دیکھے گیارہ تارے اور سورج اور چاند

رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۝

دیکھے میرے تئیں سجدہ کرتے

إِذْ قَالَ يُوسُفُ جمہور کی قراۃ بضم سین اور بعض نے بکسر سین و ہمزہ پڑھا اور یہ اسم عبرانی غیر منصرف بوجہ علمیۃ و عجمہ ہونے کے ہے اور بعض نے عربی خیال کیا حضرت یوسف کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی اور باپ انکے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ سب پیغمبر جلیل القدر ہیں ذکرہ الشیخ المفسر فی التحبیر اہل تفسیر نے کہا کہ حضرت یوسف کے گیارہ بھائی اور جنکی تفصیل آویگی ولیکن یعقوب علیہ السلام کو یوسف سے سخت محبت تھی اور انکے بھائی اسی وجہ سے ان سے حسد کرتے تھے اور کہا کہ حضرت یوسف نے بارہ برس کی عمر میں اور بعض نے کہا کہ سات برس بعض نے سترہ برس کی عمر میں شب جمعہ لیلۃ القدر کو خواب دیکھا کہ گویا گیارہ ستارے آسمان سے مع چاند و سورج اترے اور انکو سجدہ کیا پس انھوں نے یہ خواب اپنے باپ سے بیان کیا - قال الامام الحافظ - انکے باپ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں چنانچہ امام احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم یعنی یوسف پیغمبر علیہ السلام وہ برگزیدہ ہیں کہ خود بزرگ و باپ بزرگ و دادا بزرگ و پردادا بزرگ یعنی پدر بہ پدر بزرگی و شرافت حضرت یوسف کو حاصل تھی و رواہ البخاری فانفرد - اور بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا کہ اکرم سب لوگوں میں سے کون ہے فرمایا اکرمھم عند اللہ اتقاھم جو سب سے زیادہ متقی ہو وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے (یعنی اسمیں حسب و نسب کو دخل نہیں ہے) تو پوچھنے والوں نے عرض کیا کہ ہم اسکو نہیں پوچھتے ہیں فرمایا - فاکرم الناس یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ یعنی نسب کی راہ سے اکرم وہ یوسف نبی اللہ ہے جو نبی اللہ کا بیٹا اور نبی اللہ کا پوتا و خلیل اللہ کا پرپوتا تھا تب انھوں نے عرض کیا کہ ہم اسکو آپ سے نہیں پوچھتے تو فرمایا کہ کیا عرب کے معادن کو پوچھتے ہو انھوں نے عرض کیا کہ ہاں تو فرمایا کہ تم میں جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بہتر تھے وہی اسلام میں بہتر ہیں جبکہ وہ فقیہ ہو جاویں - الحاصل اس سورہ میں اسی بزرگ پیغمبر علی نبینا و علیہ السلام کا قصہ حق عزوجل نے بیان فرمایا بقولہ - اذ قال یوسف یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو سنادے یہ قصہ کہ جب یوسف نے بیان کیا لِأَبِيهِ اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے اسطرح کہ يَا أَبَتِ یا ابی و یا ابتی اے میرے پیارے باپ - إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ میں نے خواب میں دیکھے گیارہ ستارے اور سورج و چاند - گویا باپ نے خوب متوجہ ہو کر پوچھا کہ تو نے ان اجرام علویہ کو جنہیں عقل نہیں دی گئی ہے کیونکر دیکھا تو کہا - رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ - میں نے انکو عقل والوں کی طرح اپنے آپکو سجدہ کرتے دیکھا مفسرین نے کہا کہ چونکہ یہ اجرام سجدہ کرتے دیکھے تھے اسواسطے رأیتھم میں ضمیر ہم مثل عقلاء کے آئی اور یہ خیال ہیما آتا ہے اور سجدہ سے مراد تعظیم ہو یا حقیقی سجدہ ہو اور یہی اقوی خیال کیا گیا اور کہا کہ جیسے

ہمارے یہان تحیۃ سلام بدون سر جھکانے کے ہی انکے یہان تحیہ سجدہ تھا اور بعض نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ سر ٹیک کے سجدہ
کبھی سوائے خدا کے دوسرے کو نہ تھا پس مراد تعظیم کے طور پر جھک جانا جیسے اس زمانہ مین لوگ جہالت سے یہ فعل ممنوع کیا کرتے
ہین کہ تسلیم و آداب کہکر رکوع کرتے ہین پھر اس خواب کی تعبیر بقول اکثر مفسرین چالیس برس بعد ظاہر ہوئی اور بقول حسن
بصری اسی برس بعد ظاہر ہوئی جبکہ والدین و بھائی سب مصر مین گئے کما فی قولہ وخروا لہ سجدا وقال یا ابت ہذا تاویل
رؤیای من قبل ۔ چنانچہ آخر سورہ مین آویگا ۔ قال الامام الحافظ ۔ اور ابن عباس رضؓ نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب ایک وحی
ہوتا ہے اقول خواب شرع مین تین طرح کا معلوم ہوتا ہے ایک خواب احلام ہین اور وہ شیطانی ہوتا ہے اور حدیث صحیح
مین آیا ہے کہ جب آدمی ایسا مکروہ معاملہ دیکھے تو بائین طرف تین بار تھوک دے اور کروٹ بدل لے اور اسکو کسی سے ذکر نہ کرے
انشاء اللہ تعالیٰ کچھ مضر نہوگا اور ایک شخص نے بیان کیا تھا کہ مین نے دیکھا کہ میرا سر کٹکر زمین پر غلطان چلا جاتا ہے اور مین اسکے
پیچھے دوڑا چلا جاتا ہون تو فرمایا کہ یہ شیطانی خیال ہے تم مین بعضون کو شیطان کیون مسخرہ بناتا ہے یعنی دل کو نورانی خیالات
سے صاف رکھو اور اسمین دنیا کی شہوات کو جگہ نہ دو تو شیطان کو دل مین جگہ نہ ملیگی اور دوسرا خواب وہ ہے جسکی تعبیر کی
حاجت ہوتی ہے اور وہ کچھ ایمان و صلاح پر موقوف نہیں ہے ہان مرد ظالم تبہ کار مخلوق کو ایذا دینے والا نہ ہو ہان انوار
ملکوتی سے البتہ کافر ازلی محروم ہوگا اور دنیاوی واقعات مین وہ بھی دیکھ سکتا ہے چنانچہ بادشاہ مصر نے جو خواب دیکھا تھا
یا دونون قیدیون نے وہ عنقریب آویگا اور کہتے ہین کہ وہ آخر مین حضرت یوسف پر ایمان لایا تھا اور مومنون مین یا وہ
بندگان صالح جن کے پیٹ مین غذا کے ابخرات کم بھرے ہوتے ہین نورانی خواب سے مشرف ہوتے ہین اور حدیث مین تعریف
ہے کہ سچا خواب منجملہ چھیالیس یا چھیالیس اجزائے نبوت مین سے ایک جزو ہے اور یہ مخصوص بسعادت ازلی ہے اور خواب
حضرت یوسفؑ خود باوّل تھا اور ان کو تعبیر خواب کا علم عطا ہوا تھا اور تیسرا خواب صریح صاف اور یہ اکثر مخصوص بنبوت
ہے جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے پسر کو قربانی کرتے دیکھا اور یہ وحی ہے جیسا کہ ابن عباس رضؓ نے فرمایا یعنی اسپر
عمل کرنا واجب ہے اسیواسطے حضرت خلیل علیہ السلام نے قربانی کرنا اختیار کیا چنانچہ قرآن مجید مین منصوص ہے بخلاف دیگر
امتیون کے خواب کے کہ جمہور علماء امت و تمام ائمہ حنفیہ متفق ہین کہ کسی آدمی کو خواب پر عمل کرنا مثل احکام شرع کے نہین
چاہیے اور اسکا اعتبار نہ ہوگا اگرچہ وہ ولی ہو لیکن حکم شرع کی تعمیل مین اگر تائید ہو تو مضائقہ نہین ہے مثلاً اگر کسی نے خواب
دیکھا کہ مجھے ایک بزرگ صورت کہتے ہین کہ تو بڑی مجلس جمع کر کے الٹی سیفی پڑھ تو تعمیل حرام ہے بلکہ کفر ہے یا مجلس کر کے حضرت
عیسیٰؑ کے حالات بیان کر کے خیرات کر تو عمل کرنا ممنوع ہے یا دیکھا کہ کوئی مجھے جھڑکتا ہے کہ تو فرائض و سنن ادا کرنے مین
سستی و کوتاہی کرتا ہے تو چاہیے کہ بیدار ہو کر استغفار کرے اور خوب کوشش سے ادائے فرائض و سنن پر قائم ہو بہرحال یہ
مختصر بیان اس مقام پر کافی ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ ۔ قال الامام الحافظ رح پھر علماء نے اس خواب یوسفؑ کی تعبیر مین کلام کیا ہے
بعض نے کہا کہ گیارہ ستارے سے مراد گیارہ بھائی ہین اور شمس لفظ مونث سے مراد ماں اور قمر مذکر سے مراد باپ ہین اسیواسطے
رایتہم کی ضمیر اہل عقل کے مانند فرمائی تو حاصل یہ ہوگا کہ مین نے گیارہ بھائیون و مادر و پدر کو اپنے آپ کو سجدہ کرتے
دیکھا ہے اس صورت مین یہ خواب صریح ہوگا ماوّل و معبر نہ ہوگا جسکا وقوع بعد چالیس برس کے ہوا اور کہا کہ یہی ابن عباسؓ

وقتادہ وضحاک وسفیان ثوری وعبدالرحمن بن زید سے مروی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ خواب میں ستارے و سورج و چاند ہی کو
دیکھا تھا تو جواب باول ہوگا پھر ابن جریر کے اسناد سے یہ روایت لکھی کہ عبدالرحمن بن سابط نے کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس ایک
یہودی جسکو بستانہ الیہودی کہتے تھے آیا اور کہا کہ جن کواکب کو یوسف نے سجدہ کرتے دیکھا تھا آپ مجھے بتلا دیجیے کہ ان کے کیا نام
تھے پس آنحضرت صلعم خاموش رہے کچھ جواب نہ دیا حتی کہ وہ شخص چلا گیا اتنے میں حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور ان ستاروں کے
نام بتلائے تو آپ نے اسکو بلوا بھیجا اور فرمایا کہ اگر میں تجھے انکے نام بتلا دوں تو کیا تو مسلمان ہو جائیگا اُسنے اقرار کیا کہ ہاں تو فرمایا کہ جریان
طارق ۔ ذیال ۔ ذوالکتفین ۔ قابس ۔ وثاب ۔ عمودان ۔ فلیق ۔ مصبح ۔ ضروح ۔ ذوالفرع ۔ ضیا ۔ نور یہ سنکر یہودی نے کہا کہ ہاں واللہ بیشک یہی
نام ہیں ۔ اسکو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابویعلی الموصلی وابوبکر البزار وابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے اور ان سب کے
اسانید میں شیخ سدی رح سے حکم بن ظہیر راوی ہے اور سدی رح کے شاگردوں ثقات میں سے کوئی اس حدیث کو روایت نہیں
کرتا ہے صرف تنہا یہ شخص حکم بن ظہیر روایت لاتا ہے حالانکہ یہ شخص ثقہ نہیں ہے ائمہ علماء حدیث نے بیان کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے
اور بہتوں نے اسکو متروک کر دیا ہے اور ابن حبان نے کہا کہ یہ شخص ساقط الاعتبار ہے اور ابن معین نے یوسف کی حدیث روایت کی ہے
مترجم کہتا ہے کہ شیخ کے نزدیک اس روایت کا ثبوت نہیں ہے اور بیضاوی وکشاف وغیرہ نے بھی بلا سند کی ایسی ہی حدیث
جسمیں یہی نام و قصہ مذکور ہے ذکر کی اور اسی سے دوسروں نے بیان کی اور [illegible] علامہ نے حاشیہ میں لکھدیا کہ یہ نجوم جو اس حدیث
میں وارد ہوئے ہیں رصد سے دریافت نہیں ہوئے میں کہتا ہوں کہ پہلے یہ ثابت ہو کہ حدیث کو آپ نے فرمایا تھا تب رصد وغیرہ
کا ذکر مناسب ہوگا حالانکہ شیخ مفسر سیوطی رح نے در المنثور میں اس روایت کو لکھا اور ائمہ اولین کا ضعفا و متروکین ہونا ثابت
ہے اور سراج میں بھی لکھا کہ شیخ ابن الجوزی نے کہا کہ یہ روایت بنائی ہوئی موضوع ہے پس جسقدر صحیح ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت
یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستارے جنکی صورت و نام کچھ مذکور نہیں ہے مع چاند و سورج کے اپنے آپ کو سجدہ کرتے دیکھے اور اُس کو
اپنے باپ سے بیان کیا ۔ فی العرائس قولہ اذ قال یوسف لابیہ الآیۃ ۔ اللہ تعالی نے یوسف کے نام میں ی و س ف چار
حروف جمع فرمائے یا یسار ملک (یعنی آسمانی حکومت ۱۲) ۔ واو وضاحت وجہ ۔ سین سر غیب پر اطلاع بطریق خواب و کشف ۔ فا فوز بوفاء عہد ازلی در
اداء رسالت ۔ پس انہیں اوصاف سے یوسف نام ہوا بعض نے کہا کہ اسیف غلام کو کہتے ہیں اور ظاہر ہیں ان پر عبودیت
طاری ہوئی تھی اور اسف حزن و اندوہ کو کہتے ہیں جیسا کہ ان پر واقع ہوا تھا تو یوسف نام ہوا مترجم کہتا ہے کہ یہ اشتقاق
بطور عربی زبان کے ہے اور مجھے معلوم ہو چکا کہ یہ لفظ عبرانی ہے تو معانی سے تعلق بہتر ہوگا اب بیان خواب یہ ہے کہ اہل صدق و صفا
و قبولیت و اصطفاء کا پہلا مرتبہ مکاشفہ یہی سچے خواب ہوتے ہیں پھر جب حالت تحمل قوی ہوتی جاتی ہے تو خواب سے کشف ہو جاتا
ہے اور مکاشفہ کے درجات بہت ہیں جنکو میں نے کتاب المکاشفہ میں بیان کر دیا ہے اور ان معانی کے سمجھنے کے لیے ستاروں کو [illegible]
نیز عالم ملکوت کی مثال ستارے شمس و قمر سے فرمائی اور انھیں سے انبیاء و اولیاء کی تمثیل دی ہے پس شمس تو مثل ذات ہے اور
قمر مثل صفات ہے اور کواکب مثال اسماء و نعوت ہیں اور میں یہاں مکاشفہ کی اشکال نہیں بیان کرنا چاہتا بلکہ جو کچھ یوسف کو کشف
ہوا اسکا ترجمہ [illegible] کہتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام آدم ثانی تھے کیونکہ جو بات بوجہیت آدم پر تھا وہی یوسف پر تھا پس
ملائکہ نے وہی لباس دیکھکر جیسے آدم کو تمام ملائکہ نے سجدہ کیا یہاں یوسف کو اشرف انبیاء نے جو ملائکہ سے بہتر ہیں سجدہ کیا ۔

اقول شاید برادران یوسف علیہ السلام کو انبیاء قرار دیا ہے اور قول یہی راجح معلوم ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہان ایک لطیف اشارہ ہے کہ خلیل علیہ السلام نے اس معنی کو چہرہ شمس و قمر و کواکب سے مشاہدہ کر کے ہذا ربی کہا تھا اور یہ ملائکہ و انبیاء کیلئے آدم و یوسف کو سجدہ کیلئے عذر ہے کیونکہ وہان تجلی حق سبحانہ تو اجرام فلکی سے تھی کہ جنکا وجود از صفت فعلی یعنی افعال ہے اور یہان تجلی حق ان دونون سے تھی اور انکو مزیت ان اجرام فلکی پر ظاہر ہے تو نہین دیکھتا کہ قولہ تعالیٰ خلقت بیدی۔ اور نفخت فیہ من روحی۔ سے اختصاص خاص ظاہر ہے پس اجرام فلک کو لباس انوار ہیبت پہنایا تو ابراہیم کو انکی طرف ہیجان ہوا جیسے طور کو یہ انوار دیئے تو موسیٰ اسکی طرف مائل ہوا اور آدم و یوسف پر یہ انوار ظاہر کئے تو سر ملائکہ و انبیاء کو انکی طرف ہیجان ہوا پس اگر خلیل علیہ السلام حضرت آدم اپنے باپ کو یا یوسف اپنے فرزند کو دیکھتے تو اسرار ملکوت جو اجرام سماوی سے مشاہدہ کرتے تھے انمین بہت زیادہ پاتے کاش اگر یہ سب لوگ مع آدم و یوسف کے انوار جمال سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین کو دیکھتے تو دریائے حیرت مین غرق ہو جاتے اور ملائکہ آسمان سے اترتے کیونکہ آپکا نور معدن جمال قدم و ازلی سے نہایت ہی انور و اشرق تھا انمین ایک عجیب نکتہ توحید ہے کہ خلیل علیہ السلام نے جو کہا تھا کہ ہذا ربی بغیر اسکے کہ معبود و مسجود قرار دیا ہو تو صانت بیان کیا کہ جلال کبریا و ساحت عزت و بقا ہر اضداد و انداد سے پاک ہے وہان کوئی مثل و شریک نہین ہے اس معنی کو خلیل نے نور نبوت سے ادراک کیا تھا چنانچہ قوم کو خطاب کیا کہ انی بریٔ مما تشرکون۔ انمین مرید کیلئے ادب ہے کہ جو مکاشفہ سے ظاہر ہو اسکو استاد کے حضور مین عرض کرے تاکہ وہ کشف و خیال مین فرق کر دے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے خواب کی خوبصورتی اچھی معلوم ہوئی تو اپنے باپ سے اسکو بیان کر دیا اور یہی پہلا امتحان تھا جس سے بلا و مصیبت مین گرفتار ہوئے پھر جب یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کی تاویل و اسرار کو دیکھا کہ بھائیون کا مع والدین کے اس کے لیئے خضوع ہے تو منع کر دیا کہ اپنے بھائیون سے نہ کہے چنانچہ فرمایا۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

کہا اے بیٹے مت بیان کر خواب اپنا اپنے بھائیون پاس پھر وہ بنا دین گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان

لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

انسان کا صریح دشمن

قال یٰبنیّ۔ کہا یعقوب نے اے میرے بیٹے۔ بُنَیّ تصغیر تصغیر جیسے طفلک وغیرہ اور یہ بنظر شفقت پدری ہے یا بنظر صغر سنی یعنی اے میرے بچے۔ لا تقصص رؤیاک علی اخوتک۔ مت بیان کیجیو اپنا خواب اپنے بھائیون سے۔ فیکیدوا لک کیدًا۔ کہ وہ تیرے حق مین کوئی مکر باندھین یعنی تیرے ہلاک یا ایذا رسانی کی تدبیر و حیلہ کرین۔ ان الشیطان للانسان عدو مبین۔ بیشک شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے چنانچہ انسان کی اصل ماں و باپ کو اپنے فضل و قرب کی منزلت مین دیکھکر دشمنی سے انکو جنت سے باہر اس محنت کے جنگل مین نکلوایا۔ حاصل یہ ہے کہ جب حضرت یوسف نے اس خواب سے خوش ہو کر اپنے باپ سے آگاہ کیا تو انھون نے نور نبوت و فراست سے اسکی تعبیر ظاہر اسقدر سمجھی کہ یہ منزلت عالی کی انتہائی ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا ہوگی اور شاید یہ بھی جانا کہ ماں باپ و بھائی انکے لیئے خضوع کرینگے چنانچہ بعض مفسرین کا گمان ہے اور شاید یہ تاویل بھی

مصرح ظاہر نہ ہوئی ہو واللہ اعلم مگر اسقدر ضرور ظاہر ہوا کہ سب بھائیون سے شرف مین ممتاز ہونگے تو یوسف کو منع کرنا
کہ اپنے بھائیون سے یہ خواب بیان نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ انکو شیطان رشک و حسد کا وسوسہ ڈالدے کہ وے تجھ سے عداوت کرین اور
تیری ہلاکت کا حیلہ نکالین کیونکہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہی نہین چاہتا کہ کوئی آدمی شرف قرب الٰہی پاوے اور جب شیطان
کو یہ قدرت نہین ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع بندے کے دل مین اپنا وسوسہ دوڑاوے اسطرح کہ وہ معصیت مین مبتلا ہو کر منزلت
سے گر جاوے تو یہ کرتا ہے کہ دوسرے آدمیون کو جنمین گنجایش پاتا ہے اپنا وسوسہ ایسا دوڑاتا ہے کہ وے اس آدمی سے مکروفریب
کرین کیونکہ آدمی کو آدمی کی طرف بوجہ جنسیت کے التفات ہوتا ہے اسیواسطے حقیقی شیطان سے وہ آدمی زیادہ مضر ہوتا ہی جو شیطانی
باتون کو مان لے اسیواسطے اکثر دیکھا گیا کہ اہل الخیر و اولیاء الٰہی کے قتل مین دشمن پیدا ہوتا ہی اور حضرت سفیان ثوری سے روایت
ہے کہ جب کسی عالم کی تعریف سنتے تو اسکے دوست اور دشمن دریافت کرتے اگر معلوم ہوتا کہ اسکے دشمن بہت ہین تو اسکو متقی
صالح جانتے تھے پس اس آیت سے ظاہر ہوا کہ جو کوئی اپنے خالق عزوجل کی طاعت و اخلاص مین مستعد ہو کر تقرب چاہے تو اکثر
باغوا و وساوس شیطانی اسکے دشمن ہو جاتے ہین حتی کہ غیر تو درکنار اسکے بھائی برادر اسکے ساتھ حسد و عداوت کر کے اس کو ایذا
دینے کے درپے ہو جاتے ہین تاکہ یہ شخص طاعت سے باز رہے یا خلل پڑے پھر اگر وہ مستقیم رہا تو اس استقامت کا درجہ بلند و منزلت
عالی ہی اور ضرور انجام کار وہی غالب ہوتا ہے اور دشمن خوار و ذلیل ہوتے ہین لیکن ابتدا مین علی قدر مراتب امتحان اخلاص
کی سنت الٰہیہ یون ہی جاری ہی اور وہی رب تبارک تعالیٰ حکمت والا ہی اسیواسطے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف
کو بھائیون کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرمادیا۔ قال الامام الحافظ رح یعقوب نے یہ خواب جسکی تعبیر یہ تھی کہ یوسفؑ کے
سامنے انکے بھائی بطریق اکرام و احترام کے ساجد ہونگے یوسف سے سنا تو ڈرے کہ بھائی سنکر حسد سے اسکی ہلاکت کے حیلے
نکالینگے اور حقیقت مین یہ دشمنی از جانب شیطان ہوگی جو تقرب انسان نہین چاہتا لہذا بھائیون کے دل مین حسد کی آگ
بھڑکائی ورنہ بھائی تو بھائی تھے اور جو بات اللہ تعالیٰ چاہے وہ پوری ہوتی ہی کسی حاسد کا حسد کچھ نہین کر سکتا اور یہی وجہ تھی کہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے شیطان کو دشمن جانا اور بھائیون کو معذور فرمایا جیسا کہ قصہ مین آویگا۔ سراج مین ہی کہ حضرت
ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ مین ایسا خواب دیکھتا جو مجھے بیمار ڈالدیتا یعنی اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھکر معاملہ
مکروہ سے خوف زدہ و بیمار چندروز مغموم ہو جاتا تھا یہان تک کہ مین نے آنحضرت صلعم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ اچھا خواب
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حلم شیطان کی طرف سے ہی تو تم مین سے جو کوئی ایسی بات دیکھے جسکو وہ پسند کرتا ہے تو کسی سے
بیان نہ کرے مگر جسکو محبوب رکھتا ہو اس سے کہے اور جب ایسی بات دیکھے جو بری جانتا ہی تو اسکو بیان نہ کرے اور بائین جانب
تین مرتبہ تھوک دے اور اللہ تعالیٰ عزوجل سے پناہ چاہے شیطان رجیم و اسکے شر و بدی سے تو وہ خواب اسکو مضر نہ ہوگا واضح
ہو کہ خواب نیک و بد سب کا خالق اللہ تعالیٰ عزوجل ہی اور جو حکمت الٰہیہ تدبیر عالم مین جاری ہی وہی یہان مؤثر ہی اسکے
پیدا کرنے مین شیطان کو کچھ دخل نہین ہی پس حدیث مین جو نیک خواب کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تو اسکی نعمت کا شکر
ادا کرنے کی جہت سے ہی چنانچہ دوسری صحیح حدیث مین صریح مذکور ہی کہ اسکے شکریہ مین اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور مکروہ
خواب کو شیطان کی طرف نسبت بوجہ مناسبت کے ہی کہ شیطان بسبب عداوت کے موقع پاکر وسوسہ کے طور پر ایسے

مکروہ واقعہ کو حاضر کرکے آدمی کو ایذا اور دینے وغمگین کرنے سے خوش وراضی ہوتا ہے اسیواسطے اپنے قلب سے شیطانی اثر دور کرنے کیلئے
حدیث مین استعاذہ کا حکم ہے کہ شیطان کی بدی سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ذکر پاک دل مین آویگا پس شیطان کو جگہ
نہ ملیگی کیونکہ شیطان کو اسی قلب مین جگہ ملتی ہی جو یاد الٰہی سے خالی ہو یا قاسب کا سویدا جو مثل آنکھ کی پتلی کے ہی وہ خالی ہو
اسیواسطے اکثر آدمی نماز روزہ کرتا ہے مگر دل کے بیچ مین دنیا کی محبت وشہوات کی لذت رکھتا ہے تو یاد الٰہی کا نور ادھر
ادھر کناروں پر آتا ہے اور شیطان کو بیچوں بیچ مین قابو ملتا ہی پس باوجود اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کے وسوسہ
دور نہین ہوتا پھر یہ جو فرمایا کہ استعاذہ پڑھے اور تین مرتبہ بائین طرف تھوکے اور دوسری روایت مین ہی کہ کروٹ بدل لے
تو سراج وغیرہ مین لکھا کہ غیب بتاسکے احوال سے اللہ تعالیٰ دانا ہے اور انبیاء وصالحین کو جہانتک ظاہر فرمایا انکو آگاہی ہے
پس یہ اسباب اسنے سلامتی کے مقرر فرمائے ہین جیسے کپڑا اوڑھنا سردی سے بچاؤ کیلئے اگرچہ سردی آنکھون نہین دکھلائی
دیتی لیکن حواس سے محسوس ہی اور یہ مقامات حواس سے اعلیٰ ہین ۔ قال الامام الحافظ اور حدیث مین آنحضرت صلعم سے ثابت
ہے کہ جو کوئی تم مین سے ایسا خواب دیکھے جسکو پسند کرتا ہے تو اسکو بیان کرے اور اگر ایسا دیکھے جسکو مکروہ جانتا ہے تو کروٹ
بدل لے اور بائین طرف تین مرتبہ تھتکار دے اور اللہ تعالیٰ کی جناب مین اسکی بدی سے پناہ مانگے اور کسی سے اسکو بیان نکرے
تو وہ اسکو کبھی ضرر نہ کریگا ۔ امام احمد وبعض اہل السنن نے معاویہ بن حیدۃ القشیری سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا
الرؤیا علیٰ رجل طائر الحدیث یعنی خواب مثل پرندے کے اسپر پرواز کرتا ہے جبتک تعبیر نہ دیا جائے پھر جب تعبیر دیا گیا تو گر پڑتا
ہے ۔ قال الامام یہین سے یہ حکم دیا گیا کہ نعمت کو پوشیدہ رکھنا چاہیئے یہانتک کہ وہ موجود وظاہر ہوجائے چنانچہ حدیث
مین ہی استعینوا علیٰ قضاء الحوائج بالکتمان الحدیث اپنی حاجتون پوری ہونے پر انکی پوشیدگی کے ساتھ استعانت چاہو کیونکہ
ہر نعمت والا محسود ہوتا ہے کوئی نہ کوئی اس سے حسد کرتا ہے ۔ سراج مین ہے کہ حکماء ربانی نے کہا کہ ردی خواب کی تعبیر جلدی
ظاہر ہوجاتی ہے اور نیک خواب کی تعبیر دیر مین کھلتی ہے اور فرمایا کہ اسکی حکمت یہ ہی کہ رحمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ بدی
سے اسوقت خبر ہو کہ اسکا ظہور قریب ہو تاکہ غم واندوہ کم ہو اور خیر سے آگاہی بہت پہلے سے ہوجاتی ہی تاکہ اسکی توقع
حصول مین مدت سے خوشی مناتا رہے چنانچہ خواب یوسف علیہ السلام کی تعبیر چالیس برس بعد ظاہر ہوئی فافہم ف
فی العرائس قولہ یا بنی لا تقصص رؤیاک علیٰ اخوتک الآیۃ اہل معرفت کی بھی ایسی ہی شان ہوتی ہی چنانچہ مرید کو روا نہین
ہے کہ سرّ مکاشفہ کو افشا کرے لیکن استاد کے حضور مین بیان کرسکتا ہے اور اگر افشا کریگا تو حجاب مین پڑکر غیرت ازل مین
گرفتار ہوگا اور یعقوب ؑ اسوقت دیدار علم مین تھے ازلی حکم جاری ہونے سے نظر اسطرف تھی تو تدبیر سے اپنے فرزند کی نگہداشت
چاہی مگر صورت تدبیر عین تقدیر ہوگئی بعض نے کہا کہ اسوقت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند پر خوف کرکے اسکی تدبیر چاہی
ولیکن ہوا جو ہوا اور اگر تدبیر چھوڑکر رضا وتسلیم کی طرف راجع ہوتے تو محفوظ رہتا اقول حدیث مین منع ہے کہ اگر ایسا ہوتا اور
اگر ویسا کرتے ان باتون کا دروازہ شیطان کیلئے مت کھولو پس اگر کوئی کہے کہ ان بعض حضرات کا یہ کہنا کہ اگر تدبیر چھوڑکر تسلیم
کی طرف راجع ہوتے تو محفوظ رہتا عین تدبیر ہے جسکو بمقابلہ تقدیر کوئی قیام نہین ہی ہان اگر یہ ہوتا کہ بالکل خاموشی سے رضا
بتقدیر بنظر ثواب ہو تو درجہ عالی کی امید ہی بالجملہ اس مقام مین ایک طرح کی فہمائش مقصود حضرات ہی کہ موافق ظاہر کے جو کام

ہاتھ وآنکھ و زبان وغیرہ سے مناسبت رکھتا ہو عمل میں لادے ولیکن ان جوارح کو کام میں لاتے وقت بھی قلبی نظر محض جریان قضار
و قدر پر ہو تاکہ حسن تدبیر آلہیہ جو کائنات میں جاری ہو اُس سے مخالفت بھی نہو و در اصل حکم ازل جو پردۂ امتحان سے اعلیٰ ہو اُس سے
موافقت بھی ہو ۔ پھر شیخ نے بعض حضرات کا قول نقل کیا کہ جب آنحضرت علیہ السلام نے کہا کہ اخاف ان یاکلہ الذئب اور کہا کہ لاتقصص
رویاک ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسمین وہی نتیجہ دکھلایا جس سے خوف کرتے تھے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ تفویض و تسلیم بہتر ہوتی ہو تدبیر
کے ساتھ چپٹے رہنے سے ۔ اقول یعنی تدابیر دینی سے ادنیٰ طریقہ جس سے حکم تدبیر آلہیہ سے موافقت رکھنا ثابت ہو جائے اختیار کرنا
چاہیئے اور اسمین مبالغہ و جد و جہد شدید سے احتراز رکھنا چاہیئے اسیواسطے حدیث مین فرمایا ۔ اجملوا فی الطلب یعنی تدبیر کی جستجو مین
ادنیٰ درجہ پر اکتفا کرو پھر مترجم کہتا ہو کہ جبتک ایمان مستقیم نہو اور انسان کو نور معرفت نہو تب تک ان مقامات کی وضاحت
عامی اندھے بہرے پر نہین ہو سکتی کیونکہ بسا اوقات وہ دیکھتا ہے کہ ایک مرد نصرانی مثلاً تمام جد و جہد سے بہت کچھ دنیا حاصل
کر لیتا ہے اور خود مسلم اپنے اختصار سے اُس سے ادنیٰ رہتا ہے پس شیطان موقع پاکر اسکے دل مین اوہام و شکوک ڈالتا ہو جس سے
وہ دین آلہی سے گمراہ ہو کر شیطان کی اتباع مین خود بھی خراب حال سے نصرانی کیساتھ ہو جاتا ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پتھر
رکھکر سوئے اور شیطان نے اس پتھر مین اپنا حصہ ظاہر کیا اور کہا کہ تم دنیا کی طرف مائل ہوئے تو پتھر نکالکر اسکی طرف پھینکا اور کہا
کہ لے یہ مع دنیا تیرے لیئے ہو پس جسکو دار الآخرۃ پر ایمان نہو وہ عام رحمت آلہیہ سے ہر جگہ محروم نہ ہوگا بلکہ شیطان کے ساتھ اسکو
دنیاوی حصہ ہو پس اگر ظالم تبہ کار جاہل ہو تو اسنے شیطان کے کارندہ ہونے کی بھی لیاقت نہین پائی اور ظلم سے عذاب آلہی
پہونچیگا اور اگر مصلح و ہوا خواہ دنیا کا حریص ہو تو بحکم قولہ نؤتہ منہا یعنی جو دنیا کی خواہش مین اسکے لیئے کوشش کرتا ہے ہم اس کو
دنیا سے حصہ دیتے ہین وہ اپنا حصہ اسی حقیر فانی ادنیٰ اموال غلیظ سے لیجائیگا پھر آخرت مین اسکے لیئے کچھ نہین ہو اور جب خوض
کرے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ اُسنے تمام اقسام اموال و دولت فانیہ مین سے صرف اسی قدر پایا جس سے اپنا پیٹ بھر لیا
اور باقی دوسرون کیلیئے ہو اور نام اگر رہا یا نہین اسکو کچھ فائدہ نہین ہو جب یہ معلوم ہوا تو اب ظاہر ہو گیا کہ تدبیر محض ایک تعمیل
اُس طریقہ آلہیہ کی ہو جو اُسنے اس مقام امتحان مین چاہا ورنہ وہی واقع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا اور جب ایسا ہو تو آخرت
کا سعی کرنیوالا اتمام کوشش اسی طرف مصروف فرمائے ورنہ دنیا کی طرف رجوع کرنے سے اسلام و ایمان و معرفت مین قصور
ظاہر ہے اور تدبیر کا اثر دونون مین سے ہر ایک فریق کیلیئے موافق اسکی تقدیر کے ظاہر ہوتا ہو والسلام ۔ قائل ۔ قصہ
لغت مین کسی چیز کے تتبع کو کہتے ہین چنانچہ قولہ تعالیٰ وقالت لاختہ قصیہ ۔ مین یہی معنی مراد ہین یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی والدہ نے بالہام آلہی سبحانہ تعالیٰ موسیٰ کو صندوق مین بند کر کے دریائے نیل مین بہا دیا اور اسکی بہن سے کہا کہ اسکے پیچھے پیچھے جا
اور تتبع کر دیکھ کیا ہوتا ہے اور یہ لفظ مصدر ہو اور حکایت کو قصہ اسلیئے کہتے ہین کہ بیان کرنے والا تھوڑا تھوڑا کر کے لاتا ہو کذا
ذکرہ فی السراج وغیرہ اور مترجم کہتا ہے کہ میرے نزدیک قصہ مصدر بمعنی تتبع ہو یعنی کسی چیز کے نشان روانی پر پیچھے پیچھے چلنا جیسے قالت
لاختہ قصیہ ۔ مین مراد ہو کہ اس صندوق کی رفتار پر اسکے پیچھے پیچھے چلی جا ۔ پھر حکایت کو قصہ اسلیئے کہتے ہین کہ اصل واقعہ تو گذر گیا اب
قصہ بیان کرنیوالا اسکے اثر و نشان پر چلتا ہے اور اسکے تصویر کا خاکہ کھینچتا چلتا ہے اگرچہ اس معنی کو تھوڑا تھوڑا کر کے بیان کرنا بضرورت
ادائے عبارت کے واقع ہوتا ہو کیونکہ تھوڑا تھوڑا بیان کچھ قصہ کی ضروریات سے نہین ہو بلکہ بیان کا یہی طریقہ ہو حتی کہ اگر ممکن ہو

تو وہ ایک مرتبہ سب صورت دکھلا دے۔ قولہ فیکیدوا لک سوال ہوا کہ فیکیدوک نہیں فرمایا حالانکہ قولہ فکیدونی جمیعا الآیۃ۔ میں
بغیر لام متعدی ہوا جواب دیا گیا کہ یہ لام صلہ ہے جیسے قولہ لربھم یرھبون حالانکہ یرھبون ربھم بھی صحیح ہے بعض نے کہا کہ تاکید صلہ ہے
جیسے ان کنتم للرؤیا تعبرون یا تعبرون الرؤیا اور جیسے نصحتک و نصحت لک۔ اور بعض نے کہا کہ کید یہاں متضمن معنی احتیال ہے اور
وہ متعدی بلام ہوتا ہے اور جب کسی کلمہ کو دوسرے فعل سے تضمین کرتے ہیں تو اسی طرح اسکی مقتضیات میں سے لاتے ہیں تاکہ
تضمن ظاہر ہو پس قولہ فیکیدوا لک یعنی حیلہ ڈھونڈھکر تیرے لیئے ہلاکت کا جال پھیلاویں اور کیدا مفعول مطلق بنا بر اظہار
قوت کید ہے یا یہ کہ تیرے لیئے مکر ایسا کریں جو پوشیدہ و مضبوط ہو قولہ تعالیٰ۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

اور اسی طرح نوازے گا تجھکو تیرا رب اور سکھاویگا کل بٹھانی باتوں کی اور پورا کریگا اپنا انعام

عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ

تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر پہلے سے ابراہیم اور اسحاق پر

اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ع

ع۲

البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمتوں والا

اس آیت شریف میں یعقوب علیہ السلام کے علم و فراست کا ظہور ہے جسکو پہلے سے جانتے تھے باوجودیکہ ظاہری اسباب کی تعمیل
میں برعایت ادب یوں کہا لا تقصص رؤیاک علی اخوتک۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکا قول بیان فرمایا۔ وکذلک یعنی جیسے تجھکو اس
خواب کی بشارت سے جو عزت و کمال نفس کی دلیل ہے برگزیدہ و مخصوص کیا ایسے ہی یجتبیک ربک۔ تجھکو برگزیدہ فرماویگا
تیرا رب یعنی درجات عالیہ عطا فرماویگا۔ فی السراج وغیرہ۔ اجتباء الٰہی یہ ہے کہ کسی بندے کو خاص اپنے فیض سے سرفراز
فرماتا ہے کہ اس سے طرح طرح کی کرامات حاصل ہوں درحالیکہ بندے کی کوشش طاعت وغیرہ کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہے اور
یہ بات مخصوص با نبیاء علیہم السلام ہے اور ان کے اتباع میں بعض بندے صدیق و شہدا و صالحین جنکو انبیاء سے قرب ہے
قال المترجم کوشش و طاعت کے دخل نہ ہونیکے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ لوگ عبادت و زہد و طاعت نہیں کرتے بلکہ مراد
یہ ہے کہ یہ قرب و منزلت محض فضل الٰہی ہے اور طاعات تو جبھی ادا کرسکا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کان ناک صحت و تندرستی رزق وغیرہ
دیا پھر یہ طاعت تو ان نعمتوں کا شکریہ بھی پورا نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی قرب و منزلت والے نہایت خلوص ظاہری و باطنی
سے خالص اپنے مولیٰ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں پر کوئی بندہ کبھی یہ نہیں جانتا کہ اسکا انجام کیونکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے قبول
یا عدم قبول اسکے حق میں کیا مقدر فرمایا ہے لہذا ہر ایک پر یہ واجب ہے کہ تقدیر جو شان الٰہی ہے اس سے کچھ بحث نہ کرے بلکہ خود
طاعت و عبادت میں کوشش کرے اور کوئی ارادہ کرنیوالا کبھی اپنی خواہش کے موافق قائم نہ رہیگا مگر جبھی کہ اللہ تعالیٰ
چاہے چنانچہ یہ بات صاف ظاہر اور حجت قطعی ہے اسیواسطے حدیث میں آیا کہ ہر شخص پر وہی آسان کیا جاتا ہے جسکے لیئے وہ مخلوق
ہوا یعنی وہی اسکو میسر آتا ہے پھر اس مقام پر ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو صغر سنی میں بغیر طاعت و عبادت کے اس خواب سے
کرامت فرمائی پس یعقوب علیہ السلام نے آگاہ فرمایا کہ یوں ہی تجھے تیرا رب درجات عالیہ کے لیئے مخصوص فرماویگا۔ ویعلمک

اور سکھلاویگا تجکو تیرا رب - مِنْ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ خوابون کی تعبیر یہ مجاہدؒ کا قول ہو اور خواب کو احادیث یعنی
باتین اسلیئے کہتے ہین کہ یا تو رویاے صادقہ ہوتی ہین تو فرشتہ کی باتین ہین یا شیطان کی احلام ہین جو اسکی باتین ہین قرطبی نے
لکھا کہ باجماع یہ تاویل احادیث بمعنی تعبیر خواب ہو اور یوسف علیہ السلام اسوقت اسمین سب سے زیادہ عالم تھے ولیکن بعض متاخرین
نے احادیث کو عام لیا کہ خواب کی باتین ہون یا اگلی کتابون و امتون کے بیان ہون - وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ - اور تجھ پر
اپنی نعمت پوری کریگا وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ - اور اولاد یعقوب پر یعنی تجھ پر پہلے اور تیرے ساتھ اولاد یعقوب پر نسلاً بعد نسل
اپنی نعمت پوری کریگا جہان تک اسکو منظور ہو مفسرین نے کہا کہ اتمام نعمت سے مراد نبوت مع بادشاہت ہو چنانچہ حضرت موسیٰ
سے نبوت و بادشاہت ان مین رہی - اور آل یعقوب سے مراد حضرت یوسف کے بھائی و قرابتی و انکی اولاد ہین اور یہ مؤید ہو کہ
برادران یوسف نبوت کو پہونچے - اکثر مفسرین نے کہا کہ شاید ان نعمتون کا اشارہ ہو جو ملک مصر مین داخل ہونے کے بعد انکو
میسر ہوئین باوجودیکہ وے سب انبیا پہلے سے تھے پھر ان مین بادشاہت بھی رہی - سراج وغیرہ مین لکھا کہ نعمت سے مراد
نبوت ہو جیسا کہ ابن عباس کا قول ہو کیونکہ مخلوق کو جو مراتب حاصل ہوئے ان سب مین نبوت اعلیٰ و اشرف و دائم نعمت ہے
اور بعض نے کہا کہ یجتبیک ربک سے عطاے نبوت مراد ہو اور یتم نعمتہ علیک سے دنیا و آخرت کی خوبیان و بھلائیان مقصود ہین اور
لکھا کہ قولہ علی آل یعقوب سے اولاد یعقوب مین یوسفؑ کے سب بھائی داخل ہین اور جب اس سے معلوم ہوا کہ اولاد یعقوب پر اتمام
نعمت ہوگا اور نعمت نبوت ہو جیسا کہ گذرا تو ظاہر ہو گیا کہ اولاد یعقوب سب انبیا تھے اور اس سے بڑھکر حجت یہ ہو کہ یوسف نے
بھائیون کو گیارہ ستارے دیکھا یعنی گیارہ آدمی نورانی جنمین داغ دھبا نہین اور ان کو فضل علم ہے جنکی روشنی سے دنیا والے
راہ پاوین جیسے ستارون سے روشنی ہوتی ہے اور لوگ ان ستارون سے اپنا راستہ جنگلون و بیابان مین بھٹک کر سیدھا
کر لیتے ہین جیسے آنحضرت صلعم نے اصحابی کالنجوم فرمایا پس یہ اولاد یعقوب ہادی خلائق انبیا و رسل ہوئے و اقول حدیث
مین قولہ منہم ظالم لنفسہ و منہم مقتصد الآیۃ - مین سب کو خیر و ہدایت و منزلت پر فرمایا ہے اور اگر یہ وہم ہو کہ انھون نے حضرت یوسف
کی ایذاء و قتل کا اقدام کیا تو جواب یہ کہ قبل نبوت کے ایسا واقع ہوا باوجودیکہ وہ مغفور تھے و قد قال یوسف لا تثریب علیکم
الیوم الآیۃ - اور یہ بنا بر اس قول کے کہ انبیاء سے قبل حصول نبوت کے ظہور بعض افعال کا بصورت معصیت ممکن ہو جیسے موسیٰ
علیہ السلام نے قبطی کو قتل کر ڈالا تھا پھر واضح ہو کہ تمام نعمت سے نبوت مراد ہونا اظہر ہے بدلیل ما بعد یعنی تجھ پر نعمت نبوت پوری
کرے اور اولاد یعقوب پر كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ - جیسے پورا کیا اس نعمت کو تمھارے دونون
باپ پر پہلے اس سے وہ ابراہیم و اسحاق ہین یعنی جیسے ان دونون کو نبوت و رسالت عطا فرمائی یہان دادا و پردادا کو ابوین
فرمایا اور خود بھی پیغمبر تھے ظاہر تواضع و حسن خلق سے اپنا ذکر نہین کیا - قال الامام الحافظ رحمہ اللہ حضرت مجاہد وغیرہم نے فرمایا
کہ قولہ و یعلمک من تاویل الاحادیث یعنی خواب کی تعبیر اور قولہ و یتم نعمتہ علیک یعنی تجھے رسول بنا کر اور تجھ پر وحی فرما کر اپنی
نعمت تجھ پر پوری کریگا اسیواسطے فرمایا - کما اتمہا علی ابویک من قبل ابراہیم و اسحاق جیسے ان دونون پر وحی کرنے و رسول
بنانے سے نعمت پوری کی - قال الشیخ حضرت ابراہیم کیلیے جس فرزند کے ذبح کا حکم تھا وہ مجاہدؒ کے قول مین یہی اسحاق
ہین ولیکن یہ قول صحیح نہین ہو - اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ - تیرا رب خوب دانا و حکمت والا ہو یعنی جو جس لائق ہو اُس کو

دہی دیتا ہے اگر وہم ہو کہ اس سے تو صاف معلوم ہوا کہ جو چیز جسکو حاصل ہو وہ اسکے لائق تھا تو جب کافرون کو نعمت و دولت سے مالا مال کیا تو وے اس سرفرازی کے لائق تھے تو جواب یہ ہو کہ دنیا تمام و کمال جب شیطان کو دیدی تو کافرون سے تجھے کیون تعجب ہوا اور یہ جو تیرا وہم ہو کہ اس سے بہت سرفرازی ہوئی تو محض غلط ہو دنیا کے اموال کی دو صورتین ہین ایک یہ کہ دنیا کو دنیا کی ناز نعمت و آرام و فخر و نام و دولتمندی کیلئے لیوے اور یہ ملعون وحقیر و فانی بقید رہو اور صحیح روایت ہو کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی نہین ملتا - دوم صورت یہ کہ دنیا کو بقدر کفایت یا زائد واسطے ثواب آخرت کے لیوے یعنی مثلاً عبادت کی قوت کیلئے خود کھاوے اور دوسرون کو کھلاوے اور محتاجون کو اتنا آسودہ کر دیوے کہ وے اپنی عبادت مین متفکر نہ ہون اور خیرات و صدقات سے دنیا کو آخرت کے لئے کھیتی بناوے تو یہ مال بجذات خود اسکی نظرون مین کچھ نہ تھا نہ اسکی کچھ محبت تھی صرف نیکی مین خرچ کرنے کا ثواب تھا تو اس راہ سے یہ مال وغیرہ نعمت ہو کیونکہ اسکے ذریعہ سے نعمت آخرت ملتی حاصل کی اسیواسطے حدیث صحیح مین آیا نعم المال الصالح للرجل الصالح الحدیث یعنی پاکیزہ مال نیک مرد کیلئے بھلا ہوتا ہے - دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مالدار تھے جب آنحضرت صلعم کو فرماتے سنا کہ جیش العسرۃ کیلئے جو سامان کر دے جنتی ہو تو آپنے فوراً سامان کیا اور تین مرتبہ اشرفیان آنحضرت صلعم کی گود شریف مین ڈالین جیسا کہ یہ قصہ حدیث صحیح و سیر مین مفصل ہو پس ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے اُسکے لائق عطا فرماتا ہے لہذا اولاد یعقوب علیہم السلام مین سے نبوت کبری حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمائی تنبیہ قولہ من قبل سراج وغیرہ مین کہا کہ من قبل ہذا الزمان - اس زمانے سے پہلے مترجم کہتا ہے کہ خود یعقوب علیہ السلام پر اتمام نعمت تھا اسکو بطریق توضیح نہین فرمایا اور اگر تقدیر کلام من قبلہ ہووے یعنی مجھ سے پہلے تو بھی یہی تاویل ہو گی لیکن تجدد و نعمت مین تخفیف ظاہر ہو فت فی العرائس قولہ وکذلک یجتبیک ربک الآیۃ - اجتبا و اصطفا یہ تھا کہ نور جمال سے لباس دیا اور پاکیزگی مین پرورش فرمایا - ویعلمک من تاویل الاحادیث سے علوم الٰہیہ و کشف و وحی سے سرفراز کیا اور ویتم نعمتہ علیک الآیۃ سے رسالت نصیب کی اور اتمام نعمت سے یہ کہ مرتبہ تمکین و تحقیق کو پہونچایا اور تلوین سے مقام استقامت تک فائز فرمایا اور مقام امتحان زلیخا سے پاکیزہ و طاہر رکھا جیسے انبیا و صدیقین کی شان ہوتی ہو اور درجہ حضرت ذبیح و خلیل تک بلندی قرب و منزلت حاصل ہوئی - اقول شیخ کی عبارت صریح ہو کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور سابق ایک مقام مین فی الجملہ اس امر مین کلام مذکور ہو چکا ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ قولہ فدیناہ بذبح عظیم کے تحت مین اپنے مقام پر تحقیق آوے گی ابن عطا رح نے کہا کہ اجتبا حسن خلق و دشمن و دوست سے عمدہ برتاؤ اور اپنی ذات کا انتقام بھائیون سے چھوڑنا بعض نے کہا کہ اجتبا یہ تھا کہ عورتون کا مکر ان سے دور کیا ورنہ مبتلا ہو جاتے - یحیی بن معاذ رحمہ اللہ نے کہا کہ اتمام نعمت سے یہ بھی تھا کہ بھائیون کو اُنکے سامنے خضوع و لاچاری سے انکساری کی نوبت پہونچی اور خود ان پر انعام فرمایا - سہل رح نے کہا کہ اتمام نعمت یہ کہ جو خواب دکھلایا اسکو تحقیق واقع کر دے استاد رحمہ اللہ نے کہا کہ اتمام نعمت سے یہ ہو کہ نعمت پر شکر کی توفیق ہو اور نعمت کو مشاہدہ نہ کرے بلکہ منعم حقیقی کو دیکھے تو شان یوسف علیہ السلام حسن و جمال و پاکیزگی و طہارت و بھائیون سے ایذا اٹھا کر ان سے حسن سلوک و مغفرت مانگنے مین بہت بڑھی ہوئی تھی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اسکو آیات و عبرت قرار دے کر فرمایا -

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۝ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ

البتہ ہین یوسف کے مذکور مین اور اسکے بھائیون کی نشانیان پوچھنے والون کو جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اُسکا بھائی

أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ اقْتُلُوا

زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم قوت کے لوگ ہین البتہ ہمارا باپ خطا مین ہے صریح مار ڈالو

يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا

یوسف کو یا پھینکدو کسی ملک مین کہ اکیلی رہے تم پر توجہ تمھارے باپ کی اور ہو رہیو اُس کے پیچھے

صَالِحِينَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ

نیک لوگ بولا ایک بولنے والا اُنہین مت مار ڈالو یوسف کو اور پھینکدو گمنام کنوین مین کہ اُٹھا لیجاوین اسکو

بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝

کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے

لَقَدْ كَانَ فِي خبر يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ - بیشک ہین یوسف علیہ السلام و اسکے بھائیون کے قصہ مین نشانیان واسطے پوچھنے والون کے - یعنی جو لوگ اس قصہ کو پوچھتے ہین انکے لیے یوسف و ان کے بھائیون کے قصہ مین آیات ہین یعنی ایسی نشانیان ہین جو اللہ تعالیٰ کی توحید عظیم قدرت و بدیع حکمت و عجیب صنعت پر دلالت کرتی ہین - امام رازی نے کہا کہ اور جو نہین پوچھتے ہین اُنکے لیے بھی یہ آیات موجود ہین تو سائلین کا ذکر بمانند قولہ تعالیٰ اربعۃ ایام سواء للسائلین الآیۃ ہے - پس حاصل یہ ہوا کہ سائلون کا ذکر فقط انکے پوچھنے و توجہ کرنے کی وجہ سے ہے ورنہ آیات جیسے سائلون کے لیے ویسے ہی دوسرون کیلئے یکسان ہین - قال الامام الحافظ - آیات للسائلین یعنی عبرت و نصائح ہین ان لوگون کیلئے جو اس قصہ کو دریافت کرتے ہین کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ ضرور اسکی خبر دریافت کی جاوے مترجم کہتا ہے کہ امام نے شان نزول کی روایت کہ یہود وغیرہ نے دریافت کیا تھا اس روایت پر معنی کو موقوف نہین رکھا بلکہ یہ معنی بیان کیے کہ اس قصہ مین عجیب اخبار ہین ہر شخص کو چاہیئے کہ اسکے دریافت کیواسطے سوال کرے پس سائل کو بہت نصائح و عبرت حاصل ہونگے یہ تقریر نفیس ہے اور واضح ہو کہ لقد کان مین معنی ماضی مراد نہین ہین چنانچہ کثرت سے عرب اس لفظ کو استمرار و ثبوت کے معنی مین لاتے ہین پس اب بھی وہ آیات موجود ہین اور مترجم کہتا ہے کہ اگر یہود کے سوال کرنے کی روایت سے معنی کا ارتباط لیا جاوے تو شاید یہ تعریض ہو یہود پر کہ ان کے لیے اس قصہ مین بہت علامات و نصائح و عبرت تھین گویا اُنھون نے انکو حاصل نہ کیا و لیکن احسن وہی ہے جو علماء تفسیر سے مذکور ہوا پھر آیات سے بعض نے تو اللہ تعالیٰ کی توحید و قدرت و صنعت پر علامات مراد لیا اور بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق رسالت پر حجت مراد لیا کیونکہ آیت حجت قطعی و ظنی دونون کو شامل ہے کما صرح بہ البیضاوی فی غیر ہذا الموضع - اور آنحضرت صلعم کی نبوت پر حجت ہونے کی یہ توجیہ بیان فرمائی کہ یہود نے مدینہ روساء قریش کے پاس آدمی بھیجے کہ محمد صلعم سے دریافت کرو کہ ہم سے ایک نبی کا حال بتلاوین جو شام مین رہتا تھا اور اسکا بیٹا مصر کو نکالا گیا وہ اسکے غم مین یہانتک رویا کہ اندھا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف پوری یکبارگی نازل فرمائی اور یہ بالکل اُسکے

مطابق واقع ہوئی جو توریت مین تھا تو ضرور انکے واسطے حجت قطعی ہوئی کہ آنحضرت صلعم رسول ہین کیونکہ آپنے اگلی کتابین نہین پڑھین اور نہ عالمون کے پاس بیٹھے اور نہ اخبار والون سے سنا اور نہ ملک حجاز مین کبھی اسکا ذکر ہوا تو ضرور وحی آلہی تعالی سے آپکو معلوم ہوا اور بعض نے کہا کہ آیات یعنی عجب ہین اور مراد عجب سے وہ ہے جسکو ہندی مین اچنبھا اور فارسی مین شگرف و شگفت بولتے ہین اور بعض نے آیات للسائلین کے معنی مین کہا کہ عبرت حاصل کرنیوالون کیلیے عبرت ہین کیونکہ اس قصہ مین کئی طرح کی نصیحت و عبرت و حکمت موجود ہے ازانجملہ حضرت یوسف ؑ کا خواب اور اسکا تحقیقی واقع ہونا اور کیسی کیسی گردش سوانح و وقائع کے بعد کس طریقہ سے اسکا ظہور ہوا۔ ازانجملہ بھائی ہوکر حسد کرنا اور اس حسد کا انکو قتل کرڈالنے پر آمادہ کردینا اس زعم پر کہ اسکے بعد ہم اپنی سعی سے قوم صالح یعنی برگزیدہ ہوجاوینگے اور آخر حسد کا انجام کیا ہوا اور یوسف علیہ السلام کی راستی و تواضع و صبر کرنا اور ظاہر و باطن اللہ تعالی کے ساتھ صدق و عفت کا برتاؤ اور آخر وہ کس مرتبہ پر فائز ہوئے ازانجملہ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے اسقدر تعلق کہ روتے روتے اندھے ہوگئے اور باوجود نبوت کے مرضی آلہی یہی ہے کہ پیغمبر اس حال کو پہونچے اور آنحضرت علیہ السلام کا صابر رہنا اور کچھ دعا نہ کرنا اور کنعان کے کنوین مین یوسف کا پڑا رہنا معلوم نہ ہوا اور مصر سے پیراہن یوسف ؑ کی خوشبو معلوم ہوئی باوجود اسکے یہ کہا کہ مین اللہ تعالی کی طرف سے وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے ہو اور آخر اپنی مراد کو پہونچنا اور ازانجملہ وقائع زلیخا کہ مثل دنیا کی زینت کے مزین ہوکر انکو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی اور اسکے لیے کیسے فریب و جال پھیلائے مگر آنحضرت علیہ السلام پاک رہے اور آخر رضاے آلہی و عروج کے ساتھ اس سے بہتر حالت مین وہ بھی مل گئین ازانجملہ قولہ والذین آمنوا اشد حبا للہ۔ ایمان والے جو سچے نیاز والے اللہ تعالی کو چاہتے ہین انکو اپنی محبت کا اندازہ کرنا کہ زلیخا کے مقابلہ مین انکا کیا حال ہے۔ ازانجملہ حکمت اسکی کہ یوسف علیہ السلام نے عورتون کے پاس رہنے سے قید ہونا بخوف آلہی پسند کیا اور وہین سے ایک ساقی نے رہا ہوکر بادشاہ سے تعریف کی جس سے مملوکیت کے داغ سے بالکل پاک ہوگئے کیونکہ بادشاہ نے اپنے واسطے استخلاص کیا تو آقا ہوگئے اور وہ ان کے دین پر ہولیا اور عورتون سے بالکل نجات ہوگئی اور سواے اسکے بکثرت نصائح ہین کہ اگر ہر ایک اشارہ لکھا جاوے تو غالبا ایک ضخیم مجلد کتاب ہوجائیگی کیونکہ باریک اشارات سمجھانے کیلیے سب متعلقات بیان کرنا دراز ہوگا وانما الفہم من توفیق اللہ عزوجل وہو الہادی الملہم ولہ الحمد فی الاولی والآخرۃ والیہ یصعد الکلم الطیب۔ اگر کوئی آیات سائلین کے جمیع معانی کو بوجوہ جمع کرے تو بھی ممکن ہے بس کہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام و انکے بھائیون کے قصہ مین سائلین کیلیے آیات ہین یعنی اہل عبرت و اہل عقل کیلیے اللہ تعالی کی وحدانیت پر نشانیان اور آنحضرت صلعم کے صدق رسالت پر قطعی حجتین و دلیلین اور انسانی اصل و انجام و حیات دنیا کیلیے نصیحتین و عبرتین موجود ہین اور جنکے پاس توریت تھی انکے پاس پہلے سے آیات وحدانیت و عجیب صنعت آلہی و نصائح و عبرت و حکمت موجود تھین مگر اکثرون نے اسنے نفع نہین پایا پھر اس قصہ مین زلیخا کا تذکرہ بتبعیت واقع ہوا اور اصل لڑکے بھائیون کا حسد ہی تھا لہذا مدت یوسف و اخوتہ کا قصہ فرمایا علاوہ برین تہذیب سکھلائی کہ عورتون کے تذکرہ سے تعلق کم کرین اور واضح ہو کہ حسد کرنیوالے صرف دس بھائی تھے اور گیارہوان بھائی انہین شامل نہ تھا پھر معالم و بیضاوی و سراج وغیرہ مین انکے بھائیون کے نام اسطرح لکھے کہ حضرت یعقوب کی پہلی بی بی انکے ماموں لیان کی دختر لیا نام سے یہودا۔ روبیل۔ شمعون۔ لاوی۔ زبلون۔ ایشجر چھ بیٹے تھے اور سراج مین مذکور ہے کہ سب سے بڑا

بدال ۱۲ بدون نون ۱۲ ہنون درآخر ۱۲

روبیل تھا اور ایسا ہی مؤلف الفتح نے قرطبی سے نقل کیا اور زبلون کو زبولون لکھا۔ پھر معالم میں کہا کہ دو لونڈیوں سے چار اولاد
تھے ان دونوں کا نام زلفی و بلہم لکھا اور امام رازی و قرطبی نے بلہم کی جگہ بلہہ لکھا ہے اور ان چاروں کے نام۔ دان نفتالی۔
جاد۔ اشر۔ بیان کئے یقاعی نے کہا کہ نفتالی بنون و فا و تا ر فوقیہ و الف و لام و یا ر اور فتح میں قرطبی سے نفتالی کی جگہ نفتونا
یعنی بتا ر فوقیہ و فا و تا ر فوقیہ و واو و نون و الف لکھا اور ظاہر اً غلطی ہے۔ اور اشر کی جگہ اوشیر لکھا ہے پھر لیا بنت لیان کا انتقال
ہوگیا تو آنحضرت نے اسکی بہن سے جس کا نام راحیل تھا نکاح کیا اس سے یوسف علیہ السلام و بنیامین پیدا ہوئے۔ سہیلی نے کہا
کہ راحیل سے فقط بنیامین ہوئے اور اسی نفاس میں وہ مرگئیں پھر حضرت یعقوبؑ نے وقفا سے نکاح کیا اس سے حضرت
یوسفؑ پیدا ہوئے پس بنیامین حضرت یوسفؑ سے بڑے تھے ولیکن یہ قول غریب معلوم ہوتا ہے ظاہراً صحیح وہی قول ہے اور
سراج وغیرہ میں لکھا ہے کہ بعض کا قول یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے لیا کی حیات ہی میں راحیل سے نکاح کر لیا تھا اور اسوقت
میں دو بہنوں کو نکاح کر کے جمع کرنا حرام نہیں کیا گیا تھا۔ محمد بن اسحاق بن یسار سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلعم کو نبوت
ہوئی اور قریش یہودیوں نے اپنے آپ کو نبوت کے لائق و فائق زیادہ سمجھکر آنحضرت صلعم سے حسد کیا اور آپ کی ایذا کے درپے
ہوئے اور بہت کچھ تکلیف پہونچائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر قصہ حضرت یوسف و اخوہ نازل فرمایا تاکہ آپکو تسلی ہو اور مثل
یوسفؑ کے ایذا قرابت پر صابر اور انکے حق میں استغفار فرماویں اور انتقام کا قصد نہ فرماویں اقول یہ بھی اس سورۂ شریفہ
کی حکمت میں سے ہے تاکہ قوم والے خود حاسد کا انجام دیکھکر لغو خیالات سے باز رہیں کیونکہ رسالت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ علیم
حکیم ہے خوب جانتا ہے کہ بار رسالت کا تاج رکھا جاوے بقولہ تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ یہ کسی مخلوق کے گمان پر نہیں ہے
قتادہ و ضحاک وغیرہم نے اس آیت میں کہا کہ جو کوئی اس قصہ سے سوال کرے تو وہ یوں ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے تم پر یوحی سنایا
اور آگاہ فرمایا ہے۔ اقول ظاہراً یہ تفسیر قولہ آیات للسائلین کے متعلق ہے یعنی جو کوئی سائل ہو اور سب عقلا رکو ہونا چاہیئے تو سمجھ
لے جیسا بیان ہوا اس سے وے سائل عبرت و نصائح حاصل کریں اسکا بیان یہ ہے۔ اِذْ قَالُوْا یعنی سائلین کیلئے آیات اُن کے
اس قصہ میں ہے کہ جب یوسفؑ کے بھائی سوائے بنیامین کے کہنے لگے آپس میں کہ لَیُوْسُفُ قسم ہے کہ یوسف وَاَخُوْهُ اُس کے
بھائی چھوٹے یعنی باپ و ماں دونوں کی طرف والے بھائی بنیامین کے۔ اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا۔ زیادہ محبوب ہیں ہمارے باپ کو
بہ نسبت ہمارے۔ سراج میں لکھا کہ جب بھائیوں کو حضرت یوسفؑ کے خواب کی خبر پہونچی تو کہنے لگے کہ بھائیوں سے سجدے
کرانیکا خیال دماغ میں سمایا ہے اور اسنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ ماں باپ سے بھی سجدے چاہتا ہے اور حضرت یعقوبؑ کو بسبب علم نبوت
و فراست کاملہ کے حضرت یوسفؑ کی طرف التفات بہت تھا خصوصاً اس خواب کے باوجودیکہ نور نبوت انکی پیشانی سے ظاہر تھا
اور حسن کا آفتاب ایسا چمکتا تھا کہ شمس و قمران کے سامنے سر جھکاتے تھے پس شیطان نے بھائیوں کے دلوں میں حسد کی آگ
بھڑکائی اور باہم مشورہ کیا کہ واللہ یوسف و اسکا بھائی دونوں ہماری بہ نسبت ہمارے باپ کو زیادہ محبوب ہیں وَنَحْنُ عُصْبَةٌ
حالانکہ ہم ایک گروہ زبردست ہیں یعنی تھے وہ دونوں حقیر لونڈے نہ کام کے نہ کاج کے اُن سے کیا مال و دولت و منفعت
ملنے والی ہے اور ہم البتہ قوی گروہ کا گروہ ہیں ہر طرح کا آرام ہماری ذات سے متصور ہے پھر بھی ہمارے باپ کو انہیں دونوں سے
زیادہ محبت ہے۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ بیشک ہمارا باپ کھلی ہوئی خطا میں پڑگیا ہے۔ سراج وغیرہ میں کہا کہ مراد کھلی

یہ تھی کہ ہماری محبت پر انکی محبت کو ترجیح دینے میں اس سے ممانعت کی ہوئی ہے کیونکہ اگر دلیل سے دیکھا جاوے تو ہم سب فرزند
ہونے میں یکسان ہیں تو محبت برابر ہو لیکن ہم کو ان دونوں پر اس وجہ سے ترجیح ہے کہ ہم ایک جماعت قوی بردست ہیں کہ باپ کو
ہر طرح نفع پہونچا سکتے ہیں اور کوئی برائی آوے اسکو دور کر سکتے ہیں اور ہر کام کیلئے کافی ہیں اور ان دونوں سے یہ بات ممکن نہیں ہے
تو ہماری محبت زیادہ چاہیئے ہے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی پھر برابر بھی نہیں بلکہ انکے لئے زیادہ ہے تو یہ صاف خطا ہے۔ تنبیہ قولہ
لیوسف واخوہ احب۔ لام ابتدائیہ ہے تو معنی یہ ہونگے کہ یوسف اور اسکا بھائی زیادہ محبوب ہیں۔ بعض نے کہا کہ لام قسم ہے یعنی واللہ
یوسف الخ اور شاید قسم بوقت تعجب ہے یا باپ کی خطا ثابت کرنے کیلئے قطعی توطیہ ہے۔ پھر یوسف واخوہ دونوں کی خبر میں احب
صیغہ واحد اس وجہ سے ہے کہ جب اسم تفضیل حرف لام یا اضافت نہ ہو تو اس میں واحد و تثنیہ و تذکیر و تانیث یکسان ہوتا ہے اور شاید کہ
واخوہ بمعنی مع اخیہ ہو سو اس توجیہ کی ضرورت نہ ہوگی اور تنبیہ اخیر کے معنی انکو مقصود ہونا اس وجہ سے ظاہر ہے کہ درحقیقت
خواب فقط حضرت یوسف نے دیکھا اور آثار نبوت و نجابت صرف انکے چہرہ سے ہویدا تھے اور شطر الحسن یعنی نصف حسن یا قریب
نصف کے انھیں کو ملا تھا اور یہ وجہ ہے ہماری محبت کی ظاہر تھی مگر انھوں نے بھائی کو بھی ساتھ ملا کر اس محبت کو دوسرے معنی پر
محمول کر دیا اگرچہ یوسف علیہ السلام اصلی محبوب تھے تو انکا ایک بیٹے کا بھائی بھی فی الجملہ انکی نسبت سے محبوب ہوگا۔ سراج وکبیر وغیرہ
میں کہا کہ یہاں چند اوہام پیدا ہوتے ہیں تو انکا جواب دیا جاتا ہے اول یہ کہ اولاد میں سے اگر بعض کو بعض پر فضیلت دیا ہے
تو دوسرون کو اس سے حقد و حسد پیدا ہو جاتا ہے تو یعقوب علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا جواب یہ ہے کہ یہ فقط محبت کی نہیں تھا اور محبت آدمی کی
اختیاری چیز نہیں ہے اقول یہیں کہا جاویگا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کی باری و نان نفقہ وغیرہ امور اختیاری میں کسی کو دوسرے
پر فضیلت دے تو گنہگار ہوگا اور اگر محبت ایک سے بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ہو تو وہ معذور ہے کیونکہ اسکے اختیار سے باہر ہے دوم
یہ کہ اولاد نے باپ پر کیونکر اعتراض کیا حالانکہ جانتے تھے کہ وہ نبی ہیں اور یہ لوگ ان پر ایمان رکھتے تھے۔ جواب بیشک یہ پیغمبر برحق
جانتے تھے لیکن انھوں نے بمقتضائے بشریت یہ خیال کیا کہ باپ کا یہ فعل اپنی رائے سے ہے اور جب خود دلیل سے دیکھا تو ان کی
سامنے میں آیا کہ باپ کی رائے میں خطا کرتی ہے پس انھوں نے اعتراض کیا اور یہ نہیں سمجھے کہ باپ کا ان دونوں سے زیادہ محبت کرنا کسی وجہ
سے واقعی ہوا ہے اول یہ کہ ان دونوں کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اقول یہ غلط ہے بلکہ تیرہ دن کی والدہ البتہ مر چکی تھیں اور ان دونوں
کی والدہ مرتا تک زندہ رہیں ظاہرا توجیہ کی فکر میں یاد نہیں کہ خواب کی تعبیر واقع ہوئی اس طرح کہ ماں باپ نے سجدہ کیا اور یہ تو
آخر سورہ میں منصوص ہے تعجب کہ سراج میں بھی کبیر سے اسی طرح نقل کر دیا ہے یہ زلت قلم مقتضاء انسانی ہے اللہم اغفرلی ولوالدی ولجمیع
المؤمنین اور دوم یہ کہ یوسف میں آثار نبوت و نجابت ایسے ظاہر تھے کہ باقی اولاد میں نہ تھے اقول آخر انھیں بھی یہ مناقشہ ہے کہ پھر یامین
سے کیوں زیادہ الفت تھی فافہم۔ اور سوم یہ کہ یوسف اگرچہ صغیر تھے مگر باپ کی ایسی خدمت کرتے تھے جو اور دن سے نہیں
ہوتی تھی اقول یہ کہاں سے معلوم ہوا اسکی کوئی روایت نہیں آئی علاوہ برین بنیامین کا احتمال باقی رہیگا۔ الحاصل یہ کہ ان کا اجتہادی
تھا اور ان میں نفسانی خواہش یعنی یوسف سے حسد کی بھی دلیل تھا تو اس سے دین میں اعتراض لازم نہیں آتا اقول محصول یہ ہے کہ
انھوں نے اس لئے کہ دنیاوی معاملہ کی رائے سمجھکر اعتراض کیا ورنہ لیکن باپ نے اس میں کوئی حکم صریح ظاہر نہ تھا اور دین کا اقرار ہوا ہو تو انکا
جواب کہ تعذیب ایک حدیث سے ہو سکتی ہے جبکہ صحابہ نے ذراتی دستور کے مطابق انصار میں خرما کی لگائی اور آنحضرت صلعم سے

نخو فرمایا تو اُنھون نے نہین لگائی تو پھل نہ آئے تب آپ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم۔ دنیاوی معاملات تم ہی خوب جانتے ہو پس جب مین
دین کے معاملہ مین تم کو حکم دون تو تم پر تسلیم کرنا واجب ہے اور دنیاوی مشورہ مین تم جانو تمہارا کام جانے علی ہذا انھون نے اس واقعہ محبت
کو دنیاوی معاملہ پر محمول کرکے اعتراض کیا چنانچہ اپنے آپکو عصبہ قرار دیکر مستحق فضیلت جاننا اسپر دلالت کرتا ہے تیسرا سوال
یہ ہے کہ باپ کو ضلال کی طرف نسبت دی اور ضلال گمراہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ دین مین ضلال نہین کہا تھا بلکہ دنیاوی مصلحتون کی جو راہ
ہوتی ہے اسکی طرف التفات نہ کرنا مقصود تھا۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ یہ کیسے معصوم نبی رہینگے جبکہ اُنسے چند کبیرہ گناہ سرزد ہوئے
ازانجملہ ایک حسد ہے جو کبیرہ کی جڑ کہنا چاہیئے دوم قتل یوسف بیگناہ کا قصد۔ سوم باپ کو دوام ملال مین ڈالنا۔ چہارم صریح جھوٹ
بولنا۔ اسکا جواب یہ دیا گیا کہ انسے یہ حرکتین نبوت حاصل ہونے سے پہلے سرزد ہوئین اور یہان دو قول ہین ایک یہ کہ نبوت کے بعد یہ شرط ہے
کہ نبی سے گناہ کبیرہ سرزد نہو اور اسی قول کے مطابق یہ جواب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نبی سے کبھی گناہ کبیرہ واقع نہ ہونا شرط ہے تو اسکے
(نبوت سے پہلے یا بعد ۱۲)
مطابق یہ جواب نہین ہوسکتا۔ واضح ہو کہ یہان دو قول ہین ایک یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی سب انبیا تھے اور
دوسرا قول یہ ہے کہ وے نہین تھے پس چوتھا سوال اسی صورت پر وارد ہے کہ ان کو انبیا مان لیا جاوے اور اسمین زیادہ گفتگو انشاءاللہ تعالیٰ
آگے آویگی۔ یہان تو اسی قدر بیان تھا کہ اُنھون نے پہلے مشورہ کیا اور اپنی رائے سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہم سے زیادہ یوسف و اسکے بھائی
سے باپ کا محبت کرنا ہمارے باپ کی طرف سے چوک ہے لیکن اصلی مقصود یہ نہین تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کرین بلکہ مقصود یہ تھا کہ حسد سے
یوسف پر اپنی فضیلت ظاہر کرین لہذا باپ کو ایذا وآزار دینا نہین ٹھہرایا بلکہ یوسف کے حق مین یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یہ باپ کی نظر سے دور
ہوجاوے تو پھر ہم باپ کے منظور نظر ہو کر صلاحیت وکمال کو پہونچین گویا انکو یہ یقین تھا کہ باپ کے منظور نظر ہونے سے کمال و شرف حاصل ہوتا ہے
اسی سبب سے جب یوسف کو منظور فرمایا تو اسکو خواب خیرہ کا شرف ملا اور اسی طرح ملتا جاویگا اگرچہ باپ نے ان دونون سے محبت
کرنے مین خطا کی ہے اور محبت کے سزاوار ہم جماعت تھے پس جب یوسف زندہ نہ رہا تو خواہ نخواہ ہم ہی منظور نظر ہو کر قوم صالح یعنی انبیا
ہوجائینگے لہذا یہ رائے ٹھہرائی کہ اُقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ۔ مار ڈالو یعنی ہم تم
سب ملکر مار ڈالو۔ یوسف کو یا پھینک بہاؤ اسکو کسی زمین مین یعنی دور دراز کسی ملک مین تو پھر تمہارے ہی لیے خالی ہو جاویگا
تمہارے باپ کا چہرہ یعنی بنیامین تو بذات خود منظور نظر نہین ہے یوسف اصلی محبوب ہے اسکو مار ڈالو یا کہین دور بہادو تو پھر
باپ کی نظرون مین خالی تم ہی تم رہ جاؤگے اور ان کا چہرہ خالص تمہارے ہی لیے ہوگا تو تم ہی انکے منظور نظر ہوجاؤگے
وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ۔ اور یوسف کے ابد یا اس واقعہ کے بعد تم ہوجاؤگے ایک قوم صالح یعنی باپ کے منظور
نظر ہو کر تم سب درجہ نبوت و ولایت سے سرفراز ہوجاؤگے ۔ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ٭ آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند
امام حافظ رح نے لکھا کہ گناہ کرنے سے پہلے ہی اُنھون نے توبہ اپنے دل مین رکھ چھوڑی تھی چنانچہ دل مین ٹھان لیا
کہ یوسف کو اسطرح گم کرکے توبہ کرکے قوم صالح ہو جاوینگے۔ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ ان مین سے ایک کہنے والے
نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو۔ قتادہ و محمد بن اسحاق نے کہا کہ یہ کہنے والا بڑا بھائی روبیل تھا۔ سدی رحمہ اللہ نے
کہا کہ وہ یہودا تھا۔ قال الامام مراد اسکی یہ تھی کہ حسد و عداوت کو یہان تک ترقی مت دو کہ قتل کرکے جان لو۔ اور
وے کبھی ایسا کر نہین سکتے تھے کیونکہ حق تعالی نے جو چاہا تھا اسکا پورا ہونا ضروری تھا کہ وہ مصر مین پیغمبر باتمکین ہون۔

اقول شاید یہی حسن طویت یہودا کے مقبول ہوئی کہ اسباط و اولاد میں خلافت و مملکت کا استحقاق اولاد یہودا میں رہا جیسا کہ بعض
مفسرین نے لکھا ہے واللہ اعلم - بہرحال اس قائل نے جب مار ڈالنے سے منع کیا تو اشارہ کیا کہ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ
اور ڈال دو اسکو غیابت جب میں - يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اٹھا لیجائیگا اسکو کوئی مسافر غیابت ہر ایسی جگہ کو بولتے
ہیں جو کسی چیز کو ڈھانک کی نظر سے غائب کر دے اور جب گڑھا یا بے جگت کا کنواں واسکے مانند ہیں مراد کنوئیں کی تہ جسمیں نظر
نہیں پڑتا احتمال ہے کہ کوئی خاص کنواں مقصود نہ تھا اور قتادہ رحمہ سے روایت ہے کہ مشہور کنواں بیت المقدس کا تھا اسپر کثرت
سے مسافر وارد ہوتے تھے - امام حافظ نے فقط قول قتادہ رح ذکر کیا اور دوسروں نے لکھا کہ وہب نے کہا کہ وہ اردن کی زمین میں تھا
اور مقاتل نے کہا کہ حضرت یعقوب کے مسکن سے تین فرسخ دور تھا - اقول اتنی دور ہونا چاہئے کہ صبح کو بھائی ساتھ لیگئے اور آخر وقت
یا رات تک واپس آئے اور وہاں بکری وغیرہ ذبح بھی کی اور کنعان سے بیت المقدس سے بہت فاصلہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم بعض اہل علم
نے کہا کہ ان لوگوں نے حضرت یوسفؑ کے قتل کا عزم کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو اسکو بچا لیا تو یہ ان لوگوں پر بھی رحمت تھی ورنہ
اگر قتل کرتے تو سب ہلاک ہو کر عذاب میں پڑتے - حاصل یہ کہ اس کہنے والے نے انکو سمجھایا کہ تم حسد کو یہاں تک نہ بڑھاؤ کہ یوسف
بھائی ہے اسکی جان مار ڈالو بلکہ تمہارا مقصود تو صرف یہ ہے کہ اسکو باپ کی نظر سے معدوم کر دو تو یہ یوں حاصل ہے کہ اسکو جب کی تہ
میں ڈالدو وہاں سے بعضے مسافر اسکو دور اٹھا لیجاوینگے اور تمہارا مقصود حاصل ہو جائیگا - اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ - اگر تم کرنیوالے
ہی ہو یعنی اگر تم خواہ مخواہ ایسے فعل پر آمادہ ہو - ظاہر یہ کہنے والا ایسی سخت حرکت کو ناپسند کرتا تھا مگر خراب مصاحبوں کی صحبت میں
اتفاق کرنا پڑا واللہ اعلم - محمد بن اسحاق نے کہا کہ بیشہور سے لوگ بڑے سخت کام پر متفق ہوئے تھے ایک تو ناتا قطع کرنا یعنی علاقی
بھائی اور ایسے نیک کو اس بیرحمی سے ارادہ قتل کرنا دوسرے باپ کی نافرمانی و عاق ہونا تیسرے اس صغیر بیگناہ پر رحم نہ کرنا
چوتھے اس پیرمرد بزرگ کی بیقراری پر ترس نہ کھانا جسکا رتبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا تھا پنجم اس حق کا لحاظ نہ کرنا کہ والد و فرزند
کے درمیان جدائی نہ چاہئے خصوص جبکہ بڑھاپے سے اس بزرگ کی ہڈیاں اس قلق کی آنچ سے گھلی جاتی ہوں اور یہ فرزند صغیر سنی
سے اپنے باپ کی لطف و پرورش و اسکی گود میں آرام کا محتاج ہو بیشک یہ سخت بات تھی اللہ تعالیٰ ہمکو اور انکو بخشدے
وہ ارحم الراحمین ہے - رواہ ابن ابی حاتم عنہ - امام حافظ رحمہ اللہ نے لکھا کہ جاننا چاہئے کہ کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہوئی
کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی نبی تھے بلکہ ظاہر سیاق قرآن مجید اسکے برخلاف دلالت فرماتا ہے یعنی سیاق سے بلکہ یہ
ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ نبی نہیں تھے اور لوگوں میں بعض یہ گمان کرتا ہے کہ اسکے بعد انکو وحی بھیجی گئی اور وے نبی ہو گئے مگر مجھے اسمیں
تامل ہے کیونکہ ایسی بات کے کہنے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے اسلئے کہ صرف رائے سے کسیکو نبی نہیں بنا سکتے ہیں پھر اسکی دلیل بعضوں
نے کوئی ذکر نہیں کی سوائے اس قول اللہ تعالیٰ کے کہ قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب
والاسباط - پس معلوم ہوا کہ اسباط پر بھی نازل ہوا جسپر ایمان لائے ہیں تو وے ضرور پیغمبر ہوئے - امام حافظ نے کہا کہ یہ کوئی
دلیل یقینی نہیں ہے اسلئے کہ اسباط تو اولاد اسرائیل کے سب بطون کہلاتے تھے جیسے عرب میں قبائل و عجم والے شاخیں بولتے ہیں
پس فرزندان یعقوب میں سے ہر فرزند کی اولاد و نسلاً بعد نسل سبط تھے اور مجموعہ اسباط ہیں اور ان اسباط میں انبیاء کثیر گذرے ہیں
مانند موسیٰ و ہارون و داؤد و سلیمان و عیسیٰ وغیرہم تو انکے کتب و صحف پر ایمان لانا مقصود تھا اس سے لازم نہیں آتا کہ اسباط کے

باپ یعنی اول فرزندان یعقوبؑ جنمین کلام ہے وے بھی انبیا رتھے ان یوسف علیہ السلام بیشک بنص قرآنی پیغمبر تھے ۔ اقول ظاہر امراد
شیخ حافظ رحمہ کا اس قول سے کہ بلکہ سیاق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ نبی نہیں تھے ۔ یہی امور ہین جنکی طرف محمد بن اسحاق رح
نے اشارہ کیا ہے اور سابق مین تفسیر کبیر سے سوال چہارم مین منقول ہوئے اور حاصل یہ ہے کہ جسقدر افعال مذکور ہوئے اکثر انمین سے
کبیرہ اور مہلک کبیرہ ہین از انجملہ عقوق والدین ہے چنانچہ حدیث صحیح مین اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنیکے بعد دوسرے درجہ پر
عقوق والدین شمار فرمایا ہے اور از انجملہ قطع رحم ہے اور قتل مسلم بے گناہ اگرچہ واقع نہیں ہوا مگر انھون نے اسپر اتفاق کر لیا تھا
اور ایسے ہی حسد اور باپ پر اس بات سے کہ پیغمبر تھے اعتراض کرنا اور عمداً جھوٹ بولنا اور فریب کرنا اور امانت و عہد مین خیانت
و غدر کرنا سب از قسم کبیرہ ہین پھر مترجم کہتا ہے کہ اہل حق نے زعم کیا کہ قبولیت ازلیہ کو کوئی فعل ضرر نہین کرتا یعنی انجام
وہی قبولیت ہوتا ہے اور یہ قول صحیح ہے لہٰذا اشکل ہے کہ انکے واسطے شان ہو اگرچہ بڑا دلیل نفی نبوت پر جزم نہین ہو سکتا لیکن
جس طرح بعض شعراء نے اس قصہ مین انپر زبان درازی کی ہے وہ روا نہین ہے خصوصاً جبکہ انکے صالحین ہونے پر جزم ہے اگرچہ
نبی نہون اور ان افعال سے حضرت یوسف و حضرت یعقوبؑ نے عفو و استغفار فرمایا ہے اگر کہا جائے کہ قتل نفس تو حضرت موسیٰ سے
بھی سرزد ہوا کہ انھون نے قبطی کو مار ڈالا حالانکہ اسکا نفس مصئون تھا اور یہ جواب نہین ہو سکتا کہ انھون نے ایک کافر قبطی
کو قتل کیا کیونکہ جب اسکے مالک ہین پر وجہ ذمی تھے تو اسکا نفس بمثل مسلم کے قتل سے محفوظ تھا آیا تو نہین دیکھتا کہ سلطان اسلام کو
روا نہین ہے کہ اپنی رعیت مین سے کسی ذمی کافر کو قتل کرے اور جیسے یہ روا نہین ہے کہ کسی کافر کی بادشاہت مین آباد ہو کر
کوئی مسلمان جہاد کے بہانے سے انمین سے کسی کو مار ڈالے اور خود موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کیا کہ یہ شیطانی فعل تھا ان جواب
صحیح یہ ہے کہ قبطی مذکور سخت ظلم کر رہا تھا اسکو انھون نے مارا اور یہ قصد نہ تھا کہ جان سے مار ڈالون مگر وہ مر ہی گیا پس یہ
چونکہ ہے نہ قتل عمداً اور اللہ تعالیٰ خالق حاکم مالک مختار ہے اسنے بخشدیا بقولہ فاغفرلی ربی الآیۃ ۔ علاوہ ازین ایسے ظالم کو جو مخلوق
کو ناحق ایذا پہونچاتے ہین قتل کرنا روا ہے جبکہ سوا اسکے نجات کی راہ نہو چنانچہ ذخیرہ و محیط وغیرہ مین سید امام کبیر ابی شجاع وغیرہ
سے پوچھا گیا کہ سلطانی سرہنگ جو لوگون سے از راہ ظلم مال لیتے ہین یا حاکم اسطرح ظلم کرتا ہے اسکا کیا حکم ہے فرمایا کہ اس کا قتل
کر دینا روا ہے اور فرمایا کہ قاتل کو ثواب ملیگا چنانچہ عالمگیریہ فتاویٰ وغیرہ مین صریح منقول ہے اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے
اگرچہ اسپر فتوی نہین دیا لیکن سکوت کیا ہے اور یہان قبطی مذکور زبردستی اس سبطی بیچارہ کی جان پر مار پیٹ سے ظلم شدید کرتا تھا
پھر بھی انھون نے قتل کا قصد نہین کیا پھر بھی یہ قصہ مؤید قول اہل الحق ہے کہ اسرار حکمت الٰہیہ کسی کو نہین معلوم وہی جانتا ہے اور
مقبول ازلی کبھی مردود نہین ہوتا اور سورۂ فاطر کی آیت قولہ تعالیٰ فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ
کی تفسیر مین صحیح حدیث وارد ہے کہ کلہم علی منزلۃ واحدۃ فی الجنۃ اور کہا ظالم یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے اور درمیانی درجہ پر
پہنچنے والے اور بارادہ الٰہی نیکیون پر سبقت کرنیوالے سب کو اہل جنت مین سے فرمایا پس اگر ظاہری گفتگو کو یہان قبول ہو تو
نفس کا ظالم انکو وہی معلوم ہے جو مرتکب معاصی ہوا اور یہ ہرگز مراد نہین ہے اور بعض علماء کا قول کہ نیکو کارون کیواسطے جو کام نیک ہین
وہ اہل قرب منزلت کے حق مین گویا گناہ ہین اسکی مثال یہ ہے کہ اگر بادشاہ کا وزیر صرف خدمتگار کے برابر پنکھا جھلنے کا کام کر دیا
کرے تو جو کام خدمتگار کے حق مین اسکی خوبی تھی وہ وزیر سے نازیبا ہوگا حتی کہ وہ نالائق قرار دیا جائیگا الحاصل برادران یوسف علیہ السلام

کی نسبت سلامتی کا گمان لازم ہو اور جو کچھ اُن سے واقع ہوا خواہ باپ کی ایذا تو اسکو خود باپ نے عفو کر کے اللہ تعالیٰ سے انکے لیے
استغفار کیا اور خواہ حضرت یوسف کے حق میں تو اُنھوں نے خود فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم پس کسی کو مجال نہیں کہ کچھ
گستاخی کرے اگرچہ بوجہ قطعی دلیل نہ ہونے کے یقین نہیں ہو سکتا کہ وے ایسے پیغمبر تھے کہ اُنکو وحی ہوتی تھی اور مترجم کہتا ہے
کہ ایک بڑی جماعت مفسرین وغیرہ جو انکی نبوت کے قائل ہیں شاید انکی مراد یہی نبوت ہو تو ضرور ہوگا کہ انکو وحی ہوتی ہو بلکہ
وحی مخصوص بحضرت یوسف علیہ السلام تھی اور وے رسول کے پیرو تھے اور یہ صحیح ہوا ہو کہ ایک رسول کے بھی رسول تابعین ہوتے
ہیں اور خود قرآن مجید میں لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع اور یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ کے تابع تھے اور بنی اسرائیل
میں بہت ایسے پیغمبر گذرے جنکو توریت پر عمل کرنے اور اسی پر مخلوق کی ہدایت کرنے کا کام تھا اور عوام اس امر سے ممنوع ہیں کہ
شان نبوت یا اسرار الٰہی میں کلام کریں کیونکہ ناسمجھی سے انکو شیطان کے وساوس دور کرنے کی طاقت نہ ہوگی تو اُنکا دشمن
اُن پر غالب ہو جائیگا ایسی طرح کہ خود خبردار نہ ہونگے چنانچہ اس ملنے میں نیچر وغیرہ کتنے گمراہ لوگ ایسے ہی خیالات سے اسلام
سے خارج ہو گئے اور منہ سے اسلام کا دعویٰ کرنے سے اور لوگ ان کے دھوکے میں اعتقاد کا ضرر اُٹھاتے اور دنیا کے
لالچ سے گمراہ ہوتے ہیں جیسے فاحشہ کسبیوں کے دعوی سے کہ ہم مسلمان ہیں تمام عوام یہ سمجھے کہ بداعتقادی محض ہیبا کی سے
ایسے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے کچھ اسلام میں تو فرق آتا نہیں لہذا عموماً بدکاریوں و فحش فجور کو بیباک ہو کر علانیہ کرنے لگے
اور کسی نے نہ روکا تو سب عذاب خواری میں گرفتار ہوئے اسواسطے لازم و فرض ہے کہ عوام جب انکو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دار الآخرۃ کے وعدہ و وعید کا یقین اور اپنی موت کا یقین ہو تو سب
ہر حکم کی جو قرآن مجید و حدیث میں ہو اوسکی قطعی اتباع کریں اور ہی تفسیر کی ایسی باتیں کہ حضرت یوسف کے بھائی نبی تھے
یا نہیں تھے تو اسکا انکو صریح حکم قرآن یا حدیث میں نہیں ہے پس اُنکے واسطے نیک گمان کریں اور جو افعال مذکور ہوئے اُن
بحث نکریں کیونکہ جن پر ظلم سمجھا گیا انھوں نے خود معاف کیا اور استغفار کیا تو دوسرا اپنی عاقبت کیوں خراب کرے اور اسکا
کیا حق اور کیا اختیار ہے. فافہم. واللہ تعالیٰ اعلم وہو ارحم الراحمین ف کچھ اشارات اہل الحق کے طور پر مترجم اوپر اشارہ
کر چکا ہے کہ جس سے برادران یوسف کی ایک خاص نیت ظاہر ہوتی ہے اور یہاں عرائس سے سننا چاہیے قولہ لقد کان فی یوسف واخوتہ
الآیۃ۔ یہاں کثرت سے علامات و آیات ہیں جیسے یوسف کے چہرہ سے ظہور نور و انکے قلب سے ظہور علم غیب معرفت بذات و صفات
اور وقائع سے لطائف افعال و صنائع عجیبہ و بیان اس عظیم قہر کا جو اللہ تعالیٰ نے نفس امارہ میں رکھا ہے کہ اپنی شہوات و خواہشوں
و حرص کیلیے آدمی کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے اور اسمیں ایک عجیب فریب مکر ہے کہ کبھی کچھ مضبوط آدمی کو نیک بات کی تصویر دکھلا کر ایک ایسے
کام پر آمادہ کرتی ہے کہ اسکے ضمن میں بکثرت معاصی میں گرفتار ہو جاتا ہے حالانکہ وہ بات حاصل بھی نہیں ہوتی اور اسی اوسے
اس نفس امارہ و طبیعت شیطانیہ میں قوی ارتباط ہے پھر صدق و صبر کا انجام نیک و ریکہ بدی کا بدانجام اور ظہور تعلیمات
ازلیہ آلٰہیہ کہ وہ کسی طرح تبدیل نہیں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف و ادب سے مصیبت و ذلت گوارا کرنے میں الیسی راہ سے
راحت و عزت کا گمان نہیں ہوتا اور مانند اسکے وقال المترجم اکثر اوپر مذکور ہوئیں شیخ نے کہا کہ اس قصہ میں طریقہ کیلئے اچھے ادراک
و فہم کے بمناسب آیات ہیں و متوسطین عارفین کیلیے اپنے اپنے مراتب کے موافق آیات لطیف ہیں اور قصص میں سے اسمیں بڑھکر ہے

معارف توحید موجود ہین - محمد بن قصار رح نے کہا کہ مخلوق کے لیے حضرت یوسف کا ہین آیات ہین اور حضرت یوسف کو خود ہی اپنی ذات مین
بڑی معرفت حاصل ہوئی کہ کہا - ما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء - اور بعض نے کہا کہ یہان سے ایک انائی قیافہ پہچانی ہی
کہ اللہ تعالی جسکی صورت و سیرت اچھی کرتا ہے وہ ظاہر و باطن کسی ناپاکی سے مخلوط نہین ہوتا ہی اقول یہ دانائی تو علم الٰہی عز و جل
ہی کو مفوض ہو وہی خوب جانتا ہی کہ کس کو اُسنے کیسا پیدا فرمایا ہی - ابن عطار رح نے کہا کہ شان اس قصہ کی یہ ہی کہ جو محزون اسکو سنے
وہ اس سے استراحت پاتا ہی قلت جبکہ ابسکر جیسا یوسف کو حسد ہوا اور دور کرنے پر مشورہ کر کے عزم کیا تو اسپر عمل کرنیکا مکر باندھا گیا قال تعالی

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ

بولے اے باپ کیا ہی کہ تو اعتبار نہین کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اسکے خیر خواہ ہین — بھیج اسکو ہمارے ساتھ کل کہ کچھ چرے اور کھیلے

وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

اور ہم تو اسکے نگہبان ہین

جب اس بات پر عزم کر لیا کہ یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کر دین تو اسکے لیے حیلہ چاہا اور اس حیلہ کو پورا کرنے کیلیے باپ کی خدمت مین
حاضر ہوے - قالوا - اور کہنے لگے بطور تعجب کے - یا ابانا - اے ہمارے باپ - مالک لا تامنا علی یوسف - آپکو کیا ہی کہ آپ ہمکو
برادر یوسف پر امین نہین ٹھہراتے ہین - وانا له لناصحون - اور ہم تو اسکی بہتری و بھلائی چاہنے والے ہین اس طرح تعجب
کرنا صرف حیلہ تھا اور نہ دل مین یوسف سے حسد و اسکے قتل تک کا عزم رکھتے تھے اور چونکہ باپ بھی انکی طرف سے یوسف
کے ساتھ مکر و حسد کو پہچان لیا تھا اسواسطے اپنا نیک خواہ بننا اس شد و مد سے ظاہر کیا کہ بطور تعجب کے بیان کیا کہ ہم تو صدق
دل و جان سے اسکے خیر خواہ ہین تو تعجب ہے کہ آپ ہمکو یوسف پر امین نہین ٹھہراتے ہین تنبیہ اگر فراست سے آدمی کو کسی کی
طرف سے کوئی بدی محسوس ہو تو اس سے احتیاط کرنا روا ہی اور ایسی بدگمانی در حقیقت گمان بد نہین یا ممنوع نہین ہی اور منع یہ ہی
کہ کسی کی طرف سے گمان بد پیدا کر کے اسکے آزار کی فکر کرے مثلاً زید کو اپنا دشمن گمان کر کے اسکے مار ڈالنے کی فکر کرے تو منع ہی
اور اگر وجہ عداوت محسوس ہو تو اپنے آپکو اس سے محفوظ رکھنے مین احتیاط ہی اور یہ تمام کلام فی قوله ان بعض الظن اثم مین انشاء اللہ تعالیٰ
مع تحقیق آویگا جب اپنا ناصح و امین ہونا بیان کر چکے تو درخواست کی - ارسله معنا غدا - یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے
کل سویرے - یعنی جنگل کو ہم کل سویرے مویشی چرانے یا تیر اندازی وغیرہ کیلیے جاوینگے ہمارے ساتھ یوسف کو بھی بھیج دیجیے
یرتع و یلعب کہ چھوٹے بچہ کھاوے و کھیلے - رتع پھل پھلاری میوے مزے سے کھانا - رتع الانسان اپنے جی کے خوشی کے
موافق جیسے چاہا فواکہ وغیرہ سے تمتع اُٹھایا پس مراد یہ ہی کہ دل کھول کر جنگل کے پھل و میوے کھاویگا اور لعب کریگا یعنی
کھیل کود کریگا - ابن عباس نے کہا کہ خوش دل ہوگا اور کود پھاند کریگا - یہ تو ایک قراۃ کے موافق ہی جسمین یرتع و یلعب بیا
تحتیہ صیغہ غائب ہے اور فاعل حضرت یوسف ہین دوسری قراۃ ابن کثیر و ابو عمرو اور ابن عامر کی نرتع و نلعب بنون صیغہ
جمع متکلم ہی تو معنی یہ ہین کہ کل ہمارے ساتھ یوسف کو بھیج دیجیے ہم خوشدلی کے ساتھ پھل میوے کھاوینگے اور کھیل کود کرینگے
یعنی ہمارے ساتھ وہ بھی خوشی سے کھیلے کودیگا اس قراۃ پر یہ سوال وارد ہوتا ہی کہ لہو و لعب تو ممنوع ہی یہ کیسے انبیاء تھے
جو کہتے تھے کہ ہم لہو و لعب کرینگے اسکا جواب امام قراۃ ابو عمرو بن العلاء سے یون مروی ہی کہ سائل کو جواب دیا کہ اسوقت تک وہ لوگ

انبیا نہین تھے یعنی نبوت اُنکو اس زمانہ کے بعد حاصل ہوئی ہو۔ قال المترجم اگر روایت صحیح ہو تو شیخ ابو عمرو بھی انکے نبی ہونے کے
قائل تھے اور نیز یہ جواب اسی تقدیر پر ہو کہ قبل نبوت کے نبی ایسے فعل سے جو بظاہر گناہ ہو وسے معصوم نہین ہوتا ہو جائز ہے کہ
اس سے ایسا فعل سرزد ہو جاوے مگر جن لوگون نے کہا کہ نہین بلکہ نبی ہمیشہ سے محفوظ ہوتا ہو تو اسکے موافق یہان جواب یہ ہو کہ
سائل نے جو یہ گمان کیا کہ لعب سب ممنوع ہو یہ غلطی ہو بلکہ بعض اقسام کے لعب جائز ہین چنانچہ حدیث مین عورتون سے ملاعبت
اور گھوڑے کی سواری واسطے کرتب سیکھنا اور مشق کرنا اور تیراندازی کا کھیل جائز ہو اور یہ اگرچہ حقیقت مین لعب نہین ہو مگر چونکہ
لعب کی صورت مین ہو اور یاد الٰہی و ذکر و تسبیح و قراءۃ وغیرہ کی صورت اس سے ظاہر نہین ہوتی ہو اسواسطے لعب کہلایا پس ممکن
ہے کہ انھون نے ایسا ہی کوئی مباح فعل مثل سیر درختان و صحرا کو لعب کہا ہو۔ بلکہ سواری و دوڑ و آگے نکل جانے و تیراندازی
و نشانہ بازی کا کھیل تھا کیونکہ خود بیان کیا تھا۔ انا ذہبنا نستبق یعنی ہم دوڑ یا سواری کی دھاپ مین کہ کون آگے نکل جاتا ہے
کپڑون و اسباب کے پاس سے چلے گئے تھے اور یوسف کو یہان بٹھلا گئے تھے لیکن مقام یہ چاہتا ہو کہ سوائے نشانہ بازی وغیرہ کے
اور کھیل بھی ہو جسمین یوسف کی شرکت ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ بھی از قسم مباح ہو سکتا ہو الغرض ایسا جائز کوئی کھیل مقصود
تھا جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکار و منع نہین فرمایا اور انکا یہ قول مان لیا کہ ہم کھیل کود کرینگے ہمارے ساتھ یوسف
بھی خوش ہوگا۔ وانا لہ لحافظون اور ہم ہر حال مین یوسف کے خوب محافظ رہینگے یعنی کسی طرح کا اندیشہ آپ نہ فرما دیں
ہم اسکو خوش و خرم کھلا کود کر آپکے پاس واپس لاوینگے۔ ف فی العرائس فی قولہ قالوا یا ابانا مالک لا تامنا الآیۃ۔ اللہ تعالیٰ
نے اپنے امتحان کا حال بیان فرمایا کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ بندون کو امتحان مین ڈالتا ہو تو اسکی باریکی و حکمت بالغہ و قدرت کاملہ کو
عقلمین حیران و حواس عاجز ہو جاتے ہین کوئی نجات نہین پاتا مگر جسکو خود چاہے یہان تک کہ انبیا بھی نہین پہنچتے کیونکہ وہ عقول
سے بالاتر ہو اور یوسف علیہ السلام کے بھائی تو اس حال مین نبوت کے درجہ کو نہین پہونچے تھے۔ شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی
شان قہاری سے ہم حیرت مین ہین کہ جب اُسنے تجلی قہر فرمائی تو دیکھو ان لوگون کے نام دفتر ازل مین نبوت و رسالت
کے خانہ مین درج تھے انکی فطرتین کسطرح متغیر فرمائین وہ جو چاہتا ہے اسپر کوئی حاکم نہین ہو اسی نے سب کو پیدا کیا
وہی سب کا مالک ہو اور اسکی حکمت و شان کو کوئی شعور و ادراک نہین کرسکتا ہو جو چاہتا ہو حکم دیتا ہو وہی واقع ہوتا ہو۔ یہان سے
حق تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو کہ اسنے ہم سب گنہگارون کیلئے عذر بتلا دیا اور اس سے ظاہر کیا گیا کہ صدق و راستی کے مقام پر
جو کھڑا ہوتا ہو اسکے دل پر خطرات کسقدر ہجوم کرتے ہین اور وہ سب نفس امارہ کی طرف سے آتے ہین ادنیٰ یہ ہو کہ حسد و مکر
سماتا ہو چنانچہ برادران یوسف نے کیسے کہا کہ مالک لا تامنا علی یوسف وانا لہ لناصحون۔ حالانکہ اپنے دل مین غلطی کا موقع خود
پہچانتے تھے کیونکہ انھین کے دلون مین حسد بھر گیا تھا اور دل مین یوسف کا آزار دینا چھپائے ہوئے تھا ہر مین اسطرح بیان
کرتے تھے پھر بھی کچھ متنبہ نہین ہوئے پاک ہو وہ خلاق علیم جو بندے کو اسکے نفس سے حجاب مین ڈال دیتا ہو اور صفائی و
مودت کو دم بھر مین مکدر کر دیتا ہے دیکھو اس پردہ کی موٹائی کہ اپنے باپ پیغمبر حق کی فراست سے بیباک ہو گئے اور نہ جانا
کہ پیغمبر حق کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا ہے کہ بھائیون کے دلی مکر و مضمر ارادہ کو نور فراست سے پہچان جاوینگے بعض نے کہا کہ سبب یہ ہو
یعقوب علیہ السلام انکو یوسف پر مامون نہین سمجھتے تھے کیونکہ نور فراست سے انکے دلی حسد و بغض کو پہچانتے تھے قولہ تعالیٰ ارسلہ

معنا غدا یرتع ویلعب - یہان لہو ولعب کی اجازت دینا صرف اسوجہ سے تھی کہ حضرت یعقوبؑ نے یوسف کی لطافت خاطر کو ملاحظہ فرمایا کہ نبوت کا بوجھ ان پر گران ہو گیا اور انقباض نے سینہ میں اثر کیا تو انکو لہو ولعب کی اجازت دی تاکہ ایک دم حزن محبت کے پیاپے درد اور انتقال محبت ومعرفت کے ہموم سے باہر ہو کر آیات وعلامات آلہی کو مخلوقات میں ملاحظہ کریں لہذا اس حرکت سے چشم پوشی فرمائی ورنہ وہ غافل نہ تھے کہ لہو ولعب سے اُن کو زجر و توبیخ فرماتے اور دیکھا کہ اُن کے دلوں میں ایک لطیفہ مکر وآثار قدر کا ظہور ہے اور جانا کہ یہ مقام ابتلا وامتحان ہے تو انھیں پر اسکا مدار رکھا اور تقدیر آلہیہ ہر تدبیر سے سابق ہے اور غیرت آلہیہ نے حجابِ دوری اُنکے ویوسفؑ کے درمیان مقدر فرمائی تھی - محمد بن علیؒ نے فرمایا کہ جب انکو زجر سے منع نہ کیا اور خاموش رہے تو اس لعب سے متصل وہ بُرا نتیجہ نکلی جس سے یہ ابر غم متصل ہو گیا - ابن عطار نے کہا کہ اگر حفظ آلہی کے سپرد کر دیتے اور جانے دیتے تو محفوظ رہتا ولیکن انھوں نے حفاظت کی تدبیر کی اور انکے اس عہد پر کہ انا لہ لحافظون - اعتماد کیا تو انھوں نے امانت میں خیانت اور عہد میں بدعہدی کی چنانچہ دوسری مرتبہ بنیامین کے بارہ میں کہا کہ اللہ خیر حافظا - تو محفوظ رہا بلکہ سب مل گئے بعض نے کہا کہ حضرت یعقوبؑ نے تین مرتبہ اپنے نفس کی طرف رجوع کیا اور اسی میں مبتلا ہوئے اول تو یوسف سے کہا کہ لاتقصص رؤیاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا پس آخر انھوں نے کید کیا اور دوسری مرتبہ جب انھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ بھیجدو تو کہا کہ اخاف ان یاکلہ الذئب - آخر انھوں نے کہا کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا تیسری مرتبہ کہا کہ لاتدخلوا من باب واحد - آخر ان لوگوں کو وہی پہونچا جس سے پرہیز چاہا تھا - انتہی - جب برادران یوسف علیہ السلام نے درخواست کی تو

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا -

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ

بولا مجھکو غم پکڑتا ہے اس سے کہ لیجاؤ اُسکو اور ڈرتا ہون کہ کھا جاوے اسکو بھیڑیا اور تم

عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَىٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ

اس سے بیخبر رہو بولے اگر کھا گیا اُسکو بھیڑیا اور ہم یہ جماعت ہین قوت ور تو تو ہمنے

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

سب کچھ گنوایا

اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے یہ عذر بیان فرمائے - قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ - کہا کہ ضرور مجھے غمگین کرتا ہے اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ یہ امر کہ تم یوسف کو لیجاؤ یعنی شدت الفت سے ایک دم کی جدائی ناگوار ہے تو اتنی دیر تک تمہارے ساتھ بھیجنا مجھے بیشبہہ غمگین کریگا اور دوسرا عذر یہ کیا کہ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ - اور مجکو خوف ہے کہ اسکو بھیڑیا کھا جاوے وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ - درحالیکہ تم اس سے غافل ہو یعنی مویشی چرانے اور سبقت وتیراندازی وغیرہ میں تم اس سے غافل ہو اور تمہاری غفلت میں اسکو بھیڑیا کھا جاوے - سراج میں لایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ یوسف علیہ السلام پر بھیڑیئے نے حملہ کیا لہذا احتیاطاً پرہیز رکھتے تھے اور اسی خیال سے ان سے یہ بات ذکر فرمائی اور آخر اسی بات کو انھوں نے بہانہ پکڑ لیا تھا اسی واسطے ابن عمرؓ سے حدیث مروی ہے کہ ان لوگوں کو خراب باتیں مت سکھلاؤ کہ وے گھڑ کے بولین چنانچہ

یعقوبؑ کے بیٹوں کو یہ حیلہ نہیں معلوم تھا کہ آدمی کو بھیڑیا کھا گیا تو جب باپ نے انکو بتلایا تو جھوٹ باندھا اور کہنے لگے کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا رواہ السلفی وابو الشیخ وابن مردویہ۔ اب جاننا چاہیے کہ پہلا عذر جو حضرت یعقوبؑ نے بیان فرمایا اگرچہ اس سے اپنی بیقراری پر ترحم کا اظہار رہا کہ جب اتنی دیر صبر نہیں ہوسکتا تو مدت تک بیقرار رہ و غمگین کرنے کی تدبیر نہ کرنی چاہیے مگر بر خلاف اسکے یہ کلمہ زیادہ حسد کو بھڑکانیوالا ہوگیا ادنی یہ کہ اسکی ایکدم کی جدائی ایسی ناگوار ہے اور ہماری ہر روز کچھ پروا نہیں ہے اور آخر جسقدر غم حضرت یعقوبؑ کو ہوا اسقدر انکے خیال میں بھی نہ تھا بلکہ جانتے تھے کہ چند روز میں دفع ہوکر ہماری طرف متوجہ ہونگے لہذا انھوں نے اس سے حسد کو زیادہ بھڑکایا اور اسکا کچھ جواب نہیں دیا بلکہ دوسری بات کا جواب دیا۔ قَالُوْا دوسری بات کے جواب میں کہنے لگے کہ لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ اگر یہ تصور کیا جاوے کہ اسکو بھیڑیے نے کھا لیا۔ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ۔ حالانکہ ہم لوگ ایک جماعت ہیں جیسے سر کے گرد عصابہ محیط ہوتا ہے ہم اسکو گھیرے ہوئے رہیں گے اور ایسی حالت میں کھا لیا تو۔ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ایسی صورت میں ہم لوگ بیشبہ خاسرین ہونگے یعنی کمزوری و عاجزی کی وجہ سے گویا ہمارا عدم و وجود برابر ہوگا اور ہم کسی شمار میں نہونگے۔ فائدہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب بیان کیا تو بھائیوں سے حسد ہجوم کرگئی اور یعقوبؑ نے کہا کہ بھیڑیا کھا جاویگا تو اسی فکر سے غمگین ہوئے۔ عرب کی مثل صادق آئی کہ البلاء موکل بالنطق۔ باتوں پر بلا موقوف ہے اور یہاں سے زبان کے آفات سمجھنا چاہیے۔ بعض تابعین سے مذکور ہے کہ اگر بات خالص چاندی ہے تو اس سے خاموش رہنا بالکل سونا ہے اور بیشک حدیث صحیح ہے کہ من صمت نجا جو خاموش رہا وہ سالم رہا۔ فی العرائس فی قولہ واخاف ان یاکلہ الذئب۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سچ فرمایا تھا اُن کے حسد کے بھیڑیئے سے خوف کیا اور اسکو بھیڑیا دیکھنا حقیقت تھا یعنی حسد کی صورت بھیڑیئے کی ہے اور ان واقعات میں جو کچھ حضرت یعقوبؑ نے دیکھا اسمیں انکی نظر باطنی سابقہ تقدیر پر واقع ہوئی اور فرزندوں سے دربارۂ یوسف علیہ السلام کے جو کچھ نور نبوت سے دیکھکر بیان کیا وہ آئندہ زمانے کے واقعات ہونیوالے تھے اور یہ تدبیر وغیرہ کچھ حقیقت توحید کے منافی نہیں ہے کیونکہ عقل و عادت و حواس کو بمقتضائے بشریت استعمال کرنا کبھی انبیاء و صدیقین کے لیے حقائق تقدیر کے معائنہ سے پردہ نہیں ہوسکتا کیونکہ انکا یقین ہماری محسوسات کے دیکھنے سے بھی بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے وے خوب جانتے ہیں کہ عرش سے فرش تک جو کچھ حرکات و سکنات واقع ہوتے ہیں وہ حرف کن اور علم الٰہیہ میں مسخر و مقدر ہیں نیز معلوم کرلیا کہ تقدیر میں میرے واسکے درمیان فراق ہے لہذا لیجانے ہی پر حزن پیدا ہوا اور فرزندوں کو غافل اسی معنی میں کہا کہ جو میرے علم میں ہے اس سے تم آگاہی نہیں ہو۔ اقول یہ اشارہ ہے کہ شہود وحدت میں تکلم بظاہر غیر سے اور بباطن حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے ہے بدل اظہار اندوہ و ملال کسی دوسرے سے نہیں ہوتا۔ فافہم فانہ دقیق واللہ تعالیٰ اعلم۔ انھوں نے دیکھا کہ غیرت حق کسی غیر پر نظر رکھنا نقص شان نبوت قرار دیتی ہے حتی کہ وسائط پر بھی نظر نہ ہو صرف شہود حقیقت ہو۔ اور اسکی تصدیق یہ ہے کہ بھیڑیئے نے یوسفؑ کو نہیں کھایا تو معلوم ہوا کہ وہی حسد کا بھیڑیا متمثل ہوا اور فراست نبوت میں خطا کا احتمال خطا ہے اور خود انکو فراست سے یوسفؑ کے آخر عمر تک کے واقعات معلوم تھے چاہے یہ کہو کہ خواب وغیرہ سے ظاہر ہوئے لیکن انھوں نے مراد الٰہی تعالیٰ سے موافقت کی کہ یوسفؑ سے جدائی و شہود حقیقت پر نظر ہو تو اپنی مراد چھوڑ دی اور بوعلی جرجانی نے کہا کہ بھیڑیئے سے خوف کیا تھا وہی مسلط کیا گیا اور اگر اللہ تعالیٰ کا خوف کرتے تو بھائیوں کو مجال نہیں ہوتی اقول یعنی بان

سے بھی نہ کہتے کہ بھیڑیئے کا خوف ہے۔ جنید رح نے کہا کہ ان کا حسد اسی شفقت کے کلمہ سے اور زیادہ بڑھا کہ قصد کو خواہ مخواہ پورا کیا۔ قولہ تعالیٰ قالوا لئن اکلہ الذئب ونحن عصبۃ الآیۃ۔ تقدیر ازلی کو قوت تدبیر دفع نہیں کرسکتی ہے اور قولہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ اور قولہ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم وغیرہ آیات سے اسطرف اشارات ہیں لیکن نظر توحید کبھی بعض اسباب سے ساکن ہوجاتی ہے پس انکے اس خیال پر کہ ہم ایک جماعت قوی ہیں خاموش ہے پس اللہ تعالیٰ نے اسکو قطع کردیا اور ان عہد و امانت والوں نے اسکو لیجا کر جب میں ڈالدیا اور بنیامین کو ساتھ لیتے وقت اللہ خیر حافظا کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ سے اسکو یوسف تک پہونچایا اور یوسف کے ساتھ ان سب کو یعقوب کے پاس جمع کردیا۔ یہی عبرت و نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنیکا حال و غیر پر اعتماد کا نتیجہ کیسا ہوتا ہے۔ القصہ جب بیٹوں نے باپ کو اطمینان دیا تو آگے یہ حال ہوا

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

پھر جب لیکر چلے اُسکو اور متفق ہوے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنوئیں میں　اور ہم نے اشارت کی اُسکو کہ تو جتا دیگا اُن کو

بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

اُنکا یہ کام　اور وہ نہ جانیں گے

شیخ وہب بن منبہ و دیگر اہل اخبار و قصص نے ذکر کیا کہ بھائیوں نے حضرت یوسف کو بہکایا اور پھسلایا کہ ہم ایسے ایسے کھیل تماشے میں خوشی کرتے ہیں تمہارا جی ہمارے ساتھ چلنے کو نہیں چاہتا ہے یوسف نے کہا کہ ہاں میں بھی چلونگا تو بولے کہ اچھا آپ چل کر اجازت مانگو تو یوسف نے جا کر کہا کہ یوسف کا بہت جی چاہتا ہے حضرت یعقوب نے پوچھا کہ بیٹا تیری کیا مرضی ہے کہا کہ ہاں بابا مجھ کو میرے بھائی پیار و محبت کرتے ہیں اب آپ اجازت دیجیے حضرت یعقوب نے پیار سے اُن کے عہد پر اُن کے ساتھ کردیا۔ فلما ذھبوا بہ۔ پھر جب اسکو لے گئے تو جبتک نظر کے سامنے رہے ہر ایک باری باری سے کندھے پر بٹھاتا اور گود میں لیتا تھا جب نظروں سے غائب ہوکر دور جنگل میں جہاں کوئی نہ تھا پہونچے تو غیظ و غضب ظاہر کیا اور اس صغیر بیگناہ بچہ کو تھپڑوں و لاتوں سے مارنا شروع کیا وہ روروکر فریاد کرتا اور ایک کے طمانچہ سے بلبلا کر دوسرے کی طرف پناہ لینے دوڑتا وہ بھی مارتا تو تیسرے کی طرف جاتا مگر یہی آفت پاتا اور جس سے فریاد کرتا وہی ترس کی جگہ اسکو طمانچہ مارتا آخر مایوس ہوکر باپ کا نام لےکر رونے لگا کہ اے پدر مہربان تیرے یوسف کا یہ حال ہے بابا اگر تم دیکھتے تو تم سے صبر نہ ہوتا اے باپ اُنھوں نے کتنی جلدی تمہارا عہد بھلا دیا آخر اس صدمہ جانکاہ سے قریب مرگ نوبت پہونچی اور بڑے بھائی روبیل نے زمین پر پٹک دیا اور سینہ پر چڑھکر چاہا کہ قتل کردے حضرت یوسف نے اس چوٹ و صدمہ کے بعد اپنے قتل کا سامنا دیکھکر اُس سے فریاد کی کہ مجھ پر رحم کر مجھے چھوڑ دو اُسنے کہا کہ اے راحیل کے بچہ اب تیرا وہ جھوٹا خواب کہاں ہے اُنھیں چاند سورج سے کہو کہ تجھے چھڑا دیں اور گردن مروڑ کر مار ڈالنا چاہا حضرت یوسف نے یہودا سے فریاد کی اسکو رحم آگیا اُسنے روبیل کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم نے یہ کچھ عہد نہیں کیا تھا آخر لیچلے کہ جب میں ڈالدیں۔ کما قال تعالیٰ۔ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ۔ اور سب متفق ہوئے کہ اسکو جب کے کول میں ڈالدیں جب وہاں پہونچے تو حضرت یوسف اُسکو دیکھکر ڈرے مگر اُن لوگوں نے اس اندھیرے کنوئیں میں جسکا پانی کھاری تھا لٹکا دیا اور یوسف کے ہاتھ کناروں سے جھٹک کر دیے

بندھا ہوا اندر اُتارا اور بیچ کنوین سے رسی کاٹ دی۔ آنحضرتؑ اندر گرے اور پانی سے اُبھر کر ایک پتھر جو اسمین تھا اسکو پکڑ کر
اسپر آرام پایا اور اس حال مین جب لٹکاتے تھے ان کی قمیص ان لوگون نے اُتار لی تھی روایت ہو کہ جب بیچ مین سے رسی کاٹ دی
تو بحکم آلہی حضرت جبرئیل نے بیچ مین سے آپکو بغیر تکلیف کے اس پتھر پر بٹھا دیا اور جب ابراہیم خلیل علیہ السلام کو نمرود نے قمیص
اُتار کر کوپھن کے ذریعہ سے آگ مین پھینکا تھا تو بحکم آلہی تعالی حضرت جبرئیلؑ نے حلۂ جنت انکو پہنایا تھا وہ قمیص حضرت اسحاقؑ
سے حضرت یعقوبؑ تک وراثت پہونچی تھی حضرت جبرئیل نے اسوقت حضرت یوسفؑ کو پہنائی اور وحی آلہی سنائی وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ
اور ہم نے وحی بھیجی یوسف کو یعنی اُسی جب کے اندر کہ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا تو ان لوگون کو ان کے اس فعل سے آگاہ
کریگا۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۔ حالانکہ وے نہ جانتے ہون گے کہ تو یوسف ہو یعنی کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف مت کر ہم تجکو ایسے
رتبہ پر پہونچادینگے کہ یہ لوگ تیرے آگے ذلیل کھڑے ہونگے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ فرمادیگا اور یہ تیرے بلندی درجہ
کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کرینگے کہ یوسف ہو بلکہ ان کو یہ خیال ہو کہ وہین ہلاک ہو جائیگا چنانچہ جب حضرت یوسف کنوین مین
ٹھہرے تو بھائیون نے آواز دی اور حضرت یوسفؑ کی عمر چونکہ بارہ برس یا کم تھی تو ان کو اس اُمید پر جواب دیا کہ شاید
مجھے نکال لین گے پر ان لوگون نے پتھر جمع کیے کہ ابھی جیتا ہے اسکو پتھرون سے ہلاک کرین مگر یہودا نے روکا اور نہ مانا کہ کوئی
مارے اور روایت ہو کہ تین روز آنحضرت اس کنوین مین رہے اور یہودا انکو کسی ترکیب سے کھانا پہونچاتا تھا اور کنوین کا پانی بحکم
آلہی شیرین ہو گیا ۔ ع تیرے قدم کے تلے خاک کیمیا ہو جائے ۔ تیرے نہانے کو ہر خار گل بنجائے ۔ ابن جریرؒ نے اپنے استاد
سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ قحط مین جب یوسف کے پاس انکے بھائی اناج لینے پہونچے تو موافق قولہ تعالی فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ
لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ یوسفؑ نے اُن کو پہچانا اور وے نہین پہچانتے تھے پس حکم دیا کہ صواع لاؤ یعنی وہ پیمانہ جس سے اناج ناپا جاتا
تھا اسکو ہاتھ پر رکھکر ٹھنکایا تو اس سے جھنجھناہٹ کی آواز نکلی فرمایا کہ مجھے یہ پیمانہ آگاہ کرتا ہو کہ تم ایسے لوگ ہو کہ باپ
کی طرف سے تمہارا ایک بھائی یوسفؑ تھا اسکو باپ تم سب سے زیادہ چاہتا تھا اسکو تم نے لیجا کر غیابت الجب مین ڈالدیا ۔ پھر
دوبارہ اس جام کو جھنکارا اور کہا کہ پھر تم اپنے باپ پاس آئے اور کہنے لگے کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا اور اسکی قمیص دروغ خون مین
لتھاڑلائے یہ سنکر اُنھون نے آپس مین کہا کہ عجیب ہو یہ جام تو ٹھیک تمھاری خبر بیان کرتا ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ ہمارے
علم مین یہ آیت لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا الآیۃ ۔ اسی بارہ مین ہو ۔ بعض مفسرین نے کہا کہ قولہ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کے معنی یہ ہین کہ ہم نے
اسکو جب مین وحی فرمائی درحالیکہ ان لوگون کو وحی ہونے سے خبر نہ تھی ۔ سراج مین کہا کہ اخفا کا فائدہ یہ تھا کہ خالی خواہ
حسد تھا تو اس کرامت سے بالکل دشمن ہو جاتے ۔ اقول اسرار کی توجیہ محول بعلم آلہی ہونی چاہیے کیونکہ اگر ان کو وحی آلہی
یا حضرت جبرئیلؑ کی صورت سے آگاہی ہو جاتی تو مارے خوف کے جان نکل جاتی و بحکم قولہ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ۔ اگر تیرا
پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہین کر سکتے تھے ہرگز کسی کو مقابلہ حق عز و جل کی طاقت نہین ہو۔ فافہم ۔ پھر اگر کہا جاوے کہ
حضرت یوسف بالکل صغیر تھے ایسی حالت مین وحی فرمانے کے کیا معنی ہین تو جواب اسکا کئی وجہ سے دیا گیا اول یہ کہ شان
نبوت کے استقرار رسالت سے دریافت ہوا کہ وحی اسرار و احکام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تو سخت و شدید
تھی کہ سخت سردی مین آپکی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا اور اُسکے بوجھ کو سوائے آپکے کوئی نہ سنبھالتا کیونکہ بڑے قوی جوان

کی ران پر آپ کا سر مبارک ہوتا تھا تو وہ اسقدر بیتاب ہو جاتا کہ گویا اسکی ران پھٹی جاتی ہے پس یہ وحی تو اسوقت بجمیع اقسام حضرت
یوسف پر نازل نہیں ہوئی بلکہ جملہ اقسام میں سے صرف ایک قسم یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس ایک بزرگوار
شفیق جس سے یوسف کو تسکین ہو بہیئت شفقت کے ساتھ آئے اور اس غم والم سے انکو تسکین دی کیونکہ جو صدمات اسوقت اس
صغر سنی میں آپ پر پیش آئے اگر کسی بالغ پر ہوں تو شاید اسکی روح فنا ہو جاوے تو صغیر بچہ کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ خلاصہ
اسکا یہ ہے کہ ایک صغیر بچہ جو ہمیشہ شفقت و نازو نعمت کی گود میں پالا گیا یکایک ہولناک جنگل میں دس مرد زبردست کے ہاتھوں
قتل کی دہشت و چوٹ کی صدمات میں گرفتار ہو کر ایک ہولناک کنوین میں ڈھکیل دیا گیا پس خیر الملائکہ اچھی صورت میں اسکی
تسکین و پیار کیلیئے آدمی کی صورت میں آئے اور بشارت دی کہ تم نجات پا کر بڑے عالی درجہ کو پہونچوگے۔ دوم وجہ یہ کہ ایحاء
مذکور ویسا ہی تھا جیسا حضرت یحیی و عیسی علیہما السلام کو صغر سنی میں وحی فرمائی اور اسی سے استدلال کیا گیا کہ یہ بات جائز ہے
کہ اللہ تعالی صغیر کو نبوت دے اور وحی سے سرفراز کرے اور بعض فرقہ معتزلہ وغیرہ نے جب اس سے انکار کیا تو یہاں یہ دعوی کیا کہ حضرت
یوسف کی عمر سترہ سال کی تھی اور پورے مرد ہو چکے تھے ولیکن یہ قول صریح مردود ہے اسلیئے کہ اتنے بڑے آدمی پر یہ خوف نہیں ہوتا کہ
اسکو بھیڑیا کھا جائیگا جیسے اور بھائیوں میں سے کسی پر یہ خوف نہیں ہوا- وجہ سوم بعض نے کہا کہ یہ وحی بطریق الہام تھی جیسے قولہ اوحی
ربک الی النحل- اور قولہ اوحینا الی ام موسی- وغیرہ میں ہے ولیکن صحیح قول اول ہے پھر اگر سوال کیا جاوے کہ آیت میں فلما کا جواب مذکور
نہیں ہے تو کہا جاتا ہے کہ ہاں اسوجہ سے کہ وہ خود ظاہر ہے اور شاید وہ افعال جو ان سے سرزد ہوئے کہ ایسے باپ کی نافرمانی میں ایسے
پیارے بھائی کو اسطرح ایسی بیرحمی سے تڑپا کر مارا کہ رقیق القلب آدمی سنکر تڑپ جاتا ہے اور چونکہ یہ صدمہ خالی جسم پر ہے اور مقصود تعلیم
روحانی ہے لہذا اسطرف توجہ نہیں چاہیئے اسیواسطے جو کوئی جہاد وغیرہ حکم الٰہی کی تعمیل میں اپنے بچوں کی طرف دیکھکر باز رہتا ہے اُسنے
وسوسہ شیطانی قبول کیا پس تقدیر کلام یہ ہے فلما ذہبوا بہ لم یلبثوا ان فعلوا بہ ما فعلوا واجمعوا ان یجعلوہ فی غیابت الجب یعنی لیجانے
کے بعد اسکے ساتھ پہلے بہت بیرحمی کا برتاؤ کر کے پھر اس بات پر اتفاق کیا کہ اسکو جب میں ڈالدیں مترجم کہتا ہے کہ جو کچھ صدمات وضرب
و شتم و انتہا بیرحمی کا برتاؤ مذکور ہوا ہے یہ قرآن مجید میں بصراحت مذکور نہیں اور نہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان
فرمایا ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے صحت کو پہونچا بلکہ طبقہ تابعین و اتباع میں سے بعض نے ذکر کیا ہے تو اسکی راہ سوائے
اسکے اور کوئی نہیں ہے کہ اُنھوں نے اہل کتاب سے لیا ہوا اور غالباً یہودیوں سے لیا ہے پھر جب یہودیوں کے روایات کو دیکھا جاتا ہے تو وے
بالکل بیباکی سے کتاب الٰہی کے حکم تک بدل ڈالتے تھے تو بھلا قصوں میں کیا اعتبار رہا لہذا نہ ہم تصدیق کرتے ہیں اور نہ جھٹلاتے
ہیں اور اسیواسطے ہم کہتے ہیں کہ تقدیر کلام میرے نزدیک اسطرح مناسب ہے فلما ذہبوا بہ واجمعوا ان یجعلوہ فی غیابت الجب فعلوا
یعنی جب لیگئے اور اتفاق کیا کہ اسکو کنوین میں ڈالدیں تو اسکو کر گزرے پھر جو کچھ افعال سختی و بیرحمی کے قصص سے مذکور ہوئے ہیں بہت
بعید ہیں پھر اگر صحیح نہ ہوں تو ناحق ایک سخت تہمت کا دنیا میں پھیلانا ہو جائیگا لہذا جسقدر کلام الٰہی و قرآن مجید سے ثابت ہے وہ یہ ہے
کہ بھائیوں نے حضرت یوسف پر حسد کر کے چاہا کہ اسکو باپ سے جدا کر کے خود انکی نظروں میں محبوب ہوں تو بعض نے کہا کہ جان سے
مار ڈالو کوئی بولا کہ نہیں ہم جان سے بھلا کیا ماریں اسکو فلاں کنوین میں شاید وہ باؤلی ہوگی اُتار دو وہاں سے کوئی مسافر لیجائیگا
پس بہانہ سے باپ کی اجازت سے لیگئے اور اگر مار ڈالنا چاہتے تو ممکن تھا کہ کہیں کسی حیلہ سے مار ڈالتے اور لیجا کر شاید بیچ میں

بعض نے اختلاف کیا اتفاق کرکے کنوئین مین اتار دیا اسوقت اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تو پریشان مت ہو تو انکو انکے ایسے
افعال سے خبردار کریگا اور وے بیشعور ہونگے مترجم کہتا ہو کہ اس سے زیادہ ہم نہین جانتے اور نہ ہم کو تہمت لگانا بغیر
یقینی طریقہ کے جائز ہی لہذا مفسرین مین سے جنھون نے بیرحمی کی روایات ذکر کیے یہ نتیجہ نکالا کہ انبیاء کے یہ افعال تو ہو نہین سکتے ہین
یہ تو مرد صالح کے بھی افعال نہین ہین تو یہ لوگ صالح بھی نہ تھے۔ مین کہتا ہون کہ ایسے یہ نتیجہ خراب تہمت کا کس دلیل سے نکالا
ہے اگر قرآن مجید و حدیث صحیح سے نکالا تو غلط ہی کیونکہ سوا اسکے قصد قتل کے جو بعض کا خیال تھا یا حسد کے اور کچھ ثابت نہین ہے
اور اگر یہودیون کے بیان سے نکالا تو ہم کو آنحضرت صلعم نے منع کر دیا ہی کہ ہم انکی باتون پر اقرار یا انکار کچھ نہ کرین اسلیے کہ اس قصہ کے
معائنہ کرنیوالے راوی تک ثقہ نقل کرنیوالے کہ جو متقی ہون نہین ملتے ہین تو بھلا ایسی روایات پر ہم کو ہرگز روا نہین ہی کہ ہم
برادران یوسف کے نسبت جنکو باپنے معاف کیا اور خود حضرت یوسف نے معاف کیا ایسا الزام لگا دین اور یہ وہم نہ کرنا کہ مسلمانون
کے شاعرون وقصہ کی کتابون اور عموماً لوگون کی زبان پر جاری ہو گیا ہی کیونکہ اصل حال تو معلوم ہو گیا اب اس شہرت کا کیا
اعتبار ہی دیکھو جہان بھر مین مشہور ہی کہ فرعون دریائے نیل مین ڈوبا حالانکہ محققین مفسرین بلکہ علماء مصر وفین نے لکھدیا کہ نہین بلکہ
قلزم مین ڈوبا اور قرآن وحدیث مین بحر کے اندر ڈوبنا مذکور ہی اور یہی صحیح ہی اور مترجم نے سراج وغیرہ سے جو یہ روایات
لکھدین تو ان لوگون نے خود لکھدیا ہی کہ قصص سیر واخبار کی روایتین ہین اور ان مین سے کسی نے برادران یوسف پر
یہ اعتراض نہین کیا کہ اسکے نتیجہ سے وے صالح بھی نہین معلوم ہوتے ہین بلکہ سراج وغیرہ مین انکے انبیاء ہونے پر جزم کیا ہی اسلیے
کہ وے ہر قول کو اسکے رتبہ پر رکھتے ہین یہ اعتراض صرف بعضے ابنائے زمانہ نے کیا جن کو تفسیر لکھنے مین شاید یہ امتیاز
نہین ہا اللہم اغفرلنا وارحمنا وانت ارحم الراحمین ف۔ فی العرائس جب حضرت یوسفؑ امتحان مین پڑے اور بھائیون
کے ہاتھون عاجز ہو کر مصیبت اٹھائی تو غیب سے انکی تسلی خاطر فرمائی کما قال تعالیٰ واوحینا الیہ لتنبئنہم بامرہم ہذا وہم لا یشعرون
اشارہ ہی کہ جب رتبہ رسالت ونبوت وتمکین کو پہونچینگے تو زبان نبوت سے انکو اعتبار دلیت سے انکے قول وفعل وحرکات
کو بیان کرینگے اور یہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو کمال تسلی ہی اول اسلیے کہ تمام مصائب دنیا در واقع آسان ہین جبکہ انجام
بخیر ورضوان الٰہی ہونا معلوم ہو جاوے اور ایسے شخص کو مصائب کی حالت مین بھی قوت الٰہیہ ایسی پہونچتی ہی کہ وہ استقامت پر
رہتا ہی کیونکہ وہ مقبول ہی واللہ اعلم۔ استاد رحمہ نے فرمایا کہ اشارہ یہ ہی کہ جب بلا مین پھنسایا تو رضوان کا مژدہ معمولی وقت سے
پہلے سنایا جس سے یہ بلا ظاہر ہو جاوے کہ رحمت ہی عذاب نہین ہی۔ کہا گیا ہی کہ جب یوسف علیہ السلام سے شفقت پدری منقطع کیگئی
تو رحمت مولیٰ عطا فرمائی گئی اقول سبحان اللہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لطف کے عوض حضرت حق عزوجل خالق ومالک
یعقوب کا لطف محض فضل وانعام ہی تعالیٰ۔

وَجَآءُوٓا أَبَاهُمْ عِشَآءً يَبْكُونَ ۝ قَالُوا يَٰٓأَبَانَآ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ

اور آئے اپنے باپ پاس اندھیرا پڑے روتے — کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑتے آگے نکلنے کو — اور چھوڑا یوسف کو

عِندَ مَتَٰعِنَا فَأَكَلَهُ ٱلذِّئْبُ ۖ وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَٰدِقِينَ ۝ وَجَآءُو

اپنے اسباب پاس پھر اسکو کھا گیا بھیڑیا — اور تو باور نہ کریگا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہون — اور لائے اس کے

عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

لہو لگا جھوٹھ بولا کوئی نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیون نے ایک بات اب صبر ہی اچھا ہے اور اللہ سے مدد مانگتا ہوں کرتے ہو

عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝

اس بات پر جو بتاتے ہو۔

جب حضرت یوسف کو قمیص اتار کر غیابت الجب میں ڈال چکے تو اُسی قمیص کو خون میں لتھاڑ کر گھر کو روانہ ہوئے۔ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ۔ اور آئے اپنے باپ پاس وقت عشا کے درحالیکہ روتے تھے۔ قال الامام یہ بندش پہلے سے باندھ رکھی تھی جب یوسف کو اس اندھیرے میں اُس پاس کے ساتھ اکیلا چھوڑ چکے تو اندھیری رات میں باپ پاس آئے روتے تھے اور بڑا ماتم و غم ظاہر کرتے تھے۔ فی السراج وغیرہ عشا کے وقت رات میں اسوجہ سے آئے کہ اُن کے چہرہ کو دن کی روشنی میں دیکھکر حضرت یعقوب علیہ السلام فراست سے اس حیلہ کے برخلاف نہ دریافت کر لیں اسیواسطے بعض علماء کا قول ہے کہ کسی سے اپنی حاجت رات کے وقت نہ مانگے کیونکہ مروت و حیا آنکھوں میں ہوتی ہے وہ روشنی میں چار ہوں گے اور دن میں کسی گناہ کا عذر نہ کرے کیونکہ خیا رتے عذر ثابت کرنے میں زبان لغزش کریگی۔ قولہ یبکون حال ہے اور رونا فقط آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کو کہتے ہیں اور اسکے واسطے درد دل ضرور نہیں ہے پس آیت میں صاف دلیل ہے کہ رونا کچھ سچائی کی دلیل نہیں ہے کیونکہ بناوٹ بھی ہوتی ہے اور روایت ہے کہ حضرت شریح قاضی کے پاس ایک عورت نے نالش کی اور روتی تھی آپنے موافق اصول شرع کے گواہ مانگے وہاں شعبی رح بیٹھے تھے کہنے لگے کہ اے ابوامیہ تم نہیں دیکھتے کہ وہ رو رہی ہے تو فرمایا (یعنی شریح رح) کہ یوسف کے بھائی نہیں روتے آئے تھے حالانکہ وہ ظالم جھوٹے تھے کسی قاضی کو روا نہیں ہے کہ ایسی باتوں پر حکم دیدے سوائے طریقہ حق و عدل کے۔ الغرض یہ حالت دیکھکر حضرت یعقوب علیہ السلام گھبراکر پوچھنے لگے کہ کیا ہوا کیا تمہارے مویشی کو کوئی آفت پہنچی بولے کہ نہیں پھر فرمایا کہ یوسف کا کیا حال ہے۔ قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ ۔ بولے کہ اے ہمارے باپ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ ۔ ہم جا کر دوڑ کی مشق یا تیراندازی کی مشق کرنے لگے وفی الحدیث لاسبق الا فی خف او نصل او حافر۔ حدیث میں ہے کہ مسابقت معتبر نہیں مگر گھوڑ دوڑ میں یا تیراندازی یا اونٹ دوڑ میں۔ اور بعض نے کہا کہ پاؤں کی دوڑ تھی کہ کون آگے نکل جاتا ہے کیونکہ سواری پر نہیں گئے تھے اور اسمیں کلام ہے کہ اس مشق کی ضرورت بنظر جہاد تھی (یا بندوق بازی ۱۲) اور روایت نہیں ہے کہ اسوقت جہاد فرض تھا ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر شریعت توریت میں فرض ہوا اور برابر فرض رہا یہانتک کہ حضرت عیسیٰ کی انجیل میں منسوخ ہوا لہٰذا استباق کو لہو و لعب قرار دیا ہے اور مترجم کہتا ہے کہ عدم مفروضیت کا یقین نہیں ہو سکتا تھا تو اس سے ممنوع نہیں ہو سکتا اور حدیث صحیح میں ہے کہ ارموا فان اباکم کان رامیا ۔ لڑکوں کو تیر سے چاندماری کرتے دیکھکر فرمایا کہ ہاں تیراندازی کی مشق کرو کہ تمہارا باپ تیرانداز تھا۔ شارحین و مفسرین نے کہا کہ باپ سے عرب حجاز کے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مراد ہیں اور محتمل ہے کہ حضرت ابراہیم مراد ہوں پس ظاہر ہوا کہ اُسوقت بھی مستحسن تھا تو لہو ممنوع نہیں ٹھہرا۔ الحاصل انھوں نے بیان کیا کہ ہم استباق میں گئے۔ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا ۔ اور ہم یوسف کو اپنی متاع یعنی کپڑوں وغیرہ کے پاس چھوڑ گئے تھے فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۔ پس اسکو بھیڑیا کھا گیا یعنی کھیل میں ہم سے غفلت ہو گئی اس سبب سے اسکو بھیڑیا کھا گیا۔ ف۔ جو لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں اُنھوں نے یہاں دیکھا کہ آدمی اگر اپنے دل کو یاد الٰہی سے غفلت میں ڈالدے تو دشمن جان سے بڑھکر دشمن شیطان اسکو مردہ کردیتا ہے پھر عام مسئلہ سوء فہم پر

یہ ہو کہ اشتباق اگر لہو ممنوع تھا تو غفلت و حرمان ظاہر ہے لیکن ظاہر تفسیر پر اعتراض ہوگا کہ برادران یوسف کیونکر مرتکب ہوئے اور
اگر ایسا لہو تھا جو شرع میں مباح ہو تو اس سے یہ خانہ بربادی کیونکر ہوئی کیونکہ لازم آتا ہو کہ بعض شرعی مباح سے بھی یہ نوبت
پہونچتی ہو بلکہ جب اس سے یہ نوبت پہنچتی ہو تو مباح کیوں لکھا گیا اسکا جواب یہ ہو کہ ان بلاد میں لہو مباح تھا لیکن مباح وہین تک جائز ہو کہ غفلت نہ آئے
ورنہ حرام ہو جائیگا اور اسیواسطے جو کھانا پینا مباح اس حد تک پہونچے کہ آدمی پیٹ بھرنے کے جوش میں ایسا غافل ہو وے کہ نماز جاتی
رہے تو مکروہ ہو اور صریح نص اس کے قصہ حضرت سلیمانؑ میں صافنات الجیاد کا معائنہ ہو کہ جہاد کی گھوڑیاں ملاحظہ کرنے میں وقت
نماز سے غفلت ہو گئی باوجودیکہ جہاد کی نیت سے یہ کام ثواب کا تھا مگر پھر بھی اُنھون نے کہا۔ انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی
حتی توارت بالحجاب ۔ اور سب گھوڑیاں جو غفلت میں ڈالنے والی تھین ذبح کر دین اور یہان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ غفلت میں ڈالنے
والی چیز دور کر دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب عظیم و ثنا حاصل کرتا ہو پس جب خیر سے غفلت کا یہ حال ہو تو مباح کا کیا
حال ہوگا اور بعید یہ ہو کہ تیر اندازی و گھوڑدوڑ وغیرہ خود امر آخرت نہین ہین بلکہ واسطہ ہین اور ذکر الٰہی و نماز وغیرہ خود آخرت
سے ہین اب جانو کہ دنیا لہو و لعب ہو بحکم صریح قولہ تعالیٰ انما الحیوۃ الدنیا لہو و لعب ۔ اور جو لہو و لعب مباح غفلت میں ڈالے
وہ مکروہ ہے تو دنیا بالکل مکروہ و حرام ہے الا اسی قدر کہ غفلت میں نہ ڈالے اسیواسطے حدیث سے ثابت ہو کہ ما قل و کفی خیر
مما کثر و الہٰی ۔ اگر زیادت سے غفلت و لہو میں پڑے تو قلیل کفایت پر قناعت واجب ہو۔ یہ مختصر تنبیہ اسلیئے بڑھائی گئی کہ
قرآن پاک ہمہ تن نصائح و عبرت و علوم و اصلاح قلب طریق دار الآخرۃ دائم و باقی و موصل رضوان الٰہی جل شانہ ہو پڑھو اور دل
سے صاف کرو اور اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہو واللہ الہادی الی سواء الصراط ۔ القصہ برادران یوسف علیہ السلام نے یہ عذر کیا کہ لہو
و لعب میں ہمارے ہاتھ پاؤن مشغول ہو گئے اور ہمارے حواس غافل ہو گئے تو یوسف کو ہمارا دشمن بھیڑیا کھا گیا۔ بھلا یعقوب علیہ السلام
کی فراست کے آگے انکو کب فروغ ہوتا یہ خود جانتے تھے لہٰذا کہا۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا ۔ اور آپ تو کبھی ہم کو سچا ماننے والے
نہین ہین ۔ وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۔ اگرچہ ہم در واقع اس بات میں سچے ہون تو بھلا جب آپ کو ہماری طرف سے حضرت یوسفؑ
کے بارہ میں شبہہ تھا تو آپ کب سچ مانین گے اور پہلے آپنے کہدیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اسکو بھیڑیا کھا جاوے اتفاق
سے ویسا ہی واقع ہوا بعض نے کہا یعنی آپ بلا دلیل ہم کو سچا نہ مانین گے اگرچہ ہم حقیقت میں سچے ہون ۔ وَجَآءُوْ عَلٰى
قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۔ اور لائے تھے اسکی قمیص پر دروغ خون یعنی ایسا خون جس میں جھوٹ باندھا تھا کیونکہ اُنھون نے دعویٰ کیا
تھا کہ یہ خون حضرت یوسفؑ کا ہو مگر اصل میں جب کنوین میں ڈالا تو قمیص زبردستی اُتار لیا تھا اور بکری کا بچہ ذبح کر کے
اس کے خون میں یہ قمیص لتھاڑ کر حضرت یعقوبؑ کو اپنے قول کی نشانی دکھلانے لائے ۔ روایت ہو کہ حضرت یعقوبؑ نے یہ قمیص اُنکے
ہاتھوں سے لیکر اپنے چہرۂ مبارک پر ڈالی اور یہان تک روئے کہ داڑھی اس خون سے مانند خضاب کے رنگین ہو گئی اور فرمایا کہ اللہ
سے ڈرو میں نے آج کا سا بھیڑیا نہین دیکھا ایسا ہوشیار کہ میرا بچہ کھا گیا اور قمیص کہین سے نہ پھاڑی ۔ شعبی رح نے کہا کہ یوسفؑ
کی قمیص مین عجیب واقعات ہین بھائیون نے قمیص اُتار کر خون میں ڈبو لیا مگر قمیص نے ان کو جھٹلایا کہ سب صحیح سالم تھی ۔ زلیخا نے
ان پر الزام رکھا یا تو پیچھے سے پھٹے گواہی دی کہ ان کان قمیصہ قد من قبل الآیۃ ۔ اس قمیص نے زلیخا کا مکر چلنے نہ دیا ۔ آخر وہ قمیص
آئی اور اُن کے باپ کی آنکھیں روشن کر دیں۔ بقولہ والقاہ علی وجہہ فارتد بصیراً ۔ وہ لباس نوری جو کسی عیب نجاست سے

ک۔ فرمایا قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا۔ القصہ حضرت یعقوب نے بتا دیا
سلا نہین ہوتا اور آخر اپنی اصل سے متصل ہوتا ہو
نہین بلکہ تمہارے نفس نے تسویل سے کوئی امر کیا ہو یعنی تم لوگ اپنے نفوس کے پھندے مین مبتلا ہوئے اُسنے تم کو بُرا کام بھلا
دکھلایا وہ تم کر کے آئے ہو بھیڑیئے وغیرہ نے نہین کھایا۔ ذکر الحافظ رح ابن عباس رض نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر بھیڑیا
کھاتا تو قمیص پھاڑتا۔ یہی شعبی رح و حسن و قتادہ وغیرہم سے مروی ہو۔ بعض علما نے کہا کہ آنحضرت علیہ السلام تو پہلے ہی اپنے فرزند دلبند
کو کہہ چکے تھے کہ کذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ولیکن تقدیر الٰہی جب جاری ہوتی ہو تو حسن تدبیر حکمت الٰہیہ
پردۂ عجیب طاری ہوتا ہو و لقد قال تعالیٰ واللہ غالب علی امرہ۔ اور خود حضرت یعقوب نے آخر کہا کہ انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون۔
پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو جو علم تھا اس سے جانتے تھے کہ یوسف زندہ ہین۔ بعض نے لکھا کہ علم الٰہی سے یہ کچھ منزلت تھی کہ مصر سے
قمیص کی خوشبو سونگھ لی لیکن بھائیون نے کنعان کے پاس کنوین مین ڈالا وہ نہ جانا تو یہ پردۂ تقدیر ہو اور یہی دلیل اس امر کی ہے
کہ اللہ تعالیٰ غالب قوی عزیز حکیم ہو جو چاہتا ہے ہوتا ہے جب چاہا علم دیا جب نہ چاہا کچھ نہین پس حمد و ثنا اُسی قادر حی القیوم
کیلئے ہو یا جو کسی خاص علم سے آنحضرت علیہ السلام نے انکے قول کو جھٹلایا اور یہ بھی زیادہ کیا کہ تمہارے نفوس سے
کسی حرکت پر تم کو آمادہ کیا جو تم سے سرزد ہوئی۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ اے فصبر جمیل اولیٰ من الجزع وقیل فصبری صبر جمیل وقیل
فصبر جمیل اولیٰ بی الاولیٰ۔ پس صبر جمیل خوب ہو شکایت و جزع و فزع سے۔ علما نے کہا کہ صبر دو طرح کا ہو ایک جمیل
جو خالص اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کیلئے ہو پھر اسکو ایک نور مشاہدہ ہوگا کہ یہ امر حق تعالیٰ ہو اسکے استغراق مین کسی سے
شکایت نہین کریگا اسی لئے کہا گیا کہ پوری محبت و صدق مودت شدائد سے بڑھتے اور نہ جتاتے تھے اور دوسرا صبر جو جمیل نہ ہو اور
وہ کسی عوض وغیرہ سے سوائے خالص رضا الٰہی کے ہوتا ہے۔ وفی التیسیر الحافظ۔ مجاہد رح نے کہا کہ فصبر جمیل یعنی جزع نہین ہے
ثوری رح نے اپنے بعض شاگردون سے نقل کیا کہ اُسنے کہا کہ صبر مین سے یہ ہو کہ اپنے درد و مصیبت کو کسی سے بیان نہ کرے اور اسکو
اپنے نفس کی خوبی نہ سمجھے اور حبان بن ابی جبلہ سے مرسل روایت ہو کہ صبر جمیل کی تفسیر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر
لا شکویٰ فیہ۔ ایسا صبر ہو کہ جسمین شکوی نہ ہو۔ اور بعض اہل تفسیر نے اتنا اور زیادہ ذکر کیا کہ جس نے بیان کیا اُس نے صبر نہ کیا اور
امام حافظ رح نے کہا کہ امام بخاری رح نے اس مقام پر حدیث عائشہ رض جو درباره افک حضرت صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا تھی وہ
بیان کی چنانچہ اسکے آخر مین جب آنحضرت صلعم نے خود حضرت ام المومنین صدیقہ رض سے پوچھا اور آخر انھون نے خود جواب دیا تو یہ کہا
کہ جھوٹے بہتان باندھنے والون نے جو کہا وہ تم لوگون کے خیال مین جم گیا ہے اب اگر مین قسم کھاؤن تو تم میری تصدیق نہ کروگے
اور اعتذار کرون تو نہ مانوگے (حضرت صدیقہ رض نے کہا کہ مین قرآن کم پڑھتی تھی اسوقت مجھے یعقوب تو یاد نہ آیا مین نے یوسف کا باپ
کہدیا) میری اور تمھاری مثل وہ ہو جو ابو یوسف نے کہا تھا فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔ اُسیوقت اللہ تعالیٰ نے انکا
عذر نازل فرمایا اور پاکیزگی ظاہر فرمائی اور بہتانیون پر غضبناک جھڑکی اُتاری اور ایسا ہی سراج مین بھی اسکو یہان ذکر کیا ہو
مترجم کہتا ہو کہ شاید امام بخاری کا یہان یہ حدیث لانا صرف روایت پر محمول ہو اور تفسیر سے اسکا ربط کچھ ظاہر نہین ہوا
اسواسطے اس سے کچھ استفادہ بیان نہین ہوا اور مترجم ضعیف اپنے مالک مولیٰ حق سبحانہ تعالیٰ کی توفیق سے جو کچھ سمجھتا ہو ظاہر کرتا
ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی خطا سے پناہ مانگتا ہے۔ واضح ہو کہ اس حدیث سے اس آیت کریمہ کی تفسیر مین بہت مدد ملتی ہے

کیونکہ حضرت یعقوبؑ نے دو جملے فرمائے ایک تو قولہ فصبر جمیل۔ اور دوسرا قولہ۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ یعنی امر یوسف میں جو تم
کہتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ ہی مستعان ہے یعنی اُسی سے استعانت میں بھی چاہتا ہوں اور ہمیشہ چاہونگا اور ہر ایک اُسی سے چاہے اور وہی لائق
و مستحق ہے کہ سب مخلوق اُسی سے استعانت چاہے بس صبر جمیل تو طاعت و تسلیم ہے بمنزلہ قولہ ایاک نعبد۔ اور یہ کلام بمنزلہ ایاک نستعین ہے پس
حدیث موصوف سے بیان کی باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ حضرت ام المومنین صدیقہؓ کئی دن رات برابر روئیں اور آخر میں صبر جمیل فرمایا تو
جب نظر بجانب خوف الٰہی ہو اور رونا کچھ شکایت قضاء الٰہی سے نہ ہو تو صبر جمیل زائل نہ ہوگا چنانچہ اولاد وغیرہ کے مرنے میں مطلقاً رونا ممنوع
نہیں ہے جبکہ طپش دل سے آنسو جاری ہوں یا بشفقت یا بخوف الٰہی مگر قضاء مقدر سے شکایت کسی مخلوق کے سامنے نہ ہو کیونکہ حضرت یعقوبؑ نے
کہا تھا کہ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ۔ تو اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں تضرع اُس سے اُسی کی طرف ممنوع نہیں ہے۔ دوم یہ کہ صبر جمیل یہ ہوا کہ
باوجود تمام صدق کے قسم کھانا بے سود تھا و اعتذار بے فائدہ تھا تو صبر جمیل میں قسم نہ کھاوے نہ اعتذار کرے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام
نے نہ اُنسے مواخذہ کیا اور نہ اوروں سے در بارہ تفتیش وغیرہ کی استعانت لی اور نہ تحقیقات کی اگرچہ کید و فریب اس قمیص سے ظاہر
ہوگیا تھا بلکہ صبر جمیل کیا اور اللہ تعالیٰ سے استعانت چاہی اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا اخیر کلام کے معنی اور ربط کس طرح ہے
اور یہاں فوائد بھرپور ہیں میں گنجائش نہیں پاتا واللہ الموفق اور شاید کہ صبر جمیل میں اللہ تعالیٰ سے استعانت عین عبادت ہے
تو اب یہ سوال بھی وارد نہیں ہوتا جو سراج وغیرہ میں مذکور ہے کہ قضاء الٰہی پر صبر کرنا واجب ہے مگر ظالموں کے ظلم پر صبر کرنا ضروری نہیں ہے
تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس معاملہ میں اچھی طرح تفتیش کیوں نہ کی اور دوسروں سے استعانت کیوں نہ لی اسلئے کہ خاندان شرافت
میں سے تھے اور لوگ اُنکو مانتے تھے اور جواب یہ دیا کہ شاید برادران یوسفؑ اس امر سے مانع ہوتے اور شاید وحی سے منع کئے گئے ہوں
تاکہ مشقت سے ثواب زیادہ ہو اور مترجم کے نزدیک حدیث موصوف سے استفادہ اقوی ہے اس لئے کہ اگر ملنے والے ہوں گے
تو بغیر کسی جستجو کے مل جاوینگے اور اگر نہیں تو یہ اضطراب بے فائدہ ہے پھر اگر وہم ہو کہ رزق حلال کی جستجو بھی بیکار ہے کیونکہ جو مقدر ہوگا ملے گا
ورنہ نہیں تو جواب یہ ہے کہ بیشک جسقدر رزق مقدر ہے گا ملیگا اور جسطرح مقدر ہے گا وہ اس بندے سے ضرور واقع ہوگا اور شاید
یہ مقدر ہو کہ مشقت سے اسقدر اور بے محنت بہت قلیل ملے بہرحال اُسنے یہ کہاں سے جانا کہ میرے حق میں یہ مقدر ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ
کے بیٹھ رہوں اور فرق یہاں یہ ہے کہ رزق کے واسطے تلاش کا حیلہ مقرر ہے تو جب اُسنے یہ حیلہ نہ کیا تو عادت الٰہیہ سے اُسنے برخلاف کیا
اور یہ معصیت ہے اگر ایسی نیت ہو اور ظاہر ہے کہ گناہ کرنے سے رزق میں کمی ہو جاتی ہے جیساکہ حدیث صحیح مسلم سے ثابت ہے جیسے گھبراہٹ
کے ساتھ حرص میں طمع کا پاؤں پھیلانا معصیت سخت ہے اس سے کچھ مقدر سے زیادہ نہیں ملتا اور گناہ شدید کے بعد جو ملا وہ رزق
کیا بلکہ عذاب ہے یہیں سے سمجھو کہ جو بعضے سرکش گناہ گار بہت کچھ مال پاتے ہیں وہ ان کے حق میں رزق حلال نہیں بلکہ عذاب شدید ہے
کہ فوراً مرتے ہی پردہ اُٹھ جائیگا پس حاصل یہ کہ حدیث میں اجملوا فی الطلب کا حکم اسی معنی میں ہے یعنی طلب جمیل کرو رزق کی تلاش
میں پس طلب جمیل یہی ہے کہ آخرت کے کام مقدم کرکے تبعاً اسکے طالب ہو اور یہ نہ چاہیئے کہ طلب کو مقدم کرکے پھر جو کچھ وقت نکلے اُسمیں
عبادت کرے اور قصہ میں صبر جمیل یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ سے استعانت چاہی اور ایسی جستجو میں پڑنا جو خلاف طریقہ قضاء و قدر ہے خلاف
جمیل جانا فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ف۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام سے باپ کی شفقت توڑ دی گئی اور اس صالح نے رضائے
حق تعالیٰ کی طرف جگہ ڈھونڈھی تو ارحم الراحمین سے دلی تسلی پہنچی اور ہمراز ناز و نعمت میں ہو گئے۔ رہا بھائیوں کا حال

تو فرمایا حق تعالیٰ نے وجاءو اباہم عشاء یبکون۔ اسمین منجملہ اسرار کے یہ ہی کہ آدمی مین جو طبیعت رکھی گئی ہی اسکی کیفیت یہ ہی کہ جب اسکی مراد
حاصل ہو جاتی ہے تو بہت نرم بنجاتی ہی اور روسنے کو چاہو تو رونا آجاتا ہے اور یہ فقط دنیا کی خواہش ولذت وشہوات کے حصول سے مکرہوتا
ہے جو عقل پر پوشیدہ نہین ہی اور اکثر یہ رونا خالی بناوٹ ہوتی ہی کسی حسرت وقلق آخرت سے موجب ثواب وکمال نہین ہوتا ہی اور
عشاء کو اسی جہت سے آئے کہ باپ رعب سے سالت سے دہشت نہو اور بناوٹ ظاہر نہ ہو جائے اور اندھیرے مین عذر کی بناوٹ ٹھیک ہو
قولہ وجاؤ علی قمیصہ بدم کذب الآیۃ۔ اسمین منجملہ اشارت کے یہ ہی کہ فریب و مکر اہل بیان ولو۔ فراست والون پر پوشیدہ نہین ہوتا حالانکہ
لئے قرب مقامات اور اولیاء کے مقالات سے مدعی ہوتے ہین اور یہ لوگ پیچھے ہین اور ظاہر یا باطن راہ حق مین شہید ہین اُن کے
خون سے شہادت ٹپکتی ہی اور حدیث صحیح مین آیا کہ المتشبع بما لم یعط الحدیث جو ایسی چیز سے سیر ہو بیٹھے کہ حقیقت مین اسکو نہین ملی تو
ایسا ہی جیسے کوئی مکر کا لباس پہنے ہو یعنی بناوٹ سے خلعت پہنکر شاہزادہ نہین ہوجاتا اگرچہ اسکو اسوقت خلعت بھی حاصل ہی تو بھلا
جو کوئی فریب سے خلعت کی قطع بناوے وہ ضرور آنکھون والون پر مکار ظاہر ہو جائیگا عجب ہے کہ جس کے دل مین ایمان کا نور ہی اگرچہ وہ ولی
نہ ہو وہ آخر ضرور ولی و مکار مین امتیاز کر لیتا ہی تو بھلا گراہ ہونے والے کس نہم پر مطلع نہین ہوتے ہین طبیعت مین جب حسد چھپا تو اس سے
دروغ وگناہ پیدا ہوتے ہین اور عالم مین آگ لگا دیتے ہین۔ حسین بن الفضل رحمہ نے کہا کہ آخر مین برادران یوسف نے کہا تھا کہ ان یسرق
فقد سرق اخ لہ من قبل۔ اور یہ دروغ کلمہ تھا تو آخر دروغ بھی اسی اول حسد کے دروغ سے ہوا جب کہا کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا۔ قولہ
بل سولت لکم انفسکم امرا۔ اس سے فراست یعقوب علیہ السلام ظاہر ہے اور انکو نفوس کے کید و فریب سے آگاہ کر دیا اور اشارہ ہے کہ
تم اپنے فریب مین خود گرفتار ہو اور مین تو درمیان مین سوائے سابقہ تقدیر کے کچھ نہین دیکھتا ہون پس قولہ فصبر جمیل سے حق عزوجل
نے لباس پہنایا اور صبر جمیل وہ ہی کہ مصیبت مین گرفتار ہو کر تقدیر ازلی و مراد الٰہی کو مشاہدہ کر کے اس سے صابر ہو اور اپنے نفس سے تکلف
کا صبر نہو۔ ولقد قال تعالیٰ وما صبرک الا باللہ۔ وقال تعالیٰ واصبر لحکم ربک فانک باعیننا اور تحقیق اسمین یہ ہی کہ دل پر جو کچھ اللہ تعالیٰ
جاری فرمائے اُسپر آسودہ ہو اسطرح کہ یا الٰہی صاف اور ذوق مشاہدہ منور رہو ہندا فرمایا۔ واللہ المستعان علی ما تصفون۔ میری
استعانت صبر بلا مین اُسی سے ہی کسی اور چیز سے نہین، ہی شیخ حسین نے فرمایا کہ مدار قضا پر ظاہر و باطن کی آسودگی کو صبر جمیل
کہتے ہین۔ یحییٰ بن معاذ رح نے فرمایا کہ صبر جمیل یہ ہی کہ بلا کو دل خوش و لب خندان قبول کرے۔ قال تعالیٰ

وَجَاۤءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ
اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پنھارا اُسنے لٹکایا اپنا ڈول بولا کیا خوشی کی بات ہی یہ ہے ایک لڑکا
وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ
اور چھپا لیا اُسکو پونجی سمجھکر اور اللہ خوب جانتا ہی جو کچھ وہ کرتے ہین اور بیچ آئے اُسکو ناقص مول کو گنتی کی کئی
مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ○
پاؤلیان اور ہو رہے تھے اُس سے بیزار

جب حضرت یوسفؑ بنا بر بعض روایات کے تین روز اُس جب مین رہے کہ یہودا اُن کو کھانا پہونچاتا رہا اور بنا بر بعض روایات کے ایک
ہی روز رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اندھیرے کنوین سے جسکا پانی کھاری تھا اپنے بندۂ مخلص کو خلاص فرمایا۔ اس طرح کہ

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ اور آگئے کچھ مسافر۔ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ ۔ سو اُنھون نے اپنے وارد کو بھیجا۔ سراج وغیرہ مین لکھا کہ سیارہ دراصل سیر کرنیوالے جو زمین مین پھرتے رہتے ہین پس مسافرون کو اسی وجہسے سیارہ کہتے ہین اور یہ لوگ جو بئر الجب پر وارد ہوئے تھے مدین سے یا شام سے روانہ ہوکر مصر کو جاتے تھے وے راستہ بھول کر بھٹکتے ہوئے اس جنگل مین آئے جہان یہ کنوان تھا اور یہ کنوان آبادی سے دور ایک جنگل مین تھا جس سے پانی پینے سوائے چرواہون کے کوئی نہین آتا تھا اور مترجم کہتاہے کہ پہلے ایک روایت یہ بھی مذکور ہوئی کہ اس پر اکثر لوگ اترا کرتے تھے تو ظاہر اس قول پر بعض نے زعم کیا کہ وہ بیت المقدس کا کنوان تھا یا مراد یہ ہوکہ چرواہے بہت آتے تھے لیکن مناسب مقام یہی قول ہے جو یہان مذکور ہوا بہرحال روایت ہے کہ اس کنوین کا پانی کھاری تھا حضرت یوسف؈ کی برکت سے شیرین ہوگیا تھا یہ لوگ بھٹکے ہوئے وہان اترے اور آگے آگے اپنا وارد پہلے بھیجدیا تھا اور وارد اسکو کہتے ہین جس کو مسافرون کی جماعت اپنے مین سے منزل پر پہلے بھیجدیتے تاکہ وہان پانی کا بندوبست کردے تو وہ اپنی جماعت سے پہلے منزل پر پہونچ جاتا ہے اور پانی بھر کر جمع کرتا ہے تاکہ ساتھی لوگ آتے ہی جانورون کو پلادین اور کھانے پکانے کا سامان کرین اور اہل التفسیر نے لکھا ہے کہ یہان ان کے وارد کا نام مالک بن دعر الخزاعی عرب کا بدوی تھا۔ سنہ ہونیکر یہی کنوان پایا جسمین آنحضرت علیہ السلام اس بیکسی سے ڈالے گئے تھے۔ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۔ پس وارد نے اپنا ڈول کنوین مین لٹکایا اور ظاہر ہے کہ یہ بچہ بیچارے ایک نکلنے کا وسیلہ و سبب پاکر اس پر بیٹھ گئے چنانچہ اسنے نکالا تو یہ عجب دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا نکل آیا۔ خوبصورتی کی تفصیل بعض راویون نے بیان کی کہ گھونگروالے بال بڑی بڑی آنکھین چہرہ خوبصورت رنگ گورا باہین اور ڈانگین گداز بھری ہوئین سینہ چوڑا کمر پتلی ناف باریک چھوٹی تمام اعضا نہایت متناسب کوئی تعریف کر نہین سکتا جب بولتے تو دانتون سے نور برستا یا گویا کہ موتی جھڑتے اندھیری رات مین چاند تھے بلکہ دن ہوجاتا اور ابتدائے خلقت حضرت آدم؈ سے مشابہ تھے خلاصہ بیان کافی وہ ہے جو حدیث کی روایت مین آیا کہ یوسف کو آدھا حصہ حسن کا دیا گیا تھا اور بعض کہتے ہین کہ آپ کی پردادی حضرت سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو چھٹا حصہ حسن کا دیدیا گیا تھا اور مراد اُس حسن سے یہ ہے کہ ظاہری دیدار نہایت خوبصورت تھا۔ القصہ جب اُسنے ایسا لڑکا دیکھا جسکو نصف حسن دیا گیا تھا تو۔ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۔ بول اُٹھا کہ اے بشارت یہ تو غلام ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ خوشی کے وقت بشارت کو پکارتے ہین اور مطلب یہ ہوتاہے کہ یہ وقت وہ ہے کہ اے بشارت تو حاضر ہو جیسے غم کے وقت ویل وہلاکت کو پکارتے ہین چونکہ خوشی کا وقت تھا اسنے اپنے لیے ببشری یعنی بشارت کو پکارا اور بعض قراۃ مین بشری بکسر الیاء وسکون یا آیا تو اصح یہ ہے کہ اسکے معنی بھی یہی ہین صرف اتنا ہوا کہ اسنے میری بشارت کہا۔ یہی ابن کثیر؈ نے ادنی قرار دیا اور بعض نے زعم کیا کہ اسکے ساتھ بشری کوئی عورت تھی اور بعض نے کوئی دوسرا مرد گمان کیا واللہ اعلم اولی وہی اول ہے پھر غلام سے مراد یا تو لڑکا ہے کیونکہ آنحضرت؈ بچہ تھے یا غلام مملوک پس اُسنے آپ کو غلام شاید اسوجہ سے گمان کیا کہ ننگے بدن بے لباس خستہ حالت مین تھے بھلا کوئی فرزند کے ساتھ ایسا کیون کرتا خصوصًا ایسا خوبصورت بیٹا۔ اور یا اس قرینہ سے کہ کنوین مین پانی بھرنے کو غلام آیا کرتا ہے اور ظاہر غلام بمعنی مملوک؈ اُسنے مراد لیا بقرینہ قولہ۔ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۔ اور اُنھون نے اسکو پوشیدہ رکھا ایک نفیس اسباب یا اصطلاحی بضاعت قرار دیکر۔ یا بعید رقرار دیکر یہ دونون تخالف باہم ہوسکتے ہین کہ اسروہ کی ضمیر فاعل کی طرف راجع ہے پس دو احتمال ہین اول یہ کہ وارد مع ساتھیون کی طرف ہے یعنی اسر الوارد واصحابہ یوسف بضاعۃ۔ یعنی وارد خزاعی نے اپنے لوگون سمیت جو اسوقت کنوین پر اسکے ساتھ تھے یہ مشورہ کیا کہ باقی لوگون سے جو آج منزل پر آتے ہون گے اسکو خفیہ کرلو کہ یہ ہمارے لئے خاص ایک بضاعت

نہیں سباب ہوگا اسکو ہم مصر میں پہونچکر بیچکر مالامال ہوجائینگے (چھپانا مشکل امر تھا واللہ اعلم) یا یہ مشورہ کیا کہ اس راز کو پوشیدہ کرو کہ
ہم نے کنوئیں سے پایا بلکہ ساتھیوں سے کہہ دو کہ راستہ میں کسی مقام پر ہمارے عزیز ملے تھے اُنھوں نے یہ غلام اپنا مال ہم کو بضاعت
یا ہے کہ مصر میں اُنکے لئے فروخت کر دیں اور بضاعت وہ مال ہوتا ہے جو آدمی کسی دوسرے عزیز یا ملاقاتی کو اس غرض سے دیتا ہے کہ
تم تجارت کو کیسی کام کو جاتے ہو ہمپر احسان ہوگا کہ ہمارے اس مال کو تجارت کرتے لاؤ تمہاری بدولت ہم کو کچھ نفع ملجائے گا اور اگر
مایہ خود بخود تلف ہوجا یا چوری جاوین یا گلٹی پڑے تو خیر ہماری قسمت ہے بس حاصل یہ ہوا کہ وارد اور اسکے ساتھیوں نے بضاعت
کے اسکو چھپا ڈالا ۔ احتمال دوم یہ کہ ضمیر مذکور آنحضرتؑ کے بھائیوں کی طرف راجع ہے اور بات یہ تھی کہ یہودا اہر روز یوسفؑ کو طعام
تا تھا جب اُسنے تیسرے روز کنوئیں میں نہ پایا تو بھائیوں کو آگاہ کیا اور ان کو خیال ہوا کہ شاید اسی دیس کا کوئی نکال لایا ہو تب تلاش
کی تو مالک بن ذعر الخزاعی وغیرہ کو اُترا پایا اور وہین یوسف کو دیکھا تو عبرانی زبان میں قتل سے ڈرایا اور مسافروں سے کہا کہ
ہمارا غلام بھاگ کر کنوئیں میں گرا تھا تم کو مفت نہیں ملیگا ہاں ہم کو اسکی زیادہ خواہش نہیں ہے تم کو ہم سستا دینگے انکا حاصل
معنی قولہ واسروہ بضاعۃ یعنی یوسف کے بھائیوں نے اسکو مخفی کیا کہ انکا بھائی ہے اور یوسف نے قتل کے خوف سے چھپایا
در بیع ہونا گوارا کیا پس وارد خزاعی نے ساتھیوں کو آواز دی کہ یا بشری ہذا غلام یعنی اے ساتھیو خوشی کا مقام ہے کہ یہ
حسین غلام سستا بکتا ہے قال تعالی ۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ۔ اور اللہ تعالی جانتا ہے جو یہ لوگ حرکت کرتے تھے کہ ایسے کریم بن الکریم
بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم التسلیم کو اسطرح غلام بضاعت بنا کر فروخت کرتے تھے جب یہ گفتگو ہوئی تو
معاملہ ٹھہرا ۔ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ ۔ اور بیچ ڈالا اسکو بعوض دامون بخس یعنی حرام کے قول ضحاک ہے اسلئے کہ آزاد کے دام حرام ہیں یا
ثمن زیوف کے قول ابن مسعود روایت کیا جاتا ہے یعنی بعوض کھوٹے داموں کے ۔ یا بقول عکرمہ بعوض قلیل داموں کے جیسا کہ اللہ تعالی
نے فرمایا ۔ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۔ یعنی کچھ گنتی کے روپیوں کے بدلے اور یہ عرب کا محاورہ ہے مراد بہت تھوڑے درم ہوتے ہیں کیونکہ
چالیس درم ہونے تو اسکا حساب قول سے ایک اوقیہ ہوتا ہے اور اس سے کم گنتی کے ہیں اور مروی ہے کہ بیس کو بیچکر دو دو درم بانٹ
لیے تھے کیونکہ وے تو چاہتے ہی تھے کہ کوئی لیجائے انکو مال عزیز نہ تھا لہذا فرمایا ۔ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۔ اور یوسفؑ کے
حق میں اُنکے بھائی لوگ بالکل بے پرواہ بے رغبت تھے مفت بہا دیا واضح ہو کہ شیخ حافظ نے لکھا کہ قولہ اسروہ بضاعۃ یعنی خزاعی
وغیرہ نے باقی مسافروں سے چھپایا اور کہا کہ ہم نے اسکو خریدا یا بضاعت لیا ہے اس خوف سے کہ ساتھی اسمین ساجھا مانگین گے
جب اُنکو صحیح بات معلوم ہوجائے ۔ یہ مجاہد وسدی وابن جریر کا قول ہے اور عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ اسروہ بضاعۃ
یعنی بھائیوں نے یوسف کا حال پوشیدہ کرکے غلام بتلایا اور آخر تک موافق مذکورہ بالا کے تفسیر ذکر کی اور لکھا کہ قولہ وشروہ
بثمن یعنی بیچ کیا اسکو بھائیوں نے یہ ابن عباس ومجاہد وضحاک کا قول ہے پس شرا بمعنی بیع بھی بسبب لغت ہے اور قتادہ نے کہا کہ یعنی
خریدا اسکو مسافروں نے لیکن کہا کہ قول اول ارجح ہے کیونکہ مسافروں نے خوشی سے خریدا تھا اگر جواب یہ ہے کہ اُنھوں نے دھوکا کھایا
کہ یہ بھگوڑا ہے اسلئے کم داموں کو بے رغبت ہوکر خریدا تھا اور لکھا کہ ابن مسعود رضہ نے کہا کہ بیس درم کو اور ابن عباس ونوف البکالی
وسدی وقتادہ وعطیہ نے بڑھایا کہ دو دو درم بانٹ لئے اور مجاہد رح نے کہا کہ بائیس کو بیچا مترجم کہتا ہے کہ دو دو درم بانٹنے سے
گیارہ بھائی کے حساب بائیس ہوئے لیکن بنیامین قطعاً شریک نہ تھے تو یہ وہم ہوگا اور لکھا کہ محمد بن اسحاق وعکرمہ نے چالیس درم

بیان کئے مترجم کہتا ہے کہ پھر معدود درم نہ ہون گے لہذا الکم ہونا چاہیئے ۔ سراج وغیرہ مین محمد بن اسحاق کا یہ قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ جانے کہ بھائیون نے بیچا یا مسافرون نے خریدا یعنی مقصود تو ظاہر ہے اس سے زیادہ بحث کی کچھ ضرورت نہین ہوا ور
سراج مین لایا کہ اسروہ بضاعۃ کے دونون قول مین سے خزاعی وغیرہ کا خفیہ کرنا اقوی ہے کیونکہ بضاعۃ حال اُس وقت سے لاحق ہے
کہ جب خفیہ کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اظہار اس مقام پر یون ہو کہ اسروہ بجملہ بضاعۃ ۔ تو حال نہ ہوا یعنی چھپانا اس پیرایہ سے تھا کہ اس کو
بضاعت ظاہر کر دیا ۔ روایت ہو کہ جب آنحضرتؑ کنوین سے نکالے گئے تو اسکی دیوارین آپکے فراق پر روتی تھین اقول سبحان اللہ
تعالیٰ یہ اسرار عجیب مخفی و مضبوط صنعت الٰہی تعالیٰ ہو کہ دیوارون کا یہ شعور دیکھو اور ادھر برادران یوسف یا مسافرون کی یہ بے شعوری
دیکھو کہ کسی نے نور نبوت و ظہور کرامت کبریائی کو نہ دیکھا بلکہ غلام قرار دیا اور بیچا اور اسقدر زاہد و بے رغبت ہوئے اور قصہ مین
مذکور ہے کہ بھائیون نے مسافرون کے پیچھے پیچھے چلانا شروع کیا کہ یار خوب مضبوط گھیرے رہو وہ بڑا بھاری بھگوڑا ہے آخر
بہت دور تک پہونچکر مصر کی منزل پر چھوڑا اور بالکل بے کھٹکے ہوگئے ف فی العرائس قولہ تعالیٰ وجاءت سیارۃ فارسلوا واردہم
مترجم کہتا ہے کہ اشارت مین اگر قلب روحانی سے کنایہ ہو تو موافق حدیث کے ملائکہ سیارہ کا اشارہ ان سیارہ سے ظاہر ہو لیکن
اہل دنیا اسکو بعوض حقیر دنیا کے فروخت کر ڈالتے ہین اسیواسطے روایت صحیح مین آیا کہ کافرون مین قلب نہین ہوتا اور خود قرآن
مین فہم ہوئی یعنی خالیہ سے تصریح ہو کیونکہ جب انھون نے بعوض دنیا کے بیچا تو سیارہ نے لے لیا وے خالی رہ گئے اور وہ مصر
کبریائی مین درجۂ عروج کو پہونچا اور بیان ایسی باتون کو متحمل نہین ہوسکتا اور افہام بیان قصور کرتے ہین بلکہ خوف ہو کہ نا سمجھی
سے منکر ہون ۔ لہذا نادان مترجم اپنے نادان بھائیون کے سامنے اہل الحق کے اقوال نہین بیان کرتا ہے بلکہ بمجبوری شیخ کا
قول نقل کرتا ہے تاکہ سمجھنے والے سمجھین یا خاموش رہین ۔ کہا کہ جب ارواح عدم سے نکلکر فضائے قدرت مین سائر ہوئین اور
موارد قدم کو ڈھونڈھا تو بحر ناپیداکنار پایا اور ڈوہمت سے مشاہدۂ آفتاب یا ماہتاب حاصل ہوا تو فرحت سے بزبان عشق بشارت
دی اور اپنی بقا پر نازان ہوئین و قولہ تعالیٰ واسروہ بضاعۃ ۔ اسمین بضاعت توحید و معرفت کو اغیار سے چھپایا اور اس سفر سے
یہ رتبہ پایا اگرچہ نفوس جو ظالم ہین بحکم قولہ اخلد الی الارض و اتبع ہواہ ۔ اسی دلیس سے مانوس ہوکر بہر حال ذلت و خواری مین رہے
لکھا کہ اگر یوسفؑ واسطے مسافرون کو انوار حسن ازل اس آفتاب نبوت سے ظاہر ہوتے تو آدم کو سجدۂ ملائکہ کی طرح عشق و
محبت سے سجدہ کرتے ۔ اور یہ عبودیت کا سجدہ نہین ہو بلکہ مشاہدۂ انوار الٰہی بیچون و بیچگونہ ہو اور یہ گمان مت کرو کہ وہان حلول
یا خفا تھا بلکہ مخلوق سے صنعت صفات صانع کا ظہور بیچون و چرا ہوتا ہے حالانکہ وہان صانع اندر سمایا نہین اور نہ کچھ ملازم ہو
تعالیٰ اللہ علوا کبیرا ۔ شیخ جعفرؒ نے کہا کہ یوسف مین اللہ تعالیٰ جلشانہ کا ایک بھید تھا پس مقام ستر کو انکی نظرون سے پوشیدہ کر دیا اور اگر
اس بھید کو ان پر ظاہر فرماتا تو مرجاتے دیکھو کیسے انھون نے کہا کہ ہذا غلام اور اگر آثار قدرت سے واقف ہوتے تو کہتے کہ ہذا
نبی صدیق ۔ چنانچہ زنان مصر پر جب بعض نور کا انکشاف ہوا تو بولین کہ ہذا ملک کریم اور جب اُن کو اسرار قدرت و کرامت
نہ سوجھے تو انھون نے اسکو ثمن بخس کے عوض بیچ ڈالا ۔ کما قال تعالیٰ وشروہ بثمن بخس دراہم معدودۃ ۔ اگر ان مین وہ عشق و محبت
بمشاہدۂ آثار قدرت ہوتی جو حضرت یعقوبؑ مین اسرار باری تعالیٰ معائنہ کرنے سے تھی تو کبھی اسکو دونون جہان کے عوض نہ بیچتے کیونکہ
جس جمال باطن کا پرتو جمال ظاہری تھا یہ لوگ اُن کو کہین جہان مین نہ ملتا اگرچہ عین دیدار باطن کا معائنہ اُن کے مانند انبیاء

وصدیقین سے مشاہدہ ہے لیکن جمال باطنی کا مشاہدہ بغیر فضل الٰہی ممکن نہیں تو نہیں دیکھتا کہ کیسے حضرت سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ
وعلیٰ جمیع الانبیاء اجمعین کے دیدار سے کفار کی نفی فرمائی بقولہ تراہم ینظرون الیک وہم لایبصرون کیونکہ اصل بصیرت ہے نہ بصارت کیونکہ
بالاتفاق اندھا عالم کے سامنے آنکھون والا جاہل اندھا ہے جعفرؒ نے فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کی قدر نہ پہچانی تو قلیل دامون کو بیچ ڈالا
ابن عطاء رحمہ اللہ نے نہایت لطیف اشارہ فرمایا کہ اے شخص تجھے تعجب ہوتا ہے کہ برادران یوسف نے اپنے یوسفؑ سے بھائی کو
ایسے حقیر دام کو بیچ ڈالا - ارے تو نے تو بڑا غضب کیا ہے کہ اپنے قلب نفس کو ذرا سی شہوت کے عوض بیچا - تیرا نفس ذرا سے مزے
کے ہاتھ بک گیا - ارے تو نے اس سے بھی زیادہ ظلم کیا کہ پہلے اپنے مالک خالق مولیٰ رحیم کریم کے ہاتھون بھاری دامون کو بیچا بحکم قولہ ان اللہ
اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ - ایسی تیری جان حقیر کو اسنے اتنے بھاری دامون جنت کے عوض خریدا اور تو نے یہ خیانت
کی کہ چیز حقیر کو اپنے دشمن شیطان کے حوالہ کیا اور اسکو اپنے اوپر بالکل قابو دیدیا اور ذرا سے مزے کے عوض بیچ ڈالا بھلا بکی ہوئی چیز کو
دوبارہ بیچنا کہین جائز ہے بھلا یہ دوسرے دام بالکل حرام ہوئے یا حلال ہوئے ارے تو بڑا سخت بیوقوف ظالم ہے تیرا گمان ہوا
کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیون نے اُن پر ظلم کیا مگر یہ نجانا کہ تو اُن سے کہین بڑھا ہوا ظالم ہے تیرے و اُنکے ظلم مین زمین و آسمان
کا فرق ہے دیکھ تو یوسفؑ کو اُن کے دشمن بھائیون نے بیچا اور نیت یہ تھی کہ پیغمبر جلیل القدر پدر کی شفقت ہمین پر رہے اور تیرا یہ حال ہے کہ تو نے
اپنے یوسف کو خود ہی اپنے دشمن کے ہاتھ بیچا اور تجھے حدیث صحیح مین معلوم کہ سب سے بڑا تیرا دشمن خود تیرا نفس ہے جس کو تو اپنے دونون پہلو
مین پیار سے دبائے ہوئے ہے اور اُسکو اسکی شہوات کی غذا سے خوب موٹا تازہ کرتا ہے کہ دن مین ہزار بار تجھکو قعر جہنم مین ایسی آگ کے
کنوئین مین بری طرح ڈھکیلتا ہے کہ کبھی وہان سے تیرا چھٹکارا نہ ہوگا اگر ایمان نہو اور یوسف کو تو اُن کے دشمنون نے پانی ہی
کے کنوئین مین ڈالا تھا جہان سے وہ تین ہی روز مین نکلے - تجھے کہان تک بتلایا جاوے تو احسن القصص کو کہانی مت سمجھ غور کر
دیکھ تو یہان ایسے اعلیٰ مقامات ہین کہ ہم ابھی ان کا اشارہ بھی نہین کرسکتے ارے جاہل وسوسہ چھوڑ دے خیانت چھوڑ دے - دشمن
سے الگ ہو تب تیری آنکھین جنت کی ہوا سے ٹھنڈی ہون اور ابھی تو جہنم کے دھوئین سے تو چوندھایا ہوا اندھا ہے - اللہم
اہدنا اللہم انت الہادی ثم قال الشیخ - اور ابن عطاء و جنید وغیرہ نے کہا کہ قدرت الٰہیہ نہ دیکھی تو ہلکے دامون کو بیچا اور اگر تمام
دنیا ومافیہا بلکہ آخرت کے عوض بیچتے تو یہ بھی معدود چیز تھی ثمن بخس ہوتا لہذا تجھکو عبرت چاہیئے کہ ثمن بخس کو ہمیشہ احتیاط رکھ - قال تعالیٰ

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ
اور کہا جس شخص نے خرید کیا اسکو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اسکو شاید ہمارے کام آوے یا ہم کر لین اسکو

وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ
بیٹا اور اسطرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اُس ملک مین اور واسطے کہ اسکو سکھاوین کچھ ٹھکانا

الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ
بٹھانی باتون کی اور اللہ جیت رہتا ہے اپنا کام اور لیکن اکثر لوگ نہین جانتے اور جب پہونچا

اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝
قوت کو دیا ہم نے اسکو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلا دیتے ہین ہم نیکی والون کو

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے زعم مین مسافرون کے ہاتھ فروخت کرکے بھگوڑا ہونے کے فریب سے مشتری کی حراست مین کردیا تو بے فکر ہوگئے اور سمجھے تھے کہ باپ کو ہم پر التفات ہوگا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو فراق یوسفؑ مین رونا تھا اس درد جدائی سے آہ کرتے رہتے تھے بھائیون نے خالی خیال وگمان کی پابندی پر ایسی حرکت کی اور کچھ مراد حاصل نہوئی پس ہر جو کوئی یقینی بات کو چھوڑکر خیالی وگمانی باتون کی پیروی کرے اُسکا احمق ہونا ظاہر ہے اور یہان یہ یقینی بات تھی کہ صلاحیت و باپ کی شفقت خوش اخلاقی وعدل وانصاف وخدمت سے جسقدر مقدر ہوگی حاصل ہوگی اور ظلم وجور ومعصیت وایذا رونافرمانی وغیرہ تدبیرون سے کچھ فائدہ نہین ہوسکتا بلکہ ایسے معاصی موجب خواری ہین اور اگر یوسفؑ کے حق مین عروج بمنزلت نبوت وغیرہ مقدر ہو تو اُس کا انسداد نہین ہوسکتا پھر وہمی تدبیر سے کسی معصیت کا ارتکاب روا نہین ہے۔ آخر یہی ہوا کہ کنعان مقام سلطنت حکومت نہ تھا وہان سے حق عزوجل نے یوسفؑ کو بھائیون کی حرکت سے بذریعہ مسافرون کے مصر پہونچایا وہان اسوقت مین عمالقہ مین سے ریان بن الولید بادشاہ تھا ان بادشاہون کا لقب فرعون ہوتا تھا اور بعضون نے کہا کہ وہی حضرت موسیٰؑ والا فرعون تھا ولیکن صحیح اول ہے وابن جریرؒ کے نزدیک بعد ریان کے قابوس فرعون ہوا اور اسکے بعد مصعب بن الولید فرعون موسیٰؑ ہوا ہے غرضکہ اس فرعون کا وزیر خزانہ عزیز نام تھا اور یہ تو قرآن مجید مین مذکور ہے لیکن شاید یہ لقب ہو کیونکہ ابن عباسؓ سے عوفی نے روایت کی کہ نام اسکا قطفیر تھا اور محمد بن اسحاق امام سیر ومغازی نے کہا کہ اطفیر بن رحیب نام تھا اور بعض نسخ مین رحیب لکھا ہوا اور کہا کہ یہی وہ عزیز ہے جو وزیر خزانہ تھا اور شیخ حافظ رحؒ نے جزم کیا کہ بادشاہ اسوقت عمالقہ مین سے ریان بن الولید تھا اور شیخ نے حضرت مجاہدؒ سے روایت نقل کی کہ بھائیون نے جب یوسف کو مسافرون کے ہاتھ بیچا تو ان سے کہتے دور تک کہتے جاتے کہ بھگوڑا ہے خوب مضبوطی رکھو کہ بھاگ نہ جاوے یہان تک کہ مصر کی منزل پر پہونچے پھر مسافرون نے مصر مین لاکر بازار مین منادی کی کہ بشارت ہو جو اسکو خریدے پس اسکو بادشاہ نے خریدا اور وہ مسلمان تھا۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت مجاہدؒ سے شاید کسی نے ایسا سوال کیا ہو جسکے جواب مین اُنھون نے اس طور پر اختصار سے جواب دیا ورنہ مشہور ہے کہ خریدنے والا عزیز مصر تھا اور کہا گیا ہے کہ بادشاہ مذکور آخر حضرت یوسف پر ایمان لایا تھا پہلے سے مسلمان نہ تھا پھر عزیز مذکور جسکا نام قطفیر یا اطفیر بیان ہوا ہے لاولد تھا اور کہتے ہین کہ عنین محض تھا اور اسکی جورو کا نام محمد بن اسحاق نے راعیل بنت رعاییل بیان کیا اور کہا کہ وہ فرعون ریان بن الولید کی بہن کی بیٹی تھی ذکرہ الحافظ۔ اور دوسرون نے زلیخا بیان کیا ہے۔ قاموس مین کہا کہ زلیخا بفتح اول وکسر ثانی آخر ممدود۔ اور خفاجی وغیرہ نے بضم اول وفتح ثانی لکھا اور بعض نے کہا کہ ایک نام ودوسرا لقب ہے اور عزیز نے اسکو اپنی جورو کیلئے خریدا تھا اور قیافہ وفراست سے ہونہار دیکھکر اکرام کے ساتھ رکھنے کی تاکید کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کا حال بیان فرمایا کہ۔ وَقَالَ الَّذِی اشْتَرَاہُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَاَتِہٖ اَکْرِمِی مَثْوَاہُ۔ اور کہا یعنی تاکید کی اپنی جورو سے اس شخص نے جس نے یوسف کو مصر مین خریدا تھا کہ اسکا ٹھکانا ومرتبہ اکرام کے ساتھ رکھیو۔ کہتے ہین کہ جب مالک خزاعی نے بازار مین پیش کیا تو بہیرا شرفیان دام لگے اتنے مین زلیخا کی فرمائش سے عزیز مصر نے لینا چاہا اور دام بڑھتے بڑھتے آخر یہ نوبت ہوئی کہ حضرت یوسف کے برابر سونا وچاندی وکپڑے وجواہر ومشک عنبر وغیرہ اقسام اموال نفیسہ دیئے جاوین اور حضرت یوسف کا وزن چارسو رطل تھا اور اسپر بھی ایک دوسرے سے بڑھتا گیا یہان تک کہ اُن کے وزن سے بھی دونا یا زیادہ بڑھ گیا آخر عزیز نے اس بے بہا جوہر کو لیکر اپنا جوہری ہونا ظاہر کیا خصوص جبکہ

[illegible]

اپنی جورو سے کہا کہ اسکو غلامون کی طرح نہین بلکہ اکرام و منزلت سے رکھیو یہ ہونہار ہے عَسٰۤی اَنۡ یَّنۡفَعَنَاۤ۔ شاید ہم کو نفع پہونچاوے
یعنی ہمارا کارپرداز ہوجاوے کہ مثل فرزندون کے مہمات خانہ داری و انتظام کرے اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ یا ہم اسکو حقیقت مین
بیٹا بناوین۔ شاید یہ مطلب تھا کہ اگر ہمارے اولاد ہوئی تو اسکو بیٹا نہ بناوینگے بلکہ بیٹون کی طرح حسن سلوک سے ہمارا منتظم
وکارپرداز ہوجاویگا اور ہمارے مال و دولت کو نفع ہوگا اور اگر اولاد نہ ہوئی تو اسکو متبنیٰ کرلینگے پس اگر اسوقت اسکے ساتھ
غلامون کا برتاؤ ہوا تو آیندہ یہ بات نازیبا و غیر مناسب ہوگی یہ عزیز مصر کی فراست تھی وفی تفسیر الحافظ قال ابو اسحٰق عن
ابی عبیدة عن عبد اللہ بن مسعود رض انہ قال افرس الناس ثلثة الخ۔ قال المترجم ابو عبیدہ ہذا ہو ابن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
حاصل آنکہ حضرت ابن مسعودؓ نے فراست مین تین آدمیون کو سب سے زیادہ بیان فرمایا اول وہ شخص جس نے یوسف کو اپنی جورو کیلیے
خرید کر اس سے تاکید کی کہ اکرمی مثواہ عسیٰ ان ینفعنا الآیۃ۔ اور دوم وہ عورت جس نے موسیٰؑ کی نسبت اپنے باپ سے کہا تھا
(یعنی حضرت موسیٰ کی پاک بی بی)
یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین۔ اور سوم حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کہ فراست سے حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کردیا۔ قال المترجم اس اثر مین ایک فائدہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رض نے سوائے حضرت ابوبکر الصدیق
رضی اللہ عنہ کے کسی نام کی تصریح نہین فرمائی حالانکہ سیر و تواریخ کی روایات سے اوپر مذکور ہوا کہ قطفیر یا اطفیر خریدنیوالا اور زلیخا کا
کہنے والا تھا۔ اور صفورا حضرت موسیٰ کی پاک بی بی تھین انھین نے اپنے باپ حضرت شعیب سے کہا تھا لیکن چونکہ ان اخبار کی تحقیق
بدون تنصیص الٰہی تعالیٰ کے قطعی نہین ہے لہذا احتراز کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اسی طور سے کلام الٰہی تعالیٰ کی تفسیر کرنے مین ان روایات
اخبار وغیرہ سے احتراز چاہیئے اور مراد میری یہ ہے کہ ان روایات پر معنی و احکام کا مدار نہین ہے ہان جو حکم و نصیحت کہ صریح نص
الٰہی سے نکلے وہ عین صواب ہے اسیواسطے مین نے پہلے بہت تنبیہ کردی کہ کلام الٰہی مین حضرت یوسفؑ کے بھائیون کی نسبت
انبیا ہونے یا فساق ہونے کا کچھ ذکر نہین ہے ہان حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو معاملہ ہوا اُس سے معاف ہونا منصوص ہے
تو زبان درازی کرنا بڑا خطرۂ عظیم ہے اور کلام الٰہی مین صرف کنوین مین ڈالنا مذکور ہے باقی مارپیٹ و بیرحمی وغیرہ کا ثبوت
کسی آیت یا حدیث سے نہین ہے۔ سراج مین تفسیر امام رازی سے نقل کیا کہ امام رازی نے کہا کہ جاننا چاہیئے کہ ان روایات قصص
و سیر مین جو کچھ مذکور ہے وہ قرآن مجید سے کچھ ثابت نہین ہوتا اور کوئی حدیث صحیح بھی وارد نہین ہوئی جسمین اسکا کچھ بیان ہو اور
قرآن مجید کی تفسیر کرنا ان روایات مین سے کسی روایت پر موقوف نہین ہے تو عاقل پر فرض ہے کہ ان روایات کے بیان کرنے سے
بھی احتراز کرے انتہی کلامہ مترجم کہتا ہے کہ رازی نے اشارہ فرمایا کہ ان روایات پر یقین کرنا تو درکنار انکو ذکر بھی نہ کرنا
چاہیئے پھر خطیب رح نے کہا کہ ان روایات کو شیخ بغوی رحمہ اللہ نے معالم مین ذکر کرنا شروع کیا پس دیگر جماعت مفسرین نے انھین کی
پیروی مین اپنی اپنی تو الیف مین ذکر کیا ہے مترجم کہتا ہے کہ امام بغوی محدث مفسر ہین وہ خوب جانتے تھے کہ یہ روایات اس قسم کے
اخبار ہین جیسے سنن ابو داؤد وغیرہ مین ہر حدیث کو صاحب السنة خوب جانتا تھا کہ یہ روایت صحیح ہے یا ضعیف ہے لیکن یہ
افسوس ہے کہ پچھلے لوگ جنکو اسماء الرجال مین تمیز نہین ہے اکثر بھٹک گئے اسی طرح ان روایات کا حال ہے جنکو امام بغوی رح نے
ذکر کیا چنانچہ پچھلے لوگون نے انکو مثل اقوال صحابہ یا حدیث کے تصور کرلیا اور تعجب یہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعض مدعیون (سلفی) نے انھین
روایات سے یہ حکم نکالا کہ ایسے بیرحم و فاسق لوگ تو مومن صالح نہین ہوسکتے پھر نبی کہان ہوسکتے ہین حالانکہ اس شخص کو یہ سمجھ

نہ آئی کہ ان روایات کا ذکر کرنا صرف اس غرض سے ہو سکتا ہے کہ یہود وغیرہ نے یوں بیان کیا ہے ورنہ ذکر نہ کرنا بہتر ہے پھر ان روایات سے کوئی حکم نکالنا حلال نہیں ہے پھر ایسا حکم نکالنا جو صریح نص کے خلاف ہو اعوذ باللہ من ذلک۔ اب میں تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ القصہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اسطرح پوری فرمائی کہ جس نے مصر میں اپنی جورو کے لیے حضرت یوسف کو خریدا تھا اپنی جورو سے تاکید کی کہ اسکو اکرام سے جگہ دے شاید ہم کو نفع پہونچاوے یا ہم اسکو بیٹا بنا دیں۔ پس معلوم ہوا کہ آنحضرت علیہ السلام غلامی کی ذلت میں نہیں رہے بھر فرمایا۔ وَكَذَٰلِكَ اور ایسے ہی یعنی جیسے ہم نے یوسف کو قتل سے اور کنوئیں سے نجات دیکر عزیز مصر کو اُسپر مہربان کیا اور اُس سے باوجود اسکا مملوک ہونے کے اکرام کا برتاؤ لیا ویسے ہی مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ۔ تمکین و قابو دیا یوسف کیلئے زمین میں۔ مراد زمین سے ملک مصر ہے۔ بقاعی نے کہا کہ سرسبز و شاداب وکثیر المنافع اسقدر ہے کہ گویا یہی سب زمین ہے اور میں کہتا ہوں کہ تمام زمین ایک سرائے مسافرانہ ہے کوئی ٹھکانا ہو تو وہین جسکو بتوفیق الٰہی تعالیٰ نیکیوں کیلئے قابو ملا وہ خوب ہا۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام واقعات گردش میں آنحضرت علیہ السلام کے صبر و رضا سے ثواب دیکر آخر مصر میں ٹھکانا دیا وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ۔ اور تاکہ ہم اُس کو سکھلا دیں احادیث کی تاویل یعنی خوابوں کی تعبیر۔ اس عبارت کی ترکیب میں بعض نے کہا کہ مکنا سے متعلق ایک فعل مقدر ہے جسپر یہ عطف ہے یعنی لنمکنہ ولنعلمہ من الخ یا واؤ یہاں زائدہ ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ ہم نے یوسف کو حیات دنیا میں اسجگہ تمکین دی تاکہ مقرب و مؤدب باداب رسالت بنا دیں اور تاکہ اسکو خوابوں کی تعبیر سکھلا دیں اور ان دونوں باتوں کا فائدہ تمام مخلوق کے لیے عام ہے وفضل عام ہے کیونکہ نبوت سے عوام کو تقرب و معرفت ملے جس سے وہ درجۂ جانوروں سے آدمیت کے عروج پر پہونچکر صاف منزلت دیکھتے و شکر کرتے ہیں اور ایسے ہی خواب کی تعبیر سے اسرار آلہیہ و علوم غیبیہ کیساتھ طاعت و عبادت و صلاح و تقوی سے آراستہ ہوتے ہیں۔ پھر واضح ہو کہ برادران یوسف نے چاہا کہ ہم یوسف سے بڑھکر مقرب صالح ہوں اور ہم درجۂ نبوت پر فائز ہوں جو باپ کی طرف سے ملنے کا یقین رکھتے تھے بدلیل قولہ تاللہ لقد آثرک اللہ علینا۔ اور بدلیل قولہ یخل لکم وجہ ابیکم وتکونوا من بعدہ قوما صالحین۔ پس اُن سے دو طرح غلط فہمی ہوئی اول تو یہ سمجھے کہ نبوت اور ولایت ایک ایسی چیز ہے جو تدبیر و کوشش و کمائی سے حاصل ہو جاتی ہے حالانکہ یہ محض فضل الٰہی ہے لیکن جو کوئی ولی ہوتا ہے وہ ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور خلق خدا پر رحم کرنے اور اُن کو عذاب دنیا و آخرت سے بچانے میں اپنی جان کی طرح کوشش کرتا ہے خواہ وہ سب کافر ہوں یا مشرک ہوں اور سب کو آرام سے رکھنا چاہتا ہے اور اب کوئی نبی نہیں ہو سکتا ہاں ولی انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہوں گے۔ دوم یہ غلطی کی کہ نبوت کو باپ کی طرف سے بطور میراث سمجھے حتی کہ بعد یوسف کے انبیاء رہیں و لیکن تدبیر کچھ مفید نہ ہوئی اور وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے حکم پر اسکا حکم کوئی روک نہیں سکتا۔ یا غالب ہے اپنے امر پر یعنی جس امر کا ارادہ فرماتا ہے وہی ہوتا ہے اور بعض نے امر اور ارادہ کو ایک سمجھا و لیکن ہم فرق پہلے بیان کر چکے ہیں اور بعض نے امرہ کی ضمیر حضرت یوسف کی طرف راجع قرار دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے یوسف کے امر پر یعنی شان یوسف میں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوا چنانچہ بھائیوں نے قتل چاہا پس امر الٰہی اُن پر غالب ہوا پھر چاہا کہ مسافر اسکو لیجاویں تاکہ اسکا نام مٹ جائے پس اسکا نام مشہور ہو گیا اور فروخت کر کے ذلیل بنانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسکا امر غالب کیا کہ وہ بادشاہ ہوا اور یہ لوگ اُسکے سامنے سجدہ میں جھکے اور

چاہا تھا کہ اب کو اس طرح تکلیف دیکر پھر خوش کریں کہ انھیں کی جانب احتیاج ہو تو امر الٰہی غالب ہوا کہ اُن کے مکر سے آگاہ ہو کر ہمیشہ ناخوش ہوے اور عزیز کی جورو کے یوسف ؑ سے مراودت کی مگر امر الٰہی وہ بالکل پاک ہے پھر اسنے قید وغیرہ سے ذلت چاہی مگر وہ تہمت سے پاک و معزز رہے پھر یوسف ؑ نے ساقی کے ذریعہ سے بادشاہ کو اپنے حال سے آگاہی دلانی چاہی مگر امر الٰہی غالب ہوا وہ بھول گیا یہاں تک کہ جو مدت مقرر تھی وہ پوری ہوئی اور اس قصہ میں اکثر ایسے امور ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ حکم و امر فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہی کسی غیر کی شرکت نہیں ہے۔ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ ولیکن بہتیرے آدمی یعنی کافر و مشرک لوگ اس بات کو جانتے نہیں ہیں کہ کل امر بقبضۂ قدرت الٰہی تعالیٰ ہے وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ۔ اور جب پہونچ گیا یوسف اپنی مضبوطی کو یعنی اتنے سن پر پہونچے کہ وحی نبوت و رسالت کو برداشت کریں یا علم و حکمت کو اٹھا دیں۔ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا۔ تب ہم نے اسکو حکم اور علم دیدیا۔ سراج وغیرہ میں لکھا کہ اشدہ یعنی شباب کی انتہا اور قوت و شدت پر پہونچے عرب بولتے ہیں کہ بلغ فلان اشدہ یعنی فلانا انتہائے شباب کو پہونچ گیا۔ وبلغوا اشدہم۔ وے لوگ اپنی منتہائے شباب کو پہونچ گئے شیخ حافظ ؒ نے لکھا کہ اس مقدار میں کئی اقوال مروی ہیں۔ ابن عباس۔ مجاہد۔ قتادہ نے کہا کہ تینتیس ۳۳ سال کی عمر ہوئی تھی ضحاک ؒ نے بیس سال و عکرمہ نے پچیس ۲۵ و حسن ؒ نے چالیس سال و سدی ؒ نے تیس بیان کیے۔ امام مالک ؒ و ربیعہ اور زید بن اسلم و شعبی نے کہا کہ اشد احتلام کا سن ہو انتہی بعض اہل لغت نے کہا کہ انتہا اسکی ستّیں برس ہوتی ہے اور سراج میں یہاں اطبا کا قول تزاید و انحطاط کا مجمل نقل کیا اور مترجم کہتا ہے کہ اطبا کے نزدیک وقوف کا سن آخری چھتیس ۳۶ سال ہو اور شاید کہ مرتبۂ نبوت کا چالیسواں سال ہو جیسا کہ حسن ؒ کا قول ہو اور مواہب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سن سے پہلے نبوت نہیں ہوتی ہے واللہ اعلم بالجملہ قرآن مجید میں جو منصوص ہے اسی قدر ہم کو کافی ہے کہ جب وے اپنی مضبوطی کو پہونچ گئے خواہ کوئی سن ہو تب ان کو حکم و علم عطا ہوا۔ سراج میں کہا کہ سابق میں قولہ تعالیٰ اوحینا الیہ لتنبئنہم بامرہم۔ میں بیان ہو چکا کہ وحی انکو پہلے ہو چکی تھی اب یہ حکم و علم خالی وحی نہیں ہو بلکہ حکم سے مراد علم بعمل ہو مترجم کہتا ہے یعنی خاصہ درجۂ فقہ کہ متفرق علوم پر عمل کرنا جس سے ظاہر و باطن ہر حال میں موافق رضائے الٰہی ہے یہ حکمت ہے کیونکہ باوجود علم کے اسپر عمل کا طریقہ اکثر لوگوں کو نہیں آتا ہے اسی واسطے کسی شیخ عارف کامل کے مرید ہو جاتے ہیں جو خود یہ درجہ طے کر چکا ہو مصرعہ۔ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا۔ اور بعض نے کہا کہ حکم سے مراد لوگوں کے درمیان حکومت ہے لیکن حکومت ان کو عرصہ کے بعد جب قید خانہ سے نکلے ہیں تب حاصل ہوئی تھی اور تاویل الاحادیث کا علم پہلے ہو چکا تھا چونکہ علوم الٰہی عجیب عالی ہیں کہ جو اس مرتبہ تک نہیں پہونچا اس سے اگر بیان کیا جاوے تو وہ جہالت سے انکار کر جاوے اسکو تو ابھی ایمان کی تصدیق پوری نہیں ہوئی ہے لہذا ہم کو اسقدر کافی ہو کہ مرتبۂ بلوغ و قوت کے وقت اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کا علم و حکمت انکو عطا فرمایا جو نہایت عظیم الشان و قابل قدر ہو۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔ اور یونہی ہم محسنین کو نیک عوض دیتے ہیں جیسے یوسف ؑ کو ایذا پر صبر و ثبات کے عوض یہ علم ربانی عطا فرمایا اور محسن وہ شخص ہو جو صدق و خلوص کیساتھ حضوری سے عبادت و طاعت ادا کرے اور حدیث سے اسکی تفسیر کئی مقام پر گذر چکی ہو اور طبرانی وغیرہ کی روایت میں ہو کہ جو شخص اپنے علم کے موافق عمل کرتا ہے اُسکو اللہ تعالیٰ ایسا علم دیتا ہو جو وہ نہیں جانتا تھا پس شدائد و مصائب پر صبر کرنا اور جان لینا کہ بغیر تقدیر الٰہی واقع نہیں ہوا پس مستقیم رہنا منجملہ ایمان کے ہے ف فی العرائس قولہ اکرمی

مثواہ عسیٰ ان ینفعنا الآیۃ۔ یعنی آخرت کیلئے خریداری بہتر ثابت ہو اور اکرام منزلت سے تھا کہ یوسف کو بنظر شہوت نہ دیکھے کیونکہ اگر عارف باطن ہو تو چہرہ اس عالم مین آئینہ تجلی حق ہو اور یہ آئینہ سب سے افضل ہو کیونکہ طور سینا کی تجلی تو پہاڑ سے تھی اور یہ آدم سے ہے اسی واسطے عالم الغیب کے دیکھنے والے مثل یعقوب علیہ السلام کے وہان کچھ اور دیکھتے تھے۔ عمل اکرام قلب ہو تب معرفت و طاعت ملتی ہو اور اگر نفس کو قرار دے تو فتنہ و شہوت جوش کریگی۔ نفع اکرام قلبی کا معرفت مرتبہ صدیق ہے اور مشاہدہ حضرت رب العالمین ہو۔ قولہ وکذٰلک مکنا لیوسف فی الارض الآیۃ۔ یمکین یہان مرتبہ صبر مین ہو حتی کہ معرفت مین چوڑس قائم ہو اور مشاہدہ غیب کے دشت کرے اور اسکو تکوین و تغیر احوال سے باہر کر دیا تاکہ ضعیف و غریب لوگ اُس سے فیض و ہدایت پادین اور اسواسطے کہ حقائق مکاشفہ و لطائف خواب و اسرار ملائکہ سے آگاہ و خبردار رہو۔ قولہ واللہ غالب علیٰ امرہ۔ اگر ضمیر امرہ راجع بجانب یوسف ہے تو مراد امور اوپر مذکور ہوئے اُن سے یوسف کا خلاص ہونا بتعلیہ آلہیہ ہو اور اگر ضمیر راجع بجانب الٰہی عزوجل ہو تو لطیف اشارہ ہو کہ امر الٰہی از عالم فعل ہو اور عقول مکلف الشریعت و طریقت مین بسبیل مرتو از راہ رسم ہے اور غلبہ از راہ قہر بس تقدیر ہر حال مین غالب ہو ولیکن انسان موافق تدبیر کے کام کرنے پر معذور ہو اور وہ اس تدبیر پر بھی غالب ہو۔ قولہ ولکن اکثر الناس لایعلمون۔ امور مخلوقات منوط بتدبیر مین اکثر لوگ نہین جانتے کہ تقدیر ازلی کا موقع کیا ہو۔ ابن عطا رح نے کہا کہ اللہ تعالےٰ اپنے امر پر غالب ہے جو چاہا جس مخلوق کی طرف چاہا جسطرح چاہا اسکی طرف جاری کر دیا اور جس سے چاہا پھیر دیا ولیکن اکثر لوگ یہ جانتے و دیکھتے نہین کہ امر الٰہی اسطرح غالب ہو کہ اُسنے بندون کو طاعت کا حکم دیا مگر جسکے لیئے چاہا آسان کر دیا اور جسکے لیئے چاہا اسکو اداے طاعت سے عاجز کر دیا۔ واسطی رح نے کہا کہ تدبیرین انکو مصروف فرماتا ہے اور اُن کے تصرف مین خود تدبیر فرماتا کہ ان مین گم موجود ہوتا اور موجود گم ہوتا ہے پس کسی بات کو کسی مخلوق کی طرف نسبت کرنا ایک طرح کا شرک ہے۔ قولہ ولما بلغ اشدہ الخ اشد مرتبہ تمکین ہو کہ معاملات مین بھی مستقیم ہوا و رحال و آداب مین کوئی تلون حادث نہ ہو پس مکاشفہ مین۔ ربوبیت کا تصرف ظاہر فرمایا پس حکم عبودیت اور علم ربوبیت اور حکم بطریقت و علم بحقیقت حکم سیاست دنیا و علم ہلاکت آخرت عنایت کیا وکذٰلک نجزی المحسنین جو کوئی ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانکر اپنی کوشش و طاقت کو فی اللہ و باللہ خیرات کرے وہ محسن ہے اور بعض آزادی رح نے اس مقام سے اشارہ لیا کہ جو کوئی علوم سنت حاصل کرکے ادب کے ساتھ امر و نہی پر قائم رہے اسکو علم غیب کا حصہ ملتا ہو اور ہواے نفس سے مخالفت کا علم جان لیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مرتبہ احسان مین آزمائے گئے اور محسن

پھر کہ اس علم سے فائز ہوئے چنانچہ فرمایا۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ

اور پھسلایا اسکو عورت نے جسکے گھر مین تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کئے دروازے اور بولی شتابی کر کہا

مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهٗ رَبِّيْٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہو میرا اچھی طرح رکھا ہے مجکو البتہ بھلا نہین پاتے جو لوگ بے انصاف ہون

یہان سے اُن وقائع کا بیان ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام پر عزیز مصر کے گھر مین گذرے اور پہلے اس کا ایک نمونہ یعنی قولہ وقال الذی اشتراہ من مصر لامراتہ اکرمی مثواہ الآیۃ ذکر کر دیا اور درمیان مین قولہ کذٰلک مکنا لیوسف فی الارض الیٰ قولہ نجزی

المحسنین سبب جملۂ معترضہ درمیان میں اسواسطے بیان فرمادیا کہ سننے والا آگے سنیگا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت سے فتنے پیش آئے
تو جب پہلے سے اسکو معلوم ہوگا کہ ان سب سے نجات پاکر انجام کو بڑے مرتبہ پر پہونچے تو غور سے دیکھتا رہیگا کہ ایسے فتنے سے کس طرح نجات پاکے
آخرکار اس منزل کرامت پر پہونچے ہیں۔ مراودت نرمی و آہستگی کے ساتھ خواہش کرنا اور چاہنا پس رود اسکا مادہ ہے جسکے معنی نرمی
و آہستگی کے ہیں اور بعض نے کہا کہ راد یرود سے ماخوذ ہے جسکے معنی کسی چیز کے طلب میں آنا جانا گویا مطلب یہ ہے کہ ایسا فعل کرنا جیسے
دھوکا دینے والا کرتا ہے اور کبھی خاص کرکے جماع کے حیلہ کرنے میں بولتے ہیں۔ القصہ جب عزیز مصر نے اپنی جورو سے دربارۂ
اکرام منزلت یوسف ع کے تاکید کی تو آنحضرت اسکے گھر میں اچھی طرح پرورش پانے لگے یہانتک کہ بالغ ہوئے اور اسکی جورو
ہر وقت ان کے کمال حسن کو دیکھتی آخر ان پر فریفتہ ہوگئی اور ان کو اپنی طرف لبھانا چاہا چنانچہ فرمایا۔ وَرَاوَدَتْهُ۔ اور لبھایا
اسکو۔ الَّتِي اس عورت نے هُوَ کہ یوسف۔ فِي بَيْتِهَا جسکے گھر میں تھے۔ عَن نَّفْسِهِ۔ یوسف ع کی ذات سے یعنی چاہا کہ یوسف
اپنی ذات کو اسے دیدیں اسکے لیئے اُنے اُنکے ساتھ مراودت کی۔ اور مراودت اگرچہ از باب مفاعلۃ ہے جسکے معنی دونوں طرف
سے یہ کام ہونے کے آتے ہیں جیسے مکالمہ دونوں طرف سے باہم باتیں کرنا اور معانقہ دونوں طرف سے باہم گلے ملنا وغیرہ
لیکن یہاں یہ باب ایک ہی طرف سے ہے یعنی خالی عورت نے انکو چاہا تھا جیسے قرضدار کا مماطلہ کرنا یعنی ادا کرنے میں تاخیر کرنا
اور جیسے طبیب کا مداواۃ کرنا یعنی علاج کرنا اور جیسے چور کا معاقبہ یعنی پیچھا کرنا۔ اور بعض نے کہا کہ عورت کی طرف سے طلب تھی
اور آنحضرت کی طرف سے دفع تھا پھر یوں نہیں فرمایا کہ راودتہ زلیخا یعنی زلیخا نے اسکو اپنی طرف لبھایا اور اگر یہ کہا جاوے کہ
اللہ تعالیٰ نے سوائے مریم کے کسی عورت کا نام نہیں فرمایا اسی سے ادب سیکھا گیا کہ عورتوں کا نام نہ لیا جاوے اور مریم کی
نسبت کافروں نے نعوذ باللہ تعالیٰ جورو اور بیٹا ہونے کا کفر بکا تھا تو باندیوں کی طرح نام ذکر کردیا اور تمام مخلوقات تو شان
حضرت خالق عز و جل کے سامنے غلام و باندی سے کمتر ہیں بہرحال اگر نام لیا تو یوں بھی نہیں فرمایا کہ راودتہ امراۃ العزیز۔ عزیز
کی جورو نے اسکو لبھایا تو اسمیں نکتہ یہ ہے کہ اس خواہش کا باعث یہ ہوا کہ وہ اسکے گھر میں ہر وقت رہتا تھا اور حال یہ تھا کہ
اسکو آدھا حسن ملا تھا اور بقول مشہور مانی الوجود سے من شغفه الحسن نہ مخلوقات میں جو ہے عشق کا زخم اٹھائے ہوئے ہے اور
بعض حکمائے تمام موجودات میں محبت ثابت کردی ہے یعنی جو چیز ہے اسکو کسی دوسری چیز سے خواہش و محبت ہے پھر جو مخلوق کسی
اپنے مثل مخلوق کے طلب میں ہے وہ کافر باد ہے جبکہ اسکو عقل ہو اور اسمیں ایک اشارہ آنحضرت علیہ السلام کے کمال پاکیزگی پر
ہے کیونکہ زلیخا خود حسن میں مشہور تھی اور باوجودیکہ ہر وقت اسکے گھر میں ہر طرح قدرت رکھتے تھے اور خود وہی دل و جان سے
طالب تھی پھر بھی کمال منزہ و پاک رہے اور دل میں خواہش بھی نہیں آئی اور یہ بہت اعلیٰ مرتبہ ہے قتادہ رح نے کہا کہ یہ عورت عزیز مصر
کی جورو تھی۔ ابن زید رح نے فرمایا کہ جب آنحضرت پورے مرد ہوگئے تب اس عورت نے ایسی خواہش کی۔ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ۔
اور سب دروازے بند کردیئے۔ اغلق الباب اغلاق سے نہیں بلکہ تغلیق سے مبالغت فرمایا جس سے زبان عربی میں دلالت ہوتی ہے کہ خوب
مضبوط بند کیا تھا اسی سے گمان کیا گیا کہ قفل دیدیئے تھے واللہ اعلم اور ابواب سے دلالت ہے کہ آگے پیچھے کئی دروازے تھے اور شاید یہ مراد
ہو کہ سب طرف کے دروازے بند کیئے ولیکن سیاق مابعد سے قول اول کو ترجیح ہوتی ہے بہرحال اُنے سب دروازے خوب بند کردیئے
وَقَالَتْ۔ اور اسکے بعد آنحضرت سے بولی۔ هَيْتَ لَكَ۔ ابو عمرو و عاصم و اعمش و کسائی نے ہیت بفتح اول و سکون دوم و فتح سوم

پڑھا ہے اور ان کی ہیت لک ہے – یہی علی و ابن عباس و ابن جبیر و حسن و مجاہد و عکرمہ کی قرأت ہے – اس کے معنی ان ائمہ سلف نے یہ بیان کیے کہ یہ
عورت اسکو اپنی طرف بلاتی ہے اور علی بن ابی طلحہ و عوفی نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ اسکے معنی یہ ہے – اور یہی زر بن حبیش و عکرمہ و حسن
و قتادہ نے بیان کیے اور ان سے مروی ہے کہ یہ سریانی زبان کا کلمہ ہے اور سدی رح نے کہا کہ قبطی زبان ہے اور مجاہد رح نے عکرمہ سے
ذکر کیا کہ حورانیہ کلمہ ہے اور ابو عبید یعنی قاسم بن سلام نے کہا کہ کسائی اسی قرأت کو پسند کرتے تھے اور ابو عبید نے کہا کہ میں نے حوران
کے ایک عالم سے پوچھا تھا تو اس نے کہا کہ ہماری بولی ہے اور حق یہ ہے کہ اب یہ کلمہ عربی فصیح ہے شاید دونوں زبان کا توارد ہو یا شائع
ہونیکی وجہ سے زبان کا ہو – اور ابن مسعود رض نے قریب قریب قرأتیں پڑھتے سنکر فرمایا کہ تم کو جس طرح علم پہنچا ہو پڑھو، پھیکو اختلاف
کی بابت سے بچو اور یہ کلمہ ایسا ہے جیسے کوئی تم میں سے ہلم و تعال کہتا ہے تعال کے معنی ادہر آ اور ہلم آؤ یہ ہے – ابن کثیر نے ذکر کیا
کہ ابن عباس رض و ابو وائل و ابو عبد الرحمٰن السلمی و عکرمہ و قتادہ سے روایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے ہیت بکسرہ اول و ہمزہ بجائے یاء
اور ضم تاء پڑھا اور معنی یہ بیان کیے کہ میں تیرے لیے آراستہ و مہیا ہو چکی ہوں – اور ابو عمرو اور کسائی اس قرأۃ سے انکار کرتے تھے
اور ابن جریر نے عبد اللہ بن مسعود رض سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ ہیت بفتح اول و آخر پڑھو اور درمیان میں ہمزہ مت لاؤ – اور
ابو اسحٰق نے بفتح اول و کسرہ آخر پڑھا اور یہ غریب ہے اور دوسروں نے جنہیں عامہ اہل مدینہ ہیں بفتح اول و ضم آخر پڑھا – اور کہا کہ
اگر قاعدت نے بکسرہ اول و ضم آخر پڑھا اور ابو عبید نے نقل کیا کہ ہیت جمع و تثنیہ نہیں ہوتا بلکہ ہیت لکما و ہیت لکم و ہیت لکن و
ہیت لہم اسکے ساتھ بولا جاتا ہے – با جملہ اس کلمہ سے مراد یہ ہے کہ عورت نے حضرت یوسف کو اپنی طرف ترغیب دیکر بلایا قال
معاذ اللّٰہ اس نے کہا معاذ اللہ یعنی فعل سے حضرت یوسف نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں انتہا درجہ کی پناہ
یعنی اس کام سے جسکی طرف تو مجھے بلاتی ہے – انہ بیشک عزیز مصر نے مجھے خریدا ہے وہ میرا مربی ہے – ربی میرا پرورش کرنیوالا احسن مثوای
اچھی طرح رکھا ہے – بہت خوبی سے مجھکو رکھا چنانچہ عورت کو حکم دیا تھا کہ اکرمی مثواہ الآیہ یعنی عورت کو عزت دیا اور دلاکر
ذکر کیا کہ میں اسکے احسان کے عوض اسکے ساتھ بدی نہیں کر سکتا اور یہ عورت کی سمجھ کے موافق عذر ہے اور ارشاد یہ ہے کہ بیشک
خدا ہی کا خیال ضروری ہے اور یہ اشارہ ہے کہ درحقیقت آنحضرت علیہ السلام عزیز مصر کے مملوک تھے اور آزاد کی بیع
جائز نہیں ہے – اور صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آزاد آدمی کو غلام کرکے بیچنا گناہ ہے – اگر کہا جائے کہ قولہ تعالیٰ وشروہ بثمن بخس میں
فروخت کی تصریح ہے اور یہ حقیقت ہے اور مجاز پر محمول کرنا ضروری نہیں – سوالیہ ہے کہ قولہ اشتراہ من مصر میں حقیقی اشتراء
مجازی پر محمول کرنا اولی ہوگی اور صحیح حدیث میں حضرت سلمان کا خرید ہونا اور اسکا قصہ مشہور ہے تو قیاس ہے کہ یہاں بھی ایسا
ہوگا اور باطل نہیں ہے لیکن اس میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس صورت میں سلمان کا آزاد ہونا صحیح نہ ہوگا اور حق ولاء ثابت ہوگا حالانکہ
آزاد شدہ ہونا معروف ہے اور تحقیق بیان یہ ہے کہ بندہ پر احکام سے مکلف ہے وہ اس قدر ہے باخود جو [illegible] ہو حق سے اس سے متعلق ہو
اور سلمان بھی اسی طرح قہراً دست بدست ماخوذ ہو کر فروخت ہو چکے تھے اور ان کے ساتھ احکام سے متعلق ہو چکے تھے
اور اپنا [illegible] صحیح ہے اور [illegible] سلمان کا اپنا آزاد ہونا بیان کرنا اگرچہ درواقع
صحیح ہے لیکن [illegible] مشتری [illegible] غیر متعدی نہیں ہوتا ہے
اسی واسطے ائمہ شافعیہ و دیگر فقہا کے نزدیک اگر کوئی آدمی ایک لونڈی لایا اور اسکو مشتری کے ہاتھ فروخت کیا اور باندی جب پائی

پس مشتری نے خریدا اور اسکو ام ولد بنایا یعنی اپنے تصرف میں لایا جس سے اولاد ہوئی پھر باندی نے اقرار کیا کہ میں آزاد ہوں تو اس سے کچھ نہ ہوگا اور مرد پر حرام کرنے کا الزام نہ ہوگا بلکہ جو اولاد ہوئی وہ صحیح النسب ہوگی اور اگر مشتری نے اسکی تصدیق کی تو بھی اولاد کے حق میں کچھ ضرر نہیں ہے ہاں آیندہ اُس سے اجتناب کریگا اور اس کی نظیر بکثرت مسائل ہیں جنمیں یہ تصریح موجود ہے کہ اس کا مبنی ظاہر پر ہے اور جو کچھ احکام متعلق ہوچکے وہ سب صحیح ہیں مثلاً مشتری نے کسی دوسرے سے اسکا نکاح کرادیا تو مشتری کو مہر کھانا حلال ہے اور یہی اہل شرع میں جاری وساری ہے چنانچہ مثلاً ایک شخص زید نے ایک عورت ہندہ سے نکاح کیا اور وہ پہلے کہہ چکا تھا کہ اگر میں اس سے نکاح کروں تو اسکو طلاق ہے پھر مرد نے ایک عالم سے فتوی پوچھا وہ ایسی طلاق کو واقع نہیں جانتے تھے انھوں نے حلت کا فتوی دیا پس مرد مدت تک اسکے ساتھ رہا اور کئی اولاد ہوئیں پھر عورت کو خبر ہوئی تو اُسنے قاضی سے نالش کی اور قاضی کی راے میں اسمین حنفی مذہب حق تھا اُسنے وقوع طلاق کا فتوی دیا تو اولاد حلال ہوگی اور مرد پر زناکاری وغیرہ کی حد واجب ہوگی اور نظائر اسکے بکثرت کتاب القضاء اور کتاب المحاضر والسجلات اور بکثرت کتاب الشروط میں مبین ہیں اسکو فتاوی ہندیہ ترجمہ عالمگیریہ سے تحقیق کرو جب یہ بات تحقیق ہوگئی تو حضرت یوسف کا یہ کہنا کہ انہ ربی احسن مثوای یعنی عزیز مصر میرا سید وآقا ہے مجھے اچھی طرح پرورش کیا ہے یہ قول صحیح ہے اسمین کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ پیغمبر سے یہ بعید ہے کہ اسکو اپنا مربی فرماوے بلکہ معنی یہ ہیں کہ انہ یعنی بیشک وہ اللہ تعالی - ربی میرا رب ہے احسن مثوای اُسنے مجھے اچھا ٹھکانا دیا یعنی بھائیوں کی شرارت اور جب کی آفت سے نجات دیکر اس منزلت پر پہنچایا میں اسکی نافرمانی میں زنا وحرامکاری نہیں کرسکتا ہوں - اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ - بیشک جو ظلم کرتے ہیں یعنی نیکی کی جگہ بدی کرتے ہیں اور حکم الٰہی کے برخلاف کرتے ہیں سو ظالم ہیں تو اُن کو فلاح نہیں ہوتی اگر میں ایسا کروں تو میں بھی ظالم ہوجاؤنگا اور فلاح نہ پاؤنگا

ف - فی العرائس قوله تعالى ولقد همت به وهم بها الآیۃ سر باطنی پہلے عشق کی کشش سے اپنے معدن کی طرف چلا لیکن درمیان میں طبیعت آلودہ ہوگئی پس بسبب لاعلمی وبے تمیزی کے بھٹک کر شہوت کی طرف جھکا اور دروازے بند کئے - چاہا کہ عشق چھپا رہے اور بھی غیرت عشق اسکو مقتضی ہوتی ہے لیکن عشق مثل مشک کے چھپتا نہیں ہے وہ کس قدر فاش ہوگیا اور شبلی نے کہا کہ سب دروازے بند کردو اور سب لگاؤ کاٹ دیئے اور پوری ہمت اپنے مقصود کی طرف پھیری اور چاہا جو چاہا ولیکن یوسف علیہ السلام پر قدس نبوت غالب ہوئی وقال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای - اشارت ہے کہ رب تبارک تعالی نے آدمی کو احسن تقویم پر پیدا کیا اور ازل میں اسکو برگزیدہ فرمایا جیسے یوسف کو نبوت ورسالت سے ممتاز کیا اور تاویل الاحادیث کا علم دیا - روایات کثیرہ ہیں کہ پہلے حضرت یوسف کا حسن تمام عورتوں کیلیے فتنہ ہوگیا تھا آخر جب نبوت ورسالت عطا ہوئی تو ہیبت وجلال کا لباس پہنایا۔ اقول اسکو اکثر مفسرین نے لکھا ہے - قال الشیخ - اور بعض نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے ولی نعمت کا خیال کیا یعنی عزیز مصر کا اکرام دیکھکر اس خیانت سے انکار کیا اور حضرت ولی نعمت حقیقی یعنی رب تبارک وتعالی کا خیال نہ کیا تھا اسی سبب قصد کے فتنہ میں پڑے کما قال تعالی ولقد همت به وهم بها یعنی فی الجملہ زلیخا کی طرف میلان ہوا - اور مترجم کہتا ہے کہ یہ تقریر کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کا خیال نہ تھا کیا یہ نہیں دیکھا کہ پہلے ہی فرمایا معاذ اللہ ولیکن عورت مذکورہ اُسوقت کافرہ تھی اُس سے ایسا عذر کیا جسکو وہ بھی تسلیم کرتی تھی اور یہ جو بیان کیا کہ آنحضرت نے اُسکی طرف میلان کیا تھا یہ صریح نہیں ہے بلکہ صحیح نہیں ہے چنانچہ بیان رہیگا قال الشیخ اور حضرت اُستاد رحمہ اللہ نے کہا کہ انہ ربی احسن مثوای یعنی میرے رب تبارک تعالی نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے اس حال پر

مخلوق کرکے عزیز مصر کا دل مجھ پر مہربان کیا حتی کہ اُسنے اکرمی مثواہ کا حکم دیا تو مجھے عصیان نہیں لائق ہے پھر شیخ نے کہا کہ آگے اشارہ ہے کہ
فطرت بشری و نفس امارہ سے ہر وقت نبی و پیغمبر تک ہوشیار رہتے ہیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ

اور البتہ عورت نے فکر کیا اُسکا اور اُسنے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی   یونہی ہوا اسواسطے کہ ہٹا دیں اُس سے برائی

وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝

اور بے حیائی   البتہ وہ ہے ہمارے چنے بندوں میں

اسمیں آنحضرت علیہ السلام کے کمال عفت کا بیان ہے درحقیقت نعمت حسن عفیف ہو ورنہ اکثر لوگ جن کی ظاہری صورت مرغوب باطنی اوصاف قبیح ہوتے ہیں انکو بھی نظر سے دیکھو تو ایسا سبزہ ہیں جو ایسے گھورے پر اگا ہو جہاں نجاست ڈالی جاتی ہو ہمیشہ مرد پاکیزہ مزاج ایسوں کو اسی نظر سے دیکھتا ہے اور قابل تعظیم و اجلال وہ ہیں جنمیں اوصاف یوسفی ہیں سے ہو چنانچہ جب نے لیجا نے دروازے مضبوط بند کر دیئے اور تمام آرائش سے انکو اپنی طرف بلایا تو اُنھوں نے اپنی پاکیزگی سے صاف کہا کہ معاذ اللہ یعنی میں ہرگز ایسی حرکت نہ کرونگا مگر اپنے اوپر بھروسا نہ کیا کیونکہ نفس تو بدی کا امارہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالی سے پناہ مانگی کیونکہ بشریت مقتضی ہے کہ مبتلا ہو جاوے چنانچہ قولہ اصب الیہن سے یہ خوف ظاہر ہے پس جب پناہ مانگی تو ظاہر ہے کہ وہ عورت زبردستی پر آمادہ ہوئی اور اللہ تعالی نے فرمایا۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا۔ اس آیت کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں اور اکثر ان میں سے ائمہ سلف سے روایت کیے جاتے ہیں ولیکن سراج المنیر میں خطیب نے اور کبیر میں رازی رحمہ نے و دیگر مؤلفین نے ان روایات کے ثبوت سے بالکل انکار کیا ہے کا شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو فن حدیث میں امام حافظ ہیں اسطرح انکار نہیں کیا لہذا میں بعض روایات نقل کرنے میں مضائقہ نہیں دیکھتا علاوہ اسکے مؤلفین نے جو وجہ انکار بیان کی وہ کچھ نہیں ہے۔ واضح ہو کہ بالاجماع والاتفاق سب کے نزدیک صحیح ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کسی فعل ناشستہ کے مرتکب نہیں ہوئے تھے ولیکن اختلاف اسمیں ہو کہ آیا قصد فرمایا تھا یا نہیں تو یہاں تین قسم کے اقوال ہیں اول یہ کہ ہاں قصد کیا یہاں تک کہ اوپری باتوں سے تجاوز کرکے قربت کی بیٹھک بیٹھے تھے پھر برہان الٰہی سے الگ ہو کر بھاگے اور یہ قول حد سے افراط ہے دوم یہ کہ خالی قصد کیا تھا سوم یہ کہ دل ہی دل میں باتیں بنائیں اور ایک جماعت نے کہا کہ نہیں بلکہ برخلاف اسکے قصد بھاگنے کا کیا تھا اور بیان اقوال سے پہلے لفظ ہَمّ کے معنی معلوم کرنا چاہیے۔ عرب بولتے ہیں کہ ہَمَمْ بالامر جب اس کام کا قصد و اسکے کرنے کا عزم کیا ہو۔ حدیث میں ہے لقد ہممت ان آمر فتیتی - میں نے ارادہ کیا کہ اپنے غلاموں کو حکم دوں الحدیث فی تخلفهم الجماعة ... ومنہ قولہ ان قریشا اهمهم شان المرأة المخزومیة - یعنی قریش کو اندیشہ میں ڈالدیا تھا بنی مخزوم کی عورت کے واقعہ نے کیونکہ اسکی چوری ظاہر ہو گئی تھی - ومنہ الحدیث وکفاہ اللہ ما اہمہ - بالجملہ یہاں ہَمّ سے مراد قصد ہے پس یہ معنی ہیں قولہ ولقد ہمت بہ - اور البتہ قصد کیا عورت نے اُسکا و ہم بہا - اور قصد کیا اُسنے عورت کا پس بعض نے کہا کہ عورت نے اس سے اختلاط کا قصد کیا یعنی دھینگامشتی سے اور اُسنے قصد کیا عورت کے مارنے کا۔ اور بعض نے کہا کہ عورت سے بھاگنے کا ولیکن زبان عربیہ سے خلاف ہے اور گویا اتفاق اس بات پر ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے عورت کا قصد کیا جیسا کہ نص ظاہر ہے پھر ان لوگوں میں اقوال ہیں کہ یہ قصد بجانب عورت کے کس طرح تھا کیونکہ حرام طور پر قصد کرنا دل کا زنا ہے اور خفاجی نے سبب

وجوہ صحیح یہ ہے کہ عورت نے اسکی خواہش کی اور اسنے عورت کی خواہش کی مگر یہ اشتہار و رغبت بدین معنی نہ تھی کہ بالفعل اسکا اثر مترتب ہو
اور یہ قول امام رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے چنانچہ آگے آتا ہے۔ اب مین یہ سب اقوال مذکورہ بالا کو بتلخیص مناسب ذکر کرتا اور صحیح و ضعیف کو ملحوظ
کرتا ہون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔ معلوم رہے کہ بعض نے اس مقام پر علماء سلف سے عجیب انوکھی باتین روایت کین
کہ مثلاً انھون نے کہا کہ عورت مذکورہ نے جب خوب آراستہ ہوکر اسکو بلا کر اصرار کیا اور قصد کیا تو اسنے بھی عورت کا قصد کیا یہانتک کہ
کمر بند کھول ڈالا اور عورت کیساتھ شہوت کی بیٹھک پر بیٹھ گئے تو ناگاہ ایک آواز آئی تو یہ اس عورت سے دور ہوگئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا پھر دوبارہ
سنی پھر تیسری بار مگر اثر نہوا … عورت … انگلی دانتون مین دبائے ہوئے ظاہر ہوئے تو بھاگے۔ اور بعض نے کہا کہ سینہ پر ہاتھ مارا تو شہوت
جاتی رہی اسیوجہ سے اور بھائیون کے بارہ بارہ بیٹے ہوئے اور ان کے صرف گیارہ ہوئے اور بعض نے کہا کہ چھت مین زنا کی مذمت کی آیت
لکھی دیکھی اور بعض نے کہا کہ اس سے بھی اثر نہوا آخر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے فرمایا کہ جاکر خبر لے میرا بندہ ڈوبتا ہے تو انھون نے آواز دی کہ
اے یوسف یہ کیا کرتے ہو۔ غرضکہ اس طرح کے اقوال مروی ہوئے اور بزرگان بزرگون مین سے کسی سے کچھ بھی صحیح نہین ہوا اور باہم یہ اقوال
خود متناقض ہیں اور یہ سب امام رازی نے بھی تطویل کے ساتھ نقل کرکے سب کو رد کر دیا۔ اور شیخ ابن کثیر نے کہا کہ یہان لوگون
کے اقوال مختلف ہیں اور ابن عباس و مجاہد و سعید و ایک جماعت سلف سے یہان وہ کچھ مروی ہے جو ابن جریر وغیرہ نے روایت
کیا واللہ تعالیٰ جانے کہ ان اخبار کا کیا حال ہو۔ مترجم کہتا ہے کہ شیخ نے ان روایات کو بالکل متروک کر دیا کچھ نقل نہین فرمایا
اشارہ ہو کہ ان میں سے کچھ ثابت نہین ہوا اور شیخ نے ان کو قابل فکر بھی نہین سمجھا اور بیشک یہ قابل ذکر بھی نہین ہین لیکن چونکہ
ایک جماعت فارسی تفسیر والون اور قصص الانبیاء والون نے جنکو صحیح و سقیم کی تمیز نہین ہوتی روایات کو اکثر شائع کر دیا ہے لہذا مین نے بضرورت
ذکر کرکے عموماً آگاہ کر دیا کہ ان مفسرین سلف سے موافق ان مؤلفین علماء کے قول کے کچھ ثابت نہین ہوا پس کسی کو حلال نہین کہ
ان روایات پر اعتقاد رکھے یا غرہ ہوکر عقلاء وغیرہ مین بیان کرے۔ بالجملہ لفظ ہم سے اگرچہ لغوی معنی یعنی قصد کرنا مراد
ہے لیکن بالیقین وہ قصد ایسا نہ تھا جیسا ان جاہل راویون نے سمجھا اور اسکو سلف صالحین کی طرف منسوب کر دیا اور ظاہر
معلوم ہوتا ہے کہ یہودی … مگر حدیث صحیح ایک قسم ہوتا ان اہل کتاب والی … ان مین سے بعض نے یہ حرکت کی ہو واللہ اعلم
اب بیان اس بات کا کہ قصد سے صحیح مراد کیا ہے تو سلف و خلف سے صحیح روایات یعنی مذکور ہین کہ بمقتضائے طبیعت بشری
آنحضرت علیہ السلام نے بھی اس عورت کی خواہش کی۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ بھی مجمل بیان ہے اسکی توضیح کرنے سے اصلی مقصود ظاہر ہوگا
اور توضیح یہ ہے کہ قصد و خواہش دو طرح کی ہوتی ہے ایک یہ کہ آدمی اپنے اختیار سے کسی چیز کی طرف قصد کرے جیسے بھوکا آدمی
اپنی خواہش سے کھانے کی طرف قصد کرتا ہے اور دوم قصد بے اختیار ہے اور وہ اسطرح ہوتا ہے کہ دل مین خود بخود کسی چاہنے والی
کوئی بات آجاتی ہے یا طبیعت بشری خود بخود کسی طرف جھک جاتی ہے۔ ابن کثیر نے لکھا کہ امام بغوی نے یعنی معالم التنزیل مین بعض
اہل التحقیق سے نقل کیا کہ حضرت یوسف کے قصد سے مراد خطرات نفس ہین۔ امام رازی رح نے کہا کہ جیسے سخت گرمی مین
روزہ دار آدمی سرد ٹھنڈا پانی دیکھے اور اسکی طبیعت خود بخود اسکے پینے کی طرف میل و قصد کرے لیکن وہ اپنے اختیار سے اپنے
دین کے لحاظ سے اسکو روک دیتا ہو یا جیسے نوجوان تندرست قوی آدمی کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان عورت آراستہ
و پیراستہ ہوکر تعرض و آمادہ ہو تو اسکی طبیعت بے اختیار ہوکر اسکی طرف رغبت کرتی ہے مگر وہ اپنی عقل کے اختیار سے خیال

کرتا ہے کہ اس فحش و حرام ایک دم کی لذت و دائمی غضب الٰہی مین پڑنا روا نہین ہے تو دل ہی دل مین جھگڑے و کشمکش مین پڑجاتا ہو پس جب اسنے بخوف الٰہی اپنے آپکو روکا تو اسکی بندگی کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے اسی مضمون کو بیضاوی نے اس طرح بیان کیا کہ آنحضرت علیہ السلام کے قصد سے مراد بے اختیاری قصد ہو کہ طبیعت کا میل کرنا اور شہوت و عقل مین جھگڑا ہونا اور یہ اختیاری قصد نہین ہو اور بالاتفاق جو چیز کہ انسان کے اختیار مین نہین ہو اُسپر اللہ تعالیٰ نے حکم امر و نہی کا نہین دیا ہے اور اختیاری بات یہان یہ ہو کہ ایسے میل و خواہش کے آنے پر اس فعل کو نہ کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے ثواب کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ ثعلب رحمہ اللہ نے کہا کہ زلیخا نے قصد کیا تو وہ چاہتی تھی کہ اسکو واقع کرے اور اصرار کرتی تھی اور آنحضرت علیہ السلام نے جو قصد کیا وہ بغیر عزم تھا اسکو واقع کرنا نہین چاہتے تھے بس یہ قصد محض نفس کے خطرات و باتین ہوتین بالجملہ انبیاء علیہم السلام کی شان سے ایسا قصد البتہ نہین ہوتا جسکو واقع کرنے کا عزم ہو اور ایسا قصد جو خطرات کے قسم سے ہو وہ معصوم ہونے مین مضر نہین ہو آیا نہین دیکھتے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خود تنصیص کی بقولہ وما اُبری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء یعنی نفس اندر ہی اندر بُرے خطرات لاتا ہے اور اس سے بڑھکر حضرت سرور عالم سید المرسلین و خاتم الانبیاء اجمعین کا ایک مرتبہ کا ذکر جو بعض سنن مین مروی ہو اگرچہ اسناد بہت قوی نہو لیکن خطرات نفس کے ثبوت مین جو نص سے ثابت ہین کافی ہو کہ ایکبار اچانک ایک عورت پر نظر پڑی تو اسی وقت اُٹھکر حضرت ام المومنین زینبؓ کے حجرہ پاک مین تشریف لیگئے اور جب باہر آئے تو بالون سے پانی کے موتی ٹپکتے تھے اور ارشاد فرمایا کہ عورت امتحان و فتنہ ہین انکے آگے پیچھے شیطان چلتا ہو تو جب کوئی تم سے خطرہ پائے تو اپنی عورت سے جو اسکے نکاح مین ہو قربت کرلے کہ وہ خطرہ دل پر رہنے نہ پاویگا پس درحقیقت زنا سے بچنے کا ثواب انھین مردون کیلئے ہو جو خواہش کے باوجود بخوف الٰہی و تعظیم حکم اللہ عز و جل ممنوع فعل سے باز رہتے ہین ورنہ جو ہیجڑا ہو وہ خواہش ہی کیا کریگا پھر ہم اور وقوع مین صاف فرق ہو اور دونون کا ثواب علیحدہ ہو چنانچہ صحاح مین حضرت ابو ہریرہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث بدین معنی مروی ہو کہ اللہ تعالیٰ عز و جل فرماتا ہو کہ اذا ہم عبدی بحسنۃ الحدیث جب میرا بندہ قصد کرے کسی نیکی کا تو اسکے لیے ایک نیکی لکھو پھر اگر اسکو کرے تو اسکے لئے دس گونہ ثواب لکھو اور اگر کسی بدی کا قصد کرے مگر اسکو نہ کرے تو اسکے لئے ایک نیکی لکھو کیونکہ اس نے میرے ہی خوف و طاعت سے چھوڑی ہو اور اگر اسکو کر گذرے تو اسکے لیئے ایک بدی لکھو۔ کما فی روایۃ من الصحیحین اور یہ خاص واقعہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش آیا تھا وہ بڑے مرتبہ کا تھا کیونکہ اُنھون نے قصد نہین کیا مگر جبکہ ایک نہایت خوبصورت عورت نے جو اس ملک مین شکیل تھی کمال زینت و طمانیت کے ساتھ در پردہ اور بے حجاب ان سے خواہش بیحد تمنا اظہار کی۔ اور انکار کی صورت مین اپنے اوپر صدمات کا خوف تھا پھر بھی عفت کے ساتھ رہے اور یہ سب فضل الٰہی ہو لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۔ اگر یہ نہوتا کہ اسنے دیکھا اپنے رب کے برہان کو یعنی رب تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یقینی روشن دلیل کو اگر وہ نہ دیکھتا تو جو اسکے دل مین خواہش ہوئی تھی اسکو پوری کرتا۔ مگر اُس نے اپنے رب کی توحید و عظمت و عیزہ کمالات کبریائی پر روشن دلیل دیکھ لی بس باز رہا۔ اور ابو عبیدہ سے ابو حاتم نے روایت کی کہ اس آیت پر ابو عبیدہ رحمہ نے مجھ سے کہا کہ یہان تقدیم و تاخیر ہے یعنی ولقد ہمت بہ ولو لا ان رای برہان ربہ لہم بہا یعنی عورت نے تو اسکا قصد کیا اور اُسنے اگر برہان رب تبارک و تعالیٰ نہ دیکھا ہوتا تو عورت کا قصد کرتا یعنی اُسنے عورت کا قصد ہی نہین کیا۔

شیخ ابن کثیر نے انکار کیا کہ زبان عربی کی راہ سے اس قول میں تامل ہو واللہ اعلم اور لکھا کہ اس برہان میں بھی اقوال ہیں جسکو آنحضرت
نے دیکھا چنانچہ ابن عباس و سعید و مجاہد و سعید بن جبیر و محمد بن سیرین و حسن و قتادہ و ابو صالح و ضحاک و ابن اسحق وغیرہم
نے ذکر کیا کہ وقت قصد کے حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھی کہ دانتوں تلے انگلی داب کے منع فرماتے ہیں اور ایک روایت میں
چھاتی کے سینہ پر ہاتھ مارا کہ شہوت ان کے ناخنوں سے باہر ہو گئی اور ایک روایت میں قطفیر یعنی عزیز کا خیال دیکھا اور محمد بن کعب القرظی
نے کہا کہ چھت میں تین آیات لکھی دیکھیں۔ ان علیکم لحافظین کراما کاتبین۔ ما تکون فی شان وما تتلو منہ من قرآن ولا تعملون من عمل
الآیۃ۔ افمن ہو قائم علی کل نفس بما کسبت الآیۃ۔ اور کہا گیا کہ چوتھی آیت۔ ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا۔ اوزاعی نے کہا کہ کتاب الٰہی کی ایک آیت
دیوار پر دیکھی جو اس کام سے روکتی تھی ابن جریر نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات و نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھی اور قطعی دلیل نہیں کہ کونسی آیت تھی
شاید یعقوب کی تصویر تھی اور شاید فرشتہ جبرئیل کی صورت ہو اور شاید لکھی آیت ہو پس مطلقاً چھوڑنا ٹھیک ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ علمائے سلف سے جو اقوال مذکور ہوئے سو
عجیب ہیں اور ان میں سے بعض اقوال ایسے بھی ہیں کہ قصد خلاف کیا تھا تو آیت دیکھ کر باز رہے اور شان نبوت جداعلی و اکرم ہے کہ برہان کے
ملا ہو اس پر نور نبوت کے سامنے اندھیرے ہیں اس سے ان اقوال کو مناسبت بہت ہی کم ہے اور ان اقوال کے حق میں جو کچھ
رازی و خطیب وغیرہ نے کہا وہ اقرب بصواب ہے اور خفاجی نے حاشیہ بیضاوی میں لکھا کہ ان اقوال وقصص کی باتوں میں ایسی
ماتیں ہیں کہ انکا بیان کرنا شان نبوت کے لائق نہیں ہے اور یہ ترک دینا بہتر ہے باوجودیکہ یہ سب اقوال محض بے اصل ہیں اور
اس پر طرہ یہ ہے کہ نص قطعی و اسکے اشارات سے بالکل خلاف ہیں اور یوں کیوں نہیں کہتے کہ برہان رب تبارک وتعالیٰ وہ علم نبوت تھا
جس سے قطعی جانتے تھے کہ یہ فعل حرام و منکر و فحش ہے اسی پر اعتقاد کرنا واجب ہے مترجم کہتا ہے کہ ائمہ سلف و خلف و علمائے متقدمین
سے صحیح تفسیر فقط اسطرح ثابت ہے کہ قولہ ولقد ہمت بہ۔ عورت مذکورہ نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ قصد قربت کیا یعنی دل
میں اسکو ٹھان لیا اور بڑی کوشش سے ایسا واقع ہونا چاہتی تھی سو ہم بہا۔ اور آنحضرت علیہ السلام کے دل میں خواہش کا خطرہ
آگیا جسکو وہ واقع کرنا ہرگز نہیں چاہتے تھے باوجودیکہ اسباب امتحان کے سخت تھے اور نہایت مشکل موقع تھا لولا ان رای برہان
ربہ۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ اپنے رب کی نشانی جو کھلی ہوئی نورانی حجت تھی دیکھی تھی تو موقع ایسا تھا کہ مبتلا ہو جاویں ولیکن اللہ تعالیٰ
نے انکو برہان توحید دکھلائی ہوئی تھی جس سے انھوں نے نجات پائی اور معاذ اللہ کہنے کی برکت ظاہر ہوئی کیونکہ
اپنے نفس پر بھروسا نہیں کیا کذالک یعنی یونہی ہم نے اسکو برہان دکھلایا اور پناہ دی یا یونہی ہم نے اسکو ثابت قدم فرمایا
لنصرف عنہ السوء والفحشاء تاکہ ہم پھیر دیں اس سے برائی کو اور بے حیائی بات کو یا تاکہ یعنی مستقیم رکھنا وطاعت پر
ثابت قدم ہو اسکا یہ کہ حضرت خالق عزوجل کے قبضہ قدرت میں ہو وہی اپنے خالص بندوں کو سلامت رکھتا اور قبول فرماتا
اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ انہ من عبادنا المخلصین۔ بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے اور قرآن میں منصوص ہے کہ
شیطان کو فرمایا۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یعنی میرے بندوں پر تجھے کبھی کچھ بھی قابو نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر
ہو گیا کہ آنحضرت نے حرام قصد اور عورت کو شہوت سے چھونا وغیرہ خرابیاں باتیں جو قصہ کہنے والے بیان کرتے ہیں کچھ نہیں کیا
تھا یعنی فعل ہو کر وہ بالکل پاک ہیں اور دل میں خطرہ آنا جو بے اختیاری ہو وہ معصیت ہی نہیں ہے اور شیخ ابو السعود رحمہ
حق تعالیٰ نے خوب ظاہر فرمایا ہے کہ انھوں نے اس مضمون کو آیت کریمہ سے صاف نکال لیا اسطرح کہ اگر آنحضرت علی نبینا

وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوء و فحشاء کی طرف خود قصد کیا ہوتا تو خود اس سے پھیرے جاتے اور یون کہا جاتا کہ لنصرفہ عن السوء والفحشاء
تاکہ ہم اسکو پھیر دین سوء و فحشاء کی طرف سے یعنی سوء و فحشاء کی طرف جاتا ہے وہان سے اسکو موڑ دین ولیکن یون نہین تھا بلکہ
سوء و فحشاء کو شیطان رجیم انکی طرف لاتا تھا تو حضرت رب العزۃ ذو العظمۃ والکبریاء جل جلالہ نے دور ہی سے اُن کی طرف سے
شیطان کو مع سوء و فحشاء کے روک دیا اور وہ خائب و خاسر مطرود ہو گیا پس قطعی ثابت ہو گیا کہ آنحضرت نے سوء و فحشاء کا کچھ
قصد نہین کیا تھا اگر سوء و فحشاء نے انکی طرف شیطان پر سوار ہو کر قصد کیا تھا تو اُن سے یہ دونون مع شیطان کے رد کی گئین
اسلئے کہ شیطان کو بندگان حضرت خلاق العلیم عز و جل پر کچھ قابو نہین ہے ۔ والحمد للہ رب العالمین ۔ فی الاقتباس ۔
قولہ تعالیٰ ولقد ہمت بہ وہم بہا الآیۃ قصد زلیخا سابق ہوا اور حسن یوسف کا جذب سابق ہوا اور قصد زلیخا بجانب بدن حسن
یوسف تھا کیونکہ اسکا عشق و مائل حسن دونون کا صدور و ظہور ازلی سے تھا اور دونون جمال قدیم کی صفات سے ہین پس
جب قلب زلیخا بجانب حسن یوسف منجذب ہوا اور قصد زلیخا کو ہیجان ہوا تو قصد یوسف کو بھی اُسکے عشق کی الٰہیت و حسن کی
جانب ہیجان ہوا پس دونون قصد یکدیگر مختلط ہو گئے پس جوہر کو بجانب جوہر اور فطرت کو بجانب فطرت اور طبیعت کو
بجانب طبیعت اور انسانیت کو بجانب انسانیت اور روحانی کو بجانب روحانی اور الٰہی کو بجانب الٰہی ہیجان ہوا پس جملہ یوسف
و قصد ہو کر متحیر ہوئے یعنی کہ دونون کا شخص و خیال و سواد و عقل و قلب و روح و سر ان کے در یکے ہو گیا پس دونون قصد بعین
کوئی قصد تمیز نہین کر سکتے حالانکہ اصل الجواہر بغیر ارادہ ہے اور اصل فطرۃ فعل ارادہ ہے اور اصل الطبیعۃ مباشرت قدرت ہے اور اصل
انسانی جو حیوان مرسبرہ ہے اور روحانی مباشرت لطف ہے اور یہی سفر کی مادہ ہے اور اصل روحانی تاثیر مباشرت لطف اور
اصل الٰہی تا تجلی جمال ظہور ذات و صفات اور ظہور صفات و افعال ہے پس وحدت جو بنظر عین الیقین مین دونون عشق
کی اصل اور دونون ہمتون کی بنیاد تجلی ذات و صفات و افعال کے معنی مین ہے کہ جب تو نے اسکو معلوم کر لیا تو
دونون شخص کو ایک شخص اور دونون روح کو ایک روح اور دونون قلب کو ایک قلب اور دونون قصد کو ایک ہمت
اور دونون سر کو ایک سر اور دونون کل کو ایک کل دیکھیگا اور اس کل کا حصہ در ایک کل سے ہے اور یہی کل تمام عالم کی علت
ہے اور تمام چیزون کے معانی اور دونون ہمتون کا پیدا کرنے والا ہے اور یہی جملہ اصول کے لئے اصل ہے پس نہ وہم بیان
کون ہوا [illegible] اسرار [illegible] قرآن [illegible] اشارہ کیا کہ ابتدا اسی سے ہے اور انتہا اسی کی طرف ہے
اور [illegible] درمیان مین ہین [illegible] درمیان سے [illegible] فعل سے فعل کے واسطے [illegible] فعل تجلی
فرمائی تو عشق بشہوت [illegible] صفت کیلئے صفت سے [illegible] صفت تجلی فرمائی تو عشق بشہوت روحانی [illegible]
نفسانی کے ہو گیا ۔ اور جب ذات کیلئے ذات سے یوسف ذات تجلی فرمائی تو عشق ازلی مقدس [illegible] اسرار [illegible]
ہو گیا کیونکہ اسکا عشق ازلی بلا علت ہے پس پہلی ہمت و حرکت فعل بفعل ہے اور درمیان مقام امتحان ہے کیونکہ امر سے مخالفت
ہے اور درمیانی ہمت تجلی صفت بصفت ہے اور وہان مقام التباس ہے اور انتہا بہ تجلی ذات بذات ہے اور یہ مقام قدس ہے
امتحان سے نجات اور وہان سے طہارت ہے پس جبتک حضرت یوسف علیہ السلام ابتدا اور وسط مین رہے تب تک
محل امتحان والتباس مین معرض تھا پس جب تجلی ذات بذات مین آئے تو انوار ذات سے دونون مقام کو سلب کیا

اور اگر یہ نہوتا تو برابر عتاب امتحان مین پڑے رہتے اور تصدیق اسکی یہ ہر قولہ تعالیٰ لولا ان رآی برہان ربہ کذلک لنصرف
عنہ السوء والفحشاء پس جو برہان حضرت یوسف علیہ السلام پر ظاہر ہوئی تو وہ ظہور ذات قدیم بلا پردہ منزہ از علت حلول
و مباشرۂ حدوث تھا اور یہ ظہور موجب ہر کہ حدوث کو قدم سے جدا کردے اور وہان حدوث کا تعلق و شائبہ نہین رہتا ہے
یہ مقام صرف تجرید و تفرید و توحید ہر وہان مقام التباس سے نجات ہر اور قولہ کذلک لنصرف عنہ السوء الخ ظہور آثار فحش
و برائی کے اسرار تالیف ارواح و اجسام پر اور بعض کی حرکت بعض کی جانب بصفت محبت و الفت و مودت و ہوائے نفسانی و شہوت شہوانی
و حیوانی و جسمانی پر ہر اور یہی عالم امتحان ہر اور امر و نہی و تکلیف و عبودیت یہین سے ظاہر ہے پھر عالم امر سے مخالفت کرنا بھی
اور راہ علم و عقل کے سوء و فحشاء ہر اور حقیقت مین وہان علت فحش و سوء کی کچھ بھی نہین ہر کیونکہ یہ مواضع مقادیر ازلیہ ہین اور وہان
ہمہ تن خوبی ہی خوبی ہر۔ اقول ایک حقیر مثال جس سے کچھ عقل کو عروج ہو یون کہنا چاہیے کہ مثلاً سنکھیا بذات خود ایک پاک چیز
ہے حتی کہ بدن پر اسکا استعمال حلال ہر اور کوئی عیب نہین ہے اور اگر اسکو بدن کے اندر استعمال کیا جائے جس سے ہلاکت ہو تو
خودکشی و عیب ہے اور یون ہی دنیا کی جو چیز کہ نہایت عیبدار دیکھو اسکے جہات خوبی کے بھی موجود ہین اور بعض جہات بدی کے ہین
اور خود اس مسئلہ مین دیکھو کہ عورت کی طرف قصد مقاربت درحالیکہ وہ اجنبیہ بلا عقد نکاح ہر محض فحش و سوء بہت بدتر ہر اور جب بعد
نکاح کے اسکی طرف قصد ہو تو بہت پسندیدہ ہے جبکہ نیت صالح ہو اسیواسطے بعض علماء مفسرین نے آنحضرت علیہ السلام کے زلیخا
کی طرف قصد کرنے کے معنی مین کہا ہے کہ قصد یہ کیا تھا کہ اگر اس سے نکاح ہوتا تو خوب تھا اور ظاہر ہے کہ بنکاح ایسے قصد مین کچھ بھی عیب
نہ تھا بلکہ اس صورت مین عدم قصد سے عیب پیدا ہوتا ہے اور اسی واسطے اہل الحق کا دستور صحیح ہر کہ دنیا مین کسی چیز کو بنظر حقارت
و عیب نہین دیکھتے ہین کیونکہ بنظر حقیقت وہ مقادیر ازلیہ ہین ان مین کچھ عیب نہین ہر اور جس شخص کو تقدیر ازلی نظر نہ آوے وہ خود
سوء و فحشاء مین لتھڑا ہوا ہوتا ہے تو وہ بھلا کیا کسی دوسری چیز کو سوء و فحشاء کہے گا۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔ قال الشیخ واضح ہو کہ
جب عارف مقام توحید صرف سے پستی مین رہا اور درمیان ہی مین التباس و امتحان سے نہ نکلا تو دیدار قدم سے حجاب مین پڑا
رہگیا قدم ازل تک نہین پہونچا اور یہ پردہ اُسپر خود سوء و فحشاء ہے اور اس فحش سے بڑھکر کون عیب ہوگا کہ دور راندہ ہوا حیرت
مین حیران ہوا اور اصل الاصل و اصل الکل تک پہونچنے سے محجوب ہو پس اس عیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خالص حضرت یوسف
علیہ السلام سے دور فرمایا چنانچہ اُنکی ہمت عالیہ تمام مقامات امتحان و التباس و احتجاب و سوء و فحشاء سے ترقی کرکے دیدار صفات
و ذات تک پہونچی اس صفت سے کہ خودی سے فانی اور بقاء حق باقی تھے تو اللہ عزوجل نے انکی تقدیس سوء و فحشاء سے بیان کرکے پھر
انکا اخلاص اپنی منت و احسان کے ساتھ فرمایا بقولہ انہ من عبادنا المخلصین (برگزیدہ کردہ شدہ ۱۲) یعنی موحدین مرسلین و انبیاء کاملین مین سے تھا۔ قولہ
لقد ہمت بہ و ہم بہا۔ ابن عطاء رحمہ نے کہا کہ زلیخا نے اسکی طرف شہوت کا قصد کیا اور اُسنے عورت کو زجر و نصیحت کا قصد کیا یعنی بدلیل
قولہ معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای۔ اور کہا کہ قولہ لولا ان رآی برہان ربہ یعنی یہ قصد زجر نہ ہوتا اگر برہان نہ دیکھتا اور کہا کہ برہان باہر نہ تھی
بلکہ ان کے دل مین حق کی طرف سے واعظ تھا اور وہ واعظ ہر بندہ کے دل مین ہوتا ہے اور کہا کہ زلیخا نے تو چاہا تھا کہ اپنا جمال یوسفؑ پر
ظاہر کرے مگر خراب نیت سے اُسکو لباس مکروہ پہنایا تھا پس اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے اُسکو محجوب کردیا اور برہان عیانی
اور حق ظاہر دکھلایا کہ اسوقت سوائے حق کے ان کو کچھ مشاہدہ نہ تھا اور کہا کہ اگر مشاہدہ برہان نہ ہوتا تو زلیخا پر نظر فرماتے قال المترجم

اہل حق رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بغیر مشاہدہ برہان حق کے بشری نظر کو تلبیسات شیطانی سے دوری شکلنہ ہوتی ہو اور اگر دین کو
نجات نہیں ہوتی ہے اور جب ایمان صادق ہوا تو محبت الٰہی عزوجل کے سامنے ہر مخلوق کا حسن غیر مرغوب ہوا اور امام غزالی وغیرہ نے نقل کیا
کہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک زمانہ کے بعد جب زلیخا ایمان لائیں اور معرفت الٰہی حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے تنہائی اختیار کی تھی کہ
آنحضرت علیہ السلام اگر بستر پر بلاتے تو صبح سے شام کا اور شام سے صبح کا عذر کرتی تھیں اور آخر کہا کہ مجھے آپ کی محبت بسبب عدم معرفت
حضرت خالق عزوجل کے تھی اب میں اسکا عوض نہیں چاہتی ہوں تب آنحضرت علیہ السلام نے آگاہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے آگاہ فرمایا ہے کہ
تجھ سے میرے دو فرزند ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ نبی بنا دیگا تو کہا کہ اچھا اگر حضرت عزوجل کی رضا ہو تو میں بسر و چشم اسکی بندگی میں حاضر
ہوں۔ فافہم۔ اور شیخ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آنحضرت علیہ السلام سے طبیعت بشریہ نے حرکت کی اور اختیار سے اسکو معاونت نہیں پہنچی
اور آدمی میں اگر یہ پیدائشی فطرت جوش کرے تو کچھ مذموم نہیں ہے ولیکن شہوت کو خود اختیاری سے جوش دینا مذموم ہے اور اگر معصیت
کو عمل میں لاوے تو ملامت و عذاب کے قابل ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصد بطریق مذمت نہیں بیان فرمایا
بلکہ بطریق مدح ہے۔ شیخ ابو عثمان رحمہ اللہ نے کہا کہ قولہ لنصرف عنہ السوء یعنی سوء الہم۔ بدی کا قصد کرنا اور موافقت کا فحش دونوں دور
کر دیئے۔ شیخ جلیبد رحمہ اللہ نے کہا کہ جو بندے اپنے خالق کو محبوب ہیں ان سے پہلے باطنی خلوص و صفائی ہمت و ارادت ظاہر ہوتی ہے
پھر ان کے افعال خاص ہوتے ہیں پس جسکا باطن صاف نہ ہوا اسکے افعال کبھی پاک نہ ہوں گے۔ القصہ جب برہان الٰہی سے حضرت
یوسف علیہ السلام مستغرق تھے تو عورت کی خواہش کے موافق کچھ قصد نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جیسے ایمان والے بندے
ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خائف اور اپنے نفس سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اگرچہ قبول و نماز و عبادت کے مرغوب ہونے میں پہلے سے بھی
بعد برہان الٰہی تعالیٰ سے حلاوت ہوتی ہے پس جب عورت کی طرف سے اصرار دیکھا تو وہاں سے بھاگے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۚ قَالَتْ

اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اُسکا کرتا پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازے پاس بولی

مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ

اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید پڑے یا دُکھ کی مار یوسف بولا

رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ

اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھامو اپنا جی اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے اُس کا کرتہ پھٹا آگے سے

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا اور اگر ہے اُس کا کرتا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی

وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ ۖ

اور وہ ہے سچا پھر جب دیکھا عزیز نے کرتا اُسکا پھٹا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ

البتہ تمہارا فریب بڑا ہے یوسف جانے دے اس ذکر کو اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ

ع ۳

اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۠

یقین ہے کہ تو ہی گنہگار تھی

جب حضرت یوسف بھاگے تو عورت ان کے پیچھے دوڑی وَاسْتَبَقَا اور دونوں نے سبقت کی۔ الْبَابَ۔ دروازہ تک لیکن دونوں کے استباق میں مقصود علیحدہ تھا حضرت یوسف تو چاہتے تھے کہ سبقت کرکے نکل جائیں اور اس فتنہ سے چھوٹیں اور عورت چاہتی تھی کہ سبقت کرکے روک لوں جانے نہ دوں۔ اور شاید کہ قولہ ہمت بہ و ہم بہا۔ میں بھی ہر ایک قصد کا مقصود علیحدہ ہو۔ اور یوسف علیہ السلام اگرچہ مرد تھے تیز بھاگے ہوں گے لیکن دروازے بند تھے تو کھولنے میں دیر ہوتی گئی اور کعب احبار رحمہ اللہ نے انھار یہود سے روایت کی کہ دروازوں میں قفل تھے بحکم الٰہی وہ قفل برابر کھلتے چلے گئے ہیں یعنی دروازے کھولنے میں دیر لگی اور کہتے ہیں کہ سات دروازے تھے آخر عورت نے باہری دروازے پر آنحضرت کی قمیص پیچھے سے پکڑ پائی اور زور کرنے میں وہ قمیص پیچھے سے پھٹی تو ٹکڑا عورت کے ہاتھ رہ گیا کما قال تعالیٰ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ۔ اور نوچ لی عورت نے قمیص یوسف کی پیچھے کی طرف سے۔ اور حضرت یوسف رہا ہو کر نکل جانا چاہتے تھے کہ ناگاہ وہاں یہ معاملہ پیش آیا جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ۔ اور دونوں نے پایا اس عورت کے سید کو یعنی شوہر کو نزدیک اس دروازے کے یعنی باہری دروازہ جسکے بعد کوئی دروازہ نہ تھا وہاں دونوں کو عورت کا شوہر ملا اور عورت اپنے شوہر کو جیسے فارسی میں خاوند یعنی خداوند کہتی ہے ویسے عربی میں سید کہتی ہے اور غلام و باندی بھی اپنے آقا کو سید کہتے ہیں مگر یہاں اول صیغہ اَلْفَيَا تو تثنیہ فرمایا یعنی دونوں نے پایا۔ اور دوسرا سیدہا نہیں بلکہ فقط سیدہا فرمایا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ علم الٰہی میں درحقیقت عزیز مصر حضرت یوسف کا سید نہ تھا اور نہ آپ اسکے مملوک تھے اگرچہ ظاہر میں لوگ بسبب نہ جاننے کے آپ کو اسکا مملوک خیال کرتے تھے اور یہی ظاہری برتاؤ کے لیے آپ نے بقولہ اِنَّهٗ رَبِّیْ کہا تھا اور کہتے ہیں کہ عورت کا شوہر قطفیر عزیز مصر وہاں اس عورت کے چچازاد بھائی یا ماموں زاد بھائی کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا تھا چنانچہ مروی ہے کہ دونوں نے دروازے کے اندر لو چالکھوچی اور دھینگا مشتی اور قمیص پھٹنے کی آواز سنی تھی۔ مگر ظاہر سیاق اور اشارہ لفظ اَلْفَيَا یہ ہو کہ وہ اسوقت اتفاق سے مل گیا پس عورت کو رنج و ملال میں فضیحت کا غم و خوف ہوا اور ڈری کہ شاید یوسف اس سے مل گئے ہیں سارا ماجرا ضرور انھوں نے کہدیا ہوگا پس چھوٹتے ہی خود پیش قدمی کر گزری اور بہتان و مکر باندھا۔ قَالَتْ۔ اور کہنے لگی اپنے شوہر سے کہ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا۔ کیا سزا ہے ایسے مرد کی جو تیرے اہل خانہ کے ساتھ بدی کا قصد کرے۔ تیری اہلیہ کہکر اسکو غیرت کا بڑا غصہ دلایا اور اپنی نسبت یہ ظاہر کیا کہ میں تیری ہی بیوی ہوں سوائے تیرے کسی سے تعلق نہیں ہو لیکن دل میں تو آنحضرت علیہ السلام کی محبت بھری تھی صاف نہ کہا کہ اسنے ایسا چاہا تھا اسکی کیا سزا ہوگی بلکہ علی العموم ایک لطیف اشارہ سے کہا اور یہ بھی ڈری کہ شاید اسکی زبان سے نہ نکل جاوے کہ وہ قتل کیا جاتا ہے یا بدی کے قصد سے وہ زبردستی کوئی حرکت واقع ہونا کہ شوہر غصہ میں قتل کرے تو خود ہی تخفیف کرکے یہ سزا بیان کی کہ اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ۔ یہی سزا ہے کہ وہ قید کیا جاوے اور شاید یہ غرض ہو کہ گھر میں اپنی ہی حفاظت میں قید کرا دوں تو بھاگنے بھی نہ پاوے۔ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ یا کوئی دکھ کی مار دیا جاوے اور شاید یہ غرض ہو کہ ایک دفعہ کچھ تکلیف اٹھا کر پھر انکار نہ کرے گا خلیفہ نے کہا کہ محبوب کا دکھ بھی عاشق نہیں چاہتا اسواسطے پہلے اسکی سزا قید بیان کی

اور چاہا کہ دو ہی طرح وایک تو بطور زجر کے قید کیا جاوے اور حبس دوام منظور نہ تھا کیونکہ جب دوام قید منظور ہوتی ہے تو جملہ فعلیہ اسطرح نہیں لاتے ہیں آیا نہیں دیکھتے کہ فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا تھا کہ لاجعلنک من المسجونین یعنی دائمی قیدیوں میں سے تجھے بھی کردونگا - القصہ عورت اسطرح کہہ بیٹھی حالانکہ آنحضرت کے دل میں اسوقت تک افشائے راز کا کچھ ارادہ نہ تھا مگر چاری سے انکو اپنی پاکی وعورت کا فریب ظاہر کرنا پڑا - قَالَ یوسف نے جوابدیا کہ ھِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ - وہی مجھے لبھاتی تھی - شرم سے بصیغہ غائب بیان کیا حالانکہ وہ اسوقت سامنے حاضر تھی یوں نہیں کہا کہ ہذہ راودتنی یا انک راودتنی - اسی نے خود ایسا چاہا یا تو نے خود ایسا چاہا تھا کیونکہ جب وہاں گواہ نہ تھا تو شاید انکی جانب شبہہ ہوتا بس حیادار کو اس سے شرم ہوتی ہے تو اس قصہ کا ذکر ہی نہیں چاہیے تھے اور جب بضرورت بیان کیا تو بھی شرم سے اس عورت کو غائبہ قرار دیکر کہا کہ میں نے کچھ نہیں چاہا بلکہ آپنے خود مجھ سے ایسی بغور کی تھی اور اس موقع پر حالت خود شاہد تھی بہ انچہ عورت سولہوں سنگار سے آراستہ اور تنہائی میں انکو لیئے ہوئے پھر دروازے پر شاہزادی کیونکر آئی اگر پکڑنے نہیں آئی اور بھلا غلام کو یہ جرأت کہاں اور بھلا اتنی ما یا اصیلوں میں غلام کو ملاقات کب ہو سکتی ہی اور بھلا ایسے شخص کو جو نہایت سہادار تشریلے مدت سے معلوم تھا فقت حدیث صحیح میں منع آیا ہو کہ جوان عورت کسی جوان آدمی کے ساتھ تنہا تنہائی میں بیٹھے اگرچہ وہ مرد اُسکا بھائی کیوں نہ ہو - یہ خوف اہل ایمان کے حق میں زیادہ ہے کیونکہ شیطان اُنہیں کی فکر میں رہتا ہے بخلاف کافروں کے کہ انکا کفر خود کافی ہے اپنے فعل کیلئے وسوسہ دلانے کی حاجت نہیں اسی لیئے اہل ایمان جب سب سے ضعیف الاعتقاد ہیں تو بہ نسبت کافروں کے انہیں بداخلاق وبداعمال زیادہ پائے جاتے ہیں کیونکہ شیطان انسے بقدر ایمان بھی سلب کرنا چاہتا ہے اور وے بسبب ضعف کے اسکا وسوسہ جلد قبول کر کے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں خصوص عورتوں کے دل میں اسکا گھر ہے - اللھم ثبتنا علی الصراط المستقیم - القصہ جب عزیز نے یہ سنا تو شہادت وتحقیق کی ضرورت ہوئی مگر حق عزوجل نے آنحضرت علیہ السلام کے لیئے نہایت قوی شاہد اپنی قدرت سے پیدا کر دیا کہ جس سے انکی پاکی وطہارت پر یقین واثق ہو گیا اور یہ واقعہ ہونے سے پہلے جسقدر پاکیزہ خیال کئے جاتے اُس سے بھی زیادہ ظاہر ہو گئے چنانچہ فرمایا - وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اور گواہی دیدی ایک گواہ نے جو اس عورت کے ناتے داروں میں سے تھا کہ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ - اگر ہوئے قمیص یوسف کی ایسی حالت پر کہ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ - نوچی گئی ہو آگے کی طرف سے تو فَصَدَقَتْ عورت نے سچ کہا وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ اور یوسف جھوٹوں میں سے ہوگا یعنی یوسف کی قمیص دیکھو اگر آگے سے پھٹی ہو تو عورت سچی ویوسف جھوٹا ہے وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ - اور اگر ہووے یوسف کی ایسی کہ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ نوچی گئی ہو پیچھے کی طرف سے فَكَذَبَتْ تو عورت جھوٹ بولی وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ - اور یوسف صادقین میں سے ہے جب دیکھا گیا تو بیشک حضرت یوسف صدیق علیہ السلام سچے تھے ف سچ ہمیشہ سچ ہوتا اور بالا رہتا ہی اگرچہ ظاہری صورت کچھ مشکل نظر آئے اور حدیث صحیح سے ثابت ہو کہ آدمی سچ بولتا ہو اور ہمیشہ اسی کا قصد رکھتا ہو یہانتک کہ اللہ تعالی کے یہاں اسکا لقب صدیق لکھا جاتا ہو اور آدمی جھوٹ بولتا ہی اور جھوٹ کا قصد رکھتا ہی یہانتک کہ اللہ تعالی کے یہاں کذاب لکھا جاتا ہی اور حدیث صحیح میں ثابت ہو کہ آدمی مال بیچنے میں بڑھانے کیلئے جھوٹی قسمیں کھاتا ہی یہ بڑا سخت گناہ ہی اور جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہ میں بڑا سخت شمار فرمایا ہے - بالجملہ زبان کی خرابی ومنفعت سے زیادہ آدمی اُسکے آفت سے بچے جیسے آلہ تناسل سے نسل ونیک اولاد کی نیت کم اور فائدہ کم ہی بلکہ اسکی آفت سے بچنے کا قصد زیادہ ہے اسیواسطے حدیث میں ثابت ہی کہ جو کوئی مجھ سے ضمانت کرے کہ اپنے جبڑوں

بیچ والی چیز اور اپنی ٹانگوں کی بیچ والی چیز کو نگاہ رکھیگا تو میں اسکے لیے جنت کا ضامن ہوں پس جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا زبان کی آفتوں میں سے تھوڑی ہیں۔ واضح ہو کہ اس گواہ کے عمر میں لوگوں نے دو مختلف اقوال نقل کیے ایک یہ کہ ڈاڑھی والا مرد تھا اور دوسرا یہ کہ گہوارہ کا لڑکا تھا۔ اور ابن عباسؓ سے عکرمہ وغیرہ نے قول اول روایت کیا اور عوفی نے قول دوم روایت کیا اور ایسا ہی حسن بصریؒ سے دونوں قول مروی ہیں اور ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ ہرنی تھی اسکو اللہ تعالیٰ نے گویا کیا اور مجاہدؒ سے یہی مروی ہے کہ وہ آدمی ہی نہ تھا یہ عجیب ہے۔ ظاہر البعض راویوں سے سہو ہوا یا سمجھ میں فرق پڑا اور شاید بات یہ ہوگی کہ پہلے عزیز مصر کے دروازے پر ملنے کے وقت جو شخص ساتھ تھا اور وہ بادشاہی مصاحبوں میں سے زلیخا کا رشتہ دار تھا اور مرد دانشمند تھا اسنے حضرت یوسف کی صداقت پر گواہی دی ہوگی اور جب اسمیں عورت نے گفتگو کی تو ایک طفل نے گواہی دی جسکا آیت میں ذکر ہے پس حضرت ابن عباسؓ و مجاہد و عکرمہ و حسنؒ و قتادہ و سدی و محمد بن اسحاق وغیرہم ایک جماعت نے پہلے گواہ کا ذکر جو بعض قصص و اخبار سے معلوم ہوا ہے بیان کیا ہوگا اسکو راوی نے شاہد کی تفسیر سمجھ لیا واللہ تعالیٰ اعلم کیونکہ خود ابن عباسؓ و حسن بصری سے و ضحاک و سعید بن جبیر سے اور ہلال بن یساف اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ گہوارہ کا بچہ تھا اور شیخ ابن کثیرؒ نے کہا کہ شیخ ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا مگر سوا اسکے یہ ہے کہ یوں کہنا چاہیے جیسے سہیلی رح نے کہا کہ یہی صحیح ہے اسلیے کہ اسمیں تو صریح ایک حدیث آئی ہے جس کو ابن جریر نے ابن عباس کی روایت سے آنحضرت صلعم سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچپن میں چار نے کلام کیا ہے ماشطہ دختر فرعون کا بیٹا اور یوسف کی سچائی کا گواہ اور بچہ جریج راہب کی پاکی والا گواہ بچہ اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ اور شارح نے لکھا کہ اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے اور جب یہ حدیث خود ابن عباس سے روایت ہوا اور صحیح ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ انھوں نے شاہد یوسف کی تفسیر میں کبھی کہا ہو کہ ڈاڑھی والا مرد تھا اور کبھی کہا ہو کہ ہرنی جانور تھی جو تکلم الٰہی بولتی تھی اور مجاہد نے کبھی ڈاڑھی والا مرد بیان کیا اور کبھی کہا کہ وہ آدمی ہی نہ تھا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے حکم و قدرت سے بچہ نے کلام کیا اور گواہی دی اسی طرح وہاں آواز غیب بھی آئی ہو کہ یوسف سچا ہے جسکو مجاہد بیان کرتے ہیں اور ہرنی بھی بولی ہو جس کو ابن عباس کہتے ہیں اور یہ راوی سے غلط ہوا کہ اسنے سب کو شاہد کی تفسیر سمجھ لیا اور شان ائمہ سلف سے صحاح احادیث میں ثقات حفاظ راویوں سے بخوبی کا اندازہ ہو چکا ہے کہ انکے کلمات علوم ہوتے ہیں اور ہرگز ایسے مختلف اقوال سے اشتباہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جسنے غور کیا ہو وہ جانتا ہے کہ اکثر تفاسیر میں بعض بے سمجھ راویوں سے غلطی ہوئی کہ سلف نے جو حالات یہود کی زبانی نقل کیے انکو بھی راوی نے تفسیر میں داخل کر دیا اور کہیں انکا مطلب کچھ ہے اور خود کچھ اور سمجھ لیا لہذا ہم کو حضرات سلف کی طرف سے یہ گمان کبھی درست نہیں ہے کہ انھوں نے شاہد کی تفسیر میں ایسے متناقض و متخالف اقوال بیان کیے ہوں گے۔ بھلا یہ تو دیکھو کہ شاہد کی تفسیر میں راوی نے کہا کہ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ جانور ہرنی تھی جسکو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی حالانکہ صریح آیت میں شاہد من اہلہا منصوص ہے یعنی وہ گواہ اس عورت کے کنبہ والوں میں سے اسکا ناتے دار تھا تو بھلا کوئی احمق یہ گمان کر سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس حبر الامۃ فقیہ مفسر جنکے علم و فضل پر اتفاق ہے انکو اتنا نہ معلوم ہوا وعلیٰ ہذا۔ مجاہد رح بھی نہ جانتے کہ وہ آدمی ہی نہ ہوگا تو عورت کا رشتہ دار کیونکر ہوگا پس صریح معلوم ہوا کہ ان بزرگوں نے اسوقت کی گواہی دینے والوں کو

سب کو بیان کیا کہ قطفیر کا ساتھی اور رشتہ دار جو بادشاہی مقرب جوان آدمی تھا اُسنے بھی گواہی دی اور غیب سے آواز آئی اور ہرنی نے بھی گواہی دی اور ایک طفل نے بھی گواہی دی جسکا ذکر قرآن مجید مین ہی کہ شہد شاہد من اہلہا اور جب ہر طرف سے حضرت یوسفؑ کی پاکی کی آوازین اُٹھنے لگین حتی کہ طفل نے گواہی دی تو قطفیر کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت علیہ السلام پاک ہین یہ تو ان روایات کا حال ہی اور شاہد کی تفسیر خود مرفوع حدیث مین مذکور ہی کہ وہ گہوارہ کا بچہ تھا اور یہی ابن عباس و حسن وغیرہم سے مروی ہی فائدہ اول یہ کہ گہوارہ مین بات کرنیوالے حدیث مذکور مین چار بیان ہین اور صحیحین مین فقط تین بیان ہین اور شاید وہ بدون گواہی دریافت کرینکے بولنے والے یا اور کسی صفت کی خصوصیت سے فقط تین بچہ بیان فرمائے تو ان مین دو تو وہی عیسیٰ ابن مریم اور جریج راہب کے تہمت کی پاکی بتلانے والے ہین اور تیسرا ایک بچہ جو اپنی ماں کا دودھ پیتا تھا اُدھر سے خوبصورت خوش لباس سوار گزرا ماں نے کہا کہ پروردگار میرا بچہ ایسا ہی کیجیو تو بچہ بولا کہ پروردگار مجھے ایسا نہ کیجیو پھر ایک مظلومہ باندی کو لوگ مارتے تھے کہ تو بدکاری کرتی ہی حالانکہ وہ بڑی پاکدامن تھی تو ماں نے کہا کہ الٰہی میرا بچہ ایسا نہ کیجیو تو بچہ بولا کہ الٰہی ایسا کیجیو یہ حدیث صحیحین مین مفصل مذکور ہے دونوں حدیثین ملکر پانچ ہو گئے اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا بچپن مین کلام کرنا مشہور ہی اور اصحاب الاخدود والی عورت کے بچہ کا بولنا خود صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہی - یہ سب اور زیادہ ہو گئے اور ثعلبی رحؒ نے حضرت یحییٰ بن زکریا کو شمار کیا اور شیخ مفسر سیوطی رحؒ نے سب گیارہ بیان کئے اور اتقان وغیرہ مین منظوم ترتیب کے لکھا ہی اور حضرت سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین والصالحین وسلم علیہم اجمعین کو اور حضرت مریم والدہ عیسیٰؑ کو اور زمانہ ہادی مبارک کے طفل کو زیادہ کیا ہی اور واضح ہو کہ جریج ایک راہب تھا بہت پارسا اور ایسے شخص کے دشمن بہت لوگ فاسق شیطان کے پیرو ہو جاتے ہین اسپر تہمت لگانے کے لئے ایک بدکارہ عورت کو آمادہ کیا جسکے کسی چرواہے سے پیٹ رہا تھا اس نے وضع حمل کے بعد لوگون مین مشہور کیا کہ یہ جریج راہب کا بچہ ہی آخر لوگ ہجوم کرکے جریج کے پاس گئے ملامت کرنے لگے اس نے انکار کیا اور بیچارہ پاکدامن تھا اور لڑکے سے پوچھا کہ اے طفل تیرا باپ کون ہے اسنے جواب دیا کہ فلان چرواہا ہے حالانکہ یہ بچہ دودھ پیتا ہوا تھا - اسی حدیث سے امام حنفیہ نے کہا ہی کہ زنا سے جو اولاد ہو اسکا رشتہ ثابت ہوتا ہے حتی کہ جب چرواہا اسکا باپ ہوا تو جائز نہ تھا کہ مثلاً چرواہے کی بیٹی سے وہ بچہ نکاح کرتا اسی طرح قیاس کرنا چاہیئے اور امام شافعی رحؒ کے نزدیک ایسی حرمت نہین ثابت ہوتی ہے اور اس قصہ مین کہتے ہین کہ یہ اُسنے باطن کی بات بیان کی کہ درحقیقت اسکا نطفہ ہے اور حرمت کے احکام ظاہری ہین تو بحکم حدیث الولد للفراش وللعاہر الحجر یعنی اولاد تو جورو سے ہوتی ہے خواہ منکوحہ ہو یا باندی ہو اور زناکار کے لئے پتھر ہین جب زناکار کا نسب نہین ہوا تو حرمت بھی نہ ہوگی مترجم کہتا ہے کہ اقوی استدلال حنفیہ ہی لہذا وہی مذہب ہے - اصحاب الاخدود مسلمانون کی ایک جماعت کو کافر بادشاہ نے آگ کی اتون مین سے آگ بھر کر خندقون کو دوزخ بنا کر اسمین جلایا تھا کہ دین سے پھر جاؤ انھون نے نہین مانا اور مرجانا قبول کیا چنانچہ تفسیر سورۂ والسماء ذات البروج مین ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز الرحیم بیان آویگا تو انھین لوگون مین ایک عورت کا بچہ لیکر آگ مین ڈالا جسکے صدمہ سے عورت تڑپنے لگی اور قریب تھا کہ دین سے پھر جاوے مگر بچہ نے آگ سے آواز دی کہ اے مادر مہربان جلدی چلی آ یہاں تو آگ نہین نہایت عمدہ باغ ہو رہا ہے یہ بچہ تھا جس نے کلام کیا - فائدہ دوم اس قصہ مین ایک بچہ کی گواہی پر حضرت یوسفؑ کی پاکی ثابت ہوئی اور فقہاء کا مذہب یہ ہی کہ گواہ جو قاضی کے نزدیک گواہی دین یا

یا نکاح مین گواہ کیے جاوین وہ عاقل بالغ آزاد آنکھون والے عادل ہون اور طفل کی گواہی قبول نہین ہی تو جواب یہ ہی کہ طفل کو لیاقت نہین کہ وہ سمجھے اور اگر سمجھا تو قوت نہین کہ محفوظ رکھے حتی کہ قبل بلوغ کے احکام روزہ نماز وغیرہ فرض نہین ہوتے ہین اگرچہ بیع وخرید وغیرہ عقود مین نابالغ عاقل ہمارے نزدیک معتبر ہی تو معلوم ہوا کہ قبل بلوغ کے قابل تحمل شہادت نہین ہوتا تو ادا کے قابل بدرجۂ اولی نہ ہوگا اور گواہی سے دوسرے پر قطعی لازم کرنا اور الزام ہوتا ہی پس ایسی صلاحیت ضرور ہی اسلیے طفل نابالغ قاضی نہین ہوسکتا ہے اور یہ امر عادت مین قطعی ہی بخلاف شاہد یوسف کے کہ وہ خرق عادت تھا یعنی بطور معجزہ کے خلاف عادت اتنا سا بچہ بولا تھا اگر کہا جاوے کہ اکیلا تھا اور یہان دو گواہ شرط ہین تو جواب یہ ہی کہ ہان شرع مین کہین دو ہین اور کہین چار شرط ہین اور یہ علی العموم عادت مین قاعدہ شرعی ہی اور شاہد یوسفؑ خلاف عادت تھا اور معجزات مین اور جو اس قبیل سے ہون یہ شرائط ضرور نہین ہین لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت جبتک ختم نہین ہوئی تھی تب تک انبیا کے معجزہ کا اعتبار تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوچکی تو اب جو کوئی معجزہ کا دعوی کرے وہ کذاب مردود شیطان ہے اور کرامت البتہ ہوسکتی ہی اور واقع ہوتی ہے لیکن اس سے شرعی حکم نہین ثابت ہوتا ہے حتی کہ اگر اب کوئی لڑکا گہوارہ مین بولے اور ایسی بات کہے جو شرع کے حکم صریح سے یا اجتہادی سے خلاف ہی تو اسکا اعتبار ہرگز نہ ہوگا جبکہ نبی کے کشف کا دین مین کچھ اعتبار نہین ہی اور اسکی کرامت برحق ہی اسیطرح ولی کے خواب سے شرعی حکم ثابت نہین ہوتا ہے اسپر اہل السنة والجماعت کا اتفاق ہی ہان پیغمبرون کے خواب البتہ وحی ہوتے تھے اور اب ممکن نہین ہی کہ کوئی شخص پیغمبر ہووے۔ اور قصہ مین حضرت یوسف کے گواہ کا اعتبار اسی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالی عزوجل نے اسکو خلاف عادت گویا کیا اور شاید کہ وہان ایسے طور پر وقوع ہوا کہ عزیز مصر وغیرہ کو قطعی یقین ہوگیا کہ حضرت یوسف سچے و پاک ہین اسکو کچھ شبہہ نہ رہا۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیۡصَهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ پس جب عزیز مصر نے دیکھا قمیص یوسف کو کہ نوچی گئی ہی پیٹھ کی طرف سے تو اسکو یقین کامل ہوگیا کہ یوسف سچے ہین اور عورت کی طرف مخاطب ہوکر۔ قَالَ بولا۔ اِنَّهٗ مِنۡ كَيۡدِكُنَّ۔ کہ یہ تہمت یوسف کو بیشک تم عورتون کی مکاری مین سے ہے۔ اِنَّ كَيۡدَكُنَّ عَظِيۡمٌ۔ تمھارا کید ومکر بہت بڑا ہے۔ کید ایسی بات کسی آدمی کے واسطے کرنا جسکو وہ مکروہ و ناگوار رکھے اس کلام مین اشارہ ہی کہ عزیز مصر نے جو کہا وہ ٹھیک ہے کیونکہ حق تعالی نے اسکو برقرار رکھا ہے۔ حدیث سے حکم نکالنے مین یہ قاعدہ ہے کہ جس فعل کو آنحضرت صلعم نے کسی آدمی کو کرتے دیکھکر منع نہین کیا برقرار رکھا تو وہ بھی سنت ہوتا ہے اسی طرح آیت مین بھی اس آیت کو مثال سمجھنا چاہیے تو گویا حق تعالی نے عورتون کے مکر کو بڑا فرمایا۔ بعضے علما رحمہم اللہ نے کہا کہ مین عورتون کے مکر سے اتنا ڈرتا ہون کہ شیطان سے اتنا نہین ڈرتا کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا۔ اِنَّ كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ كَانَ ضَعِيۡفًا شیطان کا مکر کمزور سا ہی بعضون نے اعتراض کیا کہ یہ عالم حکیم ٹھیک نہین سمجھے اسلیے کہ شیطان کا مکر بمقابلہ ارادۂ الہی کے ضعیف ہی اور عورتونکا مکر بمقابلہ مردون کے بڑا ہے۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے اسلیے کہ اللہ تعالی خالق عزوجل کے مقابلہ مین تو شیطان و اسکا مکر و تمام جہان سب کمی چیز ہی نہین ہی کمزور کیسا ہوتا ہے اور جب اللہ تعالی کے ارادہ کا اعتبار کرو تو عورتون کا مکر بالکل نابود و نیست ہی پس جو کچھ اللہ تعالی نے چاہا وہ تو ضرور واقع ہوگا اس سے ہم کو بحث نہین ہے۔ بلکہ یہان تو مخلوق کا بیان ہی تو آدمی کو چاہیے کہ عورتون کے مکر سے زیادہ احتیاط رکھے اور شیطان سے ہر وقت ہوشیار رہیگا مگر عورتون سے اس سے بھی زیادہ ہوشیار رہے

کیونکہ شیطان اگر خالی وسوسہ دلادے تو ہوشیار اسکو فوراً جان کر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لیگا اور اگر شیطان نے پہلے عورت کو آمادہ
کیا کیونکہ عورت اُسکا جال ہوتی ہو تو وہ ہتھیار لیکر آیا اب بہت زیادہ ہوشیاری چاہیئے ہو - ہاں یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بڑی
ہو مگر کمزور ہو لیکن حکیم جانتا ہو کہ عورت آدمی ہے خود مکر نہیں ہو بلکہ شیطان کیلئے آلہ ہو کیونکہ کم عقلی سے اسکا وسوسہ جلد قبول کرتی
اور آمادہ ہو جاتی ہو اسیواسطے جو مرد ایسے ہیں کہ شیطانی افعال میں بڑی مستعدی سے جلد جلد آمادہ ہوتے ہیں وہ عورتوں کے
مثل بلکہ بدتر ہیں کہ مرد ہو کر عورت سے بدتر ہو گئے نعوذ باللہ من سئ الاخلاق والضلال - القصہ اس فیصلہ کے بعد اسنے حضرت
صدیق علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر کہا - يُوسُفُ اے یوسف أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا - منہ موڑ لو اور درگذر کرو اس بات سے
یعنی تہمت کو معاف کرو اور اسکو کسی سے ذکر مت کرنا تاکہ لوگوں میں نہ پھیلے پھر عورت کی طرف خطاب کر کے کہا - وَاسْتَغْفِرِي
لِذَنْبِكِ - اور تو اپنے گناہ سے مغفرت کی التجا کر - تو نے بیجا حضرت یوسف کو تہمت لگائی - إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ -
بیشک تو ہی تھی خطا واروں میں سے - بعضوں نے کہا کہ طعنہ دیا کہ تو خطا واروں کی نسل سے ہے جو تجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی لیکن
ٹھیک یہی ہے کہ تو خطا وار آدمیوں میں سے ہو اور خاطئین جمع مذکر کہا اور خاطئات جمع مؤنث نہیں کہا کیونکہ عورتیں تو مکار ہوتی
ہیں اور واضح رہے کہ عورتوں پر مکاری کا حکم بطور جنس کے ہے یعنی جنس عورتوں کی بڑی مکار ہوتی ہو اس سے یہ لازم نہیں ہو کہ
ہر ایک عورت بڑی مکار ہو بلکہ اگر آدمی بڑا مکار ہو تو عورت کی جنس سے ہوگا - پس عورتوں میں سے مانند حضرت مریم و حضرت صدیقہ
عائشہ و حضرت فاطمہ و سارہ وغیرہ بڑی بڑی پاکدامن فقیہہ عالم گذری ہیں تو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جو عورت ہو وہ بڑی مکار
ہوتی ہو حتیٰ کہ مردوں میں سے بعضے ایسے ہوتے ہیں جو ہزار درجہ عورت سے بدتر ہوتے ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے کہتے ہیں کہ مرد
اچھا کہ عورت یعنی مرد کی جنس اچھی ہوتی ہو حالانکہ زانی چور شرابخور بدمعاش بیہودہ نکما مرد نہایت خراب ہو اور پاکدامن صالحہ نیک
سیرت مطیع دیندار عورت اس سے بہت بہتر ہے - القصہ عزیز نے عورت کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا
تو سراج میں شیخ ابوبکر الاصم سے نقل لایا کہ شوہر اس عورت کا غیرت کم رکھتا تھا کہ فقط اتنی بات پر کفایت کی - میں کہتا ہوں کہ یہ
بات کچھ نہیں ہو اسلیئے کہ درحقیقت کوئی لوث واقع نہ ہوا تھا اور ہنوز پردہ ڈھکا تھا البتہ عالم الغیب جل جلالہ کو علم تھا اسنے نازل
فرمایا تو قتل کرنے یا طلاق دینے میں پردہ فاش ہوتا اور اسکو یہ حالت ایک ایسے پیغمبر کی طرف پیدا ہوئی جسکا مثل نہیں تھا - وفی قصة
الافک قال استغفری ان المست فتابی - اور قتل البتہ اسطرح روا ہو جیسے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے
سعد بن عبادة سید الخزرج ١٢
کہا کہ یا رسول اللہ اگر میں اجنبی مرد کو اپنی کوٹھری میں دیکھوں تو تلوار سے قتل کر دوں - آپنے فرمایا الا ان سعدا الغیور یعنی خبردار ہو کہ
بیشک سعد بڑا غیرت والا ہے وانا اغیر منہ - اور میں اس سے بڑھکر غیرت والا ہوں واللہ اغیر منی اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت
والا ہو ولذلک حرم الفواحش اور اسی جہت سے اس نے فواحش کو حرام کر دیا - علماء حنفیہ نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی جورو کے ساتھ
کسی اجنبی کو دیکھے درحالیکہ دونوں راضی ہوں تو روا ہے کہ دونوں کو قتل کر دے اور اسپر کچھ قصاص نہیں ہے اور کہا
کہ اسی طرح اگر ذی رحم محرم کے ساتھ مانند ماں و بہن و پھوپھی وغیرہ سے معاملہ ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر عورت پر زبردستی کیگئی
ہو تو مرد فاجر کو قتل کر سکتا ہے اور بعض نے لکھا کہ اولیٰ یہ ہو کہ بحالت ضرورت قتل کرے اور میں کہتا ہوں کہ غیرت اسکا باعث ہے
مسئلہ اگر منڈی کے بیٹے نے اسکی ماں کے پاس آئے ہوؤں میں سے کسی کو قتل کیا اور صورت و لباس ان لوگوں کا مسلمانوں کا

ہے توکیا حکم ہوگا مترجم کہتا ہے کہ یہ لڑکا اگر اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا اگر راضی ہوا تو جب اسنے مردانی کو قتل کیا
تو اس سے قصاص لیا جاوے اور اسلام کی حکومت و ملک میں یہ فعل روا نہیں ہے اور رنڈیون کی نسبت اسلام کا حکم دیا جاوے
یا نہیں دیا جائیگا بلکہ اُن سے وہ برتاؤ ہوگا جو کافرون کے ساتھ ہو بس میرے نزدیک جو کوئی اُن کو اسلام میں داخل کرکے اُنسے
مسلمانون کا برتاؤ کرے وہ بھی انھین کے مثل ہو ایسا ہی حکم اللہ تعالیٰ و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بقواعد شرع ثابت ہے اور استدلال
کے ذکر کا یہان موقع نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم - قلت فی العرائس قولہ واستبقا الباب الآیۃ - واضح ہو کہ اول ظہور نور توحید میں آنحضرت
کو برداشت نہ ہوئی تو مقام خطر سے بھاگے اور اگر بحر توحید میں غوطہ لگاتے اور متمکن ہوکر زلیخا کو دیکھتے تو وہ پانی پانی ہو جاتی اور
شہوت انسانی کا اثر نہ رہتا اسیواسطے جب زلیخا میں اثر نہ ہوا تو ان کے بھاگنے پر وہ پیچھے دوڑی اور قمیص پھاڑ لی - آنحضرتؑ تو
ابتدا توحید میں تھے اور زلیخا اپنے عشق میں انتہا کے قریب تو اسکے عشق میں توحید مؤثر نہ ہوئی - اور قمیص پھاڑنا عشق
روحانی پر عشق انسانی کا غلبہ ہوا اور یہی پھاڑنا حضرت یوسف علیہ السلام کے صدق پر دلیل ہوگیا - بعض نے کہا کہ اگر مکان
کی طرف نہ بھاگتے بلکہ اللہ تعالیٰ کیطرف بھاگتے تو کافی ہوتا قولہ تعالیٰ والفیا سیدہا لدا الباب - زلیخا کا سید عزیز کو قرار دیا کیونکہ یوسف علیہ السلام کا سید
حضرت خلاق علیم ہے جل شانہ اور یوسف بتوحید و تجرید آزاد از عبودیت نفس تھے اور ظاہر شریعت کی راہ سے بھی ایسا ہی
تھا پھر عشق و ملامت میں ملازمت ہو چنانچہ زلیخا نے بعد جستجو تہمت کو آنحضرت کے ذمہ لگایا اور زبان دراز کرکے خالی سزا دینے کا نام لیا مگر
آخر اسی کی طرف عود ہوا - قولہ الا ان یسجن او عذاب الیم - اگر زلیخا کو عشق پورا ہوتا تو تہمت آنحضرت پر نہ لگاتی بلکہ خود گوارا کرتی - شیخ
ابن عطار رح نے فرمایا کہ ابتدا میں سچی نہ تھی اور آخر میں محبت سے مستغرق ہو کر بولی کہ الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ - مترجم کہتا ہے
کہ اکابر اولیا رح نے بحکم قولہ تعالیٰ والذین آمنوا اشد حبا للہ اور باعتبار اس قصہ و اشارات احادیث صحیحہ کے کہا کہ محبت اعلیٰ مقامات
قرب میں سے ہے ولیکن ؎ عشق آن نبود کہ در مردم بود ٭ این فساد خوردن گندم بود ٭ امام غزالی رح و ایک جماعت
نے عشق نفسانی اور عشق روحانی و عشق ایمانی میں امتیاز بیان کردیا ہے پس عشق نفسانی یعنی شہوانی میں جانور و آدمی
سب شریک ہیں اور وہ معیوب ہے اور عشق روحانی اکثر فلاسفہ افلاطون وغیرہ کے مشق میں تھا - اعلیٰ عشق ایمانی ہے ولیکن
ہر حال میں ملامت اسکے ساتھ لازم ہے پس قسم اول کی ملامت تو فواحش و عیوب ہیں جیسے فاسقون و فاجرون کی حرکات
میں مشاہدہ ہے اور یہ برعکس آثار رہتے ہیں چنانچہ قسم اعلیٰ میں ہمہ تن رضائے حق عزوجل کا اختیار بلامت ہے چنانچہ فرمایا
حق عزوجل نے - لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم - یعنی اپنے رب کی عبودیت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف
نہیں کرتے ہیں کیونکہ صدق کے علامات میں سے ہے کہ رضائے محبوب ہمہ تن پسند ہوتی ہے اور اپنی کوئی خواہش مختار نہیں ہوتی
اسیواسطے ابتدا حال میں زلیخا کا صدق نہ تھا اور آخر میں صادق ہوگیا چنانچہ اپنے آپ کو مجرم قرار دیا اور آنحضرت علیہ السلام
کو بری کیا ایسے ہی جو لوگ چند دن میں سے صادق ہیں وہ حضرت رب تبارک تعالیٰ کی رضائے اعلیٰ میں ہر قدم سرگرم ہیں
ماں باپ بیٹے دوست و آشنا سبکے سب جا دو فضیحت و ملامت سے باز نہیں آتے کسی شخص کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں
اس سے معلوم ہوا کہ محبت ایمانی میں اہل ملامت کا حال التقوی بزرگون کا نام ہے چنانچہ حضرت المباری رحمۃ اللہ سے صریح
منقول ہو کتاب لب نفحات میں ذیل تذکرہ بعض اکابر اولیا اور شیخ العباس رحمۃ اللہ نے افسوس کے ساتھ ہوتے تھے

جاہل صوفیہ پر ملامت کی ہے کہ یہ لوگ رندی و زندقہ والحاد و سرا سہاگ و بیہودگی کو جو اللہ تعالی کی طرف سے لعنت او شیطان سے
محبت ہو اسکو ملامت کہتے ہین مترجم کہتا ہو کہ شاید ان بدبختون نے سوائے عشق شہوانی کے کسی عشق سے وقوف
نہین پایا اس سبب سے اسی کے مناسب ملامت کو ملامت خیال کیا اللہم اہدہم حاصل یہ کہ عشق شہوت کی ملامت تو تمام مشہور
ہے اور ملامتیہ فرقہ گمراہ گردون کا اسی قسم کا مفسد گروہ ہے اور عشق نورانی ایمانی کی ملامت یہ کہ کمال تقوی و طہارت ہو
حتی کہ راہ حق مین اسکو کچھ خوف ملامت کا نہ ہو کہ لوگ ہمکو اس طرح کہین گے فلیحفظ المقام واللہ تعالی ہو الحکیم العلام
قولہ قال ہی راودتنی عن نفسی ۔ شیخ نے لکھا کہ کرم مقتضی سکوت تھا بنظر آنکہ فضیحت نہ ہو و توحید مین ترک تدبیر سے اقرب
ہو کیونکہ ظہور اشیا بمقادیر ازلیہ ہو لیکن تقدیس نبوت نفل حق تعالی کی عبودیت ہو لہذا گہوارہ کے بچہ نے گواہی دی
لطیف اشارہ ہو کہ عورت نے محبت کا دعوی کیا اور بلا کے وقت الگ ہوئی تو کریم بن الکریم نے اپنے قول سے ملامت
اسپر لازم کی ۔ شیخ نے کہا کہ ملامت دعوی عشق مین لازم ہو ورنہ عشق صادق نہ ہوگا ۔ اقول اسی واسطے مردان راہ حق ہر زمانہ
مین کافر و مسلم یعنی دشمن و دوست سے عجیب سوانح کے ساتھ بدگوئی و ملامت برداشت کرتے ہین ولیکن شرع مقدس
و طریقہ سنت و رضائے حق تعالی مین کمال تقوی کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہین ۔ جب حجت قاطعہ سے صدق نبوت ظاہر
ہوا تو عورت کے شوہر نے کہا کما حکاہ اللہ تعالی انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم ۔ شیخ نے کہا کہ عورتون کے مکر اور کید سے مراد
یہان اُنکا کرشمہ و ناز و عشوہ و زلفون کا لہرانا و خوش ادائی و دلربائی سے حرکات انداز اور زینت لباس و لطافت گفتگو
اور ناز سے پھول مارنا اور اسپر حسن کی ایک نقاب اُن کے چہرون پر ہو ۔ بھلا شیطان کو یہ منظر ملعون صورت کا انکے مقابلہ مین کیا
شمار ہو اسیواسطے قولہ ان کید الشیطان کان ضعیفا ۔ مکر شیطان کو کمزور اور مکر زنان کو عظیم قرار دیا ۔ حدیث مین ہو کہ ما ترکت
بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء ۔ یعنی مین نے اپنے بعد کوئی فتنہ نہین چھوڑا کہ وہ عورتون سے زیادہ بڑھکر مضر ہو مردون
کے حق مین ۔ یعنی اُمت کو آگاہ فرمایا کہ تمہارے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتین ہین اور فرمایا النساء حبائل الشیطان شیطان کے
جال یہ عورتین ہین ۔ اقول اس زمانہ مین تو ہر مومن کو یہ بدیہی نظر آتا ہے ۔ کچھ دلیل کی حاجت نہین ہو ۔ شیخ نے کہا کہ
حسن فعل الہی عز و جل یہ ہو کہ عورتون کے چہرون و طبائع پر ایک نقاب حسن ازل ہو کہ طبائع مردان اسطرف منجذب ہوتے ہین
اور یہی اصل عظیم ہو اسی وجہ سے انکے کید کو عظیم فرمایا ہے ۔ جب یہ خبر فاش ہوئی تو زلیخا کی ہمجولیون و ہمرازون نے لالچ کیا ولیکن
ظاہر مین زلیخا کو ملامت کا بہانہ کیا چنانچہ اسکو اللہ تعالی نے حکایت فرمایا بقولہ

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ ط

اور کہنے لگین کئی عورتین اُس شہر مین عزیز کی عورت خواہش کرتی ہو اپنے غلام سے اسکا جی فریفتہ ہو گیا اُس کی محبت مین

إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ

ہم تو دیکھتے ہین وہ بہکی ہے صریح پھر جب سنا اُسنے اُنکا فریب بلا بھیجا اُن کو اور طیار کی

لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ

اُنکے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے ہاتھ مین چھری اور بولی یوسف نکل انکے سامنے پھر جب دیکھا اُس کو

اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝

دہشت میں آگئیں اُسکی اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیاں حاشا للہ نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ

سو یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تم نے مجکو اُسکے واسطے اور مین نے چاہا اُس سے اُسکاجی پھر اُس نے تھام رکھا

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ

اور مقرر اگر نہ کریگا جو مین اُسکو کہتی ہون البتہ قید پڑیگا اور ہوگا بےعزت یوسف بولا اے رب مجکو قید پسند ہے اس بات سے

اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

جس طرف مجکو بلاتیاں ہیں اور اگر تو دفع نکرے مجھ سے انکا فریب تو مائل ہو جاؤن اُنکی طرف اور ہو جاؤن بے عقل

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

سو قبول کرلی اُسکی دعا اُسکے رب نے پھر دفع کیا اُس سے انکا فریب البتہ وہ ہی سننے والا خبردار

القصہ جب یہ خبر فاش ہوئی کہ عزیز کی جورو اسطرح چاہتی ہے اور حکمت الٰہیہ نے حضرت یوسفؑ کی پاکی اور طفل کی گواہی سے کرامت عام مشتہر فرمائی تو امراء و رؤسا کی عورتون مین یہ تذکرہ پھیلا وقال تعالیٰ۔ وَقَالَ نِسْوَةٌ۔ نسوۃ جماعت زنان اس کا واحد بلفظہ نہین بلکہ امراۃ آیا ہے اور تانیث غیر حقیقی ہے لہذا فعل قالت ضرور نہین روایت ہے کہ پانچ عورتین سرغنہ تھین ساقی کی جورو باورچی۔ داروغہ اصطبل کی بیوی۔ اور داروغہ جیل خانے کی بیوی اور شاہی حاجب کی عورت یعنی اور کہا عورتون کی ایک جماعت نے۔ فِي الْمَدِيْنَةِ۔ جو اس شہر مین تھین مصر مین اور بعض نے کہا کہ شہر مین تمس الیان تھین اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ۔ امراۃ رسم الخط بتا رکشیدہ بیان ہے عزیز بادشاہ کا لقب وزیر مصر اور ایسے شخص کی جورو کا قصہ سننے کی طرف توجہ زیادہ ہوگی۔ المعنی کہ عزیز مصر کی جورو۔ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ۔ مراودت کرتی ہے اپنے غلام کو اسکے نفس سے یعنی زلیخا چاہتی ہے کہ اُسکا زرخریدہ اُس سے مانوس ہو حالانکہ وہ بھاگتا ہے۔ فتی نوجوان۔ فتاۃ۔ نوخیز عورت۔ اور فتاہا وفتاک وفتای اسکا تیر اسیر الغلام یعنی وہ اپنے غلام کنعانی سے بُری حرکت چاہتی ہے۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا۔ درحالیکہ مشغوف کرلیا اُسنے اس عورت کو از راہ محبت کے یعنی شغاف قلب جو پردہ جھلی رقیق ہے وہان تک عورت کے دل پر اسکی محبت بیٹھ گئی اور یہ پردہ پھاڑ کر دل پر پہونچ گئی ضحاک از ابن عباسؓ شغف بمعنی محبہ عشق شدید اور شغف بعین مہملہ اس سے کم اور شغاف دل کی جھلی ہے۔ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ ہم سب تو اس عورت کو کھلی ہوئی گمراہی مین پڑا دیکھتے ہین اور ضلال عرب والے عشق کو بھی کہتے ہین تو شاید یہ معنی ہون کہ ہم اسکو عشق مین مدہوش سمجھتے ہین ولیکن اول ظاہر ہے بقرینہ قولہ۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ۔ پس جب سنا زلیخا نے اُن کا مکر۔ مُراد مکر سے قول ہے کیونکہ اس قول سے چاہتی تھین کہ کسی طرح یوسف کو دیکھین کیونکہ ان عورتون نے بظاہر کہا کہ فلانی عورت اپنے غلام پر ایسی بچھی دھری جاتی ہے ہم تو اسکو دیوانی سمجھتے ہین اور مطلب یہ تھا کہ ہم کو تحقیق کرو ہم دیکھ لین سفیان ثوریؒ نے کہا کہ قرآن مین جہان مکر ہے اس سے عمل مراد ہے پس معنی قولہ تعالےٰ مکراللہ یعنی فعل اللہ۔ اگر چہ فعل الٰہی ایسی طرح پر ہو کہ بدکار ظالم بندون کے فعل کے مقابلہ مین خفیہ بصورت مکر ہو۔ رازی نے کہا

کہ یا یہ ہو کہ زلیخا نے ان کو اپنے اسرار سے آگاہ کیا تھا اسکو انھون نے فاش کیا - یا - اُنھون نے خفیہ غیبت کی - مترجم کہتا ہے کہ
عورتون نے بلحاظ موقع حالیہ کے اس کلام سے کوئی مکر چاہا تھا مثلاً زلیخا کا یوسف سے ترک قطعی اور گھر سے بدر کرنا یا اُن مین
سے کسی کو دیدینا وغیرہ جسکو زلیخا سمجھ گئی بس صحیح ہوا کہ جب زلیخا نے ان عورتون کا مکر سنا تو - اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ - اُن عورتون
کو بلوا بھیجا - وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً - اور مہیا کر رکھا انکے لئے متکا - ابن عباس و سعید بن جبیر و مجاہد و حسن و سدی وغیرہم نے
فرمایا کہ متکا وہ مجلس جسمین فرش بچھے گاؤ تکیہ آراستہ ہون اور چاقو چھری سے کاٹ کر کھانے کی چیزین مہیا ہون جیسے ترنج
وغیرہ - کذا فی تفسیر الحافظ - واعتدت اے اعدت و معنی اعداد کے سامان مہیا کرنا اور سراج مین متکا کی تفسیر خالی ایسے
طعام سے ذکر فرمائی جو چاقو چھری سے کاٹا جائے اور ایسے طعام کو متکا اسوجہ سے کہتے ہین کہ اترائے ہوئے لوگ تکیہ دیکر اُسکو
کھاتے ہین اور اصل متکا وہ چیز ہے جسپر تکیہ دین جیسے گاؤ تکیہ وغیرہ اور حدیث مین تکیہ دیکر کھانے سے ممانعت فرمائی ہو کما فی الصحاح
ولیکن اصوب یہی تفسیر ہے جو سابق مین مذکور ہوئی کہ مراد متکا سے مجلس گاؤ تکیہ وغیرہ سے آراستہ ہو اور فرعونیون کے رواج
مین شاید یہ ہوگا کہ ترنج وغیرہ فواکہ کی دعوت مین ایسی تکیہ دار مجلس آراستہ کرتے ہون گے پس متکا مجلس اس امر کو متضمن ہو
کہ اسمین چھری چاقو سے کاٹ کر کھانے کی چیزین بھی مہیا ہوتی ہین اسی واسطے فرمایا - وَّاٰتَتْ اعطت - كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ
سِكِّيْنًا - اور دیدی زلیخا نے ہر ایک عورت کو اُن مین سے ایک چھری - قال الحافظ - یہ طریقہ زلیخا کی طرف سے عورتون کے
مکر کا جو دیکھنا چاہتی تھین مقابلہ ہے یعنی صریح زخم کی حجت سے زلیخا کی معذوری کا اقرار کرین چنانچہ جب یہ سامان ہو گیا
تو - وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ اور زلیخا نے حضرت یوسف کو فرمایا کہ نکل کر ان عورتون پر ظاہر ہو پہلے سے حضرت یوسف کو
فرزندانہ خیال عزیز سے بلباس شاہانہ آراستہ کر کے تنہا مقام پر چھپا رکھا تھا اب حکم دیا تو ظاہر ہوئے - فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ
سو جب ان عورتون نے آنحضرت کو دیکھا تو بڑا بزرگ شان اُلاجانا اسکو - یعنی عظمت و اجلال شان یوسف کی ان پر طاری ہوئی
اور کمال حسن و ہیبت شان اصلی نبوت ازلی کی اور لباس تاج شاہانہ ظاہری سے ان پر دہشت طاری ہوئی کہ جس سے خود فراموشی
کی نوبت پہونچی - وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ - اور لگین کاٹنے اپنے ہاتھون کو - یا کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ - شیخ حافظ نے کہا کہ اکثرون
کا قول ہو کہ ترنج سے چھری طے ہوکر ہاتھون پر پہونچی اور بیہوشی و حیرت سے اسی طرح وہ عورتین رہنے لگین حتیٰ کہ ہاتھ زخمی
ہو گئے اور مجاہد و قتادہ سے مروی ہو کہ بعضے ٹکڑے کٹ گرے اور زید بن اسلم سے روایت ہو کہ جب عورتین دعوت کھاکر فارغ ہوئین تو
زلیخا نے تنقل کے طور پر ترنج مع چھری ہر ایک کے سامنے رکھوائی اور فرمایا کہ کیا تم یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو - بولین ہان تو کہلا بھیجا کہ
یہان آؤ جب عورتون نے دیکھا تو عظمت و ہیبت طاری ہوئی اور متحیر رہ گئین پھر حکم دیا کہ جاؤ تاکہ سامنے سے آتے اور جاتے
دونون ہیئت سے دیکھ لین اور یہ عورتین اس حالت مین چھری اپنے ہاتھ پر چلانے لگین جب آنحضرت چلے آئے تو انکو درد محسوس
ہوا اور غلغلہ برپا ہوا تب زلیخا نے کہا کہ ایک نظر اس آفتاب جمال کو دیکھنے سے تمھارے حواس کی آنکھین اسقدر نابود ہو گئین
بھلا تم مجھے کیونکر ملامت کرتی ہو - فَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا - تب کہنے لگین حاش للہ یعنی پاکی ہے اللہ تعالیٰ کے لیئے
یہ تو آدمی نہین ہو - اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ - نہین ہو یہ شخص مگر ایک بزرگ فرشتہ - الغرض آیندہ زلیخا پر کبھی ملامت
نہ کرین گی کیونکہ آدمی تو ایسا کیا بلکہ اس سے مشابہ بھی کبھی نہین دیکھا گیا ہو یہ آدمی نہین ہو سکتا بلکہ کوئی فرشتہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ

نے مشتمل فرمایا ہو واضح ہو کہ حضرت یوسف کا جو حسن تھا بیان سے باہر ہے اور احادیث مین بعض روایات مین ہو کہ حسن مین سے نصف و بعض مین دو تہائی لفظ آنحضرت کو دیا گیا تھا اور باقی مین تمام مخلوق ہو اور ظاہرا صریح روایت نصف کی ہے اور ما قل دو تہائی ہو اسطرح کہ ایک تہائی حسن کا آنکی دادی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ملا تھا جیسا کہ حدیث مین آیا اور یہ میراث بھی حضرت یوسف کو ملی اور خود نصف حسن انکو ملا تو مجموعہ دو تہائی ہو گیا واللہ اعلم - بالجملہ انکا حسن سوائے دیکھنے والون کے دوسرون کے قیاس سے باہر ہو کیونکہ انکا مشاہدہ دیوانہ تھا جسپر حواس کی قوت کو دوڑیوین اور ادنی بات یہ تھی کہ جب سوار ہو کر چلتے تو چہرہ کی روشنی سے دیوارین روشن ہو جاتی تھین - اب یہان ایک وہم یہ ہوتا ہے کہ ظاہرا عورتین اسوقت توحید الٰہی اور فرشتہ کی قائل تھین حالانکہ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوم بت پرست تھی تو اسکا جواب کئی طرح پر ہو اول یہ کہ حاشا للہ کلمہ تنزیہ و تعجب ہے جسکو عرب بولتے ہین پس ان عورتون کے کمال تعجب کے کلمہ کو عرب کے ایسے کلمہ سے تعبیر فرمایا اور فرشتہ سے تشبیہ بنظر عرف معروف ہو اگرچہ بنظر ایمان انکو اعتقاد نہ ہو اور ممکن ہو کہ حضرت ابراہیم و دیگر انبیاء کی تعلیم و تلقین سے اثر عام اقوام تک پہونچا اگرچہ ان فرقون کی طرف نسبت نہ ہو یا بت پرستی ان مین بعد اسلام کے پھیلی ہو اور یہ امر صاف مشاہدہ حالیہ سے ظاہر ہوتا ہو جواب دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اقرار اور فرشتہ کا اقرار انکی طرف سے تحقیقی تھا اور انکی بت پرستی کو اس اقرار سے کچھ مخالفت نہ تھی دیکھو کفار عرب کو بھی اللہ تعالیٰ کا اقرار تھا باوجود بت پرستی کے اور ملائکہ کو بنات اللہ بطریق کفر و انکار کہنے سے فی الجملہ انکا اقرار تھا - بالجملہ کفر کی ملتین طرح طرح کی ہین اور انکا یہ اقرار واقعی ہوتا کچھ محل وہم نہین ہو اور جواب سوم درحقیقت دوسری قرأۃ کا اختیار ہے اور وہ یہ ہو کہ بشرا بای جارہ اور شرا بمعنی خرید ہے پس قولہ ما ہذا بشرا یعنی یہ شخص تو خریدا ہوا غلام نہین ہے اس کی شان غلامی کی نہین ہو - ان ہذا الا ملک کریم - ملک بکسر لام پڑھو یعنی یہ شخص تو بادشاہ بزرگ ہو خفاجی رح نے کہا کہ یہ قرأۃ براہ روایت و درایت دونون طرح صحیح ہو - اگر کہا جاوے کہ ان عورتون نے کیونکر جانا کہ فرشتہ اس صفت کا ہوتا ہو تو جواب یہ کہ محض اعتقاد جو ان کے دل مین مرتکز تھا یا خیال خوبی جو بجانب ملائکہ ہو سکتا ہے اس امر کا باعث ہوا جیسے بھوت پریت و شیطان کی نسبت نہایت قبیح صورت ہونے کا خیال راسخ ہوتا ہو پس یہان مانند کشاف معتزلی کے کوئی شخص یہ زعم نہ کرے کہ بشر سے فرشتہ کی صورت افضل ہو بلکہ اس بحث مین نہ پڑے کہ فرشتہ اچھا کہ آدمی اچھا کیونکہ دین مین یہ کوئی مسئلہ نہین ہو - اگر کہا جاوے کہ یہ فضل حضرت یوسف ع کے ساتھ مخصوص تھا تو جواب یہ ہو کہ ہان مگر یہان نظر دو طرح پر ہے اول آنکہ کسی شے کی خوبی جو درحقیقت ہو اور دوم آنکہ ظہور کسی خوبی کا دنیاوی آنکھ کی قوت پر تو جاننا چاہیے کہ نظر دنیاوی ایک صنعت قدرت کاملہ الٰہی تعالیٰ ہے اور اسپر امتحان کا اندازہ ہو چنانچہ روح کو یہ آنکھ نہین دیکھ سکتی اور عصائے موسیٰ کو آنکھ دیکھتی تھی مگر اسکی حقیقت کو کچھ نہین پہچانتی تھی حالانکہ درحقیقت وہ فرعون کیلیے اژدہا ہو جاتا تھا اور یہ حال حواس کا اہل عقل پر خوب واضح ہے پس یہ سلوک حضرت یوسف ع کے ساتھ یہ مخصوص تھا کہ ظہور نصف حسن کا ہوا اور ممکن ہو کہ در واقع کسی بندۂ خاص کو اُن سے زیادہ حسن عطا فرمایا گیا لیکن صفت ظہور اس نظر کیلیے عام نہ ہوئی ہو اور اکابر اہل الحق اسی پر ہین کہ آنحضرت سید الانبیاء والمرسلین یعنی مولانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ اجمعین مین کمالات بروجہ اتم واکمل تھے اور آپ جملہ انبیاء و مرسلین سے افضل تھے ولیکن اس فرد ناپائدار کے ظہور مین حکمت الٰہیہ جس طرح مقتضی ہوئی ظہور ہوا اسیواسطے آپکا دیدار ایک معجزہ خاص تھا جس سے حضرات

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بحکم طوبیٰ لمن رآنی الحدیث کے جو حاصل ہوتا تھا وہ کمال کبھی کسی طرح اب ممکن نہیں ہے اور جیسے
طائفات کافرہ معاندین کی صریح نفی فرمائی بقولہ تراہم ینظرون الیک وہم لایبصرون - اور سعدی علیہ الرحمہ نے خوب کہا ہے گر نہ بیند بروز
شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ؛ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وجمیع الانبیاء والمرسلین کا حسن وجمال اعلیٰ واکمل تھا اگرچہ اندھوں
کو نظر نہ آوے - فافہم واستقم - وہہنا اشارات لطیفۃ لایسعہا المقام بل لایتحملہا الکلام - القصہ ان عورتوں نے اس حسن ظاہری پر ایک
نارسا نظر سے ایسی کیفیت دیکھی اور یہ حالت طاری ہوئی کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا ہاتھ کاٹ ڈالے اور درد محسوس نہ ہوا اور بالآخر
انھوں نے خام خیالات پر اس کو آدمی نہ جانا بلکہ فرشتہ تجویز کیا اور زلیخا کا عذر معقول جانا ... قَالَتْ - زلیخا نے ان عورتوں سے
کہا کہ - فَذٰلِكُنَّ - اے فہذا - اور کن ضمائر خطاب ہوتی ہیں جنکے لیے موقع اعراب نہیں ہوتا اور اشارہ ذالک بجائے ہذا کے بغرض
تفخیم شان ہو جیسا کہ بلاغت عرب میں معلوم ہوا - پس یہی ہے - الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ - وہ شخص جسکے عشق میں تم نے مجھے ملامت کی تھی یعنی
میں ایسے حسن سے بے اختیار و بے صبر ہوں - بالجملہ یہ عذر ایسا صریح تھا کہ معذوری کا مرتبہ یقین سے بھی بڑھ گیا لہذا زلیخا نے اپنے
واقعہ کی تصریح کر دی قولہ - وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ - اور بیشک میں نے اسکو اسکی ذات کی چاہت میں
بہلایا تھا مگر اسنے عصمت و پاکدامنی اختیار کی یعنی صحیح واقعہ جسکا شہرہ ہوا یہی ہے کہ میں نے ہی اس سے مراد چاہی لیکن
اسنے بجائے لوث کے عصمت کو چاہا پس اس حسن صورت کاملہ کے ساتھ اسمیں حسن سیرت صادقہ ایسی اعلیٰ مجتمع ہے - پھر دھمکایا
اور کہا - وَلَئِنْ لَمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ - اور اگر اس نے نہ کیا وہ جو میں اسکو حکم دیتی ہوں - زبان دبائے ہوئے اشارے سے حکومت
کی بولی میں نخش بات سے پرہیز کر کے کہا کہ اگر میرا کہا نہ مانیگا تو - لَيُسْجَنَنَّ - ضرور قید کیا جائے گا - یعنی ایسی تدبیر کروں گی کہ
قید میں پڑکر ہمیشہ رہے - وَلَيَكُونًا - البتہ ہوگا - مِنَ الصَّاغِرِينَ - یا ہو جائیگا ذلیل وخوار غلاموں یا نوکروں میں سے یعنی اس
رتبہ سے گرا کر خوار کروں گی - یہی تکبر باوجود اس عشق کے زلیخا کی راہ میں خار ہو گیا حتیٰ کہ آنحضرت علیہ السلام جدا ہوئے اور وہ
خود خوار ہوکر بعد ایک مدت کے آنحضرت کی نوازش سے سرفراز ہوئی - واضح ہو کہ عبارات مفسرین صحیح ہیں کہ زلیخا نے قولہ
ولئن لم یفعل - بطریق دھمکی کے حضرت یوسف کو سنایا انکی موجودگی میں کہا لیکن اسمیں منافقہ نہیں کہ اسنے فقط
عورتوں سے بطور تہدید و تدبیر کے کہا ہو اور شاید کہ ان عورتوں سے اپنی مراد کیلئے استعانت چاہی ہو اسطرح کہ آنحضرت علیہ السلام
نے کہا تھا کہ معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای یعنی اپنی پرورش کرنیوالے عزیز مصر کی جورو سے بلحاظ مربی ہونے کے یہ کام نہ کرینگے
تو یہ عورتیں طالب ہوں پھر انکی تلویث کے بعد کام آسان ہو - چنانچہ بعض مفسرین نے قصہ روایت کیا کہ ان عورتوں میں سے
ہر ایک نے زلیخا کی حیلہ گری واشارہ سے آنحضرت علیہ السلام سے تخلیہ میں یہ خواہش ظاہر کی اور ہر طرح کی زینت و مکر ولجاجت وحیلہ
کا خاتمہ کر دیا تھا - اور کلام مابعد میں بطرف اشارہ بھی نکلتا ہے چنانچہ جب یہ صورت معاملہ نظر آئی تو - قَالَ - دعا کی حضرت یوسف
نے - رَبِّ - اے میرے پروردگار - السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ - قیدخانہ مجھے زیادہ پسند ہے یعنی وہی مجھے منظور ہے - مِمَّا يَدْعُونَنِي
إِلَيْهِ - اس کام سے جسکی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں از آنجا کہ دعا میں یہ حال حضرت علام الغیوب جل کبریاؤہ کی درگاہ میں عرض
کیا اور بعض نے کہا کہ عورتوں نے زلیخا کیلئے سفارش کی تھی اسوجہ سے عورتوں کے جمع کا صیغہ بیان کیا - وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي
كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ - اور اگر اے پروردگار تو نہ پھیر دیگا میری طرف سے ان عورتوں کے مکر کو تو میں مل جاؤں گا

ان عورتوں کی طرف سے اَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ـ اور ہوجاؤں گا جاہلوں میں سے ـ یہ آیت صریح ہے کہ خیر کو پہنچانیوالا اور بدی و برائی
کو دور کرنے والا حضرت خالق عزّ وجلّ ہے اور آدمی کافر ہو یا مومن سب کے امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں ولیکن جسکے لئے ایمان
کا حصہ نہیں ہے وہ اپنی تدبیر کا بھروسا کرتا اور جو مراد ملی اسکو نتیجہ تدبیر خیال کرتا ہے اور مومن تدبیر سے گریز نہیں کرتا ولیکن اسپر
اعتماد نہیں کرتا ہے پس جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ عورتیں یا تو مراد چاہتی ہیں یا میرے لئے قیدخانہ تو خیال ہوا
کہ اول میں دنیا کی مذمت و آخرت کا عذاب عظیم مگر کچھ لذت ـ اور دوم میں دنیا کی مدح و آخرت میں ثواب جلیل مگر کچھ کڑوا بہت
تو دوم اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیئے قیدخانہ طلب کیا ـ حالانکہ طول مدت سے گھبراکر رہائی چاہی تھی جیسا کہ آئندہ آویگا
انشاء اللہ علماء نے کہا کہ محنت امتحان پر دلیری نچاہیئے اگر قیدخانہ نہ مانگتے تو بلا قید کے خلاصی پاتے اسیواسطے حدیث صحیح میں بلا پر صبر سے
پرہیز کر کے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنے کا حکم مروی ہے اور بعض روایات میں دنیا و آخرت کی سلامتی و عافیت مانگنے پر تحریض ہے
اور آیت میں دلالت ہے کہ معصیت کیساتھ جہالت کی صفت ہوتی ہے کیونکہ حکمت سے ارتکاب قبیح نہ ہوگا لہٰذا جو کوئی معصیت و قبیح افعال
و نافرمانی خالق عزّ وجلّ کا مرتکب ہوا اگرچہ ظاہری حواس سے ہنرمند ہوش اور لوگوں میں زیرک مشہور ہے وہ کبھی عقلمند حقیقی نہیں ہے مترجم
کہتا ہے کہ عوام بلکہ خواص بلکہ علماء روقت کے نزدیک حواس کا اندازہ و عقل کا منارہ بالکل غلط و مشتبہ ہو گئے ہیں ـ اور ان دونوں میں
فرق یہ ہے کہ علم ریاضی یعنی حساب و جبر و مقابلہ و اقلیدس و علم مثلث و علم ہیئات و موسیقی و تمام کلیں مانند کپڑا بننے و سینے وغیرہ
کے و ریل و تار برقی وغیرہ جو نتیجہ ریاضی ہیں سب حواس سے متعلق ہیں اور تدبیر انتظام ملکی بھی اسی کا اثر ہے اور اسمیں دخل دماغ کے
بطن کی جزء اول کو جو محل قوت تخیلیہ ہے بہت زیادہ ہے اور یہ قوت بدن کی تروتازگی و رطوبت و خون کی زیادتی و جوش نمو خصوصاً ایام
طفولیت میں زیادہ ہوتی ہے اسی واسطے گرم ملکوں خصوصاً جوانی کے زمانہ میں جب انتشار حرارت سے اس رطوبت میں کمی آجاتی ہے
اس قوت میں وہ بات نہیں رہتی جو ابتدا میں تھی اور یہ مقام فلاسفہ یونان نے بہت مشرح ثابت کیا اور کہا کہ ریاضی کی تعلیم اسیوجہ سے
اطفال کو شروع میں دیجاتی تھی میں کہتا ہوں کہ اب بھی وہی جاری ہے اور صاف مشاہدہ ہوا کہ طفولیت میں یہ فنون بہ نسبت
جوانی کے اچھی طرح آتے ہیں پھر عقل کا مرتبہ اس سے بلند ہے اسکو کسی شکل و تصویر سے مدد کی ضرورت نہیں ہے اسیواسطے فلاسفہ یونان
نے ایام کودکی میں الٰہیات کے مسائل بالکل تعلیم نہیں دیئے بلکہ کہا کہ قوت تخیلیہ و واہمہ جبتک قوی ہے عقل کی قوت کو ترقی نہوگی
یعنی ظہور آثار صاف نہ ہوگا کیونکہ اس میں مادیات کی بالکل ضرورت نہیں ہے اور قوت مذکورہ سوائے مادیات کے مجردات سے بحث
نہیں کر سکتی مثلاً وجود امور عامہ میں سے ہے کہ افراد امکان بالمعنی الاعم کو فی الجملہ عام ہے اور جیسے معلول مقتضی علت تامہ ہے وغیر
ذالک من المسائل و رجہیں سے تم دیکھتے ہو کہ بڑا مدبر و بڑا ریاضی دان و بڑا نئی ایجادیں کرنیوالا جب اُس سے کوئی مسئلہ الٰہیات کا پوچھو تو
سخت جہالت کا جواب دیتا ہے اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ دنیاوی چیزوں میں بڑی ترقی کرنیوالے مسئلہ الٰہیات و آخرت میں بالکل
جاہل ہیں لیکن یہ افسوس ہے کہ عوام کی نظر میں یہ لوگ بڑے عقیل ہیں حالانکہ صحیح اسقدر ہے کہ بڑے قوی حواس کے لوگ ہیں ـ اب ہم
کہتے ہیں کہ ایسے فنون جاننے والا درحقیقت عقلمند نہ ہوگا وہ کبھی حکیم نہیں ہے تو اس سے معاصی و خالق عزّ وجلّ کی نافرمانی حتی کہ
حق سبحانہ تعالیٰ سے منکر ہونا بھی سرزد ہوگا اور جو شخص ان حواس سے تجاوز کر کے عقل سے نامزد ہوا وہ راہ حق میں مستقیم ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ
حدیث میں آثار قیامت میں ہے کہ دنیا اُن کیلئے آراستہ ہوگی اور یہی اُنکا عین مقصود ہوگا ـ اور حکم ملوک الاقل ہوں گے یعنی

روئے زمین کے بادشاہون کو عقل سے بہرہ نہ ہوگا بلکہ حواس مین نہایت قوی وتیز اور حاکم بادشاہ ہونگے ۔ مترجم کہتا ہے کہ جس شخص نے مثل مترجم کے بتوفیق الٰہی سبحانہ تعالیٰ مذکورہ بالا تمام فنون ریاضی ومنطقیات وفلسفہ ومسائل عقلیات بطور فلاسفہ حاصل کیئے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو قرآن مجید واحادیث پاک علوم دینی سے سرفراز فرمایا اور اپنی رحمت سے فیض الہام وہدایت خاصہ جو ان علوم مین سمجھ کا نام ہے عطا فرمایا ہے وہ شخص ضرور میرے بیانات کو صاف آئینہ کے مثل روشن دیکھیگا واللہ تعالیٰ ہو الہادی الی سواء السبیل والحمد للہ رب العلمین ۔ القصہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عاجزی سے دعا فرمائی کہ اے رب میرے تو ہی مجھکو بچا دیجیو اور مجھے میرے نفس پر مت چھوڑیو ورنہ جہالت سے مین انکے مکر مین مبتلا ہوجاؤنگا پس مجھے قیدخانہ جو چند روزہ تکلیف ہے اس لذت سے جسکا انجام دائمی عذاب ہو زیادہ محبوب ہے ۔ شیخ حافظ رح نے ذکر کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت عالی عصمت عطا فرمائی اور نہایت فضل سے انکو محفوظ فرمایا اور یہ کمال کا اعلیٰ مقام ہے کہ خود عالم جوانی مین بڑھتے ہوئے جوش شباب مین کمال خوبصورت اور انکو ایسی خوبصورت بلاتی تھی جو اسوقت ان پر سردار تھی وہ بھی عزیز مصر کی بیوی اور تمام زمانہ مین خوبصورتی مین مشہور ۔ مال بھرا ہوا ۔ جمال یہ کچھ ۔ اسپر انکی حاکمہ تھی اور تمام عورتین اسکی طرف سے سفارشی اور منت سماجت بیجا اسپر بھی اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے خوف سے نافرمانی چھوڑ کر قیدخانہ مانگا ۔ حدیث صحیحین مین ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبعۃ یظلہم اللہ فی ظلہ الحدیث یعنی سات آدمی ایسے ہین کہ اللہ تعالیٰ انکو اپنے سایہ مین رکھیگا اسدن کہ کچھ سایہ نہ ہوگا سوائے سایۂ حق عزوجل کے یعنی بروز قیامت (ایک) امام وبادشاہ عادل (دوم) نوجوان جو عبادت الٰہی مین پرورش ہوا (سوم) جو شخص مسجد سے نکلا اور اسکا دل مسجد مین لگا رہا ہو حتی کہ وہین لوٹ کر جاوے (چہارم) دو شخص جنہون نے اللہ تعالیٰ کے واسطے باہم محبت پیدا کی اسی پر دونون یکجا رہے اور اسی پر متفرق ہوئے (پنجم) وہ شخص جس نے صدقہ دیا اور اسقدر چھپا کر اسکے بائین ہاتھ کو خبر نہ ہوئی کہ اسکے دائین ہاتھ نے کیا خرچ کیا (ششم) وہ مرد جس کو منصب جمال والی عورت نے بلایا اور اُسنے کہا کہ مین اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہون (ہفتم) وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی مین یاد کیا پس اسکے آنسو جاری ہوئے ۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اعلیٰ مصداق اسی کرامت کے تھے جو ششم مین مذکور ہے صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا مولانا محمد وآلہ وصحبہ وعلی اخیہ یوسف وجمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ وسلم علیہم اجمعین جب آنحضرت نے دعا کے طور پر قید کی پسندیدگی ظاہر کی ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ تو قبول کرلیا اسکے واسطے اسکے پروردگار نے فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۔ پس پھیر دیا اُسکی طرف سے ان عورتون کا مکر یعنی عصمت پر ثابت قدم رہے اور قیدخانہ کی مشقت برداشت کرلی ۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسکو لوث سے بچایا ۔ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بیشک اسکا پروردگار خوب سنتا جانتا ہے ۔ دل کا اخلاص وحسن نیت اسپر روشن ہے اور دعا آواز سے وخفیہ ودل سے سب سنتا جانتا ہے ۔ فی العرائس قولہ وقال نسوۃ فی المدینۃ الآیۃ ۔ ملامت سے انکا مقصود دیدار حضرت یوسف علیہ السلام تھا اور فراست سے انھون نے یہ بات بتلائی کہ محبت یوسفی زلیخا کے سویداء دل تک پہنچ گئی ہے اور صورت شغاف قلب کی ایک لطیف رقیق جھلی ہے اسکے بعد عالم کثافت ہے اور اسکے بعد عالم لطافت ہے پس دل مقام نفس وہوی ووسواس ہے اور دیگر مقام عقل وروح وفرشتہ ہے پس عالم کثافت تو شہوت نفسانی کا مقام ہے اور مقام لطافت عشق روحانی کی جگہ

اور واضح ہو کہ عشق روحانی میں کوئی علت سوائے نفس شیطان کی نہیں ہوتی ہے۔ قال المترجم امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہم نے کہا کہ
فرق دونوں کا اکثر اسوجہ سے پوشیدہ ہوجاتا ہے کہ عشق نفسانی و روحانی میں طبیعت مقہور ہوتی ہے اور وہی جانب قوی ہجاتی ہے
ولیکن نشان اسکا یہ ہے کہ شہوت نفسانی میں تناسب اعضاء و رنگ و اقتضاء حاجات پر نظر ہوتی ہے اور شہوت روحانی میں روحی
صفات پر نظر ہوتی ہے مثلاً معشوق کے جسم پر نظر شہوت ہے اور اخلاق پر نظر عشق روحی ہے الی آخر ما قالوا۔ اور مترجم نے عشق ایمانی
کو بہ تبعیت بعض اکابر کے سابق میں بڑھایا اور مفصل ذکر کردیا ہے۔ فاللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ نے کہا کہ پھر جب محبت کا اثر منظر روح
تک پہونچا اور روح الروح سے مل گیا تو عالم روحانی میں پہونچا اور متمکن ہو کر ماسوائے حق عزوجل کے سب ساقط سے چھوٹ گیا اور یہی
حب اللہ جل سلطانہ ہے۔ قولہ انا لنراہا فی ضلال مبین۔ چونکہ اس مقام پر پہونچکر عالم کثافت کے غلبہ سے استغراق ہوتا ہے تو ضلال کہا گیا یعنی
محبت میں ایسے مستغرق ہے کہ کسی ملامت کا اثر اسپر نہیں ہوتا ہے اور سلامتی پر التفات نہیں کرتی ہے۔ جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ محبت کی کیا
علامت ہے فرمایا کہ قرآن مجید میں آیا کہ قد شغفہا حبا۔ اور کہا کہ جفائے حبیب کو وفا خیال کرے۔ سمنون رح نے کہا کہ شغف محبت یہ کہ
قلب اس سے اسقدر بھر جاوے کہ دوسری چیز کی جگہ باقی نہ رہے۔ شبلی رح نے اسکو انتہائے محبت بیان کیا۔ بعض نے کہا کہ اسکی حالت
کو بیان میں آنا ممکن نہ ہو۔ سری سقطی رح نے کہا کہ دوستی محبوب کے کچھ مطلوب نہو اور ملامت بے اثر ہو۔ جعفر رح نے کہا کہ شغاف مثل پر
غلیظ کے قلب پر چھپا یا کہ کوئی اور نظر نہ آیا۔ ابن عطاء رح نے کہا کہ وجد و محبت میں شوق تازیانہ ہے جعفر بن محمد رح نے کہا کہ عشق ضلال ہے
بقولہ فی ضلال مبین یعنی عشق ظاہری میں بعض نے کہا کہ غلبہ عشق میں اسکی عقل گم ہوگئی۔ قولہ فلما سمعت بمکرہن۔ زلیخا نے ان کو
بھی مبتلائے بلا کرنا چاہا۔ واعتدت لہن متکا۔ اقسام طعام و ترنج و چھری دیدیا کہ مشغول ہوں اور ناگاہ آفتاب رسالت حسن یوسفی سے
چکرا کر مسلوب ہوں۔ قالت اخرج علیہن یعنی بعد انکہ اسکو تاج و خلعت سے آراستہ کردیا تھا اور چونکہ عورت کو دیکھکر اپنا چہرہ چھپایا
تھے تو دونوں ہاتھوں پر طباق رکھدیا تھا کہ کشادہ چہرہ دیکھیں پس ناگاہ آفتاب نکل آیا کہ عورتیں بیہوش و متحیر ہو گئیں۔ قولہ فلما
رأینہ اکبرنہ۔ نور عظمت الٰہی سے ہیبت ناک ہے کہ عقل و حواس سے غافل ہوگئیں و قطعن ایدیہن۔ انکو عظمت میں تحیر ہوا بخلاف
زلیخا کے کہ اسکو چہرہ یوسفی سے دوسری طرح دیدار ہوا اسی لیے یہ عورتیں تحیر و ہیبت میں پڑ گئیں اور زلیخا عشق و محبت میں
مسلوب ہوئی ورنہ کبھی مراودت نکرتی۔ قولہ وقلن حاش للہ الخ۔ اس عظمت و شان سے فرشتہ خصلت بلکہ فرشتہ پاک از شہوات یقین
کرلیا اور چونکہ محل قدس میں نہ پہونچی تھیں تو جو انسیت سے فرشتہ کو خارج رکھا اور ہیبت سے نگاہ کی کیونکہ جمال یوسفی پر نور
چمکتا تھا و فی الحدیث مررت لیلۃ اسری بی بسماء فرأیت یوسفؑ۔ قیل فکیف رأیتہ۔ قال کالقمر لیلۃ البدر۔ یعنی شب معراج میں
آپنے یوسف کو مثل چودھویں رات کے چاند کے دیکھا۔ ابو فروہ نے کہا ہے کہ جب مصر کے کوچوں میں چلتے تو چہرہ کی روشنی سے
در و دیوار منور ہوجاتے تھے جیسے سورج پانی و آئینہ کی چمک پڑتی ہے۔ وہب رح نے کہا کہ محل کی چالیس عورتوں میں سے نو عورتیں
مر گئیں اور عارفین کو یہ مقام التباس ہے لیکن مضائقہ نہیں ہے کیونکہ بالاتفاق یہ سب یقین جانتے ہیں کہ وہ تعالیٰ جل شانہ ہر تشبیہ
و حلول وغیرہ سے پاک ہے اور یہ جو منصور یعنی حسین بن منصور سے تشبیہ کا کلمہ مروی ہے اس سے تشبیہ مراد نہیں ہے پھر واضح ہو کہ تفاوت
اثر دیدار ان عورتوں و زلیخا میں ظاہر ہے کہ عظمت و ہیبت سے از خود رفتہ ہوگئیں اسیواسطے زخم کے اثر سے الم نہ معلوم ہوا حالانکہ
زلیخا کو اگر ایک چیونٹی کاٹتی تو اسکو محسوس ہوتا۔ بعض نے کہا کہ عورتوں نے حسن پاکیزہ خالی از شہوت ملاحظہ کیا۔ جعفر رح نے کہا کہ

ہیبت نبوت نے وہ روک دیا جو ان عورتوں نے چاہا تھا۔ ابو سعید خراز نے کہا کہ مشاہدہ میں جو غائب ہوا پنے نفس سے جدا ہو اسکو معلوم نہیں ہوتا کہ اسپر کیا گزر گیا۔ ابن عطار رح نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کے دیدار میں مدہوش و متحیر ہو کر ہاتھ کاٹ لئیں۔ یہ ایک مخلوق نے دوسری مخلوق کا مشاہدہ کیا تھا تو بھلا تمکو کیا گمان ہی جبکہ مخلوق پر دیدار خالق عزوجل سے کچھ انکشاف ہو تو کیوں سمجھے انکار ہی ایسے امور کا جو انکے حالات سے تغیرات ہوتے ہیں بعض نے کہا کہ تائید الٰہی تعالی حضرت یوسف علیہ السلام کیواسطے عصمت کی محافظ تھی اسواسطے ان میں سے کسی نے اسکو بنظر شہوت نہ دیکھا یا سہل رح نے کہا کہ ان ہذا الا ملک کریم یعنی بصورت انسان اور بصفت فرشتہ ہی محمد بن علی رح نے کہا کہ یعنی یہ شخص ایسا نہیں ہے کہ مباشرت کا قصد کرے بلکہ مکرم پاکیزہ ہی کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا بعض روایات میں ہی کہ اہل مصر کو چار ماہ تک کچھ غذا نہیں ملی بلکہ جب بھوکے ہوتے تو آنحضرت علیہ السلام کا چہرہ دیکھ لیتے تو بھوک جاتی رہتی تھی جب یہ کیفیت ہوئی تو آنحضرت علیہ السلام وہاں سے گزرے۔ پھر جب عورتوں کو ہوش ہوا تو قالت فذلکن الذی لمتننی فیہ۔ اقرار لیا کہ یہاں ملامت کو گنجائش نہیں ہی اور عشق بھی کسی اندازہ سے باہر ہے۔ نصرآبادی رح نے کہا کہ عشق میں عذر غیر معقول ہی اور کامل عشق سوائے معشوق کے کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتا ہے۔ پھر چاہا کہ خود یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی بیان کرے۔ قولہ ولقد راودتہ عن نفسہ الخ یعنی وہ درحقیقت سب تہمتوں سے پاک ہی باطن میں ظاہر سے زیادہ خوبصورت ہی۔ قولہ ولئن لم یفعل ما آمرہ۔ حضرت یوسف کو دھمکایا ولیکن جو کوئی بعنایت الٰہی ممتاز و مؤید ہی اور خاص بندہ محبوب ہو اسپر شہوات شیطانی کا غلبہ کیونکر ہو سکتا ہی ولیکن زلیخا کا یہ قول صرف بباعث غلبہ محبت و عشق تھا۔ بعض اہل تحقیق نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جو کچھ تکلیف قید و مشقت کی پہنچتی تھی وہ درحقیقت زلیخا پر امتحانات ہوتے تھے جس سے غلبہ عشق میں زیادتی ہوتی جاتی تھی اور اسی کی بلاؤں میں سے کچھ ادھر ادھر کی مشقت آنحضرت علیہ السلام کو بھی پہنچ جاتی تھی یعنی زلیخا پر ایک بلا کا پورا ہونا اسی طور پر ہوتا کہ کچھ مشکل آنحضرت کو بھی لاحق ہو جیسے قید خانہ میں جانا وغیرہ۔ قال المترجم اگر یہ وہم ہو کہ اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ آنحضرت علیہ السلام پر تکلیف طاری نہ تھی حالانکہ حدیث صحیح میں ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناقب حضرت یوسف کے طور پر بتواضع فرمایا کہ اگر حضرت یوسف کی سی دراز قید مجھ پر ہوتی تو بلانیوالے کا کہنا مان لیتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قید ایک مشقت تا زمانہ دراز تھی تو جواب یہ ہی کہ شیخ مذکور کی غرض یہ نہیں ہی کہ حضرت یوسف کو کلفت نہ تھی کیونکہ قیدی سے اقرار لیا تھا کہ بادشاہ سے مجھ بیگناہ کی رہائی کے واسطے سفارش کرے بلکہ غرض یہ ہی کہ تکلیف مقصود نہ تھی چنانچہ حکیم عالم باحادیث صحیحہ واقف ہی کہ اصلی ماہیت کیساتھ آثار بقدر طاعت و معصیت ہیں اور آنحضرت علیہ السلام خود پیغمبر معصوم تھے اور اصلی ماہیت کے آثار سے مراد میری یہ ہی کہ آنحضرت علیہ السلام کا قید ہونا درحقیقت نعمت تامہ ہی گو بصورت تکلیف ہو اور فرعون کی بادشاہت درحقیقت بلا ہی اگرچہ بصورت بادشاہت ہو و علی ہذا دنیا میں جو سرفرازی و دولت ہی وہ فقط ظاہر صورت کچھ معتبر نہیں ہی بلکہ بدلائل شریعت ایک آنکھ والا پہچان سکتا ہی۔ شیخ نے کہا کہ بالجملہ یہ واردات آنحضرت علیہ السلام پر بسبب اسرار زلیخا کی شدت تھی۔ پھر جب یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ عورتیں مکاری سے مجھے زلیخا کی اطاعت و اسکی خواہش کی قبولیت پر ستیں و دھمکی اور بہکاتے میری اعانت کے معصیت خالق پر زلیخا کیلئے ملتجی ہیں تو اپنے پاک معبود حق سبحانہ تعالی کے سامنے التجا کی اور تضرع کے ساتھ دعا کی کہ قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ الی قولہ اصب الیہن یعنی اے میرے رب پاک مجھے تیری معصیت کے سامنے

یہ قیدخانہ بڑھکر پسند ہے بہ نسبت اس لذت حرام و شہوت نفس کے جو مجھکو تجھ سے محجوب کرے اور انوار روحانیہ و آثار ربانیہ پر پردہ ہو جاوے اور یہ بول چال میں محاورہ ہے ورنہ مراد یہ ہے کہ مجھے دعوت زلیخا کچھ بھی پسند نہیں ہے بلحاظ عقل و بصیرت ایمان کے۔ اور نیز قیدخانہ کی پسندیدگی اسوجہ سے بڑھی ہوئی تھی کہ تنہائی مقام انس و خلوت و مناجات و مشاہدت ہے اور مجھے اپنے نفس کی خواہش سے تیری رضامندی ہی مختار ہے اسمیں ایک لطیف اشارہ ہے کہ مجھے قیدخانہ بحق زلیخا زیادہ محبوب ہے کیونکہ اس سے اسکا عشق دوچند ہوکر جسمانی و نفسانی سے منتقل بروحانی ہو جائیگا جبکہ آتش عشق جلاکر اسکو خاک اکسیر کر دیگی کیونکہ تر و تازگی جسم کشش و جوش شہوات جسمانی ہے اور قولہ والا تصرف عنی کیدہن یعنی اگر اپنے قدیمی حکم سے جو تو نے میرے حق میں معصوم رہنے کا جاری فرمایا ہے مجھے ان عورتوں کے کرے اور بن ٹھنکر مکر و عشوہ و ناز و غمزہ سے لبھانے سے نہ بچاوے تو میں اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کر سکتا کہ وہ انکی طرف سیلان کر جاوے پھر تو میں تیری رضامندی کے عوض شہوات نفس میں گرفتار ہو جاؤں یعنی کسی کو نہیں چاہیئے کہ اپنے نفس پر بھروسہ کرے ورنہ نفس اما رہ بڑے معاصی کا خواہشمند ہوتا ہے اور دعا کرے کہ رب میرے مجھے نفس کے حوالہ مت کیجیو اور جو کوئی کہ مخالفت نفس پر قابو پاوے وہ حق عزوجل کا شکر ادا کرے کہ یہ حفظ الٰہی اسکے حق میں تقدیر ازلی تھی والحمد للہ رب العالمین۔ پس جاہل وہ کہ قرب الٰہی پر شہوت نفس کو مقدم رکھے اور نیز جاہل وہ کہ اپنے نفس سے آگاہ نہ ہو اور نیز جاہل وہ کہ نفس کے حظوظ میں گرفتار ہوکر باطنی عقوبات سے بیفکر ہو جاوے۔ شیخ واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کلام کے اسرار سے ہے کہ عورتیں مجھے حسن لذت کی طرف بلاتی ہیں اسکا مجھ سے مسلوب کر لینا بھی خواہش نفس میں باقی رہنے سے زیادہ محبوب ہے قال المترجم یہ غرض نہیں کہ نامردگی بہتر ہے کیونکہ ہیجڑے کو عفت کا ثواب کیا ہو وے جبکہ خواہش ہی نہیں ہے بلکہ مراد یہ کہ باوجود بقائے خواہش کے ان عورتوں سے کام دل حاصل کرنے سے اجتناب کرنے کو زیادہ محبوب کر دیا اور شرم و حیا یا اسکے مثل خصلت کو غلبہ دیدیا۔ فافہم۔ وقیل من العفۃ ان لا تقدر یعنی عدم قدرت بھی منجملہ عفت سے ہے پس سامان نہ دینا از جانب حق عزوجل ہے تو تعریف اسی پاک حق سبحانہ تعالیٰ کے واسطے ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یوسفؑ نے وہم کیا کہ قیدخانہ اُن کو فتنہ سے نجات دیگا حالانکہ اُسنے بڑے فتنہ میں پھنسایا جبکہ آنحضرت علیہ السلام نے قیدی سے کہا کہ تو اپنے بادشاہ سے میرا حال بیان کرنا۔ قال المترجم یعنی ساقی و باورچی بادشاہ کے قید تھے جب ساقی نے رہائی پائی تو آپنے اُس سے سفارش چاہی تاکہ بادشاہ ان کو قید سے رہائی دیدے پس بعض اکابر کا مطلب یہ ہے کہ شان نبوت کے مناسب یہ نہیں تھا کہ غیر کی طرف نظر رکھتے چنانچہ اسی وجہ سے اور چند سال قید میں پڑے رہے اور یہ قصہ عنقریب آویگا لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت علیہ السلام کی طرف سے یہ امر صرف ایک خطرہ تھا جسپر اسقدر مواخذہ ہوا حالانکہ عموماً ہم لوگ اس کروروں درجہ بڑھکر خطرات بلکہ افعال کرتے ہیں اور اندیشے بیعقل معذور فرمائے جاتے ہیں۔ اللھم اغفر لنا انک انت ارحم الراحمین۔ شیخ ابن عطاء رح نے کہا کہ آنحضرت علیہ السلام نے دعا کی کہ میں فواحش زنان مصر و لذات عیش کو ترک کرتا ہوں اور قیدخانہ اختیار کرتا ہوں چونکہ کمال توحید یہ ہے کہ خود کسی امر کو اختیار نہ کرے بلکہ ہر حال میں یہ چاہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو وہی مجھے پسند ہے جبکہ رضائے حق عزوجل حاصل ہے اسی وجہ سے کام بگڑ گیا اور اگر قیدخانہ اختیار نہ کرتے تو امید تھی کہ بغیر امتحان قید کے فواحش سے معصوم و محفوظ رہتے جیسے ابتدائے مراودت کے وقت معصوم رہے۔ شیخ جنید نے کہا کہ دعائے آنحضرت علیہ السلام فوراً قبول ہوئی

ظاہر یہ حکمت ہو کہ جنھون نے تعدی و ظلم کرنا چاہا تھا اُن کے دفعیہ مین اپنی محتاجی بجناب باری تعالیٰ بیان کر کے اپنے اوپر نشان عشق ظاہر ہونے کا خوف کیا جس سے سوائے عصمت کے کوئی پناہ نہین ہو تو قبولیت سے تائید فرمائی گئی اور مکر و تسلط شیطان دور کر دیا گیا اور امتحان مین پورے اُترے واللہ تعالیٰ اعلم۔ القصہ عورتون کی طرف سے یہ شورش ہوئی اور آنحضرت علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی چنانچہ اسکا اثر ظاہر ہوا۔ کما قال عز و جل۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝

پھر یون سوجھا لوگون کو ۔ وہ نشانیان دیکھے پر کہ قید رکھین اُسکو ایک مدت

ثُمَّ۔ پھر اس واقعہ کے بعد۔ بَدَا لَهُمْ۔ ظاہر ہوئی یہ راے ان لوگون کو یعنی عزیز مصر و اسکے صلاح کارون کو۔ مِنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ بعد ازانکہ اُنھون نے نشانیان دیکھ لین کہ لَيَسْجُنُنَّهٗ ضرور اس عبرانی کو قید رکھین حَتّٰى حِيْنٍ۔ ایک مدت تک۔ یعنی اتنی مدت تک کہ لوگ جو بدگوئی اس معاملہ مین حضرت یوسف کے حق مین کرتے ہین وہ گفتگو موقوف ہو جائے۔ سوال ہوا کہ ان لوگون نے یوسف کے حق مین نشانی بلکہ گواہی سُن لی کہ وہ پاک ہو پھر کیون قید کیا گیا تو جواب یہ دیا گیا کہ ہان لیکن زلیخا کی وجہ سے عورتین اُلٹا الزام لگاتی تھین اسلئے آنحضرت کے حق مین ظاہر مین بدگوئی ہوتی تھی۔ سراج وغیرہ مین لایا کہ زلیخا نے اپنے شوہر سے کہا کہ یہ عبرانی لوگون سے کہتا ہو کہ زلیخا نے مجھے لبھایا تھا اسلئے مین فضیحت ہوتی ہون اور نکلکر اپنی برأت بیان نہین کر سکتی تو تم یا تو مجھے نکلنے دو کہ مین اپنا عذر بیان کر دون یا اسکو قید کر دو تاکہ فضیحت نہ پھیلے تب عزیز نے اسکو قید کر دیا مصلحت دیکھا تاکہ یہ گفتگو بند ہو جائے۔ انتہی کلامہ۔ شیخ حافظ نے ذکر فرمایا کہ ظاہر یہ ہو کہ ان لوگون نے آنحضرت کو اسی بہانہ پر قید کیا تھا کہ اُسنے اپنی مربیہ کو لبھانا چاہا تھا کیونکہ آخر قصہ مین جب بادشاہ نے اپنے واسطے رہا کر کے لینا چاہا تو آنحضرت علیہ السلام نے انکار کر کے کہا کہ پہلے تحقیق کر لیا جاوے کہ مین بیگناہ قید ہوا ہون اور مین نے کچھ بھی خیانت نہین کی اور زلیخا نے آخر کہا کہ اب سچی بات صاف کھل گئی کہ مین نے ہی اسکو لبھایا تھا مترجم کہتا ہے کہ یہ تقریر بیشک قوی ہو اور بات یہ معلوم ہوتی ہو کہ دراصل لوگوا ہیون وغیرہ سے اُنکو آنحضرت کا پاک ہونا معلوم ہوتا تھا لیکن اس زمانہ مین کہانت وغیرہ کے اعتقادات سے عورت نے مشتبہ کر دیا اور لوگ مذبذب ہو گئے علاوہ اسکے یہ بعید بھی نہین سکتا کہ عورتین دیکھکر فریفتہ ہوتی جاتی ہین اور باہم عورتون مین بھی فساد و فتنہ ہوگا اور گھر گھر یوسف کا قصہ ہو گیا حتیٰ کہ بہت سی نشانیان ایسی دیکھی گئین کہ بحکم قبولیت دعا و تقدیر ازلی کے انکو یہی رائے ٹھیک معلوم ہوئی کہ چندروز کیلئے قید کر دینا چاہیئے۔ واضح ہو کہ فعل بدا کا فاعل حذف ہو کر لیسجننہ کا جملہ اسکے قائم مقام ہوا اور خود جملہ فاعل ہو جسے نہین ہو کہ جملات ایسے ہو نہین سکتے ہین پھر اس قید کی مدت مین جو روایات پانچ و سات دبارہ ہین اور امام رازی نے کہا کہ ہم اس سے بیکار بحث نہین کرتے ہم کو اتنا معلوم کہ کچھ مدت قید رہے کیونکہ اصلی غرض تو علوم روحانی و پاک کرنا نفس امارہ کا ہو وہ ہم کو سب اسیقدر بیان سے حاصل ہو جاتے ہین اور حدیث صحیح سے اتنا ثابت ہو کہ دراز مدت تک قید مین پڑے رہے حیث قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ لو لبثت طول لبث یوسف لاجبت الداعی۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ

اور داخل ہوئے بندی خانہ مین اُسکے ساتھ ایک دو جوان کہنے لگا اُنمین سے ایک مین دیکھتا ہون کہ مین نچوڑتا ہون شراب اور دوسرے نے کہا مین دیکھتا ہون کہ

أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝

کہ اٹھا رہا ہون اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہین اس مین سے بتا ہمکو اسکی تعبیر ہم دیکھتے ہین تجھکو نیکی والا

وَدَخَلَ مَعَهُ اور داخل ہوئے یوسفؑ کے ساتھ۔ السِّجْنَ ۔ قیدخانہ مین فَتَيَانِ ۔ دو جوان بھی یعنی جب یوسفؑ قیدخانہ کو گئے تو قیدخانہ مین انکے ساتھ دو جوان اور بھی قید کر دیئے گئے اُن کا جرم بعضے راویون نے بیان کیا ہے چنانچہ ذکر آویگا قتادہؒ نے کہا کہ بادشاہ کے دونون ملازم خاص تھے ایک تو شراب وغیرہ پلانے والا تھا اور دوسرا شاہی باورچی تھا۔ محمد بن اسحاقؒ نے فرمایا کہ شراب پلانیوالے کا نام نبدا اور دوسرے کا مجلث تھا۔ اور شیخ سُدّیؒ نے کہا کہ بادشاہ نے دونون کو اس الزام پر قید کر دیا تھا کہ طعام و شراب مین زہر دینے کی سازش کرتے تھے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حال قیدخانہ مین مشہور ہوگیا تھا کہ یہ بڑے جوانمرد با مروت نہایت سچے و امانت دار خوش خلق بڑے عابد زاہد ہین اور خوابون کی تعبیر خوب بتاتے ہین اور تمام قید والون کے ساتھ احسان و حسن خدمت و بقدر وسعت سلوک کرتے ہین تو جب یہ دونون قیدی داخل ہوئے اور اُن کی ملاقات سے مشرف ہوئے تو سب باتین بیان سے بڑھکر دیکھین اور آپ کی محبت مین ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہر دم آپ کی خدمت مین بیٹھتے اور کہتے کہ یا حضرت واللہ ہم تو آپ کو دل و جان سے چاہتے ہین آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے لیکن مین وہ شخص ہون کہ جس نے مجھ سے محبت کی ہے اسکی محبت سے کسی بلا مین مبتلا ہوگیا چنانچہ میری پھوپھی نے پیار کیا تو مجھے ضرر پہونچا اور میرے باپ نے تو مجھے ایذا پہونچی اور زلیخا نے تو مجھے قیدخانہ ملا۔ وہ دونون بولے کہ آپ معاف فرماوین کہ ہم تو بے اختیار ہین محبت نہین چھوڑ سکتے پھر ان دونون نے ایک رات خواب دیکھا اور صبح کو آنحضرتؑ سے بیان کیا۔ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا دونون مین سے ایک نے کہا کہ مین نے آپکو دیکھا کہ مین نچوڑتا ہون شراب یعنی بادشاہی ساقی بولا کہ مین نے خواب دیکھا کہ مین انگور نچوڑتا ہون انگور کو عربی مین عنب کہتے ہین چونکہ عنب سے خمر بنتی ہے مجازاً خمر سے عنب ارادہ کیا جیسے کہتے ہین کہ شیرہ نچوڑو اور مراد یہ ہوتی ہے کہ انگور نچوڑکر شیرہ نکالو۔ وَقَالَ الْآخَرُ ۔ اور دوسرا بولا کہ إِنِّي أَرَانِي ۔ مین اپنے آپکو دیکھتا ہون کہ أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا ۔ لادے ہون اپنے سر پر روٹی تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۔ اُس سے چڑیان کھاتی ہین یعنی پرند اس روٹی سے جو مین سر پر لادے ہون نوچ نوچ کر کھاتے ہین جب دونون اپنا اپنا خواب بیان کر چکے تو درخواست کی کہ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ اے یوسف ہم کو ہمارے خواب کی تاویل سے آگاہ فرماوے اور تاویل مآل کار یعنی اس خواب کا انجام کار کیا ہوگا اور تعبیر کے معنی عبارت و بیان مین لانا پس مآل کار کو بیان کر دینا تعبیر ہے چونکہ ان دونون کو آنحضرت علیہ السلام کے علم و تقوی پر اعتماد تھا تو اُن سے اصلی مقصود پوچھا چنانچہ خود کہا کہ۔ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۔ ہم یقین کرتے ہین تجکو کہ نیکوکارون مین سے ہے شیخ حافظؒ نے ذکر کیا کہ ابن ابی حاتم نے اپنے استاد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ اُنھون نے پڑھا۔ انی ارانی اعصر عنبا۔ اور ضحاکؒ نے کہا کہ عمان کے لوگ عنب کو خمر بولتے ہین مترجم کہتا ہے کہ شاید حضرت ضحاکؒ کی روایت سے یہ غرض ہے کہ یہ آیت اہل عمان کے لغت پر ہے تو اس صورت مین مجاز نہ ہوگا اور اہل حجاز کے محاورہ پر مجاز فصیح ہے حتی کہ اُردو فارسی مین بھی ایسا محاورہ فصیح ہے۔ پھر لکھا کہ عکرمہؒ نے بیان فرمایا کہ ساقی بولا کہ مین نے خواب مین دیکھا کہ مین نے انگور کا ایک درخت بویا وہ بڑھا اور پھلا اور خوشہ لٹکے اور مین نے انکو نچوڑکر اپنے بادشاہ کو پلایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے

تعبیر دی کہ تو قیدخانہ میں تین روز رہیگا پھر نکالا جائیگا اور بادشاہ کو شراب پلادیگا۔ تتمیم کہتا ہے یعنی آخر میں بعد تھوڑی گفتگو کے یہ تعبیر بیان کردی تھی اور محسن لغت میں احسان کرنے والا اور شاید یہی اُنکی مراد ہو کیونکہ آنحضرت علیہ السلام قیدخانہ والوں سے نیکی وصبر کی نصیحت خبرگیری وخدمت کرتے رہتے اور عبادت میں بھی مشہور تھے تو ممکن ہے کہ احسان سے اعلیٰ درجہ کا نامور عابد مراد لیا ہو اگرچہ وہ معنی جو حدیث سے ثابت ہیں کہ اسطرح بندگی میں قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور نہیں تو اسطرح کہ وہ دائماً اسکو دیکھتا ہو اس معنی کی حقیقت سے یہ قیدی واقف نہیں تھے اور تیسرے معنی محسن کے یہ بھی زبان عرب کا بول چال ہو کہ فلان محسن ذلک یعنی اس کام وصنعت میں فلان شخص نہایت اچھی لیاقت رکھتا ہے تو گویا انھوں نے اقرار کردیا کہ ہم تجھکو خوابوں کی تعبیر دینے میں بہت اچھا لائق جانتے ہیں۔ قال المترجم اس آیت سے ظاہر ہے کہ کافر کا خواب بھی ٹھیک ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں اسوقت تک کافر تھے اور صنعت الٰہیہ انسان کی اندرونی قوتوں میں عجیب شان کے ساتھ ہے کہ باطن میں یہ واقعہ جو آخر کو ظاہر ہوا ان دونوں نے پہلے دیکھ لیا اگرچہ باطن سے جاہل ہو کر کچھ جان نہیں سکتے تھے اور یہ بھی عجب ہے کہ باورچی نے اپنے قتل ہوجانے اور گدھ وچیل وکوے کی نوچ نوچ کر کھانے کی تصویر اسوقت دیکھ لی پھر دیکھو کہ صحیح حدیث میں آیا کہ خواب صالح نبوت کے چھیالیس جزوں میں سے ایک جزو ہے تو وہم ہوگا کہ ان کافروں کو کہاں سے نبوت کا جزو ملا اور جواب یہ ہے کہ حدیث کے معنی رویاء صالحہ سے متعلق ہیں اور یہاں رویاء صالحہ نہ تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُن کے خواب کا مآل کار صرف دنیاوی امور تھے اور بندہ مومن کو آخرت باقی کے خواب نظر آتے ہیں لقولہ تعالیٰ لہم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا الآیۃ۔ علاوہ اسکے کافر کے اندر ہر ایک چیز ودیعت ہے اگرچہ اُن کے قلوب خالی ہونے سے انوار آخرت نظر نہیں آتے تو اولیٰ امور میں انکی شارکت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سراج میں لایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن کے خواب کی تعبیر دینے میں کراہت کی اسلئے کہ ایک کیواسطے بری تھی لہذا پہلے ایک تمہید کے ساتھ ایمان کی دعوت شروع کی۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي

بولا نہ آنے پاویگا تمکو کھانا جو ہر روز تمکو ملتا ہے مگر بتا چکونگا تمکو اسکی تعبیر اسکے آنے سے پہلے یہ علم ہے جسکو سکھایا

رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ○

میرے رب نے میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت سے وہ منکر ہیں

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو

ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ○

یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ بھلا نہیں مانتے

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ ۔ فرمایا کہ نہیں آویگا تمھارے پاس وہ کھانا جو تم کو رزق دیا جاویگا ۔ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ ۔ مگر آنکہ میں تم کو اسکی تاویل سے خبردار کردونگا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۔ قبل اسکے کہ تمھارے پاس آوے یعنی تمہید کی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم حاصل ہے کہ جو کھانا تمھارے واسطے رزق ہے اسکے تم تک پہنچنے سے پہلے میں تم کو اسکے سب حال سے آگاہ کردونگا۔ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۔ یہ ایسی بات ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم فرمائی ہے بعض مفسرین نے کہا کہ طعام

مرزوق سے خواب کا کھانا مراد ہو تو معنی یہ ہوے کہ خواب مین اگر تم ایسا کھانا دیکھو جو تم کو آخر کسی وقت ملنے والا ہو تو مین خواب سنکر تمکو بتلا دونگا کہ ایسا ایسا کھانا تمکو ملیگا حالانکہ ہنوز وہ تم کو ملا نہوگا اور بعضے مفسرون نے کہا کہ جاگتے کا روزانہ کھانا مراد ہو یعنی جو کھانا تمکو آج یا کسی وقت ملیگا مین تم کو اسکے ملنے سے پہلے اُسکا رنگ وزن وقت ومقدار وکیفیت بتلا دونگا جیسے حضرت عیسیٰ نے کہا تھا۔ اُنبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم۔ اور چونکہ اس زمانہ مین جادو کا زور بڑھا تھا اسلیئے انکو صاف سمجھا دیا کہ یہ جادو سے نہین ہو بلکہ میرے رب نے مجھے سکھلا دیا ہو اب اس فضل کی وجہ بیان کی اور ان کو ایمان کیطرف بلایا بقولہ۔ اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ۔ مین نے چھوڑ دی ملت ایسے لوگونکی جو یقین نہین لاتے اللہ تعالیٰ پر اور وے آخرت سے بالکل منکر ہین یعنی یہ فضل الٰہی مجھپر ہوا کہ مین نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب جانا اور آخرت کو برحق مانا اور جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ سے منکر وآخرت سے کافر ہین اُنکی ملت کو کبھی نہین لیا چھوڑے رکھا اور یہ مطلب نہین ہو کہ پہلے مین اس ملت پر تھا پھر چھوڑ کر مومن ہوگیا پھر بتلایا کہ مجھے فقط ایمان ہی نہین بلکہ نبوت خاندانی ہو۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ۔ اور مین نے پیروی کی اس ملت کی جو میرے باپ دادے کی ہو یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ پردادا اور اُنکے بیٹے اسحق دادا انکے بیٹے یعقوب کی سنت پر چلا اور اگر کوئی کہے کہ وہ خود نبی تھے تو جواب دیا گیا کہ ہان لیکن شریعت عبادت وہی رہی جو صحف ابراہیم مین نازل ہوئی تھی جیسے توریت بعد یہ عیسیٰ تک رہی اور چونکہ وہی اسحق ویعقوب کی شریعت رہی اسلیئے انکا بھی ذکر کردیا اور اچھا جواب یہ ہو کہ یہان آپ ان قیدیون کو توحید پر یقین دلاتے تھے اور توحید سب پیغمبرون کی یکسان ملت ہو اسمین کچھ تغیر نہین ہوسکتا اسیواسطے آنحضرت نبینا صلوات اللہ علیہ وسلامہ کو حکم ہوا۔ فبھداھم اقتدہ یعنی انبیاء سابقین کی اقتدا کر۔ یعنی توحید مین ورنہ آپ سب سے افضل تھے اور اسی پر دلالت کرتا ہو۔ قولہ۔ مَا کَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ۔ ہم لوگون سے کبھی ٹھیک نہین ہوسکتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بناوین۔ بلکہ ہم توحید کرتے ہین کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب نرالا ہے کوئی اسکا شریک نہین ہو اور اسکے سواے سب چیز اُسی نے پیدا کردی ہو حتی کہ جو علم تاویل وتعبیر مجھے حاصل ہو اُسی کا پیدا کیا ہوا ہو۔ ذٰلِکَ۔ یہ دین توحید۔ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا اللہ تعالیٰ کے بڑے فضل مین سے جو ہم پر بھی۔ وَعَلَی النَّاسِ۔ اور قوم کے باقی لوگون پر بھی کیونکہ ہم نے اسکی توحید پہچانی اور دوسرونکو معرفت سکھلائی تو سب نے نجات پائی اور آخرت کی نعمتون سے سرفراز ہوے تو درحقیقت یہ فضل ہمپر اول وبالذات آگیا ہے اور باقی قوم پر رجوع ہے۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ۔ ولیکن قوم مین سے بہتیرے اس نعمت کا کچھ شکر نہین کرتے کہ ایمان لاوین بلکہ ناشکری وانکار کرتے ہین جب اپنی حالت پاکیزہ وتنبیہ توحید ظاہر کردیا تو اب انکو ایمان کی جانب دعوت فرمائی۔ اور اس سے ظاہر ہو کہ حسن تدبیر لوگون کو ایمان کیطرف لانے مین شان انبیاء ہو اس زمانہ کے لوگونکی طرح یہ کہنا لغو ہو کہ جسکی قسمت مین ہوگا ہو جائیگا۔ دیکھو تعبیر سے پہلے ان کو ایمان سکھلایا۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ

اے رفیقو قیدخانہ کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست کچھ نہین پوجتے ہو سواے اسکے

اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُکْمُ

مگر نام ہین کہ رکھ لیئے ہین تم نے اور تمہارے باپ دادون نے نہین اُتاری اللہ نے اُنکی کوئی سند حکومت نہین ہو کسی کی

اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

سواے اللہ کے اُسنے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اُسی کو یہی ہو راہ سیدھی پر بہت لوگ نہین جانتے

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ۔ اے دونون ساتھی قیدخانہ کے یعنی دونون میرے ساتھی جو قیدخانہ مین ہو یا بوجہ سکونت کے انکو قیدخانہ کیطرف
منسوب کردیا جیسے اصحاب الجنۃ و اصحاب النار وہ لوگ جو جنت و دوزخ مین رہین گے یا جنت و دوزخ مین باہم ساتھ ہو گئے ہین بہرحال
ان دونون قیدیون کو ایسے لفظ سے خطاب کیا جس سے انکا دل دنیا سے ہٹ جاوے اور فرمایا ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ ۔ ہمزہ اول
استفہام اور ارباب جمع رب کی بمعنی پالنے والا اور معبود کے معنی مین مستعمل ہو اور کبھی خالق و حافظ کے معنی لئے جاتے ہین جیسے رب النوع کا
لفظ یونانی کافر ایک ایسی چیز مجہول کا نام رکھتے تھے جسکو اس نوع کا خالق و قائم رکھنے والا جانتے اسیوجہ سے اسکی تصویر بنا کر قربانی
وغیرہ چڑھاتے تھے اور یہان بھی رب کا اطلاق اخیر معنی مین مناسب ہو یعنی پوچھا کہ بھلا بتاؤ کہ جدا جدا چند متفرق معبود اچھے ۔
اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ یا کہ اللہ تعالیٰ جو زبردست سب پر غالب ہو وہ اچھا ہو ۔ ارباب متفرق عمدہ کلمہ سب طرح کے باطل معبودون
کو شامل ہو حتی کہ چھوٹے بڑے پتھر چاندی سونے وغیرہ کے بتون کو بھی اور کالی دیوی و بھوانی و شیخ و آفتاب و تارے و جن وغیرہ کو بھی شامل ہو اب اگر کوئی
کہے کہ ارباب متفرقہ تو درحقیقت مخلوق و جمادات وغیرہ ہین انسے مقابلہ اللہ تعالیٰ کا کیونکر ہو سکتا ہو کہ یہ اچھے یا وہ تو جواب یہ ہو کہ سمجھانے کا طریقہ یہ
عمدہ ہو کہ جو کوئی جسکا اعتقاد رکھتا ہو اسکو اسکے اعتقاد پر جہان بھٹکا ہو وہین تنبیہ کرو چنانچہ دونون قیدی تو بت پرستی کے قائل تھے کسی بت کو چیچک پھیلانیوالا
اور کسی کو روزی دینے والا اور کسی کو کسی طرح قدرت والا سمجھتے تھے تو ان بتون کو باطل و ناکارہ کہنے سے انکا نفس شرارت پر آمادہ ہو جاتا اسیواسطے قریش کے
بتون کو برا کہنے سے صحابہؓ کو منع کر دیا تھا کہ وے جاہل اسکے مقابلہ مین اللہ عزوجل کی جناب مین گستاخی کرینگے مگر قیدیون کو آہستہ سمجھایا کہ تم سوچو کہ یہ بت ایسے ہی
لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان کا خالق ہو اور اسی مین سب ہی قدرت ہو جو وہ چاہے وہی ہو کہ وہ سب جہان سے غالب قہار ہو تو پھر متفرق ارباب مین سے
ہر ایک کی خوشامد کرنا انکو پسند ہو یا ایک زبردست سب قدرت والا اچھا ہو اب سچا و صاف انصاف والا ضرور کہدیگا کہ بیشک اس سے کیا فائدہ
کہ ہم ستر دروازہ بھٹکے پھرین اب یا وہ غور کریگا تو فوراً جان جائیگا کہ جب یہی زبردست سب پر غالب ہو تو یہ کیسے ہو گا کہ جو وہ نہ چاہے
وہ ہو جاوے یا جو وہ چاہے وہ نہ ہونے پاوے بلکہ قدرت و طاقت فقط اسی کیلئے رہی تو صاف معلوم ہو گیا کہ ہر طرح کا نفع و ضرر
وہی دیتا ہو کسی سے کئے کچھ نہین ہو سکتا پس جہالت سے منہ پھیر لیگا اب آگے اسکو صفات باری جل سلطانہ کی معرفت حاصل ہو جائیگا
تو عارف ہو جائیگا کہ کہنا و عبادت و حکم تو اسی کا ہوا باقی سب بنائی باتین رہ گئین چنانچہ فرمایا ۔ مَا تَعْبُدُوْنَ ۔ نہین پوجتے تم دونون
و تمہارے طریقہ والے سب لوگ مِنْ دُوْنِهٖ سوائے اللہ تعالیٰ کے اِلَّآ اَسْمَآءً مگر کچھ نامون کو یعنی حق عزوجل جو حقیقی سچا معبود ہو
اسکے سوائے جو تم دوسرے کو پوجتے ہو تو وہ فقط نام باد ہوائی ہین کہ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ ۔ ارباب و معبود اور دیوتا انکا نام رکھ لیا تم نے
وَاٰبَآؤُكُمْ اور تمہارے باپ دادون نے یعنی حقیقی چیز نہین ہین محض خیالی ہین مثلاً ایک پھول ہو کہ اسکے سامنے کوئی کپڑا اسکو ایسے کہ وہ
آفتاب ہو تو یہ محض بے حقیقت خیالی بات ہو اور خشک ہو جانا کپڑے کا ہوا و حرارت آفتاب سے ہو جائیگا اگرچہ یہ جاہل اپنے فرضی پھول
کی طرف سے سمجھے تو ایسے ہی باطل معبود درحقیقت معبود ہونے مین محض خیالات ہین اسیواسطے فرمایا کہ تم نے نام رکھ لیے ہین ۔ مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۔ کچھ بھی ان نامون کے ساتھ اللہ تعالیٰ حقیقی خالق نے حجت نہین نازل فرمائی یعنی عبادت تسلیم کر دلانا
جو کہ امر حکم الٰہی کا ہوتا اگر اسنے حکم دیا ہوتا کہ چند افعال انکی خدمت مین کئے جاوین ورنہ عبادت تو اسی خالق کیلئے ہو لہذا القبلہ
کی جانب نماز ادا کرنے مین طاعت الٰہی ہو حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہین دیا کہ تم ان بتون وغیرہ کی خدمت کرو ۔ اِنِ الْحُكْمُ
اِلَّا لِلّٰهِ ۔ حکم تو کسی کی شان نہین سوائے اللہ تعالیٰ کے تو اگر تمہارے نفس خیال نے کچھ حکم لگایا تو خود اپنے آپ کو کسی کا بندہ ٥

بنایا اور یہ محض خبط ہی حکم نہین ہی چونکہ حکم باسوائے حق عز وجل کے کسی سے ہو نہین سکتا۔ روایت ہی کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ امیر المومنین حضرت خلیفہ چہارم علی کرم اللہ وجہہ نے صلح بطریق تحکیم اقرار دی تو ایک گروہ بنو تمیم کا خارجی ہو گیا کہ خلیفہ برحق کیطرف سے دوسرے کی تحکیم بے معنی ہی اور قولہ تعالی ان الحکم الا للہ سے حجت تصور کی جب آنحضرت علیہ السلام نے سنا تو فرمایا کہ کلمہ حق کے معنی نہین سمجھے۔ رواہ الائمہ۔ واضح ہو کہ دنیا مین باہمی معاملات مین جو احکام جاری ہوتے ہین وہ جبتک مطابق شریعت الٰہی ہین تب تک احکام سو در حقیقت حکم الٰہی ہین اور جب مخالف ہوئے تو ہیچ ہین اسیواسطے جو قوانین کہ مخالف حکم الٰہی ہون وہ ظلم ہین ولہذا بحکم قولہ تعالی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الفاسقون۔ ان احکام پر عمل کرنا فسق اور انصاف دیکھنا اور رضامندی کفر ہی اور تفصیل تحت آیت کریمہ مذکور ہو چکی ہی۔ اور یہین سے کہا گیا کہ وکالت خلاف قوانین شرع حرام ہے اگرچہ کفر مین تامل ہی جیسا کہ وہان بیان ہو چکا مسئلہ جو وکالت کہ خلاف شرع خرید فروخت و نکاح و رہن و نالش وغیرہ مین ہو حرام ہی بدلیل نص و بدلیل آنکہ سعایت بظلم بھی ظلم ہی کیونکہ ظلم کی معاونت منع ہی۔ فی السراج وغیرہ۔ حکم یہ ہی کہ کسی امر مین بمقتضائے حکمت فیصلہ دینا۔ اقول حکمت عدل ہی جو حق عز وجل کے سوائے کوئی مخلوق نہین جان سکتی ہی جسکو حق تعالی نے بطریق وحی کے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمایا ہی اور جہان آپس مین حلت و حرمت مین اختلاف ہی جیسے شریعت توریت مین جہاد فرض تھا اور شریعت انجیل مین منسوخ ہوا یا شراب کی حلت و حرمت تو یہ حکمت بالغہ الٰہیہ کے موافق ہی لہذا بغیر منسوخ اب نہین منسوخ ہو سکتا کیونکہ علم الٰہی قدیم و ازل سے تا ابد بالکل حاوی ہی اگر کہا جاوے کہ فقہا اختلاف عصر و زمانہ سے احکام مین مغائرت کیونکر لیتے ہین تو جواب یہ ہی کہ یہ انہین مقامات مین مخصوص ہی جنہین شرع نے بندون کو مختار کیا ہی یا انکے اختیار و پسند پر مبنی ہوا ہی مثلاً شاہی زمانہ مین ریشمی کار چوبی کام زینت تھا اور اب عیب ہی تو بنائے اختیار لباس ہی جسمین شرع نے کوئی قید محصور نہین فرمائی ہی بس مرجع ان سب کا یہی ہی کہ حکم وہی معتبر ہی جو اللہ تعالی نے نازل فرمایا ہی۔ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ اس نے حکم دیدیا کہ بندگی مت کرو کسی کے سوائے اسکی۔ یہ حکم سب سے مقدم ہی اور یہی ایمان توحید ہی عبادت کے معنی تحت قولہ اتخذوا احبارہم ورہبانہم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم الآیۃ بیان ہو چکے ہین خلاصہ یہ ہی کہ کسی کا حکم لینا و خدمت کرنا اسطرح کہ جیسے اللہ تعالی کا حکم ہی یہ بھی عبادت ہی جیسا کہ اب اہل یورپ اپنے بڑے پادری سے روزے نماز دینے کا حکم حاصل کرتے ہین۔ دیکھو یہ معجزہ قرآنی تمہاری آنکھون کے سامنے موجود ہی۔ والحق کہ عبادت کسی کی نہین سوائے اللہ تعالی کے۔ ذٰلِكَ۔ یہ جو کچھ بیان ہوا کہ حکم و عبادت مخصوص بحق تعالی ہے الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہی ٹھیک دین ہی اسمین کچھ کجی نہین ہی وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ یعنی ولیکن بہت سے لوگ یعنی جو کافر ہین لَا يَعْلَمُوْنَ اسکو نہین جانتے ہین بس کج راہ کو اختیار کرتے ہین یا تو کھلم کھلا جیسے بت کو دیوتا وغیرہ مانا اور اسمین الوہیت بتلائی اور یا جہالت سے یہ سمجھا کیا کہ فلان کی درگاہ ہم کو بیٹا دیگی اور اگر نذر نیاز نہ کی تو ستا دیگی۔ یہانتک انکو ایمان و توحید سکھلائی اور اسمین بڑا فائدہ یہ تھا کہ دونون قیدیون مین سے ایک کا زمانہ آخر ہو چکا تھا اور موت آدمی کو سخت ناگوار ہوتی ہی پس اگر پہلے اسکی موت کی خبر دیتے تو بدحواسی مین پھر ایمان کا کلمہ نہ سنتا اور نہ دیکھتا پس کمال شفقت سے چاہا کہ دنیا کے قیدخانہ سے رہائی پاوے تو ایمان کی بدولت جنت پر آرام اٹھاوے ورنہ زیادہ سخت و شدید عذاب کی قید مین پڑ جاویگا معرفت مخلوق الٰہی پر شفقت کرو۔ فی الحدیث۔ زمین والون پر تم رحم کرو تم پر آسمان والا رحم فرماویگا۔ رواہ اصحاب الصحاح۔ جو کوئی فسق و فجور و گمراہی مین پڑا ہوا اسپر ترس کھاوے کہ یہ آگ مین جاویگا اگر پڑا ہی معرفت تیرے ہمراہ شیطان کی ہی کما صح فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ و فی الحدیث الدنیا سجن المومن ایمان والے کیلئے دنیا قیدخانہ ہے۔

معرفت جہالت نجاتنا اور تقویٰ العلیون کا انجام کفر ہے لہذا علم قرآن و حدیث فرض ہو جب آپ ایمان تعلیم فرما چکے تو دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر انکو اسطرح سنائی کہ کسی خاص کی تعیین نہ فرمائی تاکہ دل نہ دکھے ۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِن رَّأْسِهِ

اے رفیقو بندی خانے کے ایک جو ہی تم دونوں میں سو پلاویگا اپنے خاوند کو شراب اور دوسرا جو ہی سو سولی چڑھے گا پھر کھاوینگے جانور اسکے سر میں سے

قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي

فیصل ہوا کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے اور کہدیا اُسکو جسکو اٹکلا کہ بچے گا اُن دونوں میں میرا ذکر کریو

عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۝

ع ٥

اپنے خاوند پاس بھلا دیا اُس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہا قید میں کئی برس

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ - اے میرے دونوں قیدخانہ کے ساتھیو - دونوں کے خوابوں کی تفصیلی تعبیر یہ ہو - أَمَّا أَحَدُكُمَا تم دونوں میں سے ایک شخص تو - فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا - اپنے رب یعنی سردار کو شراب پلا دیگا - یہ وہی ساقی تھا جسنے دیکھا کہ انگور کا شیرہ نچوڑتا ہے - یہ تعبیر خوشی کے ساتھ ملی ہوئی مقدم کر دی وَأَمَّا الْآخَرُ - اور رہا دوسرا - فَيُصْلَبُ تو وہ سولی دیدیا جاے گا - فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِن رَّأْسِهِ - تو کھاوینگی چڑیاں اسکے سر میں سے یعنی گدھ و کوے وغیرہ نوچ نوچ کھاوینگے - یہ وہی بدری تھا جسنے دیکھا تھا کہ میں سر پر روٹیاں لائے ہوں اسمیں سے پرندے نوچ نوچ کھاتے ہیں اور چونکہ اسکے حق میں سولی و موت تھی اسیواسطے تعبیر کو مجمل کر دیا کہ تم میں سے ایک ایسا ہوگا - پھر حکم ازلی الٰہیہ کو محکم بیان فرمایا بقولہ قُضِيَ الْأَمْرُ - پوری ہو چکی وہ بات - الَّذِي فِيهِ کہ جسمیں - تَسْتَفْتِيَانِ تم دونوں پوچھ گچھ کرتے ہو - یعنی یہ حکم الٰہی قدیم جاری ہو چکا ہے کسی بہانہ وحیلہ سے بدل نہیں سکتا ہے - اپنے انجام کار کی فکر کرو - اسمیں تنبیہ ہو کہ ایمان پورا کرو کہ انجام اچھا ہو - فقہ خواب صحیح وسکی تعبیر درست ہو وہ تین قسم کا ہوتا ہے ایک خواب انبیاء علیہم السلام اور وہ وحی ہے حتی کہ مثل وحی کے اسکی تعمیل واجب ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا اور اسکا برتاؤ کیا - یہ کبھی جیسا دیکھا ویسا ہی بلا تعبیر ہوتا ہو جیسے یہی خواب اور کبھی تعبیر کے ساتھ جیسے خواب یوسف علیہ السلام اور آپ کے چھتیس جزو میں سے ایک جزو خواب مومن یعنی حقیقی ایمان والے کا خواب ہے ولیکن وہ وحی نہیں اور نہ اسپر عمل کرنا خلاف شرع یا جدید تشریع میں جائز ہے مثلاً کسی نے دیکھا کہ اسکو حکم دیا جاتا ہو کہ کوئی معصیت کرے یا مغرب کی وسنت کو فرض سے پہلے پڑھے یا ایک مجلس قوالی وغیرہ کی جمع کرے تو ایسے امور میں کچھ اعتبار نہیں ہو کیونکہ وہ درجہ نبوت تک نہیں پہنچ سکتا تاکہ حکم شرع اسپر نازل ہوے چنانچہ مصرح یہ حکم کتب اصول میں مذکور ہو پھر مومن کا خواب دو طرح کا ہوتا ہو ایک وہ جو امور آخرت سے متعلق ہو اور یہی ایک جزو خواب نبوت ہو اور دوسرا وہ جو امور دنیاویہ سے متعلق ہے وہ قسم دوم ہو اس قسم میں مومن و کافر شریک رہتے ہیں حتی کہ صاحبان یوسف نے اپنا اپنا حال دیکھ لیا تھا - قسم سوم جو درحقیقت خواب نہیں بلکہ شیطانی احلام ہیں اور اسی قسم سے وہ خواب ہے جو حدیث صحیح مسلم میں ہو کہ آپ نے بیان کیا کہ گویا اسکا سر جدا ہو کر گرا اور بھاگا اور یہ اسکے پیچھے دوڑا - ایسے احلام کی نسبت حدیث میں حکم ہے کہ جس کروٹ ہو تو تین مرتبہ تھتکارد اور اعوذ باللہ پڑھکر کروٹ بدل لے اور کسی سے ذکر نہ کرے اسکو کچھ ضرر نہ پہنچیگا اور حدیث میں منع ہو کہ جاہل یا دشمن

یا دشمن یا پریشانی سے خواب بیان کرے ۔ معرفت احکام الٰہی جو واقع ہوتے ہیں سب ازلی ہیں حتی کہ جو کچھ کل کے روز واقع ہوگا سب حکم الٰہی ازلی ہے کہ پہلے لکھا ہوا موجود ہے ۔ واضح ہو کہ علم الٰہی میں ازل سے ابد تک سب حاضر ہے تو جو کچھ مقدر ہے وہ واقع ہوگا و لیکن بندہ کو نہ چاہیئے کہ طریقہ عبودیت سے سرتابی کرے اور کہے جو ہونا ہوگا وہ ہوگا ۔ بہر کیف پر بیٹھا رہیگا کیونکہ وہ کیونکر جانتا ہے کہ کیا ہوگا اور کہاں سے ملیگا کہ بیٹھا رہنا چاہیئے اور کچھ کوشش نہ کرنا چاہیئے حتی کہ نماز اور روزہ سب ترک کرے کیا کہ جنتی و دوزخی مقدر ہیں پس نماز حکم شرعی یا تلنا ۔ چونکہ پیغمبر برحق سے تعبیر جاری تھی وہ حقیقی جواب تھا ۔ واضح ہو کہ شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا کہ قال الثوری عن عمارة بن القعقاع عن عبد اللہ (یعنی ابن مسعود) قال لما قالا ما قالا واخبرهما قالا ما رأينا شيئا فقال قضي الامر الذي فيه تستفتيان ۔ ورواه محمد بن فضیل عن عمارة عن ابراہیم عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود ۔ یعنی سفیان ثوری رحمہ اللہ نے روایت کی عمارہ بن قعقاع سے انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ جب دونوں قیدیوں نے اپنا اپنا استفسار بیان کیا اور حضرت یوسف نے دونوں کو خبر دی تو دونوں کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا ہے تو یوسف نے کہا کہ جسمیں تم حکم پوچھتے ہو وہ حکم جاری ہو چکا ۔ اسی قول کو محمد بن فضیل نے عمارہ سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا پھر شیخ ابن کثیر نے لکھا کہ مجاہد و عبد الرحمن بن زید بن اسلم وغیرہم نے بھی اسکی یوں ہی تفسیر کی ہے اور اسکا حاصل یہ ہو کہ جس نے کوئی جھوٹا خواب بیان کیا اور اسکی تعبیر دیدی تو تعبیر سے لازم ہو جاتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم ۔ اور لکھا کہ امام احمد نے اسناد کے ساتھ معاویہ بن حیدہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا ۔ الرؤیا علی رجل طائر ما لم تعبر فاذا عبرت وقعت یعنی خواب آدمی پر طائر ہے جبتک تعبیر نہ دیا جائے پھر جب تعبیر دیا گیا تو واقع ہو جاتا ہو ۔ مترجم کہتا ہو کہ شیخ نے اس روایت پر کچھ کلام نہیں کیا حالانکہ اسمیں چند وجوہ سے کلام ہو اول یہ کہ نص میں بصورت خواب مذکور ہو اگرچہ احتمال نکلے کذب مقولہ کا ہو دوم یہ کہ تاویل کا وعدہ آنحضرت علیہ السلام نے دیا اور یہ خواب کو اس عبارت سے بیان کر دینا ہوتا ہے جو مسئول ہے ہی پھر اگر خواب ہی نہ تھا تو ایک خبر غیب بطریق وحی ہوگی نہ خواب کی تعبیر سوم آنکہ آنحضرت نے اسپر امتنان الٰہی ظاہر کیا کہ ذلکما مما علمنی ربی یعنی تعبیر خواب جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے تو جب خواب ہی نہ تھا تو ان دونوں کو زیادہ بد اعتقادی ہوگی جیسے تندرست آدمی کسی حکیم سے نبض شناسی کا تجربہ کرے اور وہ بخار کا نسخہ لکھدے ۔ چہارم جب بادشاہ نے خواب دیکھا تو ساقی کو تعبیر خواب کا اعتقاد حضرت یوسف کی جانب سے ہو چکا تھا اگرچہ صلاحیت و پرہیزگاری کا اعتقاد اور دیگر امور کا ہونا مثلاً دنیا میں بہت پرہیزگار و صالح ہیں لیکن تعبیر خواب میں مشہور نہیں ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یوسف کو یہ صفت بطریق خصوصیت عطا ہوئی تھی پنجم جبکہ آنحضرت علیہ السلام نے انسے کہا کہ تمہارا رزق آنے سے پہلے میں اسکو بیان کردونگا تو اصلی یہ تھا کہ پہلے انکا یہ دروغ بیان فرماتے اور پھر کہدیتے کہ لیکن واقع یوں ہوگا الا آنکہ [illegible] کو اللہ تعالیٰ عفو فرمائے جزم و یقین ہے کہ ایسی روایات سہو و باطل ہیں انکا ذکر کرنا روا نہیں [illegible] ہو کہ دونوں قیدیوں نے حقیقت میں خواب دیکھا تھا اور چونکہ خواب کی تعبیر سے آپنے ایک کے حق میں موت دیکھی تو تعبیر دینے سے پہلا اپنی نبوت اسپر ظاہر کرکے ایمان کیطرف بلایا پھر جو ہونا تھا اسکو بیان کر دیا اور تاکید کر دی کہ اسمیں تکرار کی گنجایش نہیں ہے یہی حکم سابق ہو چکا [illegible] جو شیخ رحمہ اللہ نے اسکا حاصل نکالا کہ دروغ خواب تعبیر سے واقع ہو جاتا ہے یہ ایسی بات ہو کہ اسکے لئے قطعی دلیل چاہیئے [illegible] التفات نہیں ہے جس سے ہم ہزاروں شکوک میں مبتلا ہوں ہاں البتہ جھوٹا خواب بیان کرنا احکام احادیث [illegible]

پیدا ہوجائے حالانکہ اس معنی پر اس وجہ سے بھی موافق نہیں کہ دوسرا بھی جھوٹا ہوتا حالانکہ اسنے نجات پائی۔ اور یہ وجہ شیخ نے امام
احمد کی روایت معاویہ بن حیدہ قشیری سے تقویت دی تو وہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ وہ رویا سے متعلق ہے اور بیان تو وہی ہے کہ
رویا کا جب وہی تھا پھر کیا پیش ظاہر ہوگی اور کسی کی تعبیر واقع ہو جائیگی۔ پس صحیح یہی ہے کہ ان دونوں نے خواب دیکھا تھا جس کی
آپ نے تعبیر دی۔ شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مسند ابو یعلیٰ موصلی سے حضرت انس رضی کی مرفوع روایت ذکر کی الرویا لاول عابر۔
یعنی خواب کی تعبیر وہی ہوتی ہے جو سب سے پہلے تعبیر دینے والا تعبیر دیوے یعنی دوسرے تعبیر دینے والے کا کچھ اعتبار نہیں ہے تعبیر وہی
ہوئی جو اول نے دیدی۔ آدمی کو چاہئے کہ جھوٹ نہ بولے کہ میں نے ایسا خواب دیکھا۔ اگر دیکھے تو کوئی مرد صالح متقی عقیل تلاش
کرے کہ اس سے تعلیم بیان کرے اور تعبیر پر جلدی نہ کرے۔ الغرض حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں کی تعبیر دیدی اور
فرمایا کہ یہ نجومیوں و کاہنوں کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے اور آگاہ کر دیا کہ یونہی واقع ہونے کا وقت مقرر ہو چکا ہے
فقط عام لوگوں سے برتاؤ رکھنا نیکی کے ساتھ بڑا ثواب ہے لیکن انکے حقوق کا خیال رکھنا اور اپنے آپ کو بچانا اور ظاہر
و باطن اپنے دل کو خطرے سے محفوظ رکھنا ضرور ہے چنانچہ آگے کا حال بیان ہے۔ وقال۔ اور کہا یوسف نے للذی ظن دونوں قیدیوں میں سے
فقط اس شخص سے کہ ظن جس کے حق میں ظن یعنی یقین کیا تھا کہ انہ ناج منہما۔ ان دونوں میں سے رہائی پاویگا یعنی ساقی
سے کہا کہ۔ اذکرنی عند ربک۔ میرا ذکر کرنا اپنے رب یعنی بادشاہ کے پاس۔ ظاہر اسے غرض تھی کہ جب موقع و قریب ہو تو بادشاہ سے
بیان کرنا کہ ایک مرد صالح ناحق قید ہے تاکہ اسی ذریعہ سے میری رہائی ہو جاوے خصوص جبکہ ساقی کا اعتبار بڑھ گیا تھا اس سبب
سے کہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ارکان سلطنت و شاہی خاندان والے اس بادشاہ سے ناراض ہوئے اور باورچی و ساقی سے سازش
کی کہ کھانے و پانی و شراب میں زہر دیدو چنانچہ دونوں نے اقرار کر لیا و لیکن حقیقت میں ساقی نے انکار ہی سے توبہ کی اور فوراً حاضر ہوا
اور عرض کیا کہ اسے بادشاہ یہ کھانا آپ نہ کھاویں اسمیں زہر ہوگا تو باورچی نے کہا کہ اس شراب میں بھی ہوگا آپ نہ پئیں۔ بادشاہ
نے حکم دیا کہ تم دونوں کھاؤ پیو۔ چونکہ شراب صاف تھی ساقی نے فوراً پی لی۔ اور کچھ نہ ہوا مگر باورچی نے کھانے سے انکار کیا تو وہ
کھانا ایک کتے کو دیا گیا جو کھاتے ہی مر گیا۔ چونکہ سازش میں شرکت دونوں کی ظاہر ہوئی تھی بادشاہ نے دونوں کو قید کیا
پھر تین روز یا زیادہ کے بعد ساقی کو اعزاز کے ساتھ اپنے کام پر بحال کیا اور باورچی کو سولی دیدی اور یہی واقعہ حضرت یوسف
نے اول سے بیان کر دیا تھا پس حضرت یوسف نے چاہا کہ ساقی کے ذریعہ بادشاہ کے حکم سے مجھے رہائی ملجائے حالانکہ قید کی
خود درخواست کی تھی ولیکن قید و مشقت سخت ہوتی ہے خصوص جبکہ پانچ برس گذر گئے تھے اسیواسطے حضرت سید المرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ واضح فرمایا کہ لو لبثت فی السجن طول ما لبث یوسف لاجبت الداعی یعنی یوسف علیہ السلام رسول تھے کہ صابر و ثابت قدم تھے
اور اسیواسطے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے کہ آدمی کبھی شیطان و دشمن پر دلیری نہ کرے اور ہمیشہ سلامت و عافیت چاہے ہم لوگ
اپنے نفوس کے مکائد یاد رکھیں کہ انسان ذرا سے پیش و ممانعت پر گھبراتا ہوا بے صبری کرکے اول سے زیادہ بدتر حالت پر ہو جاتا ہے اور
فرشتہ صفت پیغمبر صادق حضرت یوسف صدیق علیہ السلام سے عبرت و نصیحت حاصل کریں کہ کہاں ہم لوگ غرض رہنے اور کہاں وہ جوہر
نفیس مکرم آخر جو چیز خود مانگی تھی یعنی قید خانہ اس سے گھبرا گئے اور ایک ساقی سے وسیلہ رہائی چاہا حالانکہ امور مقدر ہیں اور قید کی دعا
کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا تھا اسکے سوائے دوسرے پر نظر کرنا دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے نظر ہو اور چونکہ اسکے

دنیا میں ظاہر اسباب کی پابندی کا قاعدہ جاری فرمایا ہو تو ظاہری اعضا کو ان اسباب میں مشغول کر دے تو حقیقت میں بغیر کی طرف نظر نہ ہوگی
اور یہ جائز ہے حتی کہ فوج و لشکر و سامان و ہتھیار مہیا کرے اور فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے دوم یہ کہ دل کی نظر جھک جاتی ہے اور جسوقت ظاہری اعضا
کو اسباب میں لگاتا ہے اسوقت ساتھ ہی دل کی نظر بجانب خالق عزوجل ہو اگرچہ دل کی نظر ان اسباب پر بھی ہو تو یہ بات کمال صدق و ایقان کے مرتبہ میں یہ
ایک جھک ہے اور ادنیٰ درجہ والوں کیلئے کرم الٰہی عفو فرماتا ہے اور ایک تیسری صورت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن نظر ان اسباب پر ہو اور یہ قسم کفر سے ملی ہوئی ہے
حتی کہ اگر دل کی نظر اس اعتقاد پر ہو کہ یہی سبب یا اسکے مثل کوئی سبب مؤثر ہوگا تو صریح کفر ہو ورنہ شدید غفلت گناہ ہے۔ اللّٰھم غفرانک۔ پس شاید کہ حضرت
صدیق علیہ السلام کی نظر اسوقت جھکی ہو اور میرے نزدیک یہ بھی بعید ہے اور شاید کہ نظر ہو۔ لیکن خلاف درخواست تھی کہ جو اللہ تعالیٰ سے عرض بھی
اسوقت درخواست رہائی اس سبب کی طرف جھکائی اور یہی بات جناب کبریا جل شانہ میں ناگوار آئی۔ فَأَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ
پس بھلا دیا اس قیدی ساقی کو شیطان نے ذکر کرنا یوسف کا اپنے مالک کے پاس یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی درخواست اس طریقہ
سے ناپسند فرمائی اور شیطان کو قابو دیدیا کہ وہ ساقی کی یاد پر مسلط ہو گیا حتی کہ مدت تک اسکو یوسف کا ذکر کرنا اپنے بادشاہ پاس
یاد نہ آیا۔ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ - تو پڑے رہے حضرت یوسف قیدخانہ میں کچھ برسوں۔ بضع کی تعداد تین سے اور دس سے
کم ہوتی ہے اور اکثر روایات میں سات برس بیان ہوئے ہیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ اور بارہ برس کی روایت بھی آئی ہے لیکن
اسطرح کہ پانچ برس پہلے اور سات برس یہ ملا کر بارہ برس ہوئے جو تفسیر مذکور ہوئی ایک جماعت مفسرین کا قول ہے اور بعضون نے
ضمیر انساہ فعل اشیٰ بجانب یوسف قرار دی تو ترجمہ یہ ہوا کہ بھلا دیا یوسف کو شیطان نے اپنے رب کا بیان کرنا تو پڑا رہا قیدخانہ میں
کچھ برسوں تک۔ حکم ہے کہ ہر کام کا ہونا انشاء اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھے یعنی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہوگا شاید کلمہ اسطرح ملا کر نہ کہا ہو
اور شاید کہ اپنے رب کی طرف درخواست میں جھک ہوئی۔ امام محمد بن عمر رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا کہ یہی قول ٹھیک ہے کہ شیطان نے
یوسف کو ذکر رب تعالیٰ بھلا دیا کہ اُنھون نے اپنے مانند ایک آدمی سے استعانت چاہی اور یہ ایک غفلت اُنکو پیش آگئی میں کہتا ہوں
کہ نہیں اس درجہ تک غفلت میری اعتقاد سے باہر ہے اور جو کوئی اہل عرفان و توحید کی حالت سے واقف ہے وہ ایسا قیاس نہیں کر سکتا
یہ تو ہم لوگوں پر قیاس ہے وہاں تو ایسی حالت کی گنجائش نہیں خصوصاً یک پیغمبر مرسل و نبی صدیق کی شان میں کیا موقع ہے ہاں
یہ کہ طریقۂ درخواست اول مرسل تھا اور اب اس نازل طریقہ سے ہوا جو ایک قسم کی بھول ہے۔ پھر امام رازی نے لکھا کہ کسی مخلوق سے مدد
لینا کسی ظلم کے دور کرنے میں عام لوگوں کیلئے شریعت میں جائز ہے لیکن بہت سی باتیں عام کے حق میں نیکیاں سمجھی جاتی ہیں اور
مقرب لوگوں کے حق میں یہ باتیں درجہ گناہ پر ہوتی ہیں پس صدیق کی شان یہ ہے کہ سبب پر بالکل نظر نہ کریں بلکہ ہمہ تن مسبب الاسباب پر
نظر رکھیں اور بالکل اُسی کی شان میں مشغول ہو جاویں اسیلئے یوسف علیہ السلام اتنی بات پر ماخوذ ہوئے مگر یہاں
اللہ تعالیٰ نے اس فرق سے اُنکے حق میں بطریق تعریف بیان فرمادیا کہ وہ بالکل حق تعالیٰ کی شان میں مشغول تھا حتی کہ ایک مرتبہ اسنے
ایسا کیا تو ماخوذ ہوا اور اگر کوئی کہے کہ شیطان کو کہاں سے پیغمبر پر یاد الٰہی بھلا دینے کا قابو مل سکتا ہے اسکا جواب یوں پایا گیا
کہ یہ بھلاوا ایک خطرہ تھا اور شیطان کو یہ قابو نہیں پایا کہ دل سے یاد الٰہی چھڑا دے یا بھلا دے۔ قال المترجم یعنی خطرہ آنا
روا ہے جیسا کہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اور سابق میں یہ بحث مفصل گذری ہے واضح ہو کہ مسئلہ
یاد الٰہی جل شانہ اس وجہ سے مشکل ہو گیا کہ ہنوز قلوب جو کدورات و شہوات و ردیات سے ملط ملط ہیں وہ خیال اس صفا باطن کی

حالت کا لاتے ہیں جو یا تو ازلی ہو جیسے انبیاء و مرسلین یا حکم ازلیت کے ساتھ جو تہ محبت ایمانی میں صاف ہوا ہو جیسے اولیاء کیونکہ جو ہنوز متغیر ہے وہ تو قصد کرتا ہے کہ یاد کرے مگر الفاظ آتے ہیں وہ بھی بمشقت توجہ کہ آناً فاناً تغیر ہو جاتا ہے اور یہ ان تحصیل سے حصول ہے اور الفاظ سے معانی اور خارج سے باطن اور انتہا یہ کہ اپنا یاد میں لانا مشکل پھر قیاس کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یا ایہا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساہم انفسہم اولئک ہم الفاسقون۔ مومنوں کو مخالفت طریقہ فاسقین بتلایا کہ فاسق اپنے رب کو بھولے ہوتے ہیں تو خود کو بھلائے جاتے ہیں کیونکہ اپنے نفس کو پہچانتے تو رب کو پہچانتے اور یہی آیت اصل ہے اس قول عارفانہ تابعی کے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ پس جو راہ شرع نے بتلائی یعنی جس طریقہ پر زندگی کرنا چاہیے اسپر قیام بہمہ دوام سے نفس کی شناخت ایمانی سے یاد الٰہی کا ظہور ہوتا ہے تو نسیان ممکن نہیں ہے اسی واسطے حدیث صحیح میں ہے کہ یذکر اللہ فی کل احیانہ یعنی آنحضرت علیہ السلام ہر حال و وقت میں اپنے رب کو یاد رکھتے تھے۔ امام بخاری رح نے بیت الخلا کے وقت ذکر کے مسئلہ کا استدلال اس حدیث سے کیا اور میرے نزدیک اشارہ کردیا کہ یاد الٰہی زبان سے پڑھنے پر نہیں ہے اور بعضے لوگ جو بیت الخلا و پائخانہ کے وقت ذکر الٰہی سے اپنے کو علیحدہ کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں وہاں کوئی وقت علیحدگی نہ تھی حالانکہ بالاتفاق پیشاب و غسلخانہ وغیرہ کے وقت قرأت قرآن منع ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو سمجھنا اعتبار کرنا چاہیے کہ اگر ضمیر انساہ راجع بجانب یوسف علیہ السلام ہو تو بھی نسیان سے نفس فراموشی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ تو عام مومن میں نہیں ہو سکتی بلکہ طریقہ معاملت میں نظر کی چوک یا شغل کو شئی خاطر ہو جانا لیکن بشان حق عزوجل ہونا چاہیے تھا پس ڈسنے مواخذہ ہوا کہ کتنے برس تک قیدخانہ میں پڑے رہے۔ مترجم کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ ضمیر مذکور راجع بجانب ساقی ہے بقرینہ قولہ وادکر بعد امۃ الآیۃ جیسا کہ آویگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ شیخ نے لکھا کہ یہی قول مجاہد و محمد بن اسحاق وغیرہم کا ہے اور لکھا کہ حضرت یوسف کی طرف ضمیر مذکور راجع ہونا بھی مجاہد ابن عباس و عکرمہ وغیرہم سے ابن جریر نے روایت کیا اور ایک حدیث بھی آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ اگر یوسف نے یہ کلمہ نہ کہا ہوتا جو کہا تو قیدخانہ میں اتنی مدت نہ پڑے رہتے جتنی مدت رہے بوجہ اسکے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسری کی طرف سے رہائی چاہتے تھے۔ شیخ نے کہا کہ یہ روایت تو ضعیف ہے کیونکہ سفیان بن وکیع راوی له ابراہیم بن یزید جعفی بہت ضعیف ہیں اور حسن و قتادہ سے یہ قول مرسل بھی روایت ہوا لیکن یہاں مرسل قبول نہیں ہو سکتی ہے۔ قال مجاہد و قتادہ لفظ بضع تین سے نو تک۔ قال وہب بن منبہ ایوب کی بیماری سات برس اور یوسف کی قید سات برس ہی اور بخت نصر کا عذاب سات برس رہا۔ الضحاک عن ابن عباس بارہ سال قید رہے۔ ظاہراً مراد یہ کہ کل مدت بارہ مجموعہ پانچ و سات کا تھا۔ امام رازی رح نے کہا کہ سوائے اسقدر حصہ کے جو فرقان حق میں منصوص ہے باقی باتیں جو اسرائیلیات سے سنی گئیں تو انکا سچ و جھوٹ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مترجم نے کہا کہ مقصود نفس کی تہذیب و اصلاح آخرت و بقائے دائمی کے ہے اس طرح کہ اشارات و صریح بینات آئیہ سے مکائد نفس و شیطان و اسکی راہوں سے آگاہ ہو کر راہ راست پر مہذب ہو اور وہ اسقدر نصوص میں خواہ صریح خواہ اشارت کیا تھا اور اکثر بتوضیح احادیث و صحیح اقوال صحابہ رض موجود ہے پھر باقی باتوں سے دنیاوی حیات و کانوں کی لذت سے بیکار تضییع اوقات میں کیا حاجت و کیا فائدہ ہے۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ف۔ عرائس البیان میں ان آیات سے کچھ اشارات جو ادنیٰ درجہ میں معرفت کیلئے مفید ہیں بیان ہوں سے انکو سن لینا چاہیئے۔ قولہ انا نراک من المحسنین احسان جب صفت خلق ہو تو معنی یہ ہیں جو حدیث میں مذکور ہے کہ صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن الی من اساء الیک یعنی ناتا جوڑ اس سے جس نے

له [illegible]

کاٹا ہو اور عفو کردے جس نے تجھ پر ظلم کیا ہو اور نیکی کر جس نے تجھ سے بدی کی ہو۔ اور جب صفت معرفت ہے تو بحکم حدیث الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر گویا تو اسکو دیکھتا ہے سو اگر تو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے۔ پس یہاں مشاہدہ کرنیوالا عالم ملکوت کا اور بکشف معائنہ کرنے والا انوار جبروت کا۔ گویا نظیر قولہ تعالیٰ وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین۔ اسے من المحسنین۔ کیونکہ مشاہدہ صرف اس عالم کے بعد اُس عالم میں اہل توحید کو ہے اور جب اسماء جمعیت ہادی ہے تو معنی عالم بحل مشکلات نفوس و عجائبات قلوب اور عارف بدقائق اعمال و حقائق اعمال۔ ابن عطاء نے کہا کہ فقرا کی طرف مائل باحسان و نکوئی وانس و مصاحبت۔ ابوبکر بن طاہر نے کہا کہ عذر کرنیوالے کا عذر نہیں رد کرتا۔ اقول شافعی و ایک جماعت سلف کا قول ہے کہ جو عذر کرے اسکا عذر قبول کرنا چاہیے اور رد کرنا حماقت ہے شیخ نے کہا کہ ایمان کے شرائط میں سے ہے کہ جو بدی کرے اسکے ساتھ مکافات کے بجائے نیکی کرے بعض نے کہا کہ محسن جو تعبیر خواب کا عالم ہو اقول یہ تفسیر خاص ہے۔ ابوبکر الوراق نے فرمایا کہ جو محنت و سختی کے وقت بھٹکے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاوے۔ یوسف بن الحسین نے کہا کہ جو کوئی دوستوں کی خاطر اپنی خواہش چھوڑ دے اقول دوست سے مراد وہ کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت رکھے پس پہلے سے دیکھ بھال لے جلید رح نے فرمایا کہ جو حقائق امور نفس سے آگاہ ہو۔ قولہ واتبعت ملۃ آبائی ابراہیم و اسحٰق ویعقوب۔ کمال توحید باقتدار انبیاء و رسل ہے صلے اللہ تعالیٰ علی نبینا و آلہ وعلیہم اجمعین۔ اتباع انکی راہ شوق پر چلنا اسطرح کہ سر باطن صاف نورانی و روح ملکوتی و نیت صادق و انفاس پاک نفس طاہر و عقل عالم باحکام الٰہیہ و اسرار و آثار عبودیت قائم رکھے حسن ادب کی رعایت سے اول حضرت ابراہیم خلیل پھر اسحٰق پھر یعقوب کا ذکر فرمایا حالانکہ اشارت یہ تھی کہ خلت میں اتباع خلیل اختیار کرتا ہوں اسکے ساتھ ہی محبت و حلم و سخاوت و مہمان نوازی اور قضا و قدر پر رضامندی اور بیقراری بعشق باری تعالیٰ و آہ و زاری میں اور کمال توحید کیساتھ قدیم کو حوادث سے منزہ رکھنے میں حضرت ابراہیم کا متبع ہوں کیونکہ حنیف مسلم و غیر محب الآفلین تھے اور ساتھ ہی صدق الیقین و مشاہدہ آیات و التباس میں طالب حق ہونے و انقیاد و حنیفیت سہل میں انکا مطیع ہوں پھر اسحٰق علیہ السلام کی اتباع اس امر میں کہ درگاہ ربوبیت پر اپنی جان قربان کی اور اپنے والد علیہ السلام کی فرمانبرداری پر حاضر و قائم رہے اور اتباع یعقوب اس امر میں کہ صبر جمیل و حزن طویل و گریہ دائم و تحمل امتحانات قضا میں قائم ہیں۔ قال المترجم اہل بیان کیواسطے یہاں ایک ضروری نکتہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہوئے تو بہت صغیر تھے حتی کہ آپکی مدت کے بعد بلوغ کو پہونچے ہیں تو علم شرائع انکو صرف بالہام و وحی الٰہی پہونچنا مقصود ہے مع ہذا ان کو دعوے اتباع ابراہیم و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام ہے تو تادب آداب وحی کو عین ان کی اتباع قرار دیا پس بہت سی باتیں اس سے معلوم ہوئیں اول یہ کہ زندہ ہونا حضرت متبوع کا شرط نہیں ہے۔ دوم یہ کہ چند انبیاء علیہم السلام کی اتباع ایک ساتھ متحقق ہوتی ہے و لیکن ظاہری احکام کی اتباع صرف ایک ہی کی ہوگی سوم یہ کہ انکشاف مقامات میں تابع اپنے متبوع کا ہمسفر ہوتا ہے۔ چہارم متبع باعتبار وصول بمقام متبوع کے اتباع رکھتا ہے جسکی کفالت لطف رحمت حق عز وجل سے ہوتی ہے پس اگر عالم باقدر ضرورت ادب سیکھا ہوا صفات جمیلہ حمیدہ میں انبیاء و صالحین کی اقتدا سے وصول رضائے حق عز وجل کا قصد کرے تو پیر کی بھی ضرورت نہیں ہے جبکہ نیت صادق و طلب آداب ٹھیک لے اقتصاد اور سب بھلائیوں کی جڑ یہ ہے کہ جملہ خصائل منحصر برضائے حق تعالیٰ رکھے اور سب برائیوں کی جڑ یہ ہے کہ شہوات و خواہشوں کا مجمع ہو یا محل ہو حتی کہ جنت کی خواہش و دوزخ کا

خوف ایک پورا باعث ہونا قاتل ہے اور صحیح ہی جو فرمایا کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ دنیا کی خواہش سب برائیون کی جڑ ہی اور دنیا کو
اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ لہو و لعب ہے یعنی اسکو بقا نہین ہی اور دل کو یاد الٰہی سے لاہی و غافل کر دیتی ہی اور پوری اہمیت تحت قولہ انما
مثل الحیوٰۃ الدنیا کماء انزلناہ الآیۃ۔ اور تحت قولہ واضرب لہم مثل الحیوٰۃ الدنیا الآیۃ تلاش کرو جہان آسایش و آرام و دل لبھانیوالے اسباب
اس دنیا پر مزین ہین۔ فافہم واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ باب خوب سمجھ لو کہ متابعت کرنا خالص مریدون کی صفت
ہوتی ہے اور جس شخص نے اخلاق و عادات مین پیروی نہ کی وہ کسی وقت کبھی متبوع کے درجہ پر نہین پہونچے گا۔ قولہ ما کان لنا
ان نشرک باللہ من شیء۔ طریقہ آبائی جسمین اتباع کی ہی۔ اسکی اصل یہ ہی کہ قدیم کو تمام حوادث سے منزہ و پاک جانا و سمجھا یعنی محبت
و انقیاد الٰہی جل شانہ مین کسی غیر جانب التفات نہین ہی۔ اقول و فی الحدیث یا غلام احفظ اللہ یحفظک۔ یعنی ہر طرح مؤثر او تعالیٰ ہی
تو کسی چیز مین غیر پر نظر نہین چاہیے پس اللہ تعالیٰ بندے کیلیے ہر طرح کفایت و رعایت فرماتا ہے۔ پھر بیان کر دیا کہ یہ طریقہ حاصل
کرنے سے اب پیدا نہوگا بلکہ سابق ازل مین حق عزوجل نے اختیار فرمایا ہے۔ فی قولہ ذلک من فضل اللہ علینا۔ یہ سب صفات
جمیلہ جنکو حق عزوجل پسند فرماتا ہی ہم لوگون کو محض فضل الٰہی سے حاصل ہوئے ہین و قولہ علی الناس۔ یعنی ہم پر یہ فضل ہی اور ہم
اور لوگون کے واسطے فضل الٰہی ہین۔ قولہ ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔ جو فضل ہم سے ظاہر ہی اسکے شکر سے اکثر لوگ
غافل و جاہل ہین۔ اقول لہم قلوب لا یفقہون بہا۔ اسوجہ سے جہالت و غفلت ہی کہ اسکا ادراک بذریعہ قلب ہے اور قلوب انکے
ہوا رضا سے ہین اُن سے ادراک ہو نہین سکتا تو جاہل و منکر ہین قال الشیخ ابوعثمان رح نیک صالحین کی پیروی کر لے اور ابرار کی
بزرگی کا اعتقاد رکھنے سے قلب کی صلاح ہوتی ہے شیخ ابوعثمان مغربی نے کہا کہ فریب شیطان و نفس سے بچا ہوا بے کھٹکے
راستہ یہ ہی کہ بزرگان صالحین کی اقتدا کرے کیونکہ صالحین نے بھی یہی کیا ہے کما قال تعالیٰ حکایۃ عن یوسف الصدیق علیہ السلام
واتبعت ملۃ آبائی الآیۃ۔ واسطی رح نے کہا کہ فضل پر نظر اچھی ہی اور متفضل پر نظر اس سے اچھی ہے پھر متفضل پر نظر اچھی ہی اور اس
نظر سے فنا سب سے اچھی ہی ابو علی جوزجانی نے کہا کہ وہ شخص سب سے زیادہ اچھے حال مین ہی جس نے اپنی ذات کو فضل و منت
و نعمت کے نیچے دبا ہوا جانا اور اپنے عمل و سعی و لیاقت کو کچھ خیال نہ کیا کیونکہ یہ باطل و دروغ خیال ہی اور وہ صحیح و راست و مستقیم ہی قولہ
یا صاحبی السجن ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ اسمین متفرقون سے اشارہ کیا کہ جو چیز متعدد و منقسم ہو وہ حادث ہی قدیم
نہین ہو سکتی بلکہ قدیم حق عزوجل وہی ہے کہ وہان انقسام و تعدد گوارا نہین ہی اور اسکے واحد ہونیکے یہ معنی نہین ہین کہ اسکو ایک کا
عدد گنتی عارض ہی ہرگز نہین ہرگز نہین اسکے معنی یہ ہین کہ وہی ہی ویسا کوئی نہین ہی وہان شرکت محال ہی۔ عوام اس بات کو
بہت کم سمجھتے ہین حالانکہ اللہ تعالیٰ بیمثل بے مانند ہی تو وہی رب قاہر ہی اور سب مخلوق اسکے قبضۂ قدرت مین مقہور ہی یعنی جو وہ
چاہتا ہے وہی ہوتا ہی حتی کہ اگر زید نے چاہا کہ وہ تمام رات عبادت پر قائم رہے تو وہ برابر قائم رہے گا۔ پس یہ اسکی صفات ہین قولہ
ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یہ نہین جانتے کہ فلان چیز سے روزی حاصل ہوتا اور فلان سے یہ ہوتا اور وہ ہوتا اور
یون نہوتا وغیرہ جہالت کی نظر ہین بھلا کبھی حادث بھی قدیم ہو سکتا ہی بلکہ قدیم وہی وحدہ لاشریک ہی اور جملہ حوادث ہین اور
جو حرکات ان حوادث سے صادر ہوتے ہین خواہ وہ نافع ہون یا مضر ہون سب مقہور تحت قدرت ہین۔ شیخ ابوعثمان مغربی رح نے
یہان ایک عجیب اشارہ فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہی کہ انسان پر غیر کا حال کھل جاتا ہی اور اپنا حال چھپ جاتا ہی تم دیکھو کہ بزرگ کے قبیح

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے قیدیوں کو فرمایا کہ ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ پھر دوسرے وقت ایک قیدی سے کہا کہ اذکرنی عند ربک۔ حکایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت فضیل سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو فرمایا کہ اس آیت کو یاد رکھ۔ قال المترجم شیخ ابو عثمان کے قول کا یہ مطلب ہے کہ جب تقدیر الٰہی میں کوئی امر جاری ہوتا ہے تو ایک پردہ ایسا حائل ہوتا ہے کہ آدمی باوجود علم کے غفلت کے پردہ میں چھپ جاتا ہے لہذا آنحضرت صلعم نے استعاذہ میں فرمایا۔ وسوء القضاء یعنی قضائے مکروہ سے جو بذات خود محبوب ہے پناہ مانگی اور فرق یہ ہے کہ جو امر محبوب کسی بندہ کو پہونچا اگر نظر اسکی فضل الٰہی پر نہیں ہے تو وہ اسکے واسطے درحقیقت وبال ہوگی جبکہ اپنے شرک کیا اور جو مکروہ کسی بندۂ صالح کو پہونچا اور اسکی نظر حق تعالیٰ پر راضی ہے تو یہ نہایت درجہ ثواب کی نعمت ہے کیونکہ جو امر محبوب ہے اسمیں تو ایک راحت نفس کی بھی بندہ صالح کو مل گئی اور مکروہ میں سراسر عوض آخرت یا تو ثواب زیادہ ہوگا۔ فافہم۔ قولہ اذکرنی عند ربک فانساہ الشیطان ذکر ربہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلام میں وہ موقع بیان فرمایا جسمیں حضرت صدیق علیہ السلام اپنے خاص بندہ کا امتحان فرمایا ہے اور صورت یہ واقع ہوئی کہ شان معرفت کے بجائے قلب یوسفی پر نکرت سلے کا ایک پردہ دیا تو دریائے ناپیدا کنار نکرت میں ایک لحظہ غوطہ کھایا اور معرفت سے موصوف ہونے کے ساتھ ایک حجاب بشری یا افسردہ شان ہوئی لئے طور عقل عوام ہے کیونکہ اس حالت کی کیفیت وہی سمجھ سکتا ہے جو فی الجملہ اہل باطن میں سے ہو بالجملہ یہ کیفیت عبارت میں اسطرح لائی جاتی ہے کہ وصف معرفت سے موصوف ہونے کی حالت میں نکرت میں ہوگئے پس جب تجلیات جمیل و جمال قدیم سے امتناع فرمایا اور بندۂ خاص عارف کو مشاہدہ جمال قدیم سے محجوب فرمایا تو رسم طبیعت و عالم صورت میں پلٹے پس مثل اہل صورت کے اسباب ظاہری کی راہ چلنے لگے حالانکہ یہ حالت لحظہ سے بھی کم واقع ہوئی قال المترجم اسقدر قلیل وقت شیخ نے آیت کے لطیف اشارہ سے نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ قولہ وقال للذی ظن انہ ناج منہما کو اللہ تعالیٰ نے علیحدہ مستقل آیت نہیں فرمایا بلکہ اسی کلام کا ایک ٹکڑا ہے کہ ذیل کی گفتگو میں سرزد ہوا تھا۔ فافہم فانہ لطیفۃ جدا۔ قال الشیخ پھر جب انوار قدم نے قلب یوسفی پر طلوع فرمایا اور فیض کرم نے اسکی دستگیری کی تو محل امتحان و کید شیطان کو سمجھ گئے اور ذکر انسان سے رجوع کرکے درگاہ کبریائی پر عجز و انکسار سے سر رکھا۔ قال المترجم اگر کسی کو شبہ ہو کہ شیخ نے انکا رجوع کرنا کہاں سے معلوم کیا سو اسلئے کہ آیت میں اسکا ذکر نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں آیت میں مذکور نہیں ولیکن اہل دل بالیقین جانتے ہیں کہ یہ حالت عارف کیلئے نہیں رہ سکتی ہے اور یقین کیلئے قطعی دلیل قولہ تعالیٰ والذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون ہے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں گذر چکا پس کوئی شک نہیں کہ حضرت یوسفؑ اہل تقویٰ میں سے تھے بلکہ متقین کے سردار تھے تو بعد مس خطرۂ شیطانی کے فوراً انکو تذکر ہوا ہوگا جبکہ عوام مومنین کا یہ حال ہے تو پیغمبر مرسل کا ضرور ہوگا اور مواخذہ بطریق مدح صرف محل امتحان تھا۔ فافہم۔ قال الشیخ اور جب اللہ تعالیٰ بندۂ عارف کے حق میں زیادہ معرفت و قرب منزلت چاہتا ہے تو اسکو ایک لحظہ غفلت میں ڈالدیتا ہے پھر اسپر تجلی فرماتا ہے تاکہ اپنے نسیان سے نادم اور نہایت تیزی سے مزید عرفان کی جستجو میں سرگرم ہو جاوے گویا کہ یہ غفلت زیادہ یاد کا باعث ہو جاتی ہے اور، مواخذہ تو جسکو زیادہ قرب ہے اسکو اہتمام زیادہ و مواخذہ و بلا زیادہ ہے۔ قال المترجم کوئی یہ گمان نکرے کہ قرب زیادہ محل الم ہے کیونکہ دنیاوی عمر ایک لحظہ سے کم ہے سعدی کہ دنیا ہمین یکدمی بیش نیست ؛ غم و خرمی پیش درویش نیست ؛ پس ہر مواخذہ و بلا در حقیقت اعلیٰ عیش و کمال انعام ہوتا جاتا ہے اسواسطے کثرت سے اکابر وہ گزرے ہیں جو انعام و راحت پہونچنے کے بجائے غم و اندوہ و مکروہ پہونچنے پر زیادہ خوش ہوتے تھے کیونکہ یہ خالص ثواب دائمی راحت ہے اور یہ وہی سمجھیگا جسکو حق تعالیٰ نے قرب

ومنزلت عطا فرمائی ہو ورنہ مترجم تو ناقل ہو۔ واللہ اعلم۔ **قال الشیخ** دیکھو ایک لمحہ غفلت پر چند سال تک قید کا مواخذہ فرمایا گیا لیکن واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان چند سال قید سے حضرت یوسفؑ کے حق مین کمال تربیت و کامل لیاقت نبوت کی تعلیم اس خلوتخانہ مین رکھکر ارادہ فرمائی تھی حالانکہ نفس یوسفی تلبیس شیطان یہ چاہتا تھا کہ اسیوقت قید خانہ سے خارج ہو کر اس کمال سے محروم ہو جاوین لیکن حق تعالیٰ اپنے خالص بندون کی خود تربیت فرماتا ہو پس خلوت مین انس و تمکین و قوت سلوک مین استقامت و بیداری عطا فرمائی اور تو یہ نہین دیکھتا کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر ابتدائے نبوت مین غار حرا مین تنہائی کے ساتھ عبادت اختیار فرمائی۔

قال الشیخ قولہ فانساہ الشیطان الآیۃ مین احتمال یہ بھی ہو سکتا ہو کہ یوسفؑ نے قیدی سے کہا کہ اذکرنی عند ربک یعنی بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اور مقصود یہ تھا کہ بادشاہ سے میری تعریف بیان کرنا کہ وہ مجھے پہچانے اور مین اسکو ایمان کی ہدایت کرون اور وہ عذاب الٰہی سے رہا ہو اور ثواب پاوے اور مین عموماً اس طریقہ سے توحید پھیلاؤن اور امر معروف و نہی منکر سے لوگون کو راہ راست پر لاؤن پھر شیطان کا بھلانا اس معنی مین ہو کہ حضرت یوسفؑ کو سابقہ تقدیر الٰہی یاد نہ رہا کہ ہنوز بادشاہ کے ایمان لانے کا وقت نہین آیا ہے تو بادشاہ کے وقت ایمان تک قید مین رہے پس یوسف علیہ السلام کا نسیان سابقہ تقدیر ازلی سے تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ توجیہ شیخ کی طرف سے علمائے ظاہر سے مشابہ واقع ہوئی حالانکہ معنوی امور سے تسکین و طمانیت کے بعد ایسی اضطرابی توجیہ کی کچھ ضرورت نہین ہی بخلاف علمائے ظواہر کے کہ زیادہ نظر انکی عوام کی فہمائش پر رہتی ہی یا معنوی مدارک سے غفلت ہوتی ہے تو خواہ مخواہ غیر مطمئن طور پر مضطربانہ توجیہات سرزد ہوتی ہین مگر جو کوئی کہ معنوی اسرار و حقائق سے واقف ہوا وہ ہر مقام پر جہان عموماً اضطراب کی گفتگو کی جاتی ہے نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ یقین کرتا ہے۔ فاستقم۔ واسطیؒ نے کہا کہ اے لوگو اپنے نفوس کے پیچیدہ قاعدون سے ہوشیار رہو جو بے محل دلیری سمجھتا ہو ایسا نہ ہو کہ حکمت آلہیہ پاداش کے تم کو خبردار فرمائے کہ اسطرح بندے و تمام مخلوقات اسکی مملکت مین عاجز ہین۔ اقول شاید غرض یہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نفس نے بذریعہ ساقی کے رہائی کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے مدت تک اُن کو عاجز ہو کر قید مین رہنا دکھلایا۔ بعض نے کہا کہ قولہ اذکرنی عند ربک یعنی تاکہ وہ جانے کہ ضرر و نفع کا اختیار اسکو بالکل نہین ہی اور جملہ امور موکول بتدبیر الٰہی ہین پس کسی غیر پر اعتماد نہ کریگا اور دلیل یہ ہی قولہ فانساہ الشیطان ذکر ربہ الآیۃ۔ مترجم کہتا ہو کہ جہان تک میرے خیال مین آتا ہے اس بزرگ کے قول کی جو اس مقام پر بظاہر بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے یہ توجیہ نفیس ہو کہ بادشاہ نے دونون قیدیون کو مقید کر کے اپنے اختیار سے ایک کو پھانسی اور دوسرے کو رہائی دیدی ضرور ہو کہ یہی خیال بادشاہ کو بلکہ تمام لوگون کو ہوگا اور عموماً ایسا ہی خیال ہوتا ہے کہ حاکم نے فلان کو رہا کیا اور فلان کو یہ کیا اور وہ کیا۔ تو قیدی سے حضرت یوسفؑ نے فہمائش کر دی کہ دیکھو مین نے تم دونون کے خواب کی تعبیر دینے سے پہلے ایمان توحید سکھلایا اور سمجھایا کہ اصل مین اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے سب مخلوق پر قادر و قاہر ہے جو وہ چاہتا ہو وہی ہوتا ہی پھر خواب کی تعبیر مین کہہ دیا کہ ہر ایک کے حق مین یہی حکم ہو چکا ہو تو اس سے معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کے فعل سے پہلے یہ امر حکم الٰہی مین مقدر تھا اسیلئے بادشاہ اسی حکم پر مقدور تھا حتی کہ اسکے سوائے دو اور کچھ نہ کر سکتا تو ساقی سے کہا کہ تو بادشاہ کو متنبہ کر دینا کہ مجھے فلان صدیق نے جو قید خانہ مین ہی صاف معلوم ہو چکا تھا کہ تجھکو ضرور ایسا کرنا پڑیگا وہی ہوا تو خواہ مخواہ تجھے خود کچھ اختیار نہین ہی جو حکم الٰہی ہوتا ہے وہی ہوتا ہے تاکہ بادشاہ توحید پر مستقیم ہو کر اپنے خیالات شرک سے اجتناب کرے۔ **وقال المترجم**

یہ حکمت نہایت نفیس ومتین ہی فافہم واستقم واللہ تعالیٰ اعلم۔ نصر آبادی رح نے کہا کہ ذکر رب سے پہلے اپنا ذکر کیا تو شیطان نے قیدی سے یہ غرض
بیان کرتے وقت ذکر الٰہی سبحانہ تعالیٰ بھلا دیا بعض اکابر نے کہا کہ دیکھو انبیاء علیہم السلام کو تو ایک چیونٹی برابر بات پر ماخوذ فرمایا کیونکہ انکو
حضوری ومنزلت ہے اور ان پر ایک خاص عنایت کی نظر ہی اور دوسروں پر چونکہ یہ نظر نہیں ہی تو اس سے کروروں درجہ زیادہ گستاخی پر عفو کیا تم نہیں
دیکھتے کہ یہاں یوسف علیہ السلام کو کیسے ماخوذ فرمایا ہی شیخ نے کہا کہ میرے دل میں القا ہوا کہ یہاں شیطان نے یوسف علیہ السلام کو یاد
سے نسیان دلایا اور رب عزوجل نے ذکر یا مذکور کسی کو نہیں بھلایا اور یہ کیونکر ہو سکتا ہی کیونکہ تمام وجود یوسفی ہر سانس میں مستغرق
مشاہدہ ہی لیکن فکر اس مقام پر محل توکل ورضا ہی اور یہ نہیں ہوتا کہ جو کوئی درجہ توکل سے ساقط ہو وہ یاد حق عزوجل سے بھی ساقط ہو
کیونکہ توکل تو مقامات کے اسباب میں سے ہی اور عارف کا حال یہ ہی کہ وہ حالات میں سیر کرتا ہی اور یہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت توکل
سے محجوب ہو جائے کیونکہ حقیقت اسکی وحدانیت حق عزوجل ہی یعنی وحدانیت کا علم اور یہ کہ وہ ہر مخلوق پر قادر قاہر ہی ہر دم حضوری
ہی اور کبھی نہیں ہو سکتا کہ انبیاء ارالیقین سے محجوب ہوں۔ قال المترجم سابق میں جو معنی میں نے نسیان الٰہی عزوجل کے محتمل
بیان کئے ہیں الحمد للہ کہ انکی تائید اس کلام شیخ سے نکلتی ہی اور حاصل اسکا میرے خیال میں یہ ہی کہ یاد حق عزوجل بھول جانے کی
شان یوسف علیہ السلام میں کوئی صورت نہیں ہی بلکہ جریان کلام بمنزلہ ارسال کے بدون ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ کے ہوا اور یہ ایک
حد ہی کہ شیطان کو وہاں تک مجال دخل کی ہی کیونکہ اسرار تو محل تصرف شیطان نہیں ہیں اور اگر تجھکو وہم ہو کہ قوی حدیث سے ثابت ہی
شیطان اپنی دونوں کندھوں پر سے سونڈ دل تک دوڑاتا ہی اور ذکر الٰہی سے سونڈ ہٹا لیتا ہے تو جواب یہ ہی کہ یہ بیان عام فہم اس مضغہ
گوشت کا ہی جو اسرار کے حکم میں نہیں ہی اور دل لطیفہ الٰہیہ دوسرا ہی اور ان دونوں لطیفہ کا محل یہی مضغہ ہی جیسا کہ اسی واسطے قولہ ان فی
الجسد لمضغۃ الحدیث میں اس مضغہ کی تعریف بیان فرمائی ہے کیونکہ لطیفہ الٰہیہ کا بیان اگرچہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر آسان
تھا لیکن شک نہیں کہ وہ قیامت تک کے عوام کے واسطے بہت مشکل ہو جاتا حالانکہ آیات واحادیث عام ہیں اور یہیں سے تجھے معلوم
ہوگا کہ معجزہ ان آیات واحادیث میں یہ بھی ہی کہ تا قیامت تمام افہام وعقول کے احاطہ کے ساتھ یہ کلمات بلاغت معجزہ نظام ہیں فسبحان اللہ
رب العرش عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ القصہ وہ قیدی جسکو سولی کی تعبیر دی تھی قتل ہوا اور ساقی بدستور
اپنے عہدہ پر گیا لیکن بھول گیا اسنے مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کا کچھ ذکر اپنے بادشاہ سے نہ کیا اور ایک مدت قید میں گذری
یہاں تک کہ جب حضرت یوسف اس خلوت میں کامل ہو گئے اور حق تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے صدیق پیغمبر علیہ السلام کو سرفراز فرمائے تو یہ قصہ
ہوا جو بیان فرمایا قولہ تعالیٰ

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ
اور کہا بادشاہ نے میں خواب دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی انکو کھاتیاں ہیں سات دبلی اور سات بالیں
خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ط يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۝
ہری اور دوسری سوکھی اے دربار والو تعبیر کہو مجھے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے
قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ۝
بولے یہ اڑتے خواب ہیں اور ہم کو تعبیر خوابوں کی معلوم نہیں

وَقَالَ الْمَلِكُ ۔ اور کہنے لگا بادشاہ یعنی مصر کا جو سب سے بڑا بادشاہ تھا اور عزیز مصر اگرچہ بادشاہی لقب رکھتا تھا مگر وزیر تھا اور بادشاہ کو فرعون کہتے تھے اور نام اسکا ریان بن الولید بیان ہوا ہے غرضکہ اس بادشاہ نے اپنے وزراء اور ارکان دولت کو جمع کرکے جو خواب دیکھا تھا اسکو اسطرح بیان کرنا شروع کیا گویا کہ ابھی دیکھ رہا ہے چنانچہ کہا کہ ۔ اِنِّیْۤ اَرٰی ۔ میں دیکھتا ہوں سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ ۔ سات گائیاں فربہ موٹی تازی ۔ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ ۔ ان کو کھائے جاتی ہیں سات دبلی بیضاوی وغیرہ نے لکھا کہ بادشاہ اس خواب سے بہت دہشتناک ہوگیا تھا کہ اسنے دیکھا کہ ایک خشک نہر سے سات موٹی تازی گائیاں نکلیں اور اسی نہر میں سے سات دبلی لاغر ڈانگر نکلیں اس دبلیوں نے موٹیوں کو نگلنا شروع کیا یہانتک کہ کھا گئیں ۔ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ ۔ اور دیکھتا ہوں سات بالیاں سبز یعنی دانہ آگئی ہیں مگر ہنوز خشک کاٹنے کے قابل نہیں ہوئی ہیں ۔ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۔ اور دوسری سات بالیاں خشک اس خشک بالیاں ان سبز بالیوں پر لپٹ گئیں اور غالب آگئیں ۔ یہ خلاصہ خواب تھا ۔ بقرات جمع بقرہ گائے ۔ سمان جمع سمینہ چربی و گوشت کی بدن کی موٹائی کو سمن کہتے ہیں اور سمینہ مونث سمین گائے کے ولیکن اسمیں مذکر کی جمع بھی سمان آتی ہے بقال رجال سمان و نساء سمان ۔ اور قولہ یاکلہن اسے بتلعہن یعنی کھائے جاتی ہیں ۔ مراد نگلے جاتی ہیں ۔ عجاف یہاں عجفاء کی جمع ہے جو بقرہ کی صفت ہے اور عجفاء وہ گائے جو ڈانگر دبلی رغال ہو اور قیاس عجفاء کی جمع کا عجف ہے جیسے حمراء کی جمع حمر آتی ہے ولیکن سمان کے وزن پر عجاف لایا گیا کیونکہ یہ اسکا نقیض ہے اور بلاغت عرب میں قرار پایا ہے کہ نظیر و نقیض کو دوسرے پر محمول وا سکے وزن پر لاتے ہیں اور سنبلات خضر و سنبلات یابسات کا تفصیلی حال نہیں کہا کہ خشک غالب ہوگئیں اسوجہ سے کہ دبلی و موٹی گائیوں کے عجیبہ واقعہ بیان کردینے سے اسکے عجیبہ واقعہ کی تفصیل کی حاجت نہ رہی یعنی ان میں بھی وہی حال ہوا کہ سبز غائب ہوگئیں اور خشک رہگئیں ۔ جب بادشاہ اپنا یہ واقعہ بیان کرچکا تو وزیروں کو خطاب کیا کہ ۔ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ ۔ اے میری جماعت خاص اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ ۔ مجھے فتویٰ دو میرے خواب کے بارے میں یعنی میرے خواب کی تعبیر بیان کرو ولیکن خواہ مخواہ علم نہیں دیا بلکہ کہا ۔ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۔ بشرطیکہ تم لوگ خواب کی تعبیر دیا کرتے ہو یعنی تمہیں اگر تعبیر خواب کا علم ہو تو میرے خواب کی تعبیر بیان کرو فائدہ اگر کسی نے خواب دیکھا اور اسکو ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا چاہا جسکا حال وقوف نہیں کہ کیسا ہے یا اسپر پورا اعتماد نہیں ہے تو اس سے شرط کرلے کہ اگر تم کو تعبیر خواب کا علم ہو تو بیان کرو بلکہ اس زمانہ میں تو ہر شخص کو یونہی تعبیر پوچھنا چاہیئے تاکہ بیدانائی میں خواب تعبیر نہ دیوے اور جب شرط کرلی تو خواب تعبیر سے کچھ ضرر لاحق نہ ہوگا کیونکہ اسنے خلاف شرط کی نادانی کی تعبیر دیدی القصہ وزیروں نے جہالت کا جواب دیا چنانچہ ۔ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۔ کہنے لگے کہ یہ افغاث احلام ہیں ۔ اضغاث جمع ضغث بکسر ضاد معجمہ و غین معجمہ ساکنہ و ثا مثلثہ ایک مٹھا ہری و سوکھی گھاس کا یا تنکوں کا اور مراد یہاں یہ کہ کئی طرح کی چیزیں خلط ملط ہیں ۔ احلام جمع حلم بضم حاء مہملہ و سکون لام جو سونے میں نظر آوے اور اکثر پریشان خواب کو کہتے ہیں اور عموماً کافروں و مشرکوں میں یہ مشہور تھا کہ دماغ بحالت خواب میں بھی متفکر رہتا ہے تو بیداری میں جو صورتیں آدمی کے خیال میں نقش ہوکر جمع ہوگئیں انکو الٹ پلٹ کیا کرتا ہے اور کبھی دماغ میں کوئی مادہ فاسدہ ہوتا ہے اسکی کیفیت عجیب طرح سے نظر آتی ہے جیسے کوئی شخص سادہ پانی پی گیا یا نزلہ کی شدت ہے یا بلغم بڑھ گیا ہے تو دیکھیگا کہ دریا میں پیرتا ہے یا پانی برستے میں کھڑا ہے یا جیسے شراب پی کر سویا اور تیزی سے صفرا پیدا ہوا تو آگ وغیرہ خواب میں دیکھیگا یا کوئی رنگین سرخ مادہ ہے تو خون کے ہولناک واقعات

دیکھے گا تو اُن کے نزدیک یہ احلام ہین جنکی کوئی اصل سوائے اسکے نہین ہوتی ہی۔ کلیہ یہ گمان صحیح نہین ہے ہان یہ صحیح ہے کہ اگر ایسے
اسباب ہون تو اسطرح احلام نظر آوینگے ولیکن یہ کہنا کہ بس خواب ہمیشہ یہی احلام ہوتے ہین غلط ہے اور تحقیق اوپر گزری
کہ جو لوگ دنیا کے خیالات مین گھرے ہین اور کافر ہین یا گنہگار مسلمان ہین انکو کبھی ایسے احلام نظر آوینگے اور کبھی دنیاوی واقعات آئندہ کے
صحیح نظر آوینگے جبکہ روح دماغی کو روح اصلی سے کوئی جھمک مل جاوے اور رہے وہ لوگ جن کی روح اصلی صاف ہے تو انکو دنیا کے آئندہ
واقعات بھی صحیح نظر آتے ہین اور اکثر آخرت یا اسکے متعلقات خواب صحیح نظر آتے ہین لیکن کبھی تاویلی ہوتے ہین اور کبھی صریح ہوتے ہین
القصہ وزیرون نے یہی کہا کہ یہ تو فقط پریشان دماغی خیالات ہین۔ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ۔ اور ہم لوگ پریشان
خواب کی تاویل سے آگاہ نہین ہین ف یعنی بادشاہ سے عذر کیا کہ ہم کو ایسے احلام کی تعبیر کا علم نہین ہے چونکہ بادشاہ کو اضطراب تھا
اور ہول سے اسکو تشویش ہی اور وہان ساقی حاضر تھا اسکو یاد آگیا حالانکہ وہ ایک مدت تک بھولا رہا تھا پس اس نے اجازت چاہی کما قال تعالیٰ

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۝ يُوسُفُ أَيُّهَا
اور بولا وہ جو بچا تھا اُن دومین اور یاد کیا مدت کے بعد مین بتاؤن تم کو اسکی تعبیر سو تم مجھکو بھیجو جاکر کہا یوسف اے
الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ
سچے حکم دے ہمکو اس خواب مین سات گائین موٹی انکو کھاوین سات دبلی اور سات بالیین ہری
وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
اور دوسری سوکھی کہ مین لیجاؤن لوگون پاس شاید اُنکو معلوم ہو

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا اور کہنے لگا وہ شخص جس نے دونون قیدیون مین سے رہائی پائی تھی یعنی شراب پلانے والا ساقی اس
مجلس مین بولا کہ قیدخانہ مین ایک مرد صالح فاضل بڑا عالم عابد ہے مین نے اور باورچی نے اپنے اپنے خواب بیان کیے تھے تو اُسنے
نہایت صحیح تعبیر دی جسمین ایک حرف کا فرق نہ تھا ویسا ہی واقع ہوا ۔ وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ ۔ اور یاد آیا اُس کو بعد ایک مدت
یعنی زمانہ دراز کے ۔ اتنے عرصہ تک وہ بتقدیر الٰہی حضرت یوسف ؑ کو بھولا رہا ۔ ایک قراۃ مین امہ بکسر اول و آخر ہا بمعنی نسیان ہے
اے تذکر بعد نسیان ۔ اسکو بھولنے کے بعد یاد آیا اور ایک قراۃ مین اُمّہ در آخر تا ر فوقانیہ اول کسرہ ہے بمعنی نعمت ۔ اول دونون
قرائتین جیدہ ہین بحسب المعنی ۔ حاصل آنکہ ساقی نے ایک مدت کے بعد یاد کرکے کہا کہ ۔ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ مین تم کو اسکی تعبیر
سے آگاہ کرونگا ۔ ظاہر یہ ہے کہ اُسنے اسوقت حضرت یوسف ؑ کو نہین بتلایا بلکہ کہا فَأَرْسِلُونِ سو تم لوگ مجھے بھیجو یعنی رخصت دیدو
تو مین جاکر خبر لاؤن کیونکہ مروی ہے کہ قیدخانہ خاص دار السلطنت مین نہ تھا بلکہ دوسرے شہر مین تھا کذا ذکر عن ابن عباس رضی اللہ
عنہ غرضکہ انھون نے بھیجا اور ساقی حاضر ہو کر محبت کے الفاظ مین حضرت یوسف سے یون عرض کرنے لگا ۔ يُوسُفُ اے حضرت
یوسف ۔ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ ۔ اے بڑے سچے ۔ أَفْتِنَا ہمکو تعبیر بتلاو فِي ۔ اس خواب کے بارہ مین ۔ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ
سات گائیان موٹی تازی ہین کہ ۔ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ اُنکو کھائے جاتی ہین سات دُبلی ڈانگر گائین ۔ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ
اور سات بالیان سبز ہین ۔ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ اور دوسری سات خشک ہین ۔ واضح ہو کہ اس سے معلوم ہوگیا کہ خواب کی تعبیر دریافت
کرنے کیلئے دوسرے شخص کو بھیجنا جائز ہے اور اس کام کیلئے سفر کرنا جائز ہے اگرچہ شرعی قصری مسافت نہو یا ہو ۔ اور ایلچی کو چاہیے کہ

ٹھیک انھین الفاظ مین خواب بیان کرے جو جیسے دالے نے کہے ہین کیونکہ تعبیر مین قیاس و تخمین درست نہین ہے تو کبھی نہین اطمینان ہو سکتا
کہ ایک حرف کی تعبیر سے کیا فرق ہو گیا بلکہ وہی الفاظ ادا کرے۔ لَعَلِّيٓ أَرۡجِعُ إِلَى ٱلنَّاسِ۔ اُمید ہو کہ مین لوگون کے پاس واپس
جاؤن قبل کسی واقعہ کے۔ لَعَلَّهُمۡ يَعۡلَمُونَ۔ اور اُمید ہے کہ وہ لوگ جان لیوین یعنی اس خواب کی تعبیر قبل وقوع کے یا آپ کی شان
و منزلت جس سے رہائی ہو وے جیسا کہ پہلے وصیت فرمائی تھی۔ اس مرتبہ حضرت صدیق علیہ السلام نے اس سے کوئی درخواست نہین
فرمائی کیونکہ اول مرتبہ عتاب آمیز خطاب ہو چکا تھا۔ فی الحدیث۔ اچھا خواب فرشتہ کی جانب سے ہوتا ہے اور مکروہ پریشان غم دنیا از جانب
شیطان ہو اور شاید اسکے معنی یہ ہین امور قضا و قدر سے فرشتہ اچھائی کو بطریق خواب کے آدمی کے دل مین الہام کرتا ہے یا اسکے معنوی و
برزخ کی تصویر دکھلا دیتا ہے اور مکروہ مین دشمن شیطان کا غم دینا مقصود ہوتا ہے پھر واضح ہو کہ یہ امر کبھی ظاہر نہین ہو سکتا کہ یہ جو
دیکھنے والے نے دیکھا ہے وہ خوشی ہے یا غم ہے لہذا جو لوگ کوئی خواب دیکھکر پریشان ہو جاتے اور اسکو برا سمجھنے لگتے ہین یہ اُنکی جہالت
ہے اسلئے کہ ان کو علم تعبیر نہین دیا گیا جس سے اُنھون نے بھلائی و برائی پہچان لی حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کا ذبح دیکھا
اور وہ ذبح عظیم سے فدیہ دیا گیا اور خلیلیہ یعنی نعمت عظمیٰ تھی علی ما اور التفسیرین فافہم۔ صدیق وہ شخص جو بڑا سچا ہو وے لیس اگر یقین و حسن نیت
و کمال ایمان و کمال تصدیق احکام الٰہی و نبوت حضرت رسالت پناہی و کمال صدق معاملات مین ہو تو وہ اصطلاحی صدیق ہے
جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے کہ ان کے مثل امت مین دوسرا فرد اسوقت نہین ہو سکتا تھا اور اگر خاص خاص امور مین ہو تو
انھین امور کی راہ سے صدیق ہوگا اور جو شخص سچ بولنے مین مستقیم ہو وہ بھی صدیق ہو چنانچہ حدیث صحیح مین ہو کہ آدمی سچ
بولتا ہو اور سچ ہی بولنے کا قصد رکھتا ہو یہانتک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہان صدیق لکھا جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا ہو اور قصد
جھوٹ بولنے کا رکھتا ہو یہان تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہان کذاب لکھا جاتا ہو۔ و فی العرائس قولہ یوسف ایہا الصدیق
صدیق اسوجہ سے کہا کہ غیبی حالات کامل پورے پورے سچائی کے ساتھ بوحی والہام بیان فرماتے تھے اور مکاشفہ سے سچ جانتے تھے
اور عجائب غیب مین اپنے سچے مکاشفہ سے بیان فرماتے تھے اور صدیق وہ ہو جو صدیقیت مین مستقیم ہو یعنی صدق کا درجہ اسکو استقامت
کے ساتھ حاصل ہو کہ اُسمین کبھی حرکت نہ آوے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ دل پر انوار تجلی نے ظہور کیا اور صدق حاصل ہوا پھر پیدا ہوا انوار
یقین و عرفان نے ظہور کیا یہان تک کہ اسمین یہ ملکہ مستقیم ہو گیا اور ظاہر اسکا یہ ہوتا ہو کہ ایک حالت یکسان ہی اور سچائی کے ساتھ
اعمال یکسان صحیح ہین۔ شیخ ابوحفص نے فرمایا کہ صدیق وہ ہوتا ہے کہ جس طرح ظاہر مین ہو ویسا ہی باطن مین ہو یعنی ظاہر و باطن
مین کچھ فرق نہو اور مترجم کہتا ہو کہ مراد یہ ہی کہ ظاہر مین صلاحیت و تقویٰ کا اظہار ہو ویسا ہی باطن مین ہو۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ
صدیق کا ادنیٰ درجہ ہی اور جیسے متقی کیلئے درجات ہوتے ہین ویسے ہی صدیق کے لئے بھی متفاوت درجات ہین چنانچہ جو کوئی اسلام لایا اگرچہ
وہ گنہگار ہو بہ نسبت مشرک کے فرد متقی ہو کیونکہ اسنے شرک کرنیسے اتقا کیا یا دائمی عذاب الیم سے پرہیز کیا۔ اور بعض نے فرمایا کہ صدیق
وہ ہو کہ جس کے قول و فعل و عزم و نیت اور لوگون کے ساتھ اسکے معاملات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکے عہد و پیمان سب سچ ہون مترجم
کہتا ہو کہ جس کے معاملات و افعال مین خطا واقع ہو جاتی لیکن وہ ہمیشہ سچائی کا قصد و عزم رکھتا ہو تو اسکا حکم معلوم نہین ہوا اور ظاہرا
حدیث شریف متذکرہ بالا سے وہ بھی صدیق ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ بعض نے فرمایا کہ صدیق وہ ہو جسکے قول و فعل موافق ہون
اور جو حالت اپنی ظاہر کرے ویسا ہی باطن مین ہو اور مترجم کہتا ہو کہ ظاہرا یہ شرط ہوگی کہ ظاہری مثال اسکے سب صلاحیت پر

ہون فسق وفجور نہ ہون بس منافق وہ ہی کہ ظاہر مین صالح و باطن مین فاسق ہو اور یا اسکی تاویل وہی ہو جو ادپر مترجم نے متقی کی نظیر مین ذکر کیا ہو واللہ اعلم۔ شیخ ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا صدیق کی مثال مین حقیقی ایک فرد حضرت ابو بکر الصدیق ہین کہ دوسرا صدیق انکے مثل نہین ہو سکتا ولیکن صفت یہ ہوگی کہ وہ دونون جہان کو دیدار حق پر قربان کردے چنانچہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر یعنی اپنے صدیق سے پوچھا کہ تم نے اپنے واسطے کیا باقی رکھا ہو یعنی گھر کے تمام مال و متاع مین سے سب خیرات کیا پھر اپنے واسطے باقی رکھا ہو وہ کسقدر ہے تو جواب مین عرض کیا کہ مین نے اپنے واسطے اللہ تعالیٰ و اسکے رسول کو رکھ لیا ہو۔ قال المترجم ہذا استنباط جید۔ واللہ اعلم۔ القصہ

جب خواب بیان کیا تو حضرت صدیق نے تعبیر مع تدبیر بیان فرمائی۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ۝

کہا تم کھیتی کروگے سات برس لگ کر سو جو کاٹو اسکو چھوڑدو اسکی بال مین مگر تھوڑا جو کھاتے ہو

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ۝

پھر آوینگے اس پیچھے سات برس سختی کے کھا جاوین جو رکھا تم نے انکے واسطے مگر تھوڑا جو روک رکھوگے

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ۝ ع

پھر آویگا اس پیچھے ایک برس اسمین مینہ پاوینگے لوگ اور اسمین رس نچوڑینگے۔

قال حضرت صدیق علیہ السلام نے تعبیر خواب کو اسطرح فرمایا کہ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ کھیتی کروگے سات برس۔ اور کہا گیا کہ معنی امر کے ہے اور یعنی سات برس تم کھیتی کرو لیکن امر کو بصیغہ مضارع بیان کیا اور یہ مبالغہ ہو جیسے قولہ تؤمنون باللہ والیوم الآخر وتجاہدون الآیۃ۔ اور غرض مبالغہ کی یہ ہو کہ اسوقت جس کام کا حکم دیا جاتا ہے وہ مخاطب کو گویا معلوم کہ ہوگا یا نہ ہوگا تو خوب یقینی کر دیا کہ ضرور تم ایسا کروگے اگرچہ تمہارے دل مین اسوقت یہ بھی ہو کہ یہ کرنے کا حکم دیتا ہی ہم کرین گے یا شاید کرین یا نہ کرین تو وحی الٰہی تعالیٰ سے غیب کا حال بیان کر دیا کہ کروگے اور تم ضرور ایسا کروگے آپ سمجھے وہم ہو کہ یہ تو ہمارا الہل چال ہو کہ غیب کا حال جب کوئی پیغمبر برحق بیان فرماتا ہو تو یہی معنی ہین کہ ایسا ہوگا تو اسکو صیغہ امر تم کیون کہتے ہو تو جواب یہ ہو کہ خود آگے فرمایا کہ فذروہ اسکو چھوڑ رکھو اور یہ صیغہ امر ہو تو معلوم ہوا کہ یہان بھی یہی مراد ہے ورنہ تقریر خوب بلحاظ مناسبت ہوگی غرضکہ فرمایا کہ کھیتی کروگے سات برس دَاَبًا بسکون الف اور ایک قراۃ میں بفتحتین حال سے دائبین یعنی متوالین درپے یعنی ہمیشہ کی عادت کے موافق ایسا کرو اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے یہ کہ ہر کوشش سے یہ کام کرنا چاہیے پس دَاَبًا مفعول مطلق ہو سکتا ہو کہ تدابون داَبًا۔ یا تقدیر یدئبوا الزراعۃ داَبًا۔ اور دونون کیلئے یہان قرینہ ہو پہلے قول کا قرینہ تو ظاہر ہو کہ علم غیب کی خبر دینا بطریق مبالغہ یون ہوا کہ تم سات برس برابر زراعت کروگے اور دوم کا قرینہ یہ ہو کہ آیندہ قصہ مین بادشاہ نے یہ کام انہین کے حوالہ کر دیا کہ جس کوشش سے آپ چاہتے ہین خود اہتمام فرمایئے۔ مدارک مین لکھا کہ یہ سات موٹی تازی گائیون اور سات سبز بالیون کی تعبیر ہو پھر بیان ایک تدبیر بنظر شفقت جیسا انبیاء علیہم السلام کی عادت ہوتی ہو بیان فرمائی کہ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖ پس جو تم کاٹو یعنی گیہون یا جوار وغیرہ جو کھیتی پک کر کاٹو تو اسکو چھوڑ رکھو اسی کی بالیون مین یعنی تاکہ وہ خراب نہ ہو جاوے اور گھن وغیرہ نہ لگجاوے کیونکہ وہ اپنی بال مین خوب رہیگا اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ باستثناء اسقدر قلیل مقدار کے جس سے نکالو جو تم کھاؤگے یعنی جس اناج مین سے کھانا مقصود ہو تو اسکو بال مین سے نکالنا چاہیے تاکہ اندازہ رہے

اور باقی بالیوں میں چھنے دو۔ پھر تعبیر شروع کی۔ ثُمَّ یَأْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ سَبْعٌ ۔ پھر آوینگے بعد ان سات برسوں کے جنمیں کھیتی کروگے اور
سات برس شِدَادٌ سخت یعنی قحط کے کہ بالکل خشکی ہوگی کچھ تازگی نہوگی۔ یہی سات خشک بالیاں و سات دُبلی گائیاں ہیں جو موٹیوں
وسبز کو نگلے جاتی ہیں یَّاْكُلْنَ ۔ یہ ساتوں قحط کے سال کھا جاوینگے۔ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ ۔ وہ سب جو تم نے اُنکے لیے پہلے ذخیرہ کر رکھا تھا
یعنی پہلے سات سال کا کھیتی کا ذخیرہ اور ہری بھری بالیاں۔ ان برسوں کو کھا جانے والا بیان کیا تاکہ جلد سمجھ میں آجاوے کہ سات دُبلیاں
سات موٹیوں کو کھائے جاتی ہیں۔ حالانکہ ان برسوں میں لوگ ہی اپنا ذخیرہ کھاتے تھے اور مترجم کہتا ہے کہ ہر چیز عالم میں کھانیوالی ہے
اور ہر چیز دوسرے کیلئے ماکول غذا ہے اور یہ حقیقت بیان میں اسواسطے نہیں آئی ہو کہ ہم لوگوں کی سمجھ استعداد سے وہ پاکیزہ وصاف نہیں ہے
ولیکن یہ یاد میں رہنا چاہیئے تاکہ وقت پر دل میں دلیل روشن ہو جاوے۔ القصہ کہا کہ یہ قحط کے سال ان سب برسوں کو کھا جاوینگے جو
پہلے موجود تھے۔ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۔ باستثنائے قلیل مقدار اسکے ذخیرہ میں سے جو تم بیجوں کی غرض سے محفوظ کر رکھو یعنی
آخری حد پریشانی و ناامیدی کی یہاں تک ہو جائے گی کہ صرف بیجوں کی قدر بمشکل رہ جاویگا اگر آئندہ سال قحط ہو تو بالکل فاقہ
ہو جانے کا خوف ہو ولیکن رحمت الٰہی عز وجل نے اپنے مخلوق کو باقی رکھنا چاہا چنانچہ فرمایا۔ ثُمَّ یَأْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ عَامٌ ۔ پھر اسکے بعد
یعنی ایام قحط کی مصیبت کے بعد آویگا ایسا ایک سال کہ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ ۔ جسمیں غیث دیئے جاوینگے لوگ۔ غیث کثرت سے باران
جو پیداوار کیلئے نہایت مفید ہو۔ بعض نے کہا کہ یغاث از غوث معنی فریادرسی کی ہو یعنی یہ ہوئیگا کہ اس سال میں بندوں کی دستگیری فرمائی
جاویگی یعنی حق تعالیٰ قحط زدہ لوگوں کی فریاد پر ان پر رحمت عطا فرماویگا دیکھو دلیل اول اور یہی پہلی قول ہے۔ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ۔ اور اس
سال میں لوگ شیرہ نچوڑینگے اور کہا گیا کہ یعصرون باذون کے معنے سے لیا ہو جو اشتقاق میں ہو یعنی سحابات معصرات
ان پر سایہ کرینگے ف۔ یہاں قولہ ثم یاتی من بعد ذلک عام الآیۃ۔ کو تعبیر خواب مذکور سے تعلق نہیں ہے بلکہ خواب کی تعبیر تو سات
سال فراخی و سات سال قحط پر تمام ہوگئی اور یہ سال نہایت فراخی کا آنحضرت علیہ السلام نے بطریق بشارت کے ذکر فرما دیا۔ بیضاوی
وغیرہ نے ذکر کیا کہ شاید اس قرینہ سے کہ عادت الٰہی جاری ہے کہ بعد سختی کے راحت عطا فرماتا ہو مگر مترجم کے نزدیک یہ امر بہت
مستبعد ہو خصوصاً قولہ فیہ یغاث الناس کہ ان کا احتمال دو وجہ سے حرام ہے اول اخبار غیب اور دوم قطعی بیان احتمال سے۔ فافہم۔ اور لکھا کہ شاید
اس قرینہ سے قحط کی انتہا ر فراخی پر ہوتی ہے اور مترجم کہتا ہے کہ ان قحط کی انتہا ر فراخی پر معلوم ہے مگر یہ صفت کیونکر معلوم ہوئی
کہ فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون۔ علاوہ ازیں قحط کا خاتمہ فراخی پر ہونا ان لوگوں کو بغیر بتلائے معلوم تھا کیونکہ یہ مقدمہ تو بدیہی
ہے کہ قحط ختم ہوا تو اسکا نقیض آیا۔ اور لکھا کہ اور شاید وحی سے معلوم کرکے بتلایا ہو اور میں کہتا ہوں کہ صریح صاف بات یوں فرمائی
جاتی کہ بدلیل قولہ انبئکم بتاویلہ الاحادیث اور بدلیل قولہ تعالیٰ ذلکما مما علمنی ربی۔ یہ سب بتعلیم الٰہی سبحانہ تعالیٰ واقع ہوا۔ ف۔
قولہ تزرعون سبع سنین دأبا۔ سے معلوم ہوا کہ آدمی کو عالم اسباب میں بدون نظر کئے سبب کے یا اسپر اعتماد کئے کوشش کرنا چاہئے
اور بحکم قولہ فذروہ فی سنبلہ۔ سے معلوم ہوا کہ تدبیر کرنا اصلاح کی غرض سے مامور بہ ہو اور یہ تقدیر سے منافی نہیں ہو بلکہ حسن نیت پر
ثواب ملیگا اور قولہ الا قلیلا مما تاکلون۔ ہدایت و ارشاد ہو کہ کھانے پینے میں اسراف سے فضول خرچی نہ ہو اور یہ حکم کلام الٰہی میں صریح
منصوص ہو اور واضح ہو کہ کھانے کی تین حدیں بیان ہوئی ہیں اول تو بقدر لقیمات اور یہ صالحین اتقیا کے آداب میں ہو۔ دوم تہائی پیٹ
کھانا اور تہائی پانی اور تہائی سانس یعنی یاد الٰہی کے لئے خالی چھوڑنا اور یہ ایک حدیث میں منصوص ہو اور اس میں چوتھا ازال یہ ان کا عمل رہا۔

سوم شکم سیری سے کم اور یہ مباح ہے چہارم شکم سیری کو بعض نے حرام کہا اور بعض نے یہ حد مباح کی قرار دی اور سیری سے زائد حرص کو حرام کہا
ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور موٹائی کے لئے کھانا دو طرح کا ہے اول پسندیدگی موٹائی و پہلوانی کی تو یہ بحکم حدیث یحبون السمانۃ اور بحدیث
یشیع فیہم السمن کے حرام ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بڑا موٹا لحیم شحیم لایا جائیگا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی قدر مچھر کے
پر کے برابر نہ ہوگی اور دوم لاغری وضعف کے دور کرنے کیلئے بغرض اصلاح دماغ و درستی حواس وقوت عبادت کے ہو تو یہ
جائز اور بعض صورتوں میں تحصیل وجہ جہاد فرض ہو اسپر واجب ہے۔ اور ابراہیم بن ادہم اور ایک جماعت صالحین سے مروی ہے
کہ کھانے میں اسراف نہیں ہے یعنی جسقدر لوگ کھاویں یا انکو کھلاوے اسراف نہیں ہے ورنہ فتاوی وغیرہ میں شکم سیری وغیرہ کا مسئلہ صحیح
ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات میں کھاتا ہے یہ اشارہ اسکے حرص کا ہے قولہ ما قدمتم لہن۔ میں جواز
ہے کہ آدمی کسی وقت ضرورت کیواسطے کچھ ذخیرہ رکھ چھوڑے اور واضح ہو کہ زیادہ بحث اسکی قولہ الذین یکنزون الذہب والفضۃ
ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ الآیۃ میں گذر چکی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر محمول ہونا اکثروں کا قول ہے اور بعض نے تورع کی راہ سے مطلقاً
ذخیرہ سے اجتناب فرمایا ہے اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم سونا و چاندی کچھ ذخیرہ نہیں فرماتے تھے اور بحرین سے جو کثیر مال آیا اسکو
اسی روز تقسیم فرما دیا ایک درہم بھی نہیں رکھا اور برابر آپ کا یہی دستور تھا اور اس مقام پر اناج کے ذخیرہ کا ذکر ہے تو صحیح حدیث
سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے عیال کیلئے ایک سال کا ذخیرہ رکھ دیتے تھے اور یہیں سے کہا گیا کہ جو کوئی زراعت کا پیشہ کرے
ایکسال کا قوت رکھے اور نوکر ماہواری ایک ماہ کا اور کرایہ والا بدستور کرایہ کی سہ ماہی یا ششماہی یا ماہواری چنانچہ عموماً دستور تو
اس زمانہ میں ماہواری ہے اور قولہ الا قلیلا مما تحصنون سے نکلا کہ عیال کی تنگی ویسی صورت میں جائز ہے کہ نفقہ سے عام ضرر لاحق ہو بدلیل
اسکے کہ احصان خاص طریقے سے نگہداشت ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جو کوئی عاشورا کے روز اپنی عیال پر وسعت دیوے اللہ تعالیٰ
سال بھر اسکے لئے وسعت فرماتا ہے ولیکن شیخ ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوع کہا اور لکھا کہ حضرت امام المومنین حسین بن علی علیہما السلام
کے قاتل یزیدیوں نے اسکو بنایا ہے اور بعض متاخرین نے کہا کہ نہیں اسکی قوت ثابت ہوئی ہے۔ اور عاشورا کے روز شکریہ کا روزہ
تو صحاح میں منصوص ہے پس اگرچہ آنحضرت صلعم کو شہادت جگر گوشۂ نبوت حضرت امام حسین علیہ وعلی آبائہ الصلوٰۃ والسلام کی اطلاع
تھی مگر اسکی تعزیت کا کوئی طریقہ آپ سے مروی نہیں ہے اور عوام جو اس روز نصف روز کا روزہ رکھتے ہیں یہ بدعت حرام ہے اور بعض بوجہ
فاقہ حضرت امام کے دو روز نویں و دسویں کا روزہ رکھتے ہیں اور اس نیت سے بھی حرام ہے اور پوشیدہ نہیں کہ دنیائے ملعونہ سے باکرام
شہادت فرشتوں کے پروں پر تاج شاہانہ کے ساتھ سلطنت آخرت کے تخت پر بیٹھنے کیلئے جانا محرم کی دسویں تاریخ کو واقع ہوا تھا پس
جو آخرت پر آنکھوں سے دیکھنے سے زیادہ یقین رکھتا ہے وہ اپنے سرتاج حضرت امام کیلئے شکر ادا کریگا اور پلید یزید اور اسکے گروہ کی خواری
پر افسوس کریگا کہ مردود ہوے اور اس سے زیادہ واویلا اور بدعات منکرہ سب آخرت سے انکار و دنیاوی حیات پر جان نثار ہونے پر مبنی
ہیں اور حضرت امام کی اقتدا کا اگر خیال ہوتا تو پہلے اس امر کو دیکھتے کہ حضرت سید اہل الجنۃ علیہ السلام نے کسطرح دنیا کو ترک کیا اور آخرت کو اختیار کیا۔
اور کس استقلال سے شربت شہادت پر متواتر روزہ افطار فرمایا اور کس طرح حضرت خلافت علیہم کے حقوق و رعایت پر اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم
کو پہنچا اللہم اجعلنا من محبیہم واتبعہم وفاز فوزاً عظیماً۔ اور واضح ہو کہ حکمت الٰہیہ قحط و فراخی میں کسی قیاسی قاعدہ پر ہمکو معلوم نہیں
ہوسکتی ہاں البتہ زکوٰۃ جب روکی جاوے یا زنا کیا جاوے تو قحط و خشک سالی اور وبا پیدا ہوتی ہے جیسا کہ بعض نے استنباط کیا ہے ولیکن ضرور

نہین ہی کہ ان دونون وجہ کے سوائے قحط و وبا نہو وے کیونکہ حکمت الٰہیہ ادراک بشر سے خارج ہے۔ اگر وہم ہو کہ عموماً جن ملکون مین زکوۃ
کا اعتقاد و عمل ہی نہین ہے یا زنا ایک خلاف قانون یا علانیہ ہونا خلاف تہذیب سمجھنے کے سوائے کچھ خیال نہین کیا جاتا ہی وہان
تو کبھی ایسا نہین ہوتا ہے تو جواب یہ ہی کہ یہ وہم فقط نادانی سے پیدا ہوا ہی اسکو سننا چاہیئے کہ کفر کے لئے تمام دنیا و مافیہا سب وقف
ہے اور اسلام کے لئے بقدر عبادت وجواز شریعت کے مباح ہے اور بلا نیت کفر کے حرام ہے تو جو لوگ اسلام لائے یا ابھی کافر ہین
مگر ان پر کوئی نصیحت پہونچ گیا تو ان کو بحالت فسق و فجور یا سرکشی کے ایسی چیزون سے تنگ پکڑا جاتا ہے تاکہ عبادت و طاعت
پر قائم رہین یا اسلام لاوین جیسا کہ قولہ تعالیٰ ولو ان اہل القری آمنوا الآیات سابقہ ولاحقہ مین قرآن مجید کے اندر صریح منصوص
ہو کہ اگلی امتون کے ساتھ ایسا برتاؤ ہوا اور جب وے بالکل کافر ہونے پر اصرار کر گئے یا جو اسلام مون تھے فقط برائے نام صورت کے مسلمان
رہ گئے تو انکا آخرت کا حصہ بھی اللہ تعالیٰ انکا خالق رب العالمین انکو دنیا مین دیدیتا ہے یہتی کہ ان کو بہت زیادہ فراخی اور وسعت حاصل
ہو جاتی ہی پھر موت کے وقت انکی گرفتاری سخت و شدید ہی لقولہ تعالیٰ فاخذناہم بغتۃ فاذاہم مبلسون۔ تو حاصل یہ ہوا کہ جن لوگون کی صورت
فقط مسلمانون کی سی ہو اور دل انکا کافرون کے مشابہ یا مثل ہی تو انکی زکوۃ نہ دینے سے یا ان مین زنا پھیلنے سے اس باعث سے قحط یا
وبا نہ ہوگی ہان کسی حکمت خاص سے آوے تو اسکا علم حق تعالیٰ عز وجل کو ہی اور اسی طرح جن ملکون مین محض کفر و اسپر اصرار ہے اور
وہان ایمان کا وجود ہی نہین ہی تو ان کافرون پر بھی انکے دنیاوی چال چلن کے موافق آسودگی فراخی و تندرستی ہوگی اور دنیاوی چال چلن
سے یہ غرض ہی کہ لوگون پر انکی حکومت اگر ظلم و جبر کی ہوگی تو ظالم کے روز بروز تنزل ہوتا ہے اور اگر لوگون کو آرام دینے اور ان کے
رزق کشادہ کرنے و ہر طرح حفاظت کرنے کے طور پر ہوگی تو وے آسودہ و تندرست رہین گے پھر جو چیز انھون نے اختیار کی تھی
یعنی دنیا اسکا خاتمہ انکی زندگی پر ہو پس فوراً جان نکلتے ہی سخت عذاب انپر پڑجاوین گے اور یہ جو مین نے ذکر کیا ہی یہ آیات و احادیث
مین صریح موجود ہی پھر یہ جو ہم نے لکھا کہ قحط و فراخی کی حکمت خاص علم الٰہی مین ہی اسکا اشارہ و بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام
کے وقت کا جو فرعون تھا وہ مرد عادل تھا آخر مسلمان ہوگیا اور سات سال فراخی و سات قحط کے دیئے اور پھر ایک سال نہایت فراخی
کا دیا اور جب قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کیا تو آپ نے بددعا فرمائی کہ اے پروردگار انپر سات برس کا قحط مثل ہفت سالہ
قحط یوسف علیہ السلام کے اتار دے چنانچہ ایسا ہوا حتی کہ لوگون کی نظرون مین آسمان و [illegible] دھواں معلوم ہوتا تھا قال تعالیٰ۔ یوم
تاتی السماء بدخان مبین الآیۃ۔ اور ایسے ہی [illegible] ناحق [illegible] قحط و بلا مین گرفتار ہوئے جیسے
دولتمندی پر نازان تھے خسر الدنیا والآخرۃ ہوگئے اور سابقین امتون پر اصرار کفر کی حالت مین وسعت فراخی دیدی لقولہ فتحنا علیہم ابواب
من السماء الآیۃ۔ اور واضح ہو کہ جس طرح فسق و فجور سے سلطانون پر سختی ہوتی ہی اسی طرح حسن طاعت و عبادت و اخلاص نیت و
اختیار آخرت در ترک لذات دنیا کی صورت مین تمام دنیا انکے پیچھے لگادی جاتی ہی اور وے اسکو ٹھکرا دیتے ہین اور جو کوئی
ایمان کسی قدر ضعف کے ساتھ رکھتا ہو یعنی فسق کرتا اور دنیاوی عیش بھی چاہتا ہو تو وہ دونون کے بیچ مین دنیا و آخرت دونون کی
نعمت سے [illegible] ہو لہذا دنیا کے پیچھے دوڑتا ہو اور وہ اس سے بھاگتی ہے پس قدر مقدر دیا جاتا ہے اور اوقات ضائع کرتا ہی اور اسکو آخرت کا
حصہ دیا جاویگا اور یہ سب فضل الٰہی ہو جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب مین کہتا ہون کہ تمام ثروت جواہرات سونا چاندی گھوڑے
[illegible]

کی صورت میں درحقیقت انسان کا حصہ آئین سے اسی قدر ہے کہ قلیل اپنے پیٹ میں ڈالے یعنی اسی قدر کہ جسقدر اہل مصر کی نسبت فرمایا تھا کہ الا قلیلا مما تأکلون۔ پھر جو کچھ پیٹ میں ڈالا وہ بھی کچھ دیر تک لادے رہا پھر ایک نجس شکل میں بہا دیا کہ درحقیقت اسکے واسطے کوئی اعتبار نہیں رہی آئندہ وہ ہیچ ہے کچھ تعلق اس سے نہیں رکھتا اور جو کچھ ایک ہی آدمی نے خیال کیا کہ عمدہ جوہر اسکے بدن کا جزو ہوگیا وہ سالہا سال جمع کرکے آخر گڑھے میں دبا گیا اور ایسا بدبودار سڑا کہ زندہ اسکے سونگھنے سے قریب مرگ ہوجاوے اللہم اغفر انک فانا لجاہلون۔ اور حدیث میں ہے کہ آدمی بکا کرتا ہے کہ میرا مال میرا مال اور ہے اسکے مال سے کیا سوائے اسکے جو کھا کر برباد کیا یا پہنکر پھاڑ دیا اور یا خیرات کرکے اپنے لئے ذخیرہ کرلیا اور مترجم نے مقدمہ فتاوی میں اس حدیث کی فقہ کو بتفصیل نفیس بیان کردیا ہے۔ فافہم واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔ القصہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسکو تعبیر دیدی اور وہ رخصت ہوکر چلا گیا اور بادشاہ وغیرہ سے بیان کیا تب بادشاہ نے طلب کیا۔ کما قال تعالیٰ۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس پھر جب پہونچا اُس پاس بھیجا آدمی کہا پھر جا اپنے خاوند پاس اور پوچھ اُس سے کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی

الَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ

جنھوں نے کاٹے ہاتھ اپنے میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت

إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ

تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو اُسکے جی سے بولیاں حاشا للہ ہم کو معلوم نہیں اُس پر

مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ

کچھ برائی بولی عورت عزیز کی اب کھل گئی سچ بات میں نے پھسلایا تھا اسکو اسکے جی سے اور وہ تو

الصَّادِقِينَ ۝ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۝

سچا ہے یوسف نے کہا اتنا اسواسطے کہ وہ شخص معلوم کرے کہ میں نے چوری نہیں کی اس عزیز کی چھپکر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا

وَقَالَ الْمَلِكُ۔ اور بادشاہ نے کہا کہ ائْتُونِي بِهِ۔ میرے پاس اسکو لے آؤ۔ شاید یہ غرض ہوکہ میں خود اسکی زبان سے سنوں یا ایسے نیک دینی کا اکرام کیا جاوے جیسا کہ بیضاوی وسراج وغیرہ میں مذکور ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قید سے رہائی دینی مقصود تھی یعنی اسکو قید سے رہا کردو اور یہ منزلت دو کہ میرے دربار میں حاضر ہو کہ میں چلا نہ جاوے اسیواسطے یہ ہوا کہ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ۔ جب بادشاہ کا ایلچی خواہ ساقی ہو یا اور کوئی ہو یوسف پاس آیا یعنی بلانے کو آیا چونکہ آئین ربانی مضمر تھی لہذا قَالَ یوسف نے کہا کہ ارْجِعْ لوٹ جا۔ إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے آقا کے پاس۔ فَاسْأَلْهُ۔ اور اس سے دریافت کر یعنی بطور میرے پیغام کے اُس سے پوچھ کہ۔ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ۔ کیا حقیقت ہے ان عورتوں کے حال کی جنھوں نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ۔ یہاں چند باتیں سمجھنا چاہیئے اول یہ کہ جو شخص بلانے آیا تھا اُسکے ساتھ نہیں گئے بلکہ یہ سوال پیش کیا اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحن احق بالشک من ابراہیم اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتی الآیۃ۔ ویرحم اللہ لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید ولو لبثت فی السجن طول مالبث یوسف لاجبت الداعی یعنی ہم زیادہ مستحق ہیں شک کے ابراہیم کی نسبت جبکہ انھوں نے کہا کہ رب ارنی کیف تحیی الموتی اور رحم فرمائے اللہ تعالیٰ لوط پر کہ البتہ ٹھکانا لیتا تھا رکن شدید کی جانب اور اگر

تین قید میں پڑا رہتا اسقدر دراز مدت کہ یوسف پڑا رہا تھا تو بلانیوالے کا کہا مان لیتا علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم نے جناب باری تعالیٰ عزوجل کی عظمت وکبریائی اور اسکے امتحان کی بڑائی و بزرگی کے مقابلہ میں تواضع کے طور پر اگلے انبیائے
اولوالعزم کے مصائب امتحان میں ثابت قدمی بیان فرمائی یعنی یہ مقولہ آپکا بطریق تواضع ہے جو صفت محمود ہے ورنہ دوسری صحیح حدیث میں
آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مصائب مجھ پر گذرے وہ کسی پیغمبر پر نہیں گذرے ہیں اور سمجھے یہ وہم نہو کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے
بدن میں کیڑے ہو گئے تھے کیونکہ معاملات آلہی و خطرات نفس و طرق قبولیت ایسے باریک ہیں کہ ظاہری صورتیں جنکو ہم لوگ بہت
مصیبت سمجھیں وہ ہنوز کسی متقی اہل دل سے دریافت کے قابل ہیں چنانچہ نظیر اسکی جہاد ہے کہ تلوار سے کفار کے ساتھ مقابلہ کرنے کی
سختی کو چھوٹا کہا اور ہر وقت نفس و خطرات شیطان سے مجاہدہ کر کے راہ مستقیم پر استقامت کو بڑا جہاد فرمایا ہے حالانکہ ہماری نظر کا آدمی اسکے
برعکس خیال کریگا فافہم اور امام احمد کی روایت میں ابوہریرہؓ کی حدیث اسطرح ہے کہ اگر بجائے یوسف کے میں ہوتا تو جلدی سے بلانا
قبول کرلیتا اور اپنی بریت کا عذر نہ ڈھونڈھتا اور عکرمہ سے مرسل روایت ہے کہ میں تعجب کرتا ہوں یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کا وہ انعام
جو یوسف پر ہوا تھا بھلا نظر آتا ہے کیا اچھا صبر و کرم کیا اور اللہ تعالیٰ اسکو بخشے کہ جب اس سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو وافی
کرم سے بتلادی اور اگر بجائے اس کے میں ہوتا تو نہ بتلاتا یہانتک کہ پہلے شرط کرلیتا کہ مجھے قید سے نکالو اور مجھے تعجب آیا یوسف اور
ان کے صبر و کرم پر اسکو اللہ تعالیٰ بخشدے جبکہ اسکے پاس بادشاہ کا ایلچی بلانے آیا تھا اور اگر بجائے اسکے میں ہوتا تو دروازے کی طرف
سب سے آگے ہوتا لیکن یوسف نے یہ چاہا تھا کہ تہمت سے اسکا چھٹکارا ہوجاوے مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث میں ہر بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
اسکو بخشدے اور یہ لطیف اشارہ اہل دل صاحب فہم فقیہ کیواسطے ہے جسکو اس حدیث کی حکمت دریافت ہو جس میں اپنی پاکیزہ ذات
کے واسطے ظاہر میں انکسار فرمایا ہے حالانکہ خود افضل الرسل تھے اور شان توحید میں فیدا ہو جاتے ہیں حق عزوجل وہاں کبھی اور جانب حق عزوجل
اور برات باطلان حق عزوجل ہے کیونکہ قلوب قبضۂ قدرت الٰہیہ میں ہیں کوئی خطرہ خود نہیں کرسکتے ہیں اسیواسطے متقی مرد معاملے کے حق میں
طویل حدیث میں یہ مضمون ہے کہ لوگ اسکے ساتھ ابتدا میں عداوت کرتے ہیں یعنی شیطان ان لوگوں کو برانگیختہ کرتا ہے حتی کہ محل امتحان
و آزمائش میں اسکو ہر طرف سے پریشانی ہوتی ہے یہانتک کہ جب وہ استقامت پر قائم رہتا ہے تو دریائے احسان پر فائز اور اللہ تعالیٰ
کے حکم سے فرشتہ پکار فرماتا ہے کہ فلاں بندے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے تو آسمان والوں کی طرح زمین والے بھی اسکو دوست رکھتے
ہیں اسکی محبت کا بیج تمام شائستہ قلوب میں جم جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ قلوب عداوت یا محبت میں حکم الٰہی عزوجل اپنے خالق کے مسخر ہیں
پس محل امتحان سے یہانتک جلدی ہو سکے مبادرت کرنا چاہئے فافہم واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب - بالجملہ حضرت
یوسف علیہ السلام کا ایلچی کے ساتھ نہ جانا اس غرض سے تھا کہ لوگوں کے دلوں میں کوئی شبہہ تہمت کا نہ رہے کیونکہ ابتدا میں طفل گہوارہ
کی شہادت وغیرہ سے لوگوں کے دلوں میں استحکام تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بری ہیں چنانچہ قولہ امرأۃ العزیز تراود فتاہا
عن نفسہ قد شغفہا حبا سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ الزام زلیخا پر لگاتے تھے لیکن پھر جب خاص لوگوں نے مشورہ کرکے ان کو قید
کیا تو احتمال ہوا ہوگا جسکے دفع ہونے اور پوری بریت ظاہر ہونے کی غرض سے جانے میں عذر کیا جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے
یہ توجیہ ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں سے بعض علماء نے کہا کہ تہمت سے بچنا اور مواقع تہمت سے گریز کرنا انسان پر لازم ہے اقول بیشک مواقع تہمت
سے بچاؤ میں بہت صلاح اور بے پروائی میں بڑے مفاسد ہیں کیونکہ لوگ اسکی غیبت و تہمت سے گنہگار ہونگے جسکا یہی باعث ہوگا اور

بھی معصیت کا شریک بلکہ خود سبب ہوگیا اور اگر عالم ہو تو اسکی اقتدار میں فتور ہوگا اور صحیحین میں حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا
عہد مذکور ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف میں شام کو بغرض دیدار آنحضرت صلعم تشریف لائیں اور تاریکی میں دو مرد صحابہ نے
دیکھا ام المومنین سے باتیں کرتے دیکھکر واپس ہونے کا قصد کیا تو آپ نے انکو آواز دیکر بلوایا اور فرمایا کہ یہ عورت صفیہ ہی یعنی میری پاک
بی بی اور تم سب کی پاک ماں ہی تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی شان میں ہم کو شبہہ ہوتا پس آپ نے موقع تہمت سے اسقدر
اہتمام کیا اور نہایت پیار و شفقت سے ایسا کیا کیونکہ شاید شیطان کسی وقت غفلت پاکر ان دونوں کے دلوں میں کچھ وغدغہ دیتا جس سے
نتیجہ بہت سخت پیدا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاک قدس پیغمبر افضل الانبیاء والرسل بلکہ خیر الخلائق اجمعین کی طرف ایسے وسوسہ سے انکے
وہ بہت بگڑ جاتے انکی اصلاح بہت دشوار ہو جاتی تو آپ نے کمال شفقت سے چاہا کہ ان پر شیطان کسی طرح قابو نہ پاوے اور اسی پر یہ مبنی ہی
مسئلہ کہ جو شخص مسجد میں ہو اور اذان دیگئی اور لوگوں میں معروف نہیں ہی کہ یہ فلان شخص کسی دوسری مسجد کا امام ہی یا مانند اسکے تو اسکو
نماز پڑھنے سے پہلے نکلنا نہیں چاہیے تاکہ اسکی نسبت تہمت نہ ہو کیونکہ تہمت کے موقع سے پرہیز واجب ہی اور اسی پر مبنی ہی یہ مسئلہ و اسکے نظائر
کہ دیندار و عالم کو روا نہیں ہی کہ شراب خانہ میں جاوے اگرچہ اسکی نیت اسکے قبیح حال پر تنبیہ کی ہو اور ایسا عالم ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوسکتا
جہاں ممنوعات ہوں اور اسی جہت سے آجکل بنگال کی عورتیں یا ایسی عورتیں جنمیں ممنوع فعل ہو دور کرنا جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب
دوسری بات اس مقام پر یہ ہی کہ حضرت یوسف علیہ السلام بطریق ظلم کے قید تھے ولیکن نکلنے سے انکار کیا تو مسئلہ معلوم ہوا کہ مظلوم اگر انصاف
تحقیق مقدمہ تک مشکل کے ساتھ طاعت پر صبر کرے اور تحقیق کا امر کرے تو جائز ہی - تیسری بات تو ارجع الی ربک سے معلوم
ہوا کہ آقا و سردار کو رب کہنا بطریق مجاز جائز ہی یعنی ظاہری صورت میں جسکے ذریعہ سے پرورش ہوتی ہو اسکے ساتھ غریب پرور وغیرہ
استعمال جائز ہی جبکہ یہ نیت ہو کہ درحقیقت یہی وسیلہ ڈالا اور پرورش کرنے والا ہی اور جو لوگ نہایت تعظیم سے کسی کو مؤثر سمجھتے ہیں انکے حق
میں حرام کیا بلکہ قریب کفر ہی اور اسی واسطے متقی علماء نے زمانہ میں لوگوں کو اس لفظ کی اجازت نہیں دی کیونکہ عوام کے دلوں میں تعظیم بھری ہوئی
چوتھی بات یہ ہی کہ آپ نے ایلچی کو کہا کہ بادشاہ سے دریافت کر کہ ان عورتوں کی کیا شان ہی حالانکہ ظاہر یہ تھا کہ یوں کہتے کہ عورتوں
مقدمہ کی تحقیقات کرے تو سوال میں لایا کہ قولہ فاسئلہ ما بال اس سے دریافت کر اور سوال کرنے کو متحمل ہی کہ پوچھا جاتا اور وہم طلب
اور یہ چوتھی کہ لفظ ما بال النسوۃ اچھے موقع پر واقع ہوا کیونکہ یہ لفظ کسی چیز کی ماہیت و حقیقت دریافت کرنے میں مستعمل ہی پس جب
چیز یا انکی اصل یا انکی حقیقت کا سوال کیا تو ضرور اس خیال سے کہ جاہل نہ بنا رہے تحقیقات کرنے پر آمادہ ہوگا بخلاف اس کے اگر
یہ کہتا کہ اس سے کہہ تحقیقات کرے تو شاید یہ گمان ہوتا کہ وہ بالکل پرواہ نہ کرتا بلکہ ناگوار ہوتا کیونکہ اسکے دماغ میں بادشاہی تمکنت
پانچویں بات یہ ہی کہ آنحضرت علیہ السلام نے ان عورتوں سے تعرض کیا جنھوں نے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے اور زلیخا سے تعرض نہ کیا
یہ کمال کرم و رعایت حقوق ہی اور اس ضمن میں براءت حاصل ہونا عمدہ طریقہ ہی واضح ہو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے انھوں نے
حضرت یوسف کو مع طرز معاشرت زلیخا کے معائنہ و مشاہدہ کیا تھا اور غالباً یہاں عورتوں کی طرف سے اس مقدمہ سے ظاہر تھا کہ یا جرم نہایت
کا لگایا گیا تھا اسواسطے انھیں عورتوں کو تحقیقات کیلیے متعین کردیا - اِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ میرا پروردگار ان عورتوں کے
فریب کا عالم ہی - اشارہ ہی کہ ان عورتوں کا مکر بڑا خطرناک تھا ان عورتوں نے مکر بہت زور دیا تھا کہ اپنی سیدہ یعنی زلیخا کا کہنا
ماننا چاہیے ورنہ تو قید میں تکلیف اٹھاویگا - اور بعضوں نے کہا کہ ربی سے مراد بادشاہ ہی یعنی اسکو خود یہ قصہ معلوم ہی ولیکن یہ قول

مستنکر ہے بلکہ صحیح وہی ہے کہ اپنے مظلوم قید ہونے کی شکایت کے طور پر کہا کہ خدائے تعالیٰ خوب آگاہ ہے کہ ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے بڑے مکر کئے اور اسطرح مجھے قید ہونا پڑا تاکہ آیندہ اگر قید سے رہا ہو کر بادشاہ کے قرب میں سکونت ہو تو اسکے خاندان کی عورتوں یا انھیں پہلی عورتوں سے نجات رہے اور بار دیگر ایسی فتنہ میں پریشانی نہ ہو الغرض ایلچی واپس آیا اور اس نے بادشاہ سے وہ سوال بیان کیا تب بادشاہ نے عورتوں کو جمع کر کے یہ مقدمہ دریافت کیا۔ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ کہا اے عورتو تمہاری کیا شان تھی یعنی یہ بڑا خطرناک قصہ کس طرح یوسف کی طرف سے انجام پذیر ہوا تھا۔ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ جبکہ تم نے یوسف کو اسکی ذات سے اپنی طرف لبھایا تھا یہاں سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اصل مرتبہ قطعی یقینی تھا کہ خواہش کرنے والیاں یہی عورتیں خود تھیں اور یوسفؑ نے کچھ بھی نہیں چاہا تھا اسیواسطے اس نے یہ سوال ہی نہ کیا کہ تم نے یوسفؑ سے خواہش کی تھی یا یوسفؑ نے تم سے کچھ چاہا تھا بلکہ یہی کہا کہ تم نے چاہا تھا ولیکن دریافت یہ کیا کہ شاید ان عورتوں کی خواہش کرنے اور اصرار کرنے و دھمکانے و ڈرانے اور ہر طرح کے مکر و فریب کرنے پر کوئی بات آنحضرت علیہ السلام کی طرف سے سرزد ہوئی ہو تو بتلاؤ میں کہ انجام کیونکر ہوا چنانچہ مترجم کی اس تقریر پر دلیل یہ جواب ہے جو عورتوں نے دیا کہ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ کہا کہ پاکی ہے اللہ کو مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے انمیں کوئی بدی نہیں دریافت کی یعنی دیکھنا تو درکنار بلکہ ہم دریافت کرنے کی جستجو کر چکیں بھی کہ کوئی برائی ان میں پاتیں تو ہم نے نہ پائی قولہ من سوء نکرہ تحت نفی۔ اور حرف من سے ہر فرد صغیرہ و کبیرہ برائی کی نفی ہو گئی یعنی کسی قسم کی بدی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو کسی طرح سے کو انمیں دریافت نہیں ہوئی چونکہ زلیخا کو دریافت ہو گیا کہ آنحضرت علیہ السلام نے میرا تذکرہ اس درمیان سے فقط میری آبرو کا لحاظ کر کے ساقط کر دیا اور تواضع و بخشش سے ایسی کی کہ عوض نیکی کرنی چاہی قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ عزیز کی جورو یعنی زلیخا بولی کہ۔ اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اب سچائی خوب صاف کھل گئی۔ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ میں نے ہی یوسف کو اسکی ذات سے لبھایا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی برائی نہیں ہوئی یہ عورتیں سچ کہتی ہیں کہ ان کو انمیں کوئی بدی معلوم نہیں ہوئی اور اب میں بھی کہتی ہوں کہ۔ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اور وہ بے شبہہ سچے آدمیوں میں سے ہے یعنی بہت سچا ہے کیونکہ جو لوگ سچے معلوم و متعین ہیں ان میں سے ہونا اظہار اس امر کا ہے کہ یقینی سچا ہے۔ سراج وغیرہ میں لایا کہ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ہم و قصد وغیرہ کچھ بھی واقع نہیں ہوا جیسا کہ بعض اہل بدعی و حوس فرقہ حشویہ میں سے آپکے پیغمبر مخلص علیہ السلام کی شان میں گمان کرتے ہیں مترجم کہتا ہے کہ شیخ ابن کثیرؒ نے نقل کیا کہ ابن جریرؒ نے اپنے اسناد کے ساتھ عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ جب یوسفؑ نے کہا کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ الآیۃ تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اسوقت کہ جب آپنے کچھ قصد کیا تھا تو یوسف علیہ السلام نے کہا کہ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ الآیۃ۔ مترجم کہتا ہے کہ اسناد اس روایت کی حسن ہے ولیکن باوجود اس روایت کے مترجم کا زعم ہے کہ کوئی برائی حضرت یوسفؑ پر نہ تھی جیسا کہ صریح قولہ ما علمنا علیہ من سوء سے ظاہر ہے اور روایت ابن عباسؓ میں ہم سے بشدید ہم سے مقصود دفعیہ خاطر و خطرات ہیں جو بلا اختیار محل امتحان میں خطور کرتے ہیں اور آدمی فی الحال ان کو دور کرتا رہتا ہے اور یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ ارادہ کیا کہ اس عورت کیساتھ کوئی فعل ممنوع کیا جائے جیسا کہ عوام نے زعم کیا ہے حتی کہ قصہ خوانوں نے اپنے اپنے قصہ میں عجیب عجیب طور سے بیہودہ گوئی کی کہ عورت کا ازار بند کھولا اور اپنا ازار بند کھولا اور کسی سے اور بڑھ کر کہا کہ کسی مقام پر تخلیہ کیا اور سامان تیار کیا اور کسی اور تجاوز کیا کہ دونوں عورت کے پاس زانو کے درمیان بیٹھے نعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات۔ اور اگر روایت مذکورہ کے یہی معنی فرض کر لئے جاویں تب بھی روایات متروک کی جاویں گی۔ اگر کوئی کہے کہ فعل سے پہلے قصد معفو ہے اور مجرد عزم سے روایات ترک نہیں

ہوسکتی ہین خصوص جبکہ صحابی کی روایت تفسیر مین بمنزلہ مرفوع کے ہی تو جواب یا یا جاوے کہ حدیث صحیح کے موافق نیکی کے قصد پر ایک ثواب
ہے تو مقابلہ مین بدی کا قصد محض ایک گناہ کا ہی اگرچہ بعام رحمت الٰہیہ نے اسکو عفو کردیا ہے پس معصوم پیغمبر سے اسکا ارتکاب ممنوع ہی خصوص جبکہ
عوام پر خواص کا قیاس محض جہالت ہی اور یہ امر محقق مدلل ہی مجرد زعم نہین ہی اور یہ جو کہا کہ تفسیر صحابی حکم مرفوع رکھتی ہے تو اسکے معنی یہ ہین
کہ جو احکام توقیفی ہون یعنی قیاس کو دخل نہو اور سابق قصہ پر محمول نہ ہو وہان مرفوع کا حکم اسلیے ہی کہ ضرور سنکر روایت کیا گیا اور یہان تو
یہ قصہ صریح مرفوع مین کہین مذکور نہین ہی اور اکثر باتین بنواسرائیل و یہود سے لی گئی ہین پس یہان سے تو متعین ہی کہ یہ روایات اہل کتاب سے
ہے جنکی نسبت حضرت عبداللہ بن سلام نے شہادت دی کہ یہودی ایک بہتان باندھنے والی قوم ہی جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث مین
مصرح ہی لہذا اس روایت پر اعتماد نہین ہوسکتا ہی کیونکہ قرآن پاک مہیمن ہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی صفت بیان فرمائی ہی تو جس طرح
اسمین مذکور ہی وہی صحیح ہی اور جو اہل کتاب نے تغیر و تبدیل کرکے بنایا وہ تحریف باطل ہی حتی کہ سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہتے چلے آتے تھے
حالانکہ وہ مثل داؤد علیہ السلام کے پیغمبر تھے جسکو قرآن مجید نے صاف ظاہر کردیا۔ مترجم کو جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہی ہی کہ ہمّ سے
مراد خطرہ ہی جو پیہم دفع کرتے چلے گئے کیونکہ اس صورت مین ثواب جمیل و جزیل ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ القصہ جب ایلچی کی زبانی بادشاہ
نے عورتون کا حال دریافت کرنا سُنا اور ان عورتون سے تفتیش کیا بلکہ اپنی دانست کے موافق تحقیق و اقرار بجا لے لیا تو ایلچی واپس
گیا گویا یہ پیغام دیا کہ عورتون کا یہ حال ہی اور تم نے اسکو کیون دریافت کیا اور علیٰ ہذا اسپر کیون موقوف کیا تو حضرت یوسفؑ نے جواب دیا
ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔ یہ امر اسواسطے مین نے پوچھا کہ وہ شخص جنے مجھے بطور فرزند پرورش کیا تھا اور وہان بادشاہ
کے پاس وزارت پر مامور ہی اور مین جاتا تو ضرور اس سے میرا سامنا ہوتا اور اُسی نے مجھکو یہان قید کیا تھا وہ میرے پیٹھ پیچھے یقیناً
جان لیوے کہ مین نے ہرگز اسکی خیانت نہین کی تھی جبکا مجھ پر الزام عورتون نے لگایا۔ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ
اور اللہ تعالیٰ راہ نہین دیتا خیانت کرنیوالون کے مکر کو یعنی جو کوئی کسی کے کام مین یا کسی امانت مین خیانت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے
مکر کو پورا و ٹھیک رواں نہین ہونے دیتا ہی۔ اگر کہا جاوے کہ ذلک لیعلم الخ۔ اس صورت مین حضرت یوسف کا مقولہ ہی اور اوپر کی
آیت زلیخا کا مقولہ ہی تو اسمین ربط ساقط ہوگا تو جواب یہ پایا جاوے کہ نہین بلکہ قرینہ جب صاف ہوتا ہی تو عبارات حذف ہوتے ہین
جیسے قولہ انا انبئکم بتاویلہ فارسلون یوسف ایہا الصدیق الآیۃ۔ یہین ہی چنانچہ تقدیر کلام اسطرح ہی کہ فارسلون فاجابوہ الی ذلک فارسلوہ
فجاء الی یوسف فکلمہ یا یوسف ایہا الصدیق یعنی جب ساقی نے کہا کہ مجھے بھیجو تو اُنھون نے کہنا مان لیا اور اسکو یوسف کے پاس بھیجا
وہ یہان آیا اور یوسف سے مخاطب ہوکر عرض کرنے لگا کہ یوسف اے میرے بڑے راست گو ہے الی آخرہ اسی طرح یہان ہی کہ بادشاہ
نے اُن کو بلوایا اور آپنے اسکا جواب نہ دیا بلکہ ایلچی سے کہا کہ بادشاہ سے ان عورتون کا حال دریافت کرلا۔ پس ضرور ہی کہ دریافت
کی حکمت پوچھی جاوے کہ تم نے کیون دریافت کیا کیونکہ یہ تو بادشاہ کو معلوم تھا کہ عورتون ہی نے یوسف کو فریب اپنی طرف بلایا
تھا تو اس عجیب واقعہ کا انجام یوسف کی طرف سے کیونکر ہوا یعنی آپکی طرف سے بھی کوئی خواہش کسی طرح ظاہر ہوئی یا نہین
تو انھون نے صاف کہدیا کہ ہرگز نہین ہرگز نہین حاشا للہ اسکی طرف سے تو ہمارا دیکھنا کیا بلکہ ہم کو کچھ معلوم بھی نہین ہوا ہی اور
زلیخا نے کہدیا کہ اب تو سبھی بات سب پر کھل گئی جب یہ حال تھا تو ایلچی مکرر گیا اور اُس نے پوچھا ہوگا کہ یہ کیون دریافت کیا گیا
اور مترجم نے اوپر اشارہ کیا کہ یہان ضرور اس امر کا خطرہ ہوگا کہ اول مین تو وزیر کی نزدیکی سے اسکی جورو اور دیگر عورتون سے

پیشقت پیش آئی اور اب بادشاہ بلاتا ہے تو وہان بھی ایسے خاطرہ مین قدم رکھنا پڑیگا علاوہ اسکے عزیز مصر وہان موجود ہے جنسے مجھے تہمت کیا تھا پس خیانت کا الزام اسکی خاطر مین مثل اور لوگون کے جو مصلحت قید مین شریک تھے موجود ہوگا پس اس تحقیقات کرانے کا فائدہ اور اپنی غرض بیان کردی فافہم واللہ اعلم یہ تفسیر جو مذکور ہوئی ایک جماعت مفسرین کا قول ہے اور عکرمہ سے ابن عباس رضی سے یہی روایت کیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور شیخ ابن کثیر رح نے کہا کہ شیخ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے فقط اسی کو نقل کیا ہے کوئی اور معنی نہین نقل کئے اور شیخ ابن کثیر رح کا ظاہر کلام مشعر ہے کہ زیادہ مشہور و بہت مناسب نہایت لائق یہ معنی ہین کہ قولہ ذلک لیعلم الخ زلیخا کا کلام ہے وہ کہتی ہے کہ چونکہ اسوقت مین حق بات عام طور پر کھل گئی کما قالت الآن حصحص الحق- تو مین اقرار کرتی ہون کہ بیشک مین نے ہی اسکو فریب لبھایا تھا اور مین یہ بھی کہتی ہون کہ انہ لمن الصادقین- وہ سچا ہے کہ اسنے ہرگز کچھ قصد نہین کیا بلکہ مین نے یہ قصد کیا و لیکن ابتدا سے وقت مین حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ مین ایسی پرہیزگاری و تقوی کا خیال سب لوگون کے دلون مین نہ تھا پس اگر زلیخا اسوقت حق بات کہتی تو ضرور لوگ اتہام کرتے کہ جب یہ خود خواہش کرتی تھی تو یوسف کا ضرور ملوث ہوا ہوگا- پھر کس کس سے عذر کیا جاتا اور اب حق بات صاف کھل گئی تو مین نے اقرار کر دیا اور موافق بیان یوسف کے اور مطابق ظاہر حال و اعتقاد کے جو اسکی جانب کمال التقوی و طہارت کا عام طور پر سبکے دلون مین ہے مین بھی تصدیق کرتی ہون اور یہ اسواسطے کہتی ہون کہ عزیز کو یہ معلوم ہوجاوے کہ مین نے دربردہ اسکی خیانت نہین کی لیکن کوئی امر واقع نہین ہوا جیسا کہ یوسف کی طہارت و تصدیق براءت سے ظاہر ہے اور جو شخص خائن ہوتا ہے اسکے مکر کو سرسبزی نہین ہوتی ہے اور جو شخص اللہ تعالی کی امانت اور بندون کی امانت ادا کرتا ہے وہ دنیا و آخرت مین فلاح پاتا ہے-

تمّ الجزء الثاني عشر ويتلوه الثالث عشر من قوله وما أبرّئ نفسي

والحمد لله ربّ العالمين.

تنبیہ الغافلین۔ مسائل دینیہ ۔ ۱۰/
حیرت الفقہ۔ مسائل مشکلہ فقہ از مولوی ابراہیم حسین بنگلوری ۔ ۱/
جواب السائلین۔ بطور استفتا۔ ۲/
کنز الدقائق۔ اردو ترجمہ از مولوی محمد سلطان خان ۔ ۱۲/
چہل مسائل فقہ۔ از مولوی ابراہیم حسین بنگلوری ۔ ۲/
رسالہ تجہیز و تکفین۔ از محمد عمر ۔ ۱/

فقہ فارسی

ہدایہ پیشانی پر اصل عربی اور تحتا مین ترجمہ فارسی مع شرح از علمائے کلکتہ جو مدت سے متداول ہے۔ دو مجلد کامل۔ عــہ/
شرح سفر السعادت۔ از مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی معروف ۔ ۱۲/
گنج ابجد۔ مسمیٰ بہ غایۃ الشعور از ملا محمد شاہ۔ عــہ/
تذکرۃ الجمعہ۔ احکام جمعہ از مولوی عبد السلام ۔ ۴/
تبیان۔ در حکم تمباکو و حقہ از ملا معین الدین ۱/
بدائع منظوم۔ مسائل فقہ نظم فارسی از ملا ناظم علیؒ ۔ ۲/
نام حق۔ مشہور درسی از شیخ شرف الدین بخاری ۔ ۱/
مائۃ مسائل۔ سو مسائل از مولانا احمد اللہ رحمہ اللہ ۔ ۶/
شرح وقایہ فارسی۔ مع حاشیہ ملتقی الابحر از شاہ عبد الحق محدث دہلوی۔ عــہ/
مسلک المتقین۔ مرغوب علماے ولایت از

مولوی آلہ یار خان۔ عــہ/
فتاوی برہنہ۔ جامع ابواب فقہ از مفتی نصیر الدین ۔ ۱۲/
قدوری۔ مترجمہ مولانا ابو القاسم ۔ ۶/
شرح فارسی مختصر وقایہ۔ از عبد الرحمٰن جامی ۔ ۱۵/
کنز فارسی۔ از مفتی نصیر الدین کرانی محشی مع فرہنگ ۔ ۱۳/
مالابد منہ۔ از قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ مع وصیت نامہ ۔ ۱۲/
شرح مختصر وقایہ گورسیری۔ از مولانا جلال الدین سمرقندی۔ ۱۲/
رسالہ تنبیہ الانسان۔ در حلت و حرمت جانوران ۔ ۱/
رسالہ قاضی قطب۔ ذکر ایمان و ارکان /

فقہ عربی

برجندی شرح مختصر وقایہ۔ از مولانا عبد العلی برجندی معتبر شرح ۔ ۳/
فتح القدیر۔ حاوی المتن بقلم جلی ہدایہ اور بقلم خفی فتح القدیر از امام کمال الدین بن الہمام نہایت مستند با عظمت شرح مشہور و معروف اور آخر میں تکملہ زین الدین آفندی کامل چار مجلد ضخامت کلاں ضخیم جدید الطبع۔ ــعــہ/
ہدایہ۔ محشی بحواشی جدیدہ جناب مولانا محمد حسن سنبھلی مرحوم مولانا نے جن فوائد کا اضافہ فرمایا ہے وہ قابل دید ہین ہر چہار جلد کامل دو مجلدات مین بشرح ذیل

(۱) جلدین اولین عبادات۔ للعہ/
(۲) جلدین آخرین معاملات۔ صــہ/
ہدایہ مع شرح الکفایہ۔ از سید جلال الدین کرانی بہت معروف و مستند متداول چار جلد ہین اس شرح ہدایہ پر حاشیے بہت مستند لکھے گئے ہین بہ تفصیل ذیل۔
ہدایہ جلد اول و ثانی تا آخر کتاب النکاح۔ للعہ/
ایضاً جلد سوم و چہارم تا آخر کتاب۔ للعہ/
فتاوی قاضیخان مع سراجیہ از امام قاضی حسن بن منصور قاضی خان مستند معتمد معروف متداول دو جلد کامل۔ معہ/
شرح وقایہ۔ از امام صدر الشریعہ جلی قلم مع کامل حاشیہ ذخیرۃ العقبی یوسف ابن جنید چلپی داخل درس تقطیع کلان خوشخط و صحیح۔ ۱۲/
شرح وقایہ خرد مع دائرہ ہندیہ متوسط قلم ۱۰/
الاشباہ والنظائر مع شرح حموی معروف مستند متداول۔ صــہ/
ملا مسکین۔ از بیوع تا وصایا محشی جدید کابل اور اطراف کابل میں داخل درس ہے۔ ۱۲/
مستخلص الحقائق۔ شرح کنز الدقائق مشہور متداول۔ ۱۲/
عینی شرح کنز الدقائق۔ محشی ہر چہار جلد مستند معروف متداول دو مجلد ہیں۔
(۱) جلدین اولین عبادات ہین۔ عــہ/
مختصر وقایہ محشی۔ از امام صدر الشریعۃ درسی متداول۔ ۱۱/
عمدۃ البضاعۃ۔ فی مسائل الرضاعۃ از

مولوی تراب علی مرحوم - ۱ر
کنز الدقائق عربی جدید حواشی کے ساتھ
قیمت ۱۰ر

اخلاق و تصوف اُردو

جامع الاخلاق۔ ترجمۂ اخلاق جلالی - ۷ر
باب دانش۔ مولفہ مولوی محمد کریم بخش - ۲۰ر
اوقات عزیزی۔ ازسید غلام حیدر خان ۴ر
ترجمۂ عوارف المعارف۔ کامل دو جلد مین
مترجمۂ مولانا ابوالحسن فرید آبادی - ۱۱ر
تزئینۂ دانش۔ ہوشمندی کی تعلیم از مولوی
محمد کریم بخش - ۳۰ر
بحر الحقیقت۔ اصلاح نفس میں - ۴۰ر
انجیات۔ اخلاق و موعظات میں مصنفہ
منشی کامتا پرشاد - ۳۰ر
کیمیاے حکمت۔ حصّہ اول بیان شریف
علم و ادب - ۲۰ر
پیراہن یوسفی۔ اُردو ترجمہ مثنوی مولانا روم
کا نظم شعر بہ شعر اور حاشیہ پر اُردو مین حاصل
مطلب مع فوائد تصوف۔ کامل دو جلد مین
بتفصیل ذیل
(جلد اول) ترجمۂ دفتر ۱ و ۲ و ۳۔ زیر طبع
(جلد دوم) ترجمۂ دفتر ۴ و ۵ و ۶۔ زیر طبع
شجرۂ معرفت محشی۔ منتخبات مثنوی مولانا
روم مترجمۂ سید غلام حیدر صاحب - ۱ر
چشمۂ فیض۔ نظم ترجمہ اُردو پند نامۂ عطار
کلام عارف کامل حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہٗ
از مولوی عبدالغفور خان بہادر - ۲ر

مذاق العارفین۔ ترجمۂ احیاء علوم الدین عربی
ہر چہار جلد کامل ۵ر
تہذیب احسانی۔ مولفہ حکیم احسان علی - ۳ر

کتب اخلاق فارسی (اہل سنت)

گلستان جلی قلم کاغذ سفید گندہ محررۂ منشی
شمس الدین صاحب اعجاز رقم مرحوم ۱ر
گلستان مع فرہنگ۔ متوسط قلم آخر مین
مشکل معانی کی فرہنگ کاغذ حنائی و سفید ۱۲ر
گلستان باتصویر۔ کاغذ حنائی و سفید رسمی
۹ر
گلستان مع فرہنگ۔ متوسط قلم رسمی محررۂ
منشی شمس الدین صاحب مرحوم - ۸ر
گلستان محشی اُردو۔ اسپر طلبا کی آسانی کے
لئے اُردو کے حواشی دیے گئے ہین - ۱۴ر
شرح گلستان۔ از شیخ ولی محمد صاحب
اکبر آبادی شارح مثنوی مولانا روم اس مین
تصوف کے نکات کو خوب حل کیا ہے - ۱۳ر
گلستان مترجم۔ فارسی با ترجمہ اُردو - ۱۲ر
گلستان خرد۔ فارسی - ۵۰ر
تضمین گلستان سعدی۔ منشی ہرگوپال صاحب
تفتہ سکندرآبادی نے اس صفائی سے گلستان
کے اشعار کو تضمین کیا ہو کہ سعدی اور تفتہ کے
کلام مین فرق کرنا بھی دشوار ہے - ۶ر
بہارستان جامی۔ اخلاق و نصائح مین
قابل قدر کتاب ہے از مولانا جامی - ۵ر
خارستان۔ حکایات پند و نصائح بطرز
گلستان سعدی از ملا مجدالدین - ۸ر

عقد گل و عقد منظوم۔ یعنی انتخاب
گلستان و بوستان - ۹ر
بوستان جلی قلم۔ محررۂ منشی شمس الدین صاحب
اعجاز رقم مرحوم کاغذ سفید حنائی - ۱ر
بوستان محشی کلان۔ اس میں ضروری
حواشی درج ہین - ۱۳ر
بوستان محشی متوسط قلم۔ چھاپہ مطبع علوی
نہایت ہی صحیح اور صاف چھپی ہے - ۸ر
بوستان محشی خرد - ۵۰ر
بوستان مترجم منظوم۔ معمولی ترجمہ نہیں ہے
بلکہ کمال یہ ہے کہ بوستان کی بحر مین
ہر شعر کا شعر مین ترجمہ کیا ہے از منشی
گوبند پرشاد فضا - ۱۳ر
بہار بوستان۔ بوستان کی جامع شرح از منشی
ٹیکچند بہار صاحب بہار عجم بمثل شرح ہے - ۸ر
اخلاق جلالی محشی۔ منشی فاضل کے کورس مین
ہو اور عموماً طلبا کے درس مین داخل ہے - ۱ر
اخلاق ناصری۔ منتہیان فارسی کے درس مین
داخل ہو۔ اور اخلاق مین بڑے پایہ کی کتاب ہے
از علامہ نصیرالدین طوسی کاغذ سفید گندہ - ۱ر
اخلاق محسنی۔ داخل درس از ملا حسین واعظ
کاشفی - ۸ر
مثنوی سلسبیل۔ اخلاق و موعظت مین ایک دُر
بے بہا ہو از حکیم منور حسین صاحب امروہوی - ۲ر
مجموعۂ صد پند سودمند۔ حضرت لقمان کے
سو قابل قدر نصائح - ۲ر ۲ پائی

المشتہر منیجر صیغہ بکڈپو نولکشور پریس لکھنو

DUE DATE